اُسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیاتِ طیبہ، علم وعمل، امن آشتی، عدل وانصاف،
شفقت ورافت، عزم وہمت، جرأت وشجاعت، صِدق وصفا اور اخلاق
وتمدن کے دلآویز دل پذیر اور دلنشین تذکروں پر مشتمل تاریخی کتاب



مولانا عبدالسلام ندوی رحمہ اللہ

دار القدس
DAR-UL-QUDAS

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

www.KitaboSunnat.com

اُسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم کامل



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب: .... اُسوۂ صحابہؓ کامل

مؤلف: .... مولانا عبدالسلام ندویؒ

ناشر: .... دارُالقدس پبلشرز

دارُالقدس
ڈسٹری بیوٹرز اینڈ پبلیشرز
اُردو بازار لاہور 042-37221565-0300-7452885

اُسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم کامل

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیاتِ طیبہ، علم و عمل، امن و آشتی، عدل و انصاف، شفقت و رافت، عزم و ہمت، جرأت و شجاعت، صدق و صفا اور اخلاق و تمدن کے دلآویز دل پذیر اور دلنشین تذکروں پر مشتمل تاریخی کتاب

مولانا عبد السلام ندوی رحمہ اللہ

دار القدس
ڈسٹری بیوٹرز اینڈ پبلیشرز
اردو بازار لاہور 042-37221565-0300-7452885

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

اُسوۂ صحابہؓ جلد اوّل

فہرست

اسوۂ صحابہؓ جلد دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

اسوۂ صحابہؓ کا پہلا ایڈیشن جب شائع ہوا تو وہ اگر چہ اس قدر مقبول عام ہوا کہ لوگوں نے اس کی تنقید کی طرف بہت کم توجہ کی - تاہم بہ مقتضائے فطرتِ انسانی اس میں جا بجا غلطیاں تھیں اور وہ صرف کتابت ہی کی غلطیوں تک محدود نہ تھیں بلکہ بعض مقامات پر خود مجھ سے نقل و ترجمہ و ادائے معنی و مطالب میں متعدد غلطیاں ہوگئی تھیں، بعض لوگوں نے ان کی طرف توجہ دلائی تو اسی وقت میں نے ارادہ کرلیا کہ جب اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوگا تو میں تمام و کمال دوبارہ اس کتاب پر نظر ثانی کروں گا - اور اس وقت ان تمام غلطیوں کی اصلاح ہو جائے گی، چنانچہ امسال اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے طبع و اشاعت کی باری آئی - تو میں نے اس پر نظر ثانی کی اور صرف عبارت و کتابت کی اصلاح تک اپنی کوشش کو محدود نہیں رکھا، بلکہ ایک ایک روایت کی تطبیق کی اور اس کو اصل کتاب سے ملایا - اسی طرح تمام آیاتِ قرآنی کی تصحیح کی - اسی سلسلے میں اور بھی متعدد واقعات نظر سے گزرے جن کا اضافہ کیا اور بعض چیزیں حذف کردیں اگر چہ اس کوشش کے بعد بھی تیری؟ نفس کا دعویٰ نہیں، تاہم صحت کی کوشش بہت کی ہے اور عبارت میں بہت کچھ تغیر کیا ہے - بعض روایتوں کی تطبیق و تصحیح میں ہمارے عزیز رفیق مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی نے مجھ کو مدد دی ہے اس لئے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں -

عبدالسلام ندوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ علٰی رَسُوۡلِہٖ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ۝

انسان کے فرائض میں سب سے مقدم اور سب سے اہم فرض یہ ہے کہ اخلاق انسانی کی اصلاح اور نفوس بشری کی تہذیب و تکمیل کی جائے، علوم وفنون، تہذیب وتمدن، صنعت وحرفت، غرض وہ تمام چیزیں جو ہمیشہ سے دنیا کا سرمایہ ناز رہی ہیں، آسمان کی ہزاروں گردشوں اور زمانہ کے ہزاروں انقلابات کے بعد عالم وجود میں آئیں، لیکن تہذیبِ نفوسِ انسانی کا فرض اس قدر ضروری تھا کہ دنیا کا پہلا انسان، آدمؑ، دنیا میں آیا تو اس کی ذمہ داریوں سے گرانبار ہوکر آیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اس سلسلے کو زیادہ ترقی ہوئی اور بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر پیدا ہوئے لیکن ان سب کے فضائل ومناقب کا مجموعہ محمد ﷺ کی ذات پاک تھی جہاں پہنچ کر یہ سلسلہ ابدالاباد تک کے لئے مکمل ہوگیا اور وحی الٰہی نے یہ مژدہ سنایا۔ ﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الا سلام دینا،﴾

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس برگزیدۂ اصفیاء اور عصارۂ انبیاء یعنی سرور کائنات محمد ﷺ نے اس مقدس فرض کو کس وسعت اور کس جامعیت کے ساتھ ادا کیا؟ اور نفوس بشریہ کو تہذیبِ اخلاق کے کس ذروہ کمال تک پہنچایا؟ تو اس کا جواب ہم کو اسلام کے ان مقدس بزرگوں کے فضائل اخلاق کی خاموش زبان سے دینا ہوگا جو آپؐ کے اخلاق واعمال کے مظہر اتم اور آپ کی تعلیم وتربیت کی مثال ہیں آپ کی ہدایت وارشاد کے مخاطب اول اور آپؐ کے فیض صحبت سے شب وروز بہرہ اندوز تھے۔

اس مقدس جماعت کی نشوونما بھی دنیا کے حیرت انگیز واقعات کی ایک عجیب و

غریب مثال ہے، اول اول جب رسول اللہ ﷺ نے اہل عرب کو عقائد و اعمال کے اصلاح کی دعوت دی تو ریگستانِ عرب کے ایک ذرّے نے بھی اسکا جواب نہ دیا، لیکن صداقت کے اثر اور تربیت پزیری کے جوہر نے چند ہی دنوں میں آپؐ کے آگے پیچھے، دائیں بائیں غرض ہر طرف ان بزرگوں کی قطاریں کھڑی کر دیں جن کے وجود سے دعوتِ نوح بعثتِ موسیٰ اور نبوت عیسیٰ کی تاریخ اکثر خالی ہے، ابتداً ان بزرگوں کا نام انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا ہجرت کے زمانہ تک ان میں معتد بہ اضافہ ہوا، اور غزوہ بدر کی صف مین تین سو تیرہ سرفروش تیغ بکف نظر آئے۔ فتح مکہ میں یہ تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی اور حجتہ الوادع میں تیرہ ہزار صحابہ آپؐ کے جلو میں روانہ ہوئے لیکن جب آپؐ نے انتقال فرمایا تو یہ تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔

دریائے حق کے جزر و مد کا یہ کتنا عجیب و غریب منظر ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام مدتوں توحید کا غلغلہ بلند کرتے رہے لیکن ان کے سائے کے سوا کسی نے ان کا ساتھ نہ دیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انصار و اعوان کی جستجو میں ''من انصاری الی اللہ، کا نعرہ لگایا لیکن چند حوارین کے سوا کسی نے ان کی حمایت نہ کی لیکن رسول اللہ ﷺ نے دنیا کو چھوڑا تو اس آفتاب عالمتاب کے نور سے ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ روشن تھا، لیکن دوسرے پیغمبروں پر آپؐ کو صرف یہی فضیلت حاصل نہیں ہے کہ آپ کے اصحاب کی تعداد اکثر پیغمبروں کے اصحاب سے زیادہ ہے بلکہ آپ کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آپ کے نور ہدایت نے جن ذروں کو روشن کر دیا تھا وہ اب تک اسی آب و تاب کیساتھ چمک رہے ہیں اور گم گشتگانِ راہ انھیں ستاروں کی روشنی میں اصحابی کالنجوم اپنی منزل مقصود کا پتا لگا رہے ہیں، اگر ہم شناورانِ طوفان نوحؑ کے حالات کا پتہ لگانا چاہیں تو ناکامی کے سوا ہم کو کیا ملے گا؟ اگر ہم معتکفانِ وادیِ تیہ کے اخلاق و عادات سے واقف ہونا چاہیں تو خاک بیزی کے سوا کیا حاصل ہوگا؟ اگر ہم حوارین عیسیٰ کے سوانح تلاش کریں تو چند غیر مرئی نقوش کے سوا ہم کو تاریخ کے صفحوں میں کیا نظر آئے گا۔ لیکن اصحاب محمدؐ کے ایک ایک خط و خال کو ہم تاریخ کے مرقع میں دیکھ سکتے ہیں اور اس مرقع کو مذہبی، علمی، سیاسی، اخلاقی غرض ہر حیثیت سے دنیا کے سامنے فخر کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں۔

تاریخ کے اسی خاص سلسلے کا نام سیر الصحابہ ہے اور علمائے اسلام کو اس سلسلہ کی تدوین و ترتیب کا خیال اس بناء پر پیدا ہوا کہ روایات میں سب سے پہلے صحابہؓ کرام ہی کا نام

آ تا ہے- یہی وجہ ہے، کہ اول اول محدثین نے اس کی طرف توجہ کی اور صحابہ کرام کے حالات میں سب سے پہلی کتاب امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ نے تصنیف کی جس کا نام اسماء الصحابہ تھا اور جس کا کچھ حصہ علامہ ابوالقاسم بغوی کبیر نے اپنی کتاب معجم الصحابہ میں نقل کیا ہے- [1] اس کے بعد اس فن کو بہت زیادہ ترقی ہوئی اور بکثرت علماء مثلاً ابوبکر بن ابوداؤد عبدان مطین، ابوعلی بن السکن، ابوحفص بن شاہین، ابومنصور ماوردی، ابوحاتم بن حبان اور طبرانی وغیرہ نے اس موضوع پر کتابیں تصنیف کیں لیکن ان میں سب سے زیادہ ابوعبداللہ مندہ، ابونعیم اور قاضی ابوعمر بن عبدالبر کی کتابیں مقبول ہوئیں اور انہیں کو تمام متاخرین نے اپنی کتابوں کا ماخذ قرار دیا-

یہ کتابیں اگرچہ قدماء کی کتابوں سے زیادہ جامع تھیں تاہم ان میں بھی بہت سے صحابہؓ کے حالات رہ گئے تھے اس لئے متعدد علماء نے ان پر ذیل لکھے، چنانچہ ابوالموسیٰ المدینی نے عبداللہ بن مندہ کی کتاب پر اور ابوبکر بن فتحون اور ابوعلی غسانی نے قاضی عبدابر کی تصنیف پر ذیل لکھا اور اس میں بہت سے صحابہؓ کے حالات کا اضافہ کیا لیکن یہ تمام کتابیں ناپید ہیں- صرف قاضی عبدالبر کی کتاب استیعاب دوجلدوں میں موجود ہے جس میں ساڑھے تین ہزار صحابہ کے حالات مذکور ہیں اور ابن فتحون نے جو ذیل لکھا تھا اس میں قریب قریب اسی قدر ناموں کا اور اضافہ کیا تھا-[2]

ان سب کے بعد علامہ ابن اثیر جزری (المتوفی ۶۳۰ھ) نے صحابہؓ کے حالات میں ایک نہایت مبسوط کتاب لکھی جس کا نام اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہؓ ہے اس کتاب میں سات ہزار پانچ سو چون صحابہؓ کے حالات ہیں اور اس کا ماخذ ابن مندہ قاضی عبدالبر وابونعیم اور ابوموسیٰ کی کتابیں ہیں جن میں صحابہ کے جس قدر حالات مذکور تھے علامہ موصوف نے ان سب کو اپنی کتاب میں یکجا جمع کر دیا اور ذیل ابوعلی غسانی وغیرہ کی مدد سے بہت سے ناموں کا اضافہ کیا اس کے ساتھ اور بھی بہت سی کتابوں سے مدد لی اور سب کی مختلف خصوصیات کو ایک جگہ جمع کر دیا لیکن اس کتاب میں بھی بہت سے ایسے لوگوں کے نام آ گئے ہیں جو صحابی نہ تھے اس لئے علامہ ذہبی نے تجرید الصحابہؓ کے نام سے ایک کتاب لکھی جسمیں ان غلطیوں کی اصلاح کی اور

---

[1] مقدمہ اصابہ وکشف الظنون ۱۲-

[2] مقدمہ اصابہ واسد الغابہ

آٹھ ہزار صحابہ کے ناموں کا اور اضافہ کیا۔[1]

اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے پانچ جلدوں میں ایک نہایت مفصل کتاب لکھی جس کا نام "اصابہ فی تمیز الصحابہ" رکھا اور اس میں ان تمام صحابہؓ کے علاوہ جو استیعاب، ذیل استیعاب اور اسد الغابہ میں مذکور ہیں اور بہت سے صحابہ کے حالات کا اضافہ کیا اور حافظ جلال الدین سیوطی نے "عین الاصابہ" کے نام سے اس کا ایک خلاصہ لکھا جو ناتمام رہا۔[2] لیکن بایں ہمہ ضبط و استقصاء یہ کل سرمایہ اس دریا کا صرف ایک قطرہ ہے جو مدتوں ریگستانِ عرب میں موجیں مارتا رہا، ابوزرعہ کا قول ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یا آپ سے سنا ان کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی[3]

بہر حال صحابہؓ کے حالات میں سردست جو کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں وہ صرف یہی استیعاب، اسد الغابہ، اصابہ اور تجرید اسماء الصحابہ ہیں، لیکن ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابوں سے صحابہؓ کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں، مثلاً حافظ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ میں ان تمام صحابہؓ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے مصر میں قیام کیا ہے طبقات الحفاظ اور طبری میں بھی اکابر صحابہ کے حالات مذکور ہیں اور طبقات ابن سعد کی متعدد جلدوں میں بھی صحابہ کے مفصل حالات ملتے ہیں۔

لیکن ابتک بار بار مشک کے رگڑنے کی ضرورت باقی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ان کتابوں کے ذریعہ سے صحابہ کرامؓ کے عام حالات معلوم ہو سکتے ہیں لیکن اس زمانہ کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مقدس زندگی کو دنیا کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے جس سے لوگوں میں شوق عمل پیدا ہو اور اس مثال کو پیشِ نظر رکھ کر لوگ خود بخود اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کی طرف مائل ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور تجدید و اصلاح میں ہندوستان کے مجدد اعظم مولانا شبلی مرحوم کو جب مسلمانوں کی ترقی و اصلاح کا خیال پیدا ہوا تو انہوں نے اسی تریاق اکبر کو اس درد کا علاج قرار دیا اور ہمیشہ اس فکر میں رہے کہ صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب اس

---

[1] مقدمہ تجرید اسماء الصحابہ، مقدمہ اسد الغابہ، مقدمہ اصابہ

[2] کشف الظنون ذکر اصابہ و عین الاصابہ

[3] مقدمہ تجرید اسماء الصحابہ

ترتیب و جامعیت کے ساتھ لکھے جائیں کہ دنیا کے سامنے معاشرت و اخلاق اور عبادات و معاملات کا بہترین عملی مجموعہ آ جائے چنانچہ ایک بار مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نے اس مقدس کام کے لئے آمادگی ظاہر کی تو یہ دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی اور ان کو ایک خط میں لکھا:

"واللہ میرے دل کی بات چھین لی، صحابہؓ کے حالات سے بڑھ کر کوئی چیز ہمارے لئے نمونہ نہیں بن سکتی، لیکن ہر پہلو کو لیجئے اور ان پہلوؤں کو صاف دکھلایئے جن سے آجکل کے مولوی قصداً چشم پوشی کرتے ہیں۔"

مفصلہ ذیل کتابیں اس کیلئے ضروری ہیں، استیعاب قاضی عبدالبر، اسد الغابہ اصابہ، ابن کثیر شامی،"[1]

سیرتِ نبوی کی تدوین و تالیف میں مصروف ہوئے تو یہ ضرورت اور بھی شدت کے ساتھ محسوس ہوئی اور عملاً اس کام کی تکمیل کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ مولوی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ ریاست بھوپال کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

سیرت کی رقم بھی مستقل ہو جاتی تو بہت اچھا ہوتا، اس مد کی تصنیف کا مستقل سلسلہ قائم رہتا کانوں میں بھنک تو ڈال دیجئے وسیع سلسلہ ہے مثلاً سیر الصحابہ سیر ازواج پیغمبر علیہ السلام وغیرہ۔[2]

لیکن ابھی خود سیرت بھی مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ ع

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

تاہم کاروانِ رفتہ کا نقش قدم باقی تھا، یعنی مولانائے مرحوم کے فرزندان روحانی باقی تھے اور ان کے غیر مختتم اعمال صالحہ کی تکمیل کیلئے اپنی زندگیوں کو وقف کر چکے تھے، اس لئے انہوں نے سیرت نبوی کی تکمیل کے ساتھ سیر الصحابہ کی تدوین و تالیف کا کام بھی شروع کر دیا اور الحمدللہ کہ توفیق ایزدی نے ان کو اس ارادہ میں کامیاب کیا، اور مولانائے مرحوم نے اس کتاب کا جو ذہنی خاکہ قائم کیا تھا اسی کے مطابق کتاب کی تدوین و تالیف کا سلسلہ جاری ہوا اور تین شخصیتوں نے اس مقدس کام میں شب و روز مصروف و سرگرم رہ کر اس کو درج ذیل طرز پر مکمل کیا

---

[1] مکاتیب شبلی جلد اول صفحہ ۲۲۴

[2] مکاتیب شبلی جلد اول صفحہ ۲۶۸

(۱) ایک شخص نے متعدد جلدوں میں مہاجرین کے حالات لکھے جس میں عشرۂ مبشرہ کے لئے ایک حصہ مخصوص کرلیا گیا اور بقیہ حصے عام مہاجرین کے حالات میں لکھے گئے۔

(۲) ایک شخص نے انصار کے حالاتِ زندگی متعدد جلدوں میں لکھے، جس میں خلفائے انصار کے تذکرے بھی شامل ہیں۔

(۳) اسی سلسلے میں صحابیات کے حالات بھی ایک مستقل جلد میں لکھے جس میں مہاجرات اور انصاریات دونوں کے حالات ہیں۔

(۴) سادہ حالاتِ زندگی کے علاوہ ایک جلد میں صحابہ کرامؓ کے عقائد، عبادات، معاملات معاشرت، اخلاق وسیاست اور کارنامہائے زندگی کی تفصیل کی گئی اور یہ اس کا پہلا حصہ ہے جو اس وقت قوم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

انبیاء صوفیا اور پیشوایان مذہب کے متعلق جو مبالغہ آمیز اور موضوع روایتیں پیدا ہو جاتی ہیں وہ قدرتی طور پر صحابہ کرامؓ کے متعلق بھی پیدا ہوئیں اور اس شدت کے ساتھ اسلامی لٹریچر میں سرایت کر گئیں کہ عام طور پر فضائل ومناقب کے لفظ سے اسی قسم کی روایتوں کی طرف ذہن متبادر ہوتا ہے لیکن اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس قسم کی دوراز کار روایات کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے اور تمام واقعات اسماء الرجال اور تاریخ کی مستند کتابوں سے بہم پہنچائے گئے ہیں اور جہاں تک ہوسکا ہے تاریخ ورجال کی کتابوں کے علاوہ صحاح ستہ بالخصوص صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے مدد لی گئی ہے۔

کتاب کی مقبولیت وعدم مقبولیت کا تمامتر دارو مدار خدا کے فضل وکرم، قوم کے مذہبی احساس اور ذوق صحیح پر ہے لیکن کتاب کی ترتیب میں جو کدوکاوش کی گئی ہے۔صحت کا جو التزام کیا گیا ہے فضائلِ اخلاق کے جو عنوانات قائم کئے گئے ہیں۔صحابہ کرامؓ کی زندگی کے ایک ایک خدوخال کو جس طرح نمایاں کیا گیا ہے اس کے لحاظ سے یہ دعویٰ بے جا نہ ہوگا کہ اس موضوع پر آج تک ایسی جامع کتاب اردو فارسی کیا عربی میں بھی نہیں لکھی گئی، لیکن اس کتاب کی تدوین وتالیف کا یہ مقصد نہیں ہے کہ قوم سے صرف حسنِ قبول کا تمغہ حاصل کیا جائے، بلکہ اصلی مقصد یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اس کتاب کی برکت سے قوم میں وہی اخلاقی مذہبی اور علمی روح پیدا کردے جو صحابہ کرامؓ کے قالب میں موجود تھی، اس بنا پر اگر قوم نے اس حیثیت سے اس کتاب کا خیر مقدم کیا تو وہی ان ناچیز کوششوں کا صلہ ہوگا جو اس کتاب کی تدوین وترتیب میں کی گئی ہیں السعی منی والا تمام مِنَ اللّٰہ

عبد السلام ندوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہِ الکریم

مقدمہ

صحابی کی تعریف:-

عہدِ رسالت میں بہت سے بزرگوں نے مدتوں جناب رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا، بہت سے بزرگوں نے آپ کے ساتھ متعدد غزوات میں شرکت کی تھی، بہت سے بزرگوں نے آپ سے بکثرت احادیث کی روایتیں کی تھیں۔[1] بہت سے بزرگوں نے مسلمان ہوکر سنِ بلوغ میں آپ کو دیکھا تھا،[2] بہت سے بزرگوں نے آپ کو قبل اسلام تو دیکھا تھا لیکن بعد اسلام ان کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا[3] بہت سے لوگ گو عہد رسالت میں موجود تھے، لیکن ان کو آپ سے ملنے یا آپ کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔[4] بہت سے لوگوں نے آپ کی زندگی میں تو آپ کو نہیں دیکھا، لیکن آپ کی وفات کے بعد ان کو آپ کا دیدار نصیب ہوا اور ان کے علاوہ بہت سے بچے تھے جو آپ کے مبارک عہد میں پیدا ہوئے۔[5] اور صحابہ کرامؓ نے حصول برکت کے لئے ان کو آپ کی خدمت میں حاضر کیا اور آپؐ نے ان کا نام رکھا اور ان کو دعا دی،[6] اب سوال یہ ہے کہ ان مختلف الحیثیات بزرگوں میں کون لوگ ہیں جن پر لفظ صحابی کا اطلاق کیا جاسکتا ہے؟ اور وہ صحابہ رسول اللہ ﷺ کے مقدس خطاب سے یاد کئے جاسکتے ہیں۔

1. مثلاً خلفائے راشدین اور تمام اکابر صحابہؓ
2. مثلاً شرکائے حجۃ الوداع
3. مثلاً ورقہ بن نوفل
4. مثلاً حضرت اویس قرنی اور احنفؒ بن قیس
5. مثلاً ابن ابی دویب الہندی شاعر
6. مثلاً عبید اللہ بن الحارث بن نوفل، عبد اللہؓ بن ابی طلحہ الانصاری اور محمد بن ابی بکر الصدیق جو آپ کی وفات سے تقریباً تین مہینے پیشتر حجۃ الوداع کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے۔

۱-محدثین کی ایک جماعت اور جمہور اصولیین نے صحابی ہونے کی لئے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کو ایک مدت تک رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نشست و برخاست کا موقع ملا ہو، کیونکہ عرف عام میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا ساتھی یا رفیق ہے تو اس سے صرف یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے ایک کافی زمانہ تک اس کی صحبت اٹھائی ہے جو لوگ کسی شخص کو محض دور یا قریب سے دیکھ لیتے ہیں اور ان کو اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور بات چیت کرنے کا موقع نہیں ملتا، ان کو عام طور پر اس کا رفیق و ساتھی نہیں کہا جاتا قاضی ابوبکر محمد بن الطیب کا قول ہے کہ باتفاق اہل لغت صحابی صحبت سے مشتق ہے مگر صحبت کی کسی مخصوص مقدار سے مشتق نہیں بلکہ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوسکتا ہے جس نے کم یا زیادہ کسی کی صحبت اٹھائی ہو، اس لیے کہا جاتا ہے کہ میں نے ایک سال یا ایک مہینہ یا ایک دن یا ایک گھڑی تک ایک شخص کی صحبت اٹھائی، اس لئے صحبت کی تھوڑی یا زیادہ مقدار دونوں پر صحبت کا اطلاق ہوسکتا ہے لیکن اس کے ساتھ عرفاً

ا۔صحابی صرف اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جس نے کسی کی طویل صحبت اٹھائی ہو، عرفاً اس شخص کو صحابی نہیں کہہ سکتے جس نے کسی سے ایک گھنٹہ کی ملاقات کی ہو یا اس کے ساتھ چند قدم چلا ہو یا اس سے کوئی حدیث سنی ہو۔ [1]

بلکہ حضرت سعید بن مسیبؒ کے نزدیک صحابی صرف اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو ایک غزوات میں شرکت کا موقع ملا ہو اور کم از کم اس نے سال دو سال تک آپ ؐ کے ساتھ قیام کیا ہو۔

۲-بعض لوگوں کے نزدیک صحابی صرف اس کو کہتے ہیں، جس نے رسول اللہ ﷺ سے احادیث کی روایت کی ہو۔

۳-بعض لوگوں کے نزدیک صحابی ہونے کے لئے صرف طویل صحبت کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس نے آپ ؐ کی صحبت بغرض حصول علم و عمل اختیار کی ہے، چنانچہ علامہ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ا ص ۱۲

قال ابو الحسین فی المعتمد هو من طالت مجالسة له علی طریق التبع له والاخذ عنه امامن طالت بدون قصد الاتباع اولم تطل کالو افدین فلا [1]

ابوالحسین نے معتمد میں کہا ہے کہ صحابی وہ ہے جس نے بطریق اتباع آپ کی طویل صحبت اٹھائی ہو اور آپ سے علم حاصل کیا ہو۔ جن لوگوں نے اس کے بغیر آپ کی طویل صحبت اٹھائی یا اس مقصد کو تو پیش نظر رکھا لیکن طویل صحبت نہیں اٹھائی مثلاً وفود میں آنے والے لوگ، تو وہ صحابی نہیں۔

۴۔ بعض لوگ ہر اس مسلمان کو صحابی کہتے ہیں جس نے حالتِ بلوغ اور حالتِ صحت عقل میں آپؐ کو دیکھا ہو۔

۵۔ بعض لوگوں کے نزدیک آپ کا دیکھنا بھی ضروری نہیں بلکہ ہر اس مسلمان کو صحابی کہہ سکتے ہیں جو عہد رسالت میں موجود تھا، چنانچہ قاضی عبدالبر نے اپنی کتاب استیعاب میں اور ابن مندہ نے اپنی کتاب معرفتہ الصحابہ میں اسی شرط کی بناء پر صحابہؓ کے ساتھ بہت سے ان لوگوں کا تذکرہ بھی کیا ہے جو آپ کے عہد میں موجود تھے مگر آپ کو دیکھا نہیں تھا، لیکن درحقیقت یہ لوگ صحابی نہ تھے بلکہ اس سے مقصود یہ تھا کہ اس زمانہ کے تمام لوگوں کے حالات کا استقصاء کر لیا جائے۔

۶۔ محدثین کی ایک جماعت جس میں امام احمد، علی بن مدینی اور امام بخاری بھی شامل ہیں، صحابی کا خطاب صرف ان لوگوں کو دیتے ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو حالتِ اسلام میں دیکھا ہے بلکہ آنکھوں سے دیکھنا بھی ضروری نہیں صرف آپ کی ملاقات کافی ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ اندھے تھے اس لئے آپ کو آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے تھے، لیکن بااین ہمہ ان کا شمار صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے کیونکہ ان کو آپؐ کا شرف ملاقات حاصل تھا۔

ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ لغت کی رو سے ہر اس شخص کو صحابی کہہ سکتے ہیں جس نے زمانہ کی کسی ساعت میں ایک شخص کی صحبت اٹھائی ہے، امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ وہ

---

[1] فتح المغیث ص ۳۷۱۔

شخص جس نے ایک مہینہ یا ایک دن یا ایک منٹ تک رسول اللہ ﷺ کی صحبت اٹھائی یا آپ کو صرف دیکھا وہ صحابی ہے۔[1]

ان تمام اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ آپ کے عہد مبارک میں پیدا ہو کر سنِ بلوغ کو نہیں پہنچے وہ صحابی نہیں ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی اصابہ میں لکھتے ہیں۔

ذکر اولئک فی الصحابۃ انما ہو علی سبیل الا الحاق لغلبۃ الظن علی انہٗ صلی اللہ علیہ وسلم راھم[2]

"صحابہ میں ان بچوں کا ذکر بالکل الحاقی ہے کیونکہ ظن غالب یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھا ہوگا۔"

لیکن بعض لوگوں کے نزدیک یہ لوگ بھی صحابہ کے گروہ میں داخل ہیں چنانچہ مولانا عبدالحئی صاحب ظفر الامانی میں لکھتے ہیں۔

والمرجح ھو دخولہ فیھم نعم حدیثھم مرسل لکنہ مرسل مقبول،[3]

مرجح یہ ہے کہ یہ لوگ بھی صحابہؓ میں داخل ہیں البتہ ان کی حدیث مرسل ہے، لیکن وہ مرسل مقبول ہے۔

اسی طرح جن لوگوں نے آپؐ کو بعد وفات دیکھا تھا وہ بھی صحابہؓ کی جماعت میں داخل نہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی مقدمہ اصابہ میں لکھتے ہیں۔

والراجح عدم الدخول[4]

قول راجح یہ ہے کہ یہ لوگ صحابی نہیں ہیں۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ا ص ۱۲

[2] مقدمہ اصابہ ص ۵

[3] کتاب مذکور ص ۳۰۷

[4] مقدمہ اصابہ ص ۸

جو مسلمان آپ کے زمانے میں موجود تھے، لیکن ان کو آپ کا دیدار نصیب نہیں ہوا وہ بھی صحابی نہیں ہیں، چنانچہ حضرت اویس قرنی ؓ اسی قسم کے بزرگ ہیں۔

جن لوگوں نے اسلام لانے سے پہلے آپ کو دیکھا تھا لیکن اسلام لانے کے بعد ان کو آپ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی وہ بھی صحابی نہیں ہیں بلکہ ان کا شمار کبار تابعین میں ہے [1]

اب ان اقوال کے مطابق صرف ان لوگوں کو صحابی کہا جا سکتا ہے،

۱۔ جنہوں نے ایک مدت تک آپ ؐ کا شرف صحبت حاصل کیا ہے۔

۲۔ یا کم از کم ایک غزوہ میں آپ ؐ کے ساتھ شرکت کی ہے۔

۳۔ یا آپ ؐ سے احادیث کی روایت کی ہے۔

۴۔ یا آپ ؐ کی صحبت حصولِ علم و عمل کے لئے اختیار کی ہے۔

۵۔ یا مسلمان ہونے کے ساتھ آپ ؐ کو حالتِ بلوغ و حالت ثبات عقل میں دیکھا ہے یا آپ ؐ سے ملاقات کی ہے۔

۶۔ یا حالتِ اسلام میں محض آپ ؐ کو دیکھا ہے یا ملاقات کی ہے۔

ان اقوال میں چھٹا یعنی آخری قول جمہور کے نزدیک سب سے زیادہ صحیح اور عام مسلمانوں میں مقبول ہے کیونکہ یہ ان تمام صحابہؓ کو شامل ہے جن سے احادیث کی روایت کی جا سکتی ہے، اور ان کو اسوۂ حسنہ بنایا جا سکتا ہے اس کے بعد پہلا یعنی اصولیین کا قول قابل اعتماد ہے کیونکہ اس سے اگرچہ بہت سے وہ صحابہؓ جنہوں نے صرف رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا، لیکن آپ کے فیض صحبت سے کافی زمانہ تک متمتع نہیں ہوئے تھے صحابہؓ کی جماعتُ سے نکل جاتے ہیں تاہم اس کے ذریعے سے صحابیت کا ایک بلند معیار قائم ہوتا ہے اور تمام اکابر صحابہؓ اس میں شامل ہو جاتے ہیں ان کے علاوہ اور تمام اقوال، رحہ اعتبار سے گرے ہوئے ہیں کیونکہ ان میں بعض اس قدر وسیع اور عام ہیں کہ عہدِ رسالت کا ہر مسلمان صحابہ کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے اور بعض اس قدر محدود ہیں کہ بہت سے کبار صحابہ صحابیت کے گروہ سے نکل جاتے ہیں اس کے علاوہ فضیلت کا دارومدار صرف علم و عمل پر ہے اصولیین نے صحابہؓ کی جماعت پر اخذ مسائل اور روایت

---

[1] ظفر الامانی ص ۳۰۸

حدیث کے لحاظ سے نظر ڈالی اس لئے انہوں نے صرف اس شخص کو صحابی قرار دیا جس نے مدت تک آنحضرت ﷺ کا شرف صحبت حاصل کیا لیکن جمہور کے نزدیک صحابیت کا معیار صرف زہد و تقدس ہے اس لئے وہ ہر اس شخص کو صحابی کہتے ہیں جس نے حالت اسلام میں آپ کو دیکھا ہے یا آپ سے ملاقات کی ہے۔

صحابہؓ کی تعداد:

صحابہؓ کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان سے صحابہؓ کی تعداد کا صحیح پتہ لگانا سخت مشکل ہے اور اس کو خود ان کتابوں کے مصنفین تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری اسد الغابہ میں لکھتے ہیں۔

ولو حفظوا ذلک الزمان لکانوا اضعاف من ذکرہ العلماء ا ہ

اگر خود صحابہ اپنے زمانے میں صحابہ کے نام محفوظ رکھتے تو ان کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہوتی جس کو علماء نے بیان کیا ہے۔

البتہ احادیث کی بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد صحابہؓ کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا اور آپ کی وفات تک صحابہؓ کی ایک عظیم الشان جماعت تیار ہوگئی، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک بار جناب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا۔

اکتبو الی من تلفظ بالاسلام من الناس

جو لوگ اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں، مجھے ان کا نام لکھ کر دو۔

اور جب اس حکم کی تکمیل کی گئی تو پندرہ سو مسلمانوں کی فہرست مرتب ہوئی ۲ لیکن اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ حکم کس موقع پر دیا گیا، اس لئے محدثین نے مختلف رائیں قائم کی ہیں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ غالباً یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جب صحابہ جنگ احد کے لئے جا رہے تھے، ابن متین کے نزدیک یہ حکم غزوہ خندق میں دیا گیا

---

۱ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳

۲ بخاری کتاب الجہاد باب کتابۃ الامام الناس

تھا، داؤدی کے نزدیک یہ حدیبیہ کے زمانے کا واقعہ ہے اس کے بعد اس تعداد میں اور اضافہ ہوا چنانچہ فتح مکہ میں دس ہزار صحابہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک جنگ ہوئے۔[1]

اور فتح مکہ کے بعد جب تمام عرب مسلمان ہو گیا تو یہ تعداد اضعافاً مضاعفہ ہو گئی غزوۂ حنین میں خادموں اور عورتوں کے علاوہ بارہ ہزار[2] اور غزوہ تبوک میں ۳۰ ہزار مجاہد آپ کے ساتھ تھے[3] حجۃ الوداع میں جس کے ایک سال بعد آپ کا وصال ہوا ۴۰ ہزار صحابہؓ شریک تھے[4] غرض ۱۰ھ تک مکہ اور طائف میں کوئی شخص ایسا نہیں رہ گیا تھا جو مسلمان ہو کر حجۃ الوداع میں شریک نہ ہوا ہو[5] شرکائے حجۃ الوداع میں چار ہزار صحابہ کی مزید تعداد بھی شامل ہے۔[6] امام شافعی کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو ساٹھ ہزار مسلمان موجود تھے جن میں تیں ہزار خاص مدینہ میں اور تیں ہزار مدینہ سے باہر اور مقامات میں تھے، ابوزرعہ رازی کا قول ہے کہ آپ کی وفات کے وقت جن لوگوں نے آپ کو دیکھا اور آپ سے حدیث سنی ان کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی[7] جن میں مرد اور عورت دونوں شامل تھے اور ان میں ہر ایک نے آپ سے روایت کی تھی،[8] ابن فتحون نے ذیل استیعاب میں اس قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ ابوزرعہ نے یہ تعداد صرف ان لوگوں کی بتائی ہے جو رواۃ حدیث میں تھے، لیکن ان کے علاوہ صحابہؓ کی جو تعداد ہو گی وہ اس سے کہیں زیادہ ہو گی،[9] بہر حال اکابر صحابہؓ کے نام ان کی تعداد اور ان کے حالات تو ہم کو صحیح طور پر معلوم ہیں، لیکن ان کے علاوہ ہم اور صحابہؓ کی صحیح تعداد نہیں بتا سکتے، اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ خود صحابہؓ کے زمانے میں مشاغل دینیہ

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح فی رمضان

[2] اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۲

[3] طبقات ابن سعد ذکر غزوۂ تبوک

[4] مقدمہ ابن صلاح باب ۳۹ ص ۱۵۱

[5] مقدمہ اصابہ ص ۹

[6] ایضاً ص ۱۲۷ [7] تجرید جلد ا ص ۳

[8] مقدمہ اصابہ ص ۳ [9] ایضاً

نے صحابہؓ کو یہ موقع نہ دیا کہ وہ اپنی تعداد کو محفوظ رکھیں[1] اس کے علاوہ اکثر صحابہؓ صحرا نشین بدوی تھے، اس لئے ایسی حالت میں ان کا گمنام رہنا ضروری تھا۔[2]

صحابہؓ کی شناخت:

جن بزرگوں کی نسبت صحابی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ اس کی صحت کی دلیلیں اور علامتیں یہ ہیں کہ

(۱) ان کا صحابی ہونا بطریق تواتر ثابت ہو، مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور تمام اکابر صحابہؓ کا صحابی ہونا اسی طریقہ سے ثابت ہے

(۲) ان کے صحابی ہونے کا ثبوت اگر تواتر کے درجہ تک نہ پہنچ سکے تو کم از کم بطریق روایت مشہور ان کا صحابی ہونا ثابت ہو، حضرت عکاشہ بن محصنؓ، حضرت ضمام بن ثعلبہؓ وغیرہ کا صحابی ہونا اسی طریقہ سے ثابت ہے۔

(۳) جن صحابہؓ کا صحابی ہونا یقینی طور پر ثابت ہے، ان کی شہادت سے بھی اس کا ثبوت ہوسکتا ہے، مثلاً ایک صحابی کا یہ کہنا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں فلاں شخص کے ساتھ حاضر ہوا یا آپ نے میرے سامنے فلاں شخص سے گفتگو کی اس شخص کے صحابی ہونے کی دلیل ہے، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو،

(۴) اسی طرح ثقاتِ تابعین کی شہادت سے بھی اس کا ثبوت ہوسکتا ہے۔

(۵) چونکہ روایات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عہدِ خلافت میں صرف صحابہ ہی امیر العسکر بنائے جاتے تھے، اس لئے اگر غزوات وفتوحات میں کسی کی نسبت یہ ثابت ہو جائے کہ وہ امیر بنایا گیا، تو اس سے بھی صحابیت ثابت ہو جائے گی۔

(۶) روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ صحابہؓ کے گھروں میں جب بچے پیدا ہوتے تھے تو وہ تبریک و تحنیک کی غرض سے ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کرتے

---

[1] مقدمہ اسد الغابہ

[2] مقدمہ اصابہ ص ۴

تھے، اس لئے جن بچوں کی نسبت روایات سے یہ ثابت ہو جائے، ان کا صحابی ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔

(۷) روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ فتح مکہ کے بعد مکہ اور طائف کے تمام لوگ مسلمان ہو کر حجتہ الوداع میں شریک ہوئے تھے، اس لئے جن لوگوں کی نسبت یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اس وقت موجود تھے، ان کا صحابی ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔

(۸) لیکن اگر کوئی شخص بذات خود صحابی ہونے کا مدعی ہو، اور اس کے دعویٰ کی صحت کے لئے متذکرہ بالا دلیلوں میں سے کوئی دلیل موجود نہ ہو تو اس کی نسبت محدثین کی مختلف رائیں ہیں۔

(۱) بعض محدثین کا خیال ہے کہ چونکہ وہ خود اپنے لئے ایک شرف کو ثابت کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کا دعویٰ قبول نہ ہوگا۔

(۲) بعضوں کے نزدیک اگر وہ نہایت مختصر اور محدود صحبت کا مدعی ہو تو اس کا دعویٰ قبول کر لیا جائے گا، کیونکہ بہت سی گھڑیاں ایسی ہوتی تھیں جن میں رسول اللہ ﷺ تنہا رہتے تھے، اسلئے اگر اس حالت میں کسی نے آپ سے ملاقات کی ہو، یا آپ کو دیکھا ہو تو اس کا ثبوت کسی دوسرے صحابی کی شہادت سے بہ مشکل ہو سکتا ہے۔

(۳) لیکن اگر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے مدتوں آپ کی صحبت اٹھائی ہے اور مدتوں سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہا ہے تو اس کا یہ دعویٰ مقبول نہ ہوگا کیونکہ ایسے شخص کو عام طور پر لوگ آپؐ کے پاس دیکھتے رہے ہوں گے، اس لئے جب تک اس کی صحابیت نقلِ صحیح اور روایتِ عامہ سے ثابت نہ ہو جائے، اس کا دعویٰ مقبول نہیں ہو سکتا۔

(۴) لیکن محدث ابن عبدالبر نے اس معاملہ میں بہت زیادہ فیاضی کی ہے، اور دو شرطوں کے ساتھ اس قسم کے اشخاص کے دعوؤں کو مطلقاً مقبول قرار دیا ہے، ایک یہ کہ اس دعوے سے پہلے اس شخص کا عادل، ثقہ اور مقبول الروایت ہونا ثابت ہو، دوسرے یہ کہ خارجی قرائن اسکے دعوے کی تکذیب نہ کرتے ہوں، مثلاً ہجرت کی ایک صدی گزرنے کے بعد اگر کوئی شخص دوسری صدی کے دسویں سال صحابی ہونے کا مدعی ہو تو اس کا دعویٰ مردود قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ روایات سے ثابت ہو گیا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے تک صحابہؓ کا دور گزر جائے گا اور اسکے بعد کوئی صحابی باقی نہ رہے گا۔ چھٹی صدی ہجری میں ایک شخص رتن

ہندی گزرا ہے جس نے صحابی ہونے کا دعویٰ کیا تھا، لیکن محدثین نے اس کو دجال اور کذاب قرار دیا۔

صحابہؓ کی عدالت:

اگرچہ اصول کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ ''الصحابۃ کلھم عدول،، یعنی تمام صحابہ عادل ہیں لیکن شافعیہ میں ابوالحسین بن القطان نے اس عموم سے اختلاف کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک صحابہ میں چند بزرگ ایسے بھی گزرے ہیں جن سے کچھ لغزشیں سرزد ہوئی ہیں۔ مثلاً ولیدؓ صحابی تھے لیکن انہوں نے شراب پی ہے، حاطب بن ابی بلتعہؓ صحابی تھے لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے منشاء کے خلاف کفار مکہ کو خط لکھا ہے۔ ایک خیال یہ ہے کہ خانہ جنگی کے زمانے سے پہلے گو تمام صحابہ عادل تھے، لیکن جب خود صحابہ میں خانہ جنگی پھیل گئی اور صفین و جمل کے معرکے گرم ہوئے تو ان لوگوں کی عدالت قابل بحث و تحقیق ہوگئی، معتزلہ کے نزدیک جن لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جنگ کی وہ عادل نہیں رہے، لیکن جو لوگ حضرت معاویہؓ کے طرفدار ہیں وہ اس کے برعکس دعویٰ کرتے ہیں [1] محدث مازری نے عدالت کو صرف ان صحابہ کے لئے مخصوص کیا ہے، جو شب و روز رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور آپ کی اعانت میں مصروف رہتے تھے۔ اس لئے ان کے نزدیک ہر صحابی عادل نہیں ہے چنانچہ ان کا قول ہے کہ

> لسنا نعنى بقولنا " الصحابة عدول كل من راصلے الله عليه وآله وسلم يوماً ما اوزاره لِما ماً اواجتمع به لغرض و النصرف عن كتب وانما نعنى به الذين لا زموه و عزروه و نصروه واتبعوا النور الذى انزل معه اولئك هم المفلحون [2]

---

[1] فتح المغیث ص ۳۷۷

[2] مقدمہ اصابہ ص ۱۱

''ہم جو یہ کہتے ہیں کہ ''صحابہ عدول ہیں،، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر وہ شخص جس نے آپ کو کسی دن دیکھ لیا یا چلتے پھرتے آپ کی زیارت کر لی یا کسی غرض سے آپکی ملاقات کر کے تھوڑی دیر کے بعد واپس گیا عادل ہے، بلکہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے، آپکی تائید واعانت کی، اور اس نور کا اتباع کیا جو آپ کے ساتھ اتارا گیا، یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں''

لیکن عام محدثین کے نزدیک ان آیات کی بنا پر جو قرآن مجید میں عموماً تمام صحابہ کے فضائل میں نازل ہوئی ہیں، یہ خصوصیت تمام صحابہؓ میں پائی جاتی ہے اور ہر زمانہ میں پائی جاتی ہے۔ اس میں صحابہؓ کا ہر فرد داخل ہے، اور جو لوگ اس اصول کی ہمہ گیری کے مخالف ہیں انہوں نے عدالت کے مفہوم پر غور نہیں کیا ہے، عدالت ایک مشترک لفظ ہے۔ جس کے مختلف معنی ہیں، مثلاً

۱۔ کبھی عدالت کو جور و ظلم کے مقابل میں بولا جاتا ہے، اور اس وقت یہ لفظ انصاف کا مترادف ہو جاتا ہے۔

۲۔ کبھی فسق و فجور کے مقابل میں استعمال کیا جاتا ہے اور اس وقت یہ لفظ تقویٰ کا ہم معنی ہوتا ہے۔

۳۔ کبھی یہ لفظ صرف عصمت پر دلالت کرتا ہے اور یہ وصف صرف انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

۴۔ کبھی یہ لفظ گناہوں سے محفوظ رہنے پر دلالت کرتا ہے اور نتائج کے لحاظ سے اگرچہ اس میں اور عصمت میں کوئی فرق نہیں تاہم عصمت ایک ملکہ، فطری و وہبی ہے، اور گناہوں سے محفوظ رہنا ایک ملکہ کسبی ہے، اسی بناء پر انبیاؑ کو معصوم اور اولیاء کو محفوظ کہا جاتا ہے

۵۔ کبھی عدالت کے معنی روایت حدیث میں جھوٹ سے بچنے کے ہوتے ہیں اور اس معنی میں عادل اس شخص کو کہتے ہیں جو روایت حدیث میں دروغ بیانی نہ کرتا ہو۔

لیکن یہ کسی محدث کا دعویٰ نہیں ہے کہ صحابہ کوئی کام انصاف کے خلاف نہیں کر سکتے ان سے کوئی فعل تقویٰ وطہارت کے خلاف صادر نہیں ہو سکتا۔ وہ انبیاؑ کی طرح معصوم ہیں۔ یا وہ تمام گناہوں سے محفوظ ہیں بلکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ کوئی صحابی روایت کرنے میں

دروغ بیانی سے کام نہیں لیتا، چنانچہ ابن الانباری کا قول ہے کہ

لیس المراد بعد التهم ثبوت العصمة لهم واستحالة المعصية منهم وانما المراد قبول رواياتهم من غير تكلف البحث عن اسباب العدالة و طلب التزكية الا ان يثبت ارتكاب قادح لم يثبت ذٰلك

''ابن انباری کا قول ہے کہ صحابہ کی عدالت سے یہ مراد نہیں کہ صحابہ بالکل معصوم ہیں اور ان سے گناہوں کا سرزد ہونا محال ہے، بلکہ یہ مراد ہے کہ ان کی روایتوں کو اسبابِ عدالت و ثقاہت کی چھان بین کے بغیر قبول کر لینا چاہئے، بجز اس صورت کے جب وہ ایسے امر کا ارتکاب کریں جو روایات میں قادح ہو اور یہ ثابت نہیں ہے''۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی لکھتے ہیں:

اہل سنت کا یہ مقررہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کل کے کل عادل ہیں یہ لفظ بار بار بولا گیا ہے اور میرے والد مرحوم (شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ) نے اس لفظ کی حقیقت سے بحث کی تو یہ ثابت ہوا کہ اس موقع پر عدالت کے متداول معنی مراد نہیں ہیں بلکہ صرف عدالت فی روایت الحدیث مراد ہے- اس کے سوا اور کچھ مراد نہیں ہے- اور اس عدالت کی حقیقت روایات میں جھوٹ سے بچنا ہے کیونکہ ہم نے تمام صحابہؓ کی سیرت کو خوب ٹٹولا- یہاں تک کہ ان لوگوں کی سیرت کا بھی مطالعہ کیا جو خانہ جنگیوں فتنوں اور لڑائی جھگڑوں میں شریک ہوئے تو ہم کو معلوم ہوا کہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے متعلق دروغ بیانی کو سخت ترین گناہ سمجھتے ہیں، اور اس سے شدت کے ساتھ احتراز کرتے ہیں۔[1]

صحابہؓ کے طبقے:

مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے صحابہؓ کے مختلف طبقے ہیں، چنانچہ قلت و کثرتِ

[1] ظفر الامانی ص ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳۔

روایت کے لحاظ سے ان کے مختلف طبقات قائم کئے گئے ہیں۔لیکن فضائل و مناقب کے لحاظ سے اہل سنت والجماعت کے نزدیک بالاتفاق، خلفائے راشدینؓ تمام صحابہ سے افضل ہیں اور خلفاء میں بھی بہ ترتیب خلافت مدارج فضیلت قائم ہوئے ہیں۔ خلفاء کے بعد، ازواجِ مطہراتؓ افضل ہیں اور ان دونوں کے بعد فضیلت کی ترتیب یہ ہے۔ مہاجرین اوّلین لیکن ان میں باہم ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی جاسکتی۔ اہل عقبہ مہاجرین اولین کے بعد اہلِ عقبہ تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ اہل بدر اہل عقبہ کے بعد شرکائے بدر کا درجہ ہے۔ اہل مشاہد اس کے بعد درجہ بدرجہ اہل مشاہد کو فضیلت حاصل ہے، یعنی جو غزوہ پہلے ہوا ہے اس کے شرکا ان صحابہ سے افضل ہیں جو اس کے بعد کی لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ خداوند تعالے خود فرماتا ہے۔

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولئک اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعداللہ الحسنیٰ (حدید ۱)

تم (مسلمانوں) میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے راہِ خدا میں مال خرچ کئے، اور (دشمنوں سے) لڑے وہ درجہ میں ان (مسلمانوں) سے بڑھ کر ہیں، جنہوں نے (فتح مکہ) کے پیچھے (مال) خرچ کئے اور لڑے، اور (یوں) حسن سلوک کا وعدہ تو، اللہ نے سب ہی سے کر رکھا ہے"

صحابہؓ کا زمانہ :

صحابہ کرامؓ کا مبارک زمانہ ابتدائے بعثت سے شروع ہوکر پہلی صدی کے آخر تک ختم ہوگیا اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کی وہ معجزانہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو ان الفاظ میں کی گئی ہے

فان راس مائة سنه لا یبقی ممّن هوالیوم علیٰ ظهر الارض احد

"جو لوگ آج روئے زمین پر موجود ہیں ان میں سے سو سال کے بعد کوئی باقی نہ رہے گا"

لیکن ان مبہم الفاظ سے صحابہ کرامؓ کو دھوکا ہوا، اور وہ یہ سمجھے کہ سو سال کے بعد

قیامت آ کر تمام دنیا ہی کا خاتمہ کر دیگی، حالانکہ آپ کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس پیشین گوئی کے وقت جو لوگ موجود ہیں ان میں سے سب فنا ہو جائیں گے [1] اور نسل انسانی کا یہ مخصوص دور ختم ہو جائے گا، اور جہاں تک عہد صحابہ کا تعلق ہے، واقعات بھی اس کی تائید کرتے ہیں، چنانچہ مدینہ کے صحابہ میں حضرت سہل بن سعدؓ آخری صحابی ہیں جنہوں نے باختلافِ روایت ۸۸ھ میں ۹۶ سال یا ۹۱ھ میں سو سال کی عمر میں وفات پائی، وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ "اگر میں مر جاؤں تو رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے والا کوئی دوسرا نہ ملے گا۔" [2]

بصرہ کے صحابہ میں حضرت انسؓ بن مالک آخری صحابی تھے جنہوں نے باختلاف روایت ۹۰ھ یا ۹۱ھ یا ۹۲ھ یا ۹۳ھ میں زیادہ سے زیادہ ۱۰۳ سال کی عمر میں وفات پائی [3]، خود ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ اب کوئی صحابی باقی ہے یا نہیں؟ تو بولے کہ "دیہات کے چند بدو البتہ باقی رہ گئے ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے، لیکن اب کوئی ایسا شخص نہیں ہے، جس نے آپ کی صحبت اٹھائی ہو۔" [4]

لیکن ان سب میں حضرت ابوالطفیلؓ عامر بن واثلہ سب سے آخری صحابی تھے جنہوں نے ۱۰۰ھ میں مکہ میں وفات پائی، وہ خود کہا کرتے تھے کہ آج میرے سوا روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو۔ [5]

بہر حال حدیثِ صحیح اور دیگر روایات کی رو سے پہلی صدی کے ختم ہونے کے ساتھ صحابہ کرامؓ کا دورِ مبارک ختم ہو گیا اور اب صرف ان کے اعمال صالحہ باقی رہ گئے ہیں اور اس کتاب میں ہم انہیں اعمال صالحہ کی تفصیل کرتے ہیں۔

---

[1] بخاری کتاب مواقیت الصلوۃ باب السمر فی الفقہ والخیر بعد العشاء۔

[2] استیعاب تذکرہ سہل بن سعدؓ۔

[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت انس بن مالکؓ

[4] مقدمہ ابن صلاح باب ۳۹ ص ۱۴۸۔

[5] استیعاب تذکرہ حضرت ابوالطفیلؓ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسوۂ صحابہؓ

قبولِ اسلام

لطافتِ طبع، رقتِ قلب اور اثر پذیری ایک نیک سرشت انسان کا اصلی جوہر ہیں اور انہیں کے ذریعہ سے وہ ہر قسم کی پند و موعظت، تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کو قبول کر سکتا ہے، پھولوں کی پنکھڑیاں نسیم صبح کی خاموش حرکت سے ہل جاتی ہیں، لیکن تناور درختوں کو بادِ صرصر کے جھونکے بھی نہیں ہلا سکتے، شعاعِ نگاہ آئینہ کے اندر سے گزر جاتی ہے لیکن پہاڑوں میں فولادی تیر بھی نفوذ نہیں کرتے، بعینہٖ یہی حال انسان کا بھی ہے، ایک لطیف الطبع رقیق القلب اور اثر پذیر آدمی ہر دعوتِ حق کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے، لیکن سنگدل اور غلیظ القلب لوگوں پر بڑے سے بڑے معجزے بھی اثر نہیں کرتے، اس فرق مراتب کی جزئی مثالیں ہر جگہ مل سکتی ہیں۔ لیکن اشاعت اسلام کی تاریخ تمام تر اسی قسم کی مثالوں سے لبریز ہے، کفار میں ہم کو بہت سے اشقیا کا نام معلوم ہے۔ جنہوں نے ہزاروں کوششوں کے بعد بھی خدائے ذوالجلال کے آگے سر نہیں جھکایا۔ لیکن صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید کی آیات رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و عادات، آپ کے مواعظ و نصائح، شکل و شباہت، دعاۃ اسلام کی تعلیم، ہدایت و ارشاد اور معجزات و آیات غرض ہر موثر چیز کے اثر کو قبول کیا اور بطوع و رضا اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے

قرآن مجید کا اثر:

حضرت عمرؓ خود آنحضرت ﷺ کا (نعوذ باللہ) کام تمام کرنے کے لیے گھر سے نکلے تھے، لیکن جب قرآن مجید کی چند آیتیں سنیں تو ان کا دل نورِ ایمان سے لبریز ہو گیا،[1]

[1] اصابہ تذکرہ حضرت عمرؓ

حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنے بھائی سے قرآن مجید کے معجزانہ اثر کا ذکر سنا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صدق دل سے مسلمان ہو گئے۔[1]

حضرت عثمان بن مظعونؓ نے جب یہ آیت سنی۔

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون، (نحل ۱۴)

خدا عدل، احسان اور قرابتداروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بدکاری، برائی اور ظلم سے روکتا ہے، وہ اس لئے یہ نصیحتیں کرتا ہے کہ شاید تم اس کو قبول کرلو۔

تو ان کے دل پر جو اثر ہوا اس کو وہ خود ان الفاظ مین بیان کرتے ہیں۔

فذلک حین استقر الایمان فی قلبی واحببت محمدا[2]

یہی وہ وقت ہے جب ایمان میرے دل میں جاگزیں ہوا اور میں محمد ﷺ سے محبت رکھنے لگا۔

حضرت جبیرؓ بن مطعم نے جب یہ آیتیں سنیں۔

ام خلقوا من غیر شیء ام ھم الخالقون ام خلقوا السموات والارض بل لا یوقنون ام عند حم خزائن ربک ام ھم المصیطرون،

کیا یہ لوگ خود بخود پیدا ہو گئے؟ یا یہ لوگ خود پیدا کرنے والے ہیں، کیا آسمان و زمین کو انہی لوگوں نے پیدا کیا ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ انکے دل میں ایمان نہیں (اے پیغمبر) کیا انکے پاس تمہارے پروردگار کے خزانے ہیں؟ یا یہ لوگ سربراہ کار ہیں۔

تو وہ خود کہتے ہیں کہ میرا دل اڑنے لگا،[3] حضرت طفیل بن عمرو الدوسیؓ نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن سنا تو بے اختیار ہو کر مسلمان ہو گئے۔[4] طائف کے سفر

---

[1] صحیح مسلم فضائل ابوذرؓ [2] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۳۱۸

[3] صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ طور [4] استیعاب وطبقات ابن سعد تذکرہ حضرت طفیل بن عمرو الدوسیؓ

میں حضرت خالد العدوانیؓ نے آپؐ کی زبان سے یہ آیت سنی۔

وَالسماء والطارق آسمان کی قسم اور رات میں آنے والے کی قسم،

تو اسی وقت پوری سورۃ کو یاد کر لیا اور بالآخر مسلمان ہو گئے۔[1]

اشخاص سے الگ صحابہ کی جماعت کی جماعت قرآن مجید کے اثر سے متاثر ہوئی اور اسلام لائی مثلاً حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت ابوسلمہؓ، حضرت ارقمؓ بن ابی ارقم اور حضرت عثمان بن مظعونؓ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دعوتِ اسلام دی، اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔[2]

قرآن مجید نے ایرانیوں کے مقابل میں رومیوں کی فتح کی جو پیشین گوئی کی تھی وہ پوری ہوئی تو بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔[3]

اخلاق نبویؐ کا اثر:

ایک بار ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے بہت سی بکریاں مانگیں آپ نے اس کا سوال پورا کیا، اس پر اس فیاضی کا یہ اثر پڑا کہ اپنے قبیلہ میں آ کر کہا کہ لوگو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد ﷺ اس قدر دیتے ہیں کہ ان کو اپنے تنگدست ہو جانے کا بھی خوف نہیں ہوتا۔[4]

ایک یہودی عالم نے جب آپؐ کو تقاضائے قرض میں اس قدر تنگ کیا اور پکڑا کہ ظہر کی نماز سے لیکر فجر تک آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑا تو صحابہ کرامؓ نے اس کو سخت دھمکیاں دیں، لیکن آپؐ نے فرمایا خدا نے مجھے کسی ذمی پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، دن چڑھا تو وہ اسلام لایا اور کہا کہ میرا نصف مال خدا کی راہ میں صدقہ ہے، اس سخت گیری سے میرا صرف یہ مقصد تھا کہ توراۃ میں آپؐ کے جو اوصاف مذکور ہیں ان کا تجربہ کروں۔[5] ثمامہؓ ابن اثال

---

1. مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۳۳۵
2. اسد الغابہ تذکرہ ابوسلمہ بنؓ عبدالاسد،
3. ترمذی کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ روم
4. مسلم کتاب الفضائل باب ماسئل رسول اللہ ﷺ شیأ قط فقال لا و کثرت عطاء
5. مشکوۃ کتاب الفتن فی اخلاقہ ﷺ

گرفتار ہو کر آئے تھے لیکن جب آپؐ نے ان کو بلا شرط و بلا معاوضہ رہا کر دیا، تو انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور ان کا دل اسلام، داعی اسلام اور مدینۃ الاسلام کی محبت سے معمور ہو گیا۔ [1]

مواعظ نبویؐ کا اثر :

ایک بار حضرت ضمادؓ مکہ میں آئے تو کفار سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کو جنون ہو گیا ہے۔ حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ ''میں جنون کا علاج کرتا ہوں،، آپؐ نے ان کے سامنے ایک تقریر کی جس کا اثر ان پر یہ پڑا کہ فوراً مسلمان ہو گئے۔ [2] حضرت حلیمہؓ کے شوہر یعنی آپ کے رضاعی باپ جب مکہ میں تشریف لائے تو قریش نے کہ کچھ سنا ہے تمھارا بیٹا کہتا ہے کہ ''لوگوں کو مر کر پھر جینا ہوگا،، انہوں نے آپؐ سے کہا بیٹا یہ کیا کہتے ہو،،؟ آپ نے فرمایا'' اگر وہ دن آیا تو میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر بتا دوں گا کہ جو کچھ میں کہتا تھا سچ تھا وہ فوراً مسلمان ہو گئے، اور ان فقروں کا اثر عمر بھر رہا کہا کرتے تھے کہ ''میرا بیٹا ہاتھ پکڑے گا تو جنت میں پہنچا کر ہی چھوڑے گا۔ [3]

شمائل نبویؐ کا اثر :

بعض صحابہؓ نے صرف آپؐ کی شکل و صورت ہی دیکھ کر آپؐ کی نبوت کا اعتراف کر لیا۔ حضرت ابو رافعؓ آپؐ کی خدمت میں قریش کی طرف سے قاصد بن کر آئے لیکن آپؐ پر نظر پڑتے ہی شیدائے اسلام ہو گئے اور بالآخر علانیہ اسلام قبول کر لیا، [4] حضرت عبداللہؓ بن سلام کو آپ کا چہرہ دیکھتے ہی یقین ہو گیا کہ

وجهه ليس بوجه كذاب [5]

جھوٹے آدمی کا چہرہ ایسا نہیں ہو سکتا۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب ربط الاسیر۔

[2] مسلم کتاب الجمعۃ باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ۔

[3] اصابہ تذکرہ حضرت حارث بن عبد العزیٰ۔

[4] ابوداؤد کتاب الجہاد باب یستجن بالامام فی العہود۔

[5] ترمذی ابواب الزہد ص ۴۰۹۔

دعاۃ اسلام کا اثر :

صحابہ میں بکثرت ایسے صحابہ تھے جو دعاۃ اسلام کے اخلاقی اثر سے اسلام لائے۔ متعدد صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے اثر سے اسلام قبول کیا۔یمن کے لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد وہدایت سے اسلام لائے، حضرت طفیلؓ نے اپنے قبیلے کے بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا، قبیلہ ہمدان حضرت عامرؓ بن شہر کے اثر سے اسلام لایا، حضرت ابوذر غفاریؓ کا آدھا قبیلہ ان کے اثر سے مسلمان ہوا، غرض احادیث وسیر میں اس قسم کے بکثرت واقعات مذکور ہیں اور اشاعتِ اسلام کے عنوان میں ان کی تفصیل آئے گی۔

معجزات کا اثر :

ایک سفر میں صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی، آپؐ نے دو آدمیوں کو پانی کی تلاش میں بھیجا، یہ لوگ جستجو میں نکلے تو ایک ناقہ سوار عورت ملی جس کے ساتھ پانی کی دو مشکیں تھیں، ان دونوں بزرگوں نے اس کو آپؐ کی خدمت میں پیش کیا تو آپؐ نے ایک برتن منگوایا اور اس میں دونوں مشکوں سے پانی ڈال کر مشکوں کے دہانے بند کر دیئے اور عام اعلان کے ذریعہ سے تمام صحابہ آئے اور پانی پی کر سیراب ہوئے۔لیکن مشکوں کے پانی میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔عورت نے یہ معجزہ دیکھا تو اپنے قبیلہ میں آکر بیان کیا کہ خدا کی قسم آسمان وزمین کے درمیان یہ شخص عجوبہ روزگار اور خدا کا سچا پیغمبر ہے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت عبداللہؓ بن سلام حاضر خدمت ہوئے اور چند غیبی امور کے متعلق سوالات کیے، آپؐ نے ان کے جوابات دیئے تو انہوں نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔ [2]

۞ بخاری کتاب التیمم باب الصعید الطیب وضوالمسلم یکفیہ من الماء۔

۞ بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحابہ الی المدینۃ مع فتح الباری۔

فتح مکہ کا اثر :

اگر چہ صحابہ کرامؓ کی ایک بہت بڑی تعداد جن میں تمام اکابر صحابہ داخل ہیں۔ متذکرہ بالا اسباب سے اسلام قبول کیا، تاہم ایک جماعت اسلام کے عام غلبہ کا انتظار کر رہی تھی اس لئے جب مکہ فتح ہوا تو عام اہل عرب نے بطوع ورضا خود بخود اسلام قبول کرلیا، صحیح بخاری میں ہے۔

وکانت العرب تلوم باسلامهم الفتح، فنقولون اتركوه و قومه فانه ان ظهر عليهم فهو نبی صادق فلما كانت و قعة اهل الفتح باد ركل قوم باسلامهم ا؎

''تمام عرب اپنے اسلام کیلئے فتح مکہ کا منتظر تھا وہ کہتے تھے کہ محمدؐ کو اپنی قوم سے نپٹ لینے دو۔ اگر وہ ان پر غالب آ گئے تو وہ سچے پیغمبر ہیں چنانچہ جب فتح مکہ کا واقعہ ہوا تو ہر قبیلہ کے لوگ نہایت سرعت کے ساتھ اسلام کی طرف دوڑے''

ا؎ بخاری کتاب المغازی ذکر فتح مکہ۔

قوتِ ایمان

طمع وترغیب سے برگشتہ از اسلام نہ ہونا:

ابتدائے اسلام میں صحابہ کرامؓ اس قدر مفلوک الحال تھے کہ افلاس کی وجہ سے بعض مسلمان خاندانوں کے مرتد ہو جانے کا خطرہ تھا۔[1] لیکن مخالفین اسلام یعنی یہود و کفار دولت و ثروت سے مالا مال تھے بالخصوص یہود کے پاس یہ ایک ایسا زریں آلہ تھا کہ جس کے ذریعہ سے وہ صحابہ کی روحانی طاقت پر زد لگا سکتے تھے۔ اس افلاس پر صحابہ کرامؓ کو صدقہ وزکوٰۃ بھی ادا کرنا پڑتا تھا اور بظاہر یہ ایک ایسا بار تھا جس سے سبکدوش ہونے کے لئے نہایت آسانی کے ساتھ اسلام سے برگشتہ ہونے کی ترغیب دی جا سکتی تھی، چنانچہ جب محمد ابن مسلمہؓ نے کعب بن اشرف سے حیلۃً گرانباری صدقہ کی شکایت کی اور اس غرض کے لئے اس سے قرض لینا چاہا تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اس نے کہا، ''تم محمدؐ سے گھبرا اٹھو گے،،[2] اس کے ساتھ صحابہؓ کو اور طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہونا پڑتا تھا اور اس حالت میں ان سے نجات دلانے کا وعدہ ایک ضعیف الایمان دل کو ڈانواں ڈول کر سکتا تھا لیکن صحابہ کرامؓ نے ان میں سے کسی چیز کے اثر کو قبول نہیں کیا بلکہ ان کی قوت ایمان نے یہودیوں کی مالی ترغیبات کو اس قدر بے اثر کر دیا کہ حضرت محیصہؓ جس یہودی تاجر سے مالی فائدہ اٹھاتے تھے، جوش اسلام میں خود اسی کو قتل کر دیا جس پر ان کے بڑے بھائی نے جو اب تک کافر تھے ان کو یہ طعنہ دیا کہ ''او خدا کے دشمن! تیرے پیٹ کی کل چربی اسی کے مال سے پیدا ہوئی ہے،،[3]

[1] سنن ابن ماجہ کتاب البیوع باب السلف فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم

[2] بخاری کتاب المغازی باب قتل کعب بن اشرف

[3] ابوداؤد کتاب الخراج باب کیف کان اخراج الیہود من المدینہ

مصیبتوں سے نجات دلانے کی توقعات کو صحابہ کرام نے اس بے پروائی کے ساتھ ٹھکرادیا کہ جب غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ حضرت کعب بن مالکؓ سے ناراض ہو گئے اور آپ کے حکم سے تمام صحابہؓ نے ان سے معاشرتی تعلقات منقطع کر لئے تو شاہ غسان نے ان کو لکھا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمھارے آقا نے تم پر ظلم کیا ہے۔ لیکن خدا تم کو ذلت اور کسمپرسی کی زمین میں نہ رہنے دیگا، آؤ اور ہم سے مل جاؤ، ہم اپنے مال کے ذریعہ تمھاری غم خواری کریں گے،، لیکن انہوں نے اس خط کو خود تنور میں ڈال دیا اور حسرت سے کہا "انا للہ اب کفار مجھ کو حریصانہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔[1]

انسان دوسروں کے مال دولت سے بے نیاز ہو سکتا ہے" لیکن خود اپنے ذاتی مال و جائیداد کو نہیں چھوڑ سکتا، لیکن صحابہ کرامؓ نے اپنے مال و جائیداد کو بھی اسلام پر قربان کر دیا اور ان میں کسی چیز کی محبت ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکی، عاص بن وائل پر حضرت خبابؓ کی اجرت باقی تھی۔ لیکن جب انہوں نے اس کا تقاضہ کیا تو ملعون نے کہا کہ جب تک محمدؐ کی نبوت سے انکار نہ کرو گے نہ دوں گا، لیکن انہوں نے کہا کہ "یہ تو قیامت تک بھی نہ ہوگا،،[2]

صحابہ کرامؓ نے ہجرت کی تو اپنے تمام مال و متاع کو خیر باد کہا اور وراثت سے جو مال ملتا اس سے اس لئے محروم ہو گئے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا لیکن ان چیزوں میں ایک چیز بھی ان کے رشتہ ء ایمان کو ڈھیلا نہ کر سکی۔ ہجرت کرنے کے بعد بھی ابتلا و امتحان کے مختلف مواقع پیش آئے، لیکن صحابہ کرامؓ نے عارضی فوائد کے لئے اپنے عقائد کے اظہار میں کسی قسم کی مداہنت نہیں کی چنانچہ جب صحابہ کرامؓ ہجرت کر کے حبش کو گئے تو نجاشی کے ظلِ عاطفت میں نہایت امن وسکون کی زندگی بسر کرنے لگے، لیکن قریش کو یہ گوارا نہ ہوا اور انہوں نے دو ممتاز آدمیوں کو مکہ کے بہترین تحائف و ہدایا کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ نجاشی کو اس پر آمادہ کریں کہ وہ صحابہؓ کو مکہ میں واپس بھیج دے، قریش کی بڑی خواہش یہ تھی کہ نجاشی اور صحابہؓ کے درمیان کسی قسم کی گفتگو نہ ہونے پائے لیکن نجاشی نے اس کو منظور نہیں کیا اور کہا کہ جب تک میں اس معاملہ کے متعلق ان سے گفتگو نہ کر لوں گا

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک مع فتح الباری

[2] بخاری کتاب التفسیر تفسیر کہیعص

ان کو واپس نہیں کر سکتا۔ اس غرض سے اس نے صحابہؓ کو طلب کیا اور صحابہؓ نے باہمی مشورہ سے یک زبان ہو کر کہا کہ نتیجہ جو کچھ بھی ہو لیکن ہم وہی بات کہیں گے جس کا ہم کو یقین ہے اور جس کا ہم کو رسول اللہ نے حکم دیا ہے چنانچہ اس قرارداد کے بموجب حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے اسلام کی پاک تعلیمات کو نجاشی کے سامنے بیان کیا تو اس پر نہایت عمدہ اثر پڑا اور کفار کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔ اب انہوں نے نجاشی کو اشتعال دلانے کے لئے دوسری تدبیر اختیار کی اور کہا کہ اے بادشاہ! یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک بڑی بات کہتے ہیں یعنی ان کو خدا کا بندہ سمجھتے ہیں خود ان کو بلا کر پوچھ لے۔''

صحابہؓ نے مشورہ کیا کہ اس سوال کا کیا جواب دیا جائے گا؟ سب نے کہا کہ ''جو کچھ بھی ہو ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہی کہیں گے جو خدا نے کہا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعلیم دی ہے''، نجاشی ایک عیسائی بادشاہ تھا اور اسی وجہ سے ان دونوں آدمیوں نے اس سوال پر اس کو آمادہ کیا تھا لیکن جب اس نے سوال کیا تو صحابہؓ نے صاف صاف کہا کہ ''وہ خدا کے بندے ہیں اس کے رسول ہیں اسکی روح ہیں اور اس کے کلمہ ہیں۔'' اب نجاشی نے زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ ''اس کے سوا عیسیٰ بن مریم اس تنکے سے بھی زیادہ نہیں''[1]

تحمل شدائد :

ضعیف القلب انسان مصائب کے تصور سے بھی کانپ اٹھتا ہے، لیکن صحابہ کرامؓ نے اسلام کے لئے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں اور ان کے ایمان میں ذرہ برابر تزلزل واقع نہیں ہوا حضرت بلالؓ کو کفار نے لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا، لڑکے ان کو مکہ کی پہاڑیوں میں گھسیٹتے پھرتے۔ لیکن ان کے قوتِ ایمان نے کسی قسم کا ضعف نہیں پایا،[2] حضرت خبابؓ ام انمار کے غلام تھے وہ اسلام لائے تو ام انمار نے لوہا گرم کر کے ان کے سر پر رکھا،

---

[1] مسند ابن حنبل جلد اول ص ۲۰۲

[2] سنن ابن ماجہ ص ۱۴ فضل سلمان وابی ذر والمقداد

ایک دن حضرت عمرؓ نے ان کی پیٹھ دیکھی تو کہا کہ آج تک ایسی پیٹھ میری نظر سے نہیں گزری، حضرت خبابؓ نے جواب دیا کہ ''کفار نے انگاروں پر لٹا کر مجھ کو گھسیٹا تھا،،[1] حضرت صہیبؓ اور حضرت عمارؓ کو کفار لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں چھوڑ دیتے تھے لیکن دھوپ کی شدت سے اُنکی حرارت اسلام میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی تھی۔[2]

کفار حضرت ابوفکیہؓ کے پاؤں میں بیڑی ڈال کر دھوپ میں لٹا دیتے، پھر پشت پر پتھر کی چٹان رکھ دیتے، یہاں تک کہ وہ مختل الحواس ہو جاتے، ایک دن امیہ نے ان کے پاؤں میں رسی باندھی اور آدمیوں کو ان کے گھسیٹنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد ان کو تپتی ہوئی زمین پر لٹا دیا، اتفاق سے راہ میں ایک گبریلا جا رہا تھا اُمیہ نے استہزاء کہا ''تیرا پروردگار یہی تو نہیں؟،، بولے ''میرا اور تیرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے،، اس پر اس نے زور سے ان کا گلا گھونٹا لیکن اسکے بیدرد بھائی کو جو اس وقت اس کیساتھ تھا اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور اس نے کہا کہ ''اس کو اور اذیت دو،،[3]

حضرت سمیہؓ حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں ایک دن کفار نے ان کو دھوپ میں لٹا دیا تھا، اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا تو فرمایا ''صبر کرو صبر، تمھارا ٹھکانا جنت میں ہے،، لیکن ابو جہل کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی، اور اس نے برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا، چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرف شہادت ان ہی کو نصیب ہوا۔[4]

حضرت عمرؓ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو اس قدر مارا کہ تمام بدن لہولہان ہو گیا، لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو کچھ کرنا ہو کرو میں تو اسلام لا چکی۔[5]

حضرت ابوذر غفاریؓ نے جب خانہ کعبہ میں اپنے اسلام کا اعلان کیا تو ان پر کفار ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے زمین پر لٹا دیا۔[6]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ خباب بن ارتؓ

[2] اسد الغابہ تذکرہ صہیبؓ

[3] ایضاً تذکرہ ابوفکیہؓ

[4] اسد الغابہ تذکرہ سمیہؓ

[5] ایضاً تذکرہ عمرؓ

[6] مسلم کتاب مناقب فضائل حضرت ابوذر غفاریؓ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب اوّل اوّل خانہ کعبہ میں قرآن مجید کی چند آیتیں بآواز بلند پڑھیں تو کفار نے ان کو اس قدر مارا کہ چہرے پر نشان پڑ گئے، لیکن انہوں نے صحابہؓ سے کہا کہ "اگر کہو تو کل پھر اسی طرح بآواز بلند قرآن کی تلاوت کر آؤں۔"[1]

ان اذیتوں کے علاوہ کفار ان غریبوں کو اور بھی مختلف طریقوں سے ستاتے تھے۔ پانی میں غوطے دیتے تھے، مارتے تھے، بھوکا پیاسا رکھتے تھے، یہاں تک کہ ضعف سے بیچارے بیٹھ نہیں سکتے تھے۔[2]

یہ وہ لوگ تھے جن میں اکثر یا تو لونڈی غلام تھے یا غریب الوطن لیکن ان کے علاوہ بہت سے دولتمند اور معزز لوگ بھی کفار کے دست تطاول سے محفوظ نہ رہ سکے۔

حضرت عثمانؓ نہایت معزز شخص تھے لیکن جب اسلام لائے تو خود ان کے چچا نے ان کو رسی میں باندھ دیا۔[3]

حضرت زبیر بن عوامؓ جب اسلام لائے تو ان کا چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر لٹکا دیتا تھا۔ پھر نیچے سے ان کے ناک میں دھواں دیتا تھا۔[4]

حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی سعید بن زیدؓ اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسیوں میں باندھ دیا۔[5]

حضرت عیاش بن ابیؓ ربیعہ اور حضرت سلمہ بن ہشامؓ اسلام لائے تو کفار نے دونوں کے پاؤں کو ایک ساتھ باندھ دیا۔[6]

حضرت ابوبکرؓ اسلام لائے تو ایک تقریر کے ذریعہ سے دعوت اسلام دی، کفار نے یہ نامانوس آواز سنی تو ان پر دفعتہً ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ حضرت ابوبکرؓ کے قبیلہ بنوتمیم کو ان

---

1. اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعود
2. ایضاً تذکرہ عمارؓ
3. طبقات ابن سعد ترجمہ عثمان بن عفان
4. ریاض النضرہ للمحب الطبری تذکرہ حضرت زبیرؓ بن عوام
5. بخاری کتاب الاکراہ باب من اختار الضرب والقتل والھوان علی الکفر
6. طبقات ابن سعد تذکرہ ولید بن ولید۔

دن کے فاقہ میں بے ہوش ہوگئیں[1] لیکن حضرت سعد بن ابیؓ وقاص پر اس کا کچھ اثر نہ پڑا اور انہوں نے اپنی ماں سے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر تمہارے قالب میں ہزار جانیں بھی ہوں اور ایک ایک کر کے ہر جان نکل جائے تب بھی میں اپنے اس دین کو نہ چھوڑوں گا۔[2]

حضرت خالد بن سعیدؓ اسلام لائے تو ان کے باپ نے ان کو سخت سرزنش کی کوڑے مارے قید کیا، کھانا پینا بند کر دیا اور اپنے دوسرے لڑکوں کو ان سے باپ چیت کرنے کی ممانعت کر دی لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی معیت نہ چھوڑی اور آخر کار حبش کی طرف ہجرت کر گئے، اب ان کے باپ کو اور بھی رنج ہوا اور کہا کہ مجھے ان صابیوں سے الگ ہو جانا پسند ہے لیکن یہ گوارا نہیں کہ اپنے باپ دادا اور معبودوں کے معائب سنوں، چنانچہ وہ طائف کے ایک مقام میں جہاں ان کی کچھ جائیداد تھی چلے گئے۔[3]

دین و ایمان کے معاملہ میں صحابہ کرامؓ نے صرف معاشرتی بے تعلقی کو گوارا نہیں کیا بلکہ ان کو اعزہ و اقارب کے رشتہ حیات کے منقطع کر دینے میں بھی تامل نہ ہوا، ایک غزوہ میں عبداللہ بن ابی سلول نے انصار کو مہاجرین کے خلاف اشتعال دلایا تو اس کے بیٹے عبداللہ نے کہا کہ ''یارسول اللہ ﷺ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کو قتل کر ڈالوں،،[4]

عتبہ غزوہ بدر میں شمشیر بکف میدان میں آیا تو مقابلے کے لیے اس کے لختِ جگر حضرت ابوحذیفہؓ نکلے، چنانچہ عتبہ کی بیٹی ہند نے اس پر ان کی ہجو میں یہ اشعار لکھے۔

فما شكرت ابار باك من صغر

تو نے اس باپ کا شکر ادا نہیں کیا۔

حتى شببت شابا غير محجون

جس نے تجھے لڑکپن میں پالا یہاں تک کہ تو جوان ہوا۔

---

[1] مسلم کتاب المناقب مناقب سعد بن ابی وقاصؓ

[2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ عمرو بن سعید و خالد بن سعیدؓ

[4] استیعاب تذکرہ عبداللہ بن ابی سلول

دن کے فاقہ میں بے ہوش ہوگئیں[1] لیکن حضرت سعد بن ابیؓ وقاص پر اس کا کچھ اثر نہ پڑا اور انہوں نے اپنی ماں سے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر تمہارے قالب میں ہزار جانیں بھی ہوں اور ایک ایک کر کے ہر جان نکل جائے تب بھی میں اپنے اس دین کو نہ چھوڑوں گا۔[2]

حضرت خالد بن سعیدؓ اسلام لائے تو ان کے باپ نے ان کو سخت سرزنش کی کوڑے مارے قید کیا، کھانا پینا بند کر دیا اور اپنے دوسرے لڑکوں کو ان سے بات چیت کرنے کی ممانعت کر دی لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی معیت نہ چھوڑی اور آخر کار حبش کی طرف ہجرت کر گئے، اب ان کے باپ کو اور بھی رنج ہوا اور کہا کہ مجھے ان صابیوں سے الگ ہو جانا پسند ہے لیکن یہ گوارا نہیں کہ اپنے باپ دادا اور معبودوں کے معائب سنوں، چنانچہ وہ طائف کے ایک مقام میں جہاں ان کی کچھ جائیداد تھی چلے گئے۔[3]

دین وایمان کے معاملہ میں صحابہ کرامؓ نے صرف معاشرتی بے تعلقی کو گوارا نہیں کیا بلکہ ان کو اعزہ واقارب کے رشتہ حیات کے منقطع کر دینے میں بھی تامل نہ ہوا، ایک غزوہ میں عبداللہ بن ابی سلول نے انصار کو مہاجرین کے خلاف اشتعال دلایا تو اس کے بیٹے عبداللہ نے کہا کہ ''یارسول اللہ ﷺ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کو قتل کر ڈالوں،،[4]

عتبہ غزوہ بدر میں شمشیر بکف میدان میں آیا تو مقابلے کے لیے اس کے لختِ جگر حضرت ابوحذیفہؓ نکلے، چنانچہ عتبہ کی بیٹی ہند نے اس پر ان کی ہجو میں یہ اشعار لکھے۔

فما شكرت ابار باك من صغر

تو نے اس باپ کا شکر ادا نہیں کیا۔

حتى شببت شاباغير محجون

جس نے تجھے لڑکپن میں پالا یہاں تک کہ تو جوان ہوا۔

---

1. مسلم کتاب المناقب مناقب سعد بن ابی وقاصؓ
2. اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
3. طبقات ابن سعد تذکرہ عمرو بن سعید و خالد بن سعیدؓ
4. استیعاب تذکرہ عبداللہ بن ابی سلول

الا حول الا ثعل المشئوم طائرہ

او ! احول، کج دندان، بدبخت

ابو حذیفۃ شر الناس فی الدین

ابوحذیفہؓ جو مذہبی حیثیت سے بدترین شخص ہے [1]

اسی غزوہ میں حضرت عبدالرحمنؓ (اس وقت وہ کافر تھے) صفِ جنگ سے نکلے تو ان کے والد بزرگوار حضرت ابوبکرؓ نے ان کا مقابلہ کیا۔ [2]

اسیران بدر گرفتار ہوکر آئے اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے ان کے متعلق مشورہ کیا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ ''آپ علی کو ان کے بھائی عقیل کی گردن مارنے کا حکم دیجئے اور مجھ کو میرے ایک عزیز کو حوالہ کیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں،، [3]

یہود بنوقریظہ قبیلہ اوس کے حلیف تھے، [4]

اور عرب میں حلیفوں میں بالکل برادرانہ تعلقات پیدا ہو جاتے تھے لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے ان کا فیصلہ حضرت سعد بن معاذؓ پر رکھ دیا جو قبیلہ اوس کے سردار تھے تو انہوں نے اس تعلق کی کچھ پرواہ نہ کی اور بے لاگ فیصلہ کر دیا کہ لڑنے والے قتل کر دیئے جائیں عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنالیا جائے اور ان کا مال واسباب مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ [5]

صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی۔

ولا تمسکو ابعصم الکوافر

''کافرہ عورتوں کو نکاح میں نہ رکھو،،

---

1. استیعاب تذکرہ ابوحذیفہ
2. ایضاً تذکرہ عبدالرحمٰن
3. مسلم کتاب الجہاد باب الامداد فی الملئکہ فی غزوہ بدر واباحۃ الغنائم
4. اسد الغابہ تذکرہ سعد بن معاذ وطبقات ابن سعد ذکر غزوہ بنوقریظہ
5. بخاری کتاب المغازی ذکر غزوہ بنوقریظہ

اوراس کے ذریعہ سے صحابہؓ کوحکم دیا گیا کہ مکہ میں ان کی جو کافرہ عورتیں ہیں ان کو چھوڑ دیں۔ [1] تو حضرت عمرؓ نے اسی وقت اپنی کافرہ بیویوں کو طلاق دیدی۔ بہت سی صحابیات اپنے اپنے شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں اور ان میں سے ایک بھی اپنے دین سے برگشتہ نہ ہوئی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں،

مانعلم ان احدامن المھا جرات ارتدت بعد ایمانھا [2]

''ہم کو کسی ایسی مہاجرہ عورت کا حال معلوم نہیں ہوا جو ایمان لا کر پھر مرتد ہوئی ہو''

اعزہ واقارب کے علاوہ قبائل کی یکجہتی بھی عرب کی سب سے بڑی طاقت تھی، لیکن بعض صحابہؓ نے اسلام کے لیے قبیلہ کے تعلق کو بھی منقطع کردیا، حضرت سعد بن معاذؓ اسلام لائے تو اپنے قبیلہ سے تمام تعلقات منقطع کر لیے اور کہا کہ ''مجھ پر تمھارے مردوں اور عورتوں سے بات چیت کرنا حرام ہے۔ [3] لیکن ان تمام واقعات سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اسلام نے صحابہ کرامؓ میں قساوت اور سنگدلی پیدا کردی تھی اور اسی سنگدلی کی وجہ سے انہوں نے تمام اعزہ واقارب سے تعلقات منقطع کر لیے تھے۔ بلکہ اس کے برعکس اسلام نے صحابہ کرامؓ کے جذبہ محبت کو اور بھی زیادہ مشتعل کردیا تھا، اس لئے جب وہ اپنے اعزہ واقارب بالخصوص اپنی اولاد اور اپنی شریکِ زندگی بی بی کو دیکھتے تھے کہ وہ کفر کی بدولت جہنم کا ایندھن بن رہے ہیں تو فطری محبت کی بناء پر ان کا دل جلتا تھا اور وہ سخت اضطراب کی حالت میں خدا سے دعا کرتے تھے کہ

ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما

''اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں (کی طرف) سے اور ہماری اولاد کی (طرف) سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما اور ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا بنا''

---

[1] بخاری کتاب التفسیر سورہ ممتحنہ

[2] بخاری کتاب الشروط ذکر صلح حدیبیہ

[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن معاذؓ

یعنی ہماری ہی طرح ہماری بیبیوں اور بچوں کو بھی ایمان واسلام کی دولت عطا کر اور وہ اس معاملہ میں ہماری پیروی کریں تا کہ ان کو دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہم پر ہیز گاروں کے پیشوا بن سکیں۔[1]

ہجرت:

صحابہ کرامؓ نے اسلام کے لئے جو مصائب برداشت کئے' ان میں ہجرت کی داستان نہایت دردانگیز ہے خود حدیث شریف میں آیا ہے۔

ان الهجرة شانها شديد [2]

ہجرت کا معاملہ نہایت سخت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ہمیشہ مصائب برداشت کرنے کے خوگر تھے وہ بھی اس مصیبت کو برداشت نہ کر سکے' چنانچہ ایک بدو مدینہ میں ہجرت کر کے آیا اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی' سوئے اتفاق سے اسلام لانے کے بعد اس کو بخار آ گیا اس لئے اس نے اصرار کے ساتھ بیعت فسخ کرالی' اس موقع پر آپؐ نے فرمایا۔

انما المدينة كالكير تنفى خبثها و تنصع طيبها [3]

مدینہ سونار کی بھٹی کے مثل ہے جو میل کچیل کو باہر پھینک دیتی ہے اور خالص سونے کو الگ کر دیتی ہے۔

یہ زر خالص صحابہ کرامؓ ہی تھے جو مدتوں مدینہ میں نعل در آتش رہے' لیکن اسلام کے لئے ان تمام سختیوں کو گوارا کر لیا' چنانچہ صحابہ کرامؓ ہجرت کر کے آئے تو مدینہ کی آب وہوا راس نہ آئی اور متعدد بزرگ بخار میں مبتلا ہو گئے اس حالت میں حضرت ابوبکرؓ یہ شعر پڑھتے تھے۔

كل امرى مصبح فى اهله
والموت ادنى من شراك نعله

---

1 تفسیر ابن کثیر جلد ۷۔ص ۱۵۹

2 بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحابہؓ الی المدینۃ

3 بخاری کتاب الاحکام باب من بائع ثم استقال البیعۃ مع فتح الباری

حضرت بلالؓ مکہ کی وادیوں' چشموں اور پہاڑیوں کو یاد کر کے چیخ اٹھتے تھے اور اپنے رنج وغم کا اظہار ان حسرت ناک اشعار میں کرتے تھے۔

الا لیت شعری هل ابیتن لیلة

کاش میں ایک رات اس میدان میں بسر کرتا۔

بوادو حولی اذخرو جلیل

جسمیں میرے گرد اذخر و جلیل ہوتے (مکہ کی دو قسم کی گھاسوں کا نام ہے)

وهل اردن یوما میاه مجنة

کیا میں پھر کسی دن کو مجنہ کے چشموں سے سیراب ہوں گا

وهل یبدون لی شامة وطفیل [1]

کیا میرے سامنے پھر شامہ و طفیل (دو پہاڑیاں ہوں گی۔

حضرت عامرؓ کی زبان پر یہ شعر تھا۔

انی وجدت الموت قبل ذوقه

مجھے موت سے پہلے ہی موت آ گئی

ان الجبان حتفه من فوقه [2]

نامردوں کی موت اوپر سے آتی ہے۔

ایک صحابیؓ ہجرت کر کے آئے تو بیمار ہو گئے' حالتِ مرض میں رسول اللہ ﷺ نے حال پوچھا بولے بیمار ہوں' اگر بطحان کا پانی پی لیتا تو اچھا ہو جاتا' فرمایا تو کون روکتا ہے؟ بولے ہجرت ارشاد ہوا جاؤ تم ہر جگہ مہاجر ہی رہو گے۔ [3]

سخت سے سخت رکاوٹیں بھی صحابہ کرامؓ کو ہجرت سے باز نہیں رکھ سکتی تھیں' کفار نے حضرت ابو جندلؓ کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں' لیکن حدیبیہ کا معاہدہ صلح ہو رہا تھا کہ وہ بیڑیاں پہنے ہوئے پہنچے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے سامنے ڈال دیا۔ اگرچہ معاہدہ میں یہ شرط تھی کہ جو مسلمان مدینہ جائے گا وہ واپس کر دیا جائے گا' تاہم چونکہ معاہدہ اب تک مکمل نہیں ہوا تھا اس

---

[1] بخاری کتاب الحج فضائل مدینہ

[2] مسند ج ٦ ص ٦٨

[3] اسد الغابہ تذکرہ وسداڈ بن اسید

لئے رسول اللہ ﷺ کو بھی ان کی حالت پر رحم آیا' اور فرمایا کہ "اب تک ہم نے مصالحت نہیں کی ہے" لیکن ابو جندلؓ کے باپ سہیل نے کہا کہ "سب سے پہلے ان ہی کو واپس کرنا ہوگا" مصلحۃً آپ نے ان کو واپس کرنا چاہا تو انہوں نے کہا "مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف پھر واپس کر دیا جاؤں گا؟ حالانکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں' کیا تم میری مصیبتوں کو نہیں دیکھتے اس وقت اگر چہ وہ واپس کر دیئے گئے، تاہم دوبارہ بھاگ کر آئے اور حضرت ابو بصیرؓ نے سمندر کے ساحل پر اس قسم کے مہاجرین کی جو جماعت قائم کر لی تھی اس میں شامل ہو گئے۔[1]

حضرت صہیبؓ نے ہجرت کرنا چاہی تو کفار نے سخت مزاحمت کی اور کہا کہ "تم مکہ میں محتاج آئے تھے لیکن یہاں آ کر دولتمند ہو گئے اب یہ مال لیکر کہاں جاتے ہو؟ انہوں نے کہا "اگر میں سب مال تم کو دیدوں تو مجھے جانے دو گے؟ کفار راضی ہو گئے اور انہوں نے تمام مال انکو دیدیا۔[2]

ان تمام تکلیفوں اور مزاحمتوں میں صحابہؓ کے لئے صرف یہ خیال مسرت خیز تھا کہ انہوں نے کفر کے گہوارہ سے باہر قدم نکالا اور اسلام کے دائرہ میں آ گئے، حضرت ابو ہریرہؓ نے ہجرت کی تو گو طویل سفر سے اکتا گئے، تاہم یہ شعر زبان پر تھا۔

یالیلۃ من طولھا وعنائھا

کتنی لمبی اور تکلیف دہ یہ رات ہے، تاہم

علی انھا من دارۃ الکفر نجت [3]

یہ بات تسکین بخش ہے کہ اس نے دارالکفر سے نجات دلائی۔

فتح مکہ کے بعد اگر چہ تمام عرب میں امن وامان قائم ہو گیا تھا اور ہر شخص آزادی سے فرائض اسلام بجالا سکتا تھا، تاہم بعض مسلمانوں کے دلوں میں اب بھی ہجرت کا شوق باقی تھا، چنانچہ چند لوگ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو چلے کوفہ تک پہنچے تو راستہ میں معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو چکا۔[4]

---

1. بخاری کتاب الشروط ذکر صلح حدیبیہ
2. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت صہیبؓ
3. بخاری کتاب العتاق
4. بخاری کتاب المغازی ذکر وفات النبی وبعث اسامہ

لوگ سمجھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے صرف جان و مال کی حفاظت کے لئے ہجرت کی تھی لیکن درحقیقت یہ خیال صحیح نہیں بلکہ ہجرت کا اصلی مقصد یہ تھا کہ دین کی حفاظت ہو اور ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنے خدا کی عبادت کر سکے، چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ "ہر مسلمان اپنے دین کو لے کر خدا اور خدا کے رسولؐ کے طرف بھاگ آتا تھا، تا کہ دینی فتنہ میں نہ مبتلا ہو۔[1] لیکن یہ ذوق اس قدر ترقی کر گیا کہ جس سرزمین میں برائی نظر آتی تھی صحابہ کرامؓ اس کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے دامن میں پناہ لیتے تھے تا کہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو، چنانچہ ایک بار حضرت لبابہؓ بن عبدالمنذر سے ایک گناہ سرزد ہو گیا اور ان پر اس کا اس قدر اثر پڑا کہ جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسولؐ اللہ میں چاہتا ہوں کہ جس سرزمین میں میں نے گناہ کیا ہے چھوڑ دوں اور آپؐ کے پاس آ رہوں اور اپنا کل مال اللہ و رسولؐ کو صدقہ میں دے دوں۔[2]

اسلامی اوجِ حکومت کے زمانہ شباب میں بھی جب کہیں صحابہ کرامؓ کو بدی کا احساس ہوتا تو فوراً اس مقام کو چھوڑ کر مدینہ کا رخ کرتے تھے۔

ایک بار غزوۂ روم میں حضرت عبادہؓ بن صامت انصاری نے دیکھا کہ لوگ سونے کے ٹکڑے اشرفیوں سے اور چاندی کے ٹکڑے درہموں سے بیچ رہے ہیں، فرمایا "لوگو تم سود کھا رہے ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سونے کو سونے کے برابر خریدو اس میں نہ زیادتی ہے نہ ادھار،، اس پر حضرت معاویہؓ نے کہا "میرے نزدیک صرف ادھار کی صورت میں سود ہے،، بولے میں حدیث بیان کرتا ہوں اور تم اپنی رائے ظاہر کرتے ہو، اگر خدا نے توفیق دی تو جس سرزمین میں مجھ پر تمھاری حکومت ہے، اس میں قیام نہ کروں گا۔،، چنانچہ پلٹے تو سیدھے مدینہ چلے آئے۔[3]

---

[1] بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحابہ الی المدینہ

[2] موطا امام مالک کتاب الایمان والنذ و باب جامع الایمان

[3] سنن ابن ماجہ باب تعظیم حدیث رسول اللہ ﷺ والتغلیظ علی من عارضہ

ثواب آخرت کی تمنا نے دارالہجرت یعنی مدینہ کو صحابہ کرامؓ کی نگاہوں میں اس قدر محبوب بنا دیا تھا کہ حضرت عثمانؓ محصور ہوئے تو بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ شام کو نکل چلیں، وہاں امیر معاویہؓ کی حمایت حاصل ہوگی، بولے "میں دارالہجرت اور مجاورت رسولؐ کا فراق ہرگز گوارا نہ کروں گا۔" [1]

جب حضرت سعد بنؓ ابی وقاص مکہ میں سخت بیمار ہو کر اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے تو ان کو صرف یہ افسوس ہوا کہ وہ دارالہجرت سے دور ایسی سرزمین میں مر رہے ہیں جس سے انہوں نے ہجرت کر لی ہے، [2] حضرت عبداللہ بنؓ عمر یہ دعا کرتے تھے کہ خداوندا مکہ میں مجھے موت نہ آئے۔

مکہ میں ان کا انتقال ہونے لگا تو اپنے بیٹے سالم کو وصیت کی کہ مرنے کے بعد میری لاش حدود حرم سے باہر دفن کی جائے، کیونکہ مجھے یہ پسند نہیں کہ وہیں سے ہجرت کی اور وہیں دفن ہوں [3] حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف مکہ میں آتے تھے تو اپنے زمانہ جاہلیت کے قدیم مکان میں جس سے وہ ہجرت کر چکے تھے اترنا نہیں پسند کرتے تھے۔ [4]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد اول ص ۶۷، مسند عثمانؓ بن عفان

[2] مسلم کتاب الوصایا باب الوصیۃ بالثلث لا تیجاوز۔

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

[4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ

عقائد

توحید:

صحابہ کرامؓ نے اگرچہ اپنی زندگی میں بہت سے نیک کام کئے تھے، لیکن ان سب میں کلمہ توحید کو راس الاعمال سمجھتے تھے، حضرت عمروؓ بن العاص کی وفات کا وقت قریب آیا تو رونے لگے، ان کے بیٹے حضرت عبداللہؓ نے پوچھا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا موت کے ڈر سے؟ بولے خدا کی قسم! نہیں، صرف واقعات مابعد الممات کا خوف ہے- انہوں نے تسکین دی اور کہا " آپ عمر بھر نیک کام کرتے رہے- آپ نے رسول اللہ ﷺ کا فیضِ صحبت پایا اور آپ نے مصرو شام میں فتوحات کیں،، بولے " تم نے ان سے بہتر چیز یعنی شہادت لا الہ الا اللہ کو تو چھوڑ ہی دیا [1]،،

کفار حضرت بلالؓ کو کس قدر اذیت دیتے تھے، لیکن ان کی زبان سے صرف احد احد نکلتا تھا [2] حضرت ابوفکیہؓ بھی اسی مصیبت میں مبتلا تھے، لیکن اس حالت میں بھی جب ان کے آقا امیہ نے ایک گبریلے کی طرف اشارہ کر کے حقارت آمیز لہجہ میں کہا کہ " تمھارا پروردگار یہی تو نہیں،، تو بولے کہ " میرا اور تیرا دونوں کا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہے،،

حضرت ام شریکؓ ایمان لائیں تو انکے اعزہ و اقارب نے انکو دھوپ میں کھڑا کر دیا اور اس حالت میں روٹی کے ساتھ شہد جیسی گرم چیز کھلاتے تھے اور پانی تک نہیں پلاتے تھے، جب اس طرح تین دن گذر گئے تو ظالموں نے کہا کہ " جس مذہب پر تم ہو اب اس کو چھوڑ دو " وہ اس قدر بدحواس ہوگئی تھیں کہ ان جملوں کا مطلب ہی نہ سمجھ سکیں، اب ان لوگوں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بتایا تو سمجھیں کہ توحید کا انکار مقصود ہے، بولیں " خدا کی قسم! میں تو اسی عقیدہ پر قائم ہوں،، [3]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرو بن العاصؓ۔

[2] سنن ابن ماجہ ص ۱۴ فضل سلمان وابیؓ ذوالمقداد۔

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ ام شریکؓ، اصابہ میں یہ واقعہ کسی قدر اختلاف کے ساتھ مذکور ہے۔

تنزہ عن الشرک :

لیکن توحید کی تکمیل کے لئے صرف اسی قدر کافی نہ تھا بلکہ اہل عرب میں جو مشرکانہ خیالات پھیلے ہوئے تھے ان کا انکار بھی توحید کا ایک جزو تھا، اس لئے صحابہ کرامؓ اسلام لانے کے ساتھ ہی اس گورکھ دھندے سے بھی نکل گئے مثلاً عرب کا خیال تھا کہ جو بتوں کی برائیاں بیان کرتے ہیں ان کو برص یا جذام یا جنون ہو جاتا ہے، لیکن حضرت ضمام ابن ثعلبہؓ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت بابرکت سے اسلام کے نشہ میں چور ہو کر واپس گئے اور اپنی قوم کے سامنے لات و عزیٰ کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو اس خیال کی بناء پر سب نے کہا کہ ''ضمام برص جذام اور جنون سے ڈرو،، بولے ''خدا کی قسم یہ دونوں بت کچھ بھی نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتے،،[1]

حضرت زنیرہؓ اسلام لانے کے بعد اندھی ہوگئیں تو کفار نے کہنا شروع کیا کہ لات و عزیٰ نے ان کو اندھا کر دیا ہے، بولیں کہ لات وعزی کو پوجنے والوں کو کیا خبر؟ یہ مصیبت تو آسمان سے آئی ہے،،[2]

زمانہ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کا عام رواج تھا، لیکن چونکہ اس میں عموماً شرک کی آمیزش پائی جاتی تھی، اس لئے وہ ایک مشتبہ چیز تھی، لیکن ایک سفر میں اتفاق سے چند صحابہ عرب کے ایک قبیلے کے یہاں اترے اور ان لوگوں نے ان کے مذہبی تقدس کی بناء پر درخواست کی کہ ہمارے رئیس کو بچھو نے ڈنک مار دیا ہے کیا آپ لوگ اس کو کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں ان میں ایک بزرگ رئیس کے پاس آئے اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ بھلا چنگا ہو گیا ان لوگوں نے صحابہ کو اس کا معاوضہ دیا جس کو ان لوگوں نے تقسیم کرنا چاہا، لیکن جن بزرگ نے سورۂ فاتحہ کا دم کیا تھا اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ اس کے متعلق چل کر رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کر لینا چاہیے چنانچہ آپ کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا ''تم کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ یہ جھاڑ پھونک ہے؟ معاوضہ تقسیم کرلو اور میرا بھی ایک حصہ لگاؤ،،[3]

---

[1] مسند دارمی کتاب الصلوۃ باب فرض الوضوء والصلوۃ ۔

[2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت زنیرہؓ۔

[3] ابوداؤد کتاب الطب، باب کیف الرقی ۔

زمانہ جاہلیت میں تعویذ گنڈے کا عام رواج تھا لیکن ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دیکھا کہ بی بی نے گلے میں گنڈا ڈال رکھا ہے توڑ کے پھینک دیا اور کہا کہ آل عبداللہ شرک سے بے نیاز ہیں، رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ تعویذ گنڈا شرک ہے۔،، [1]

عرب کے لوگ بچوں کے بچھونے کے نیچے استرا رکھ دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس طرح بچے آسیب سے محفوظ رہتے ہیں، حضرت عائشہؓ نے ایک بار کسی بچے کے سرہانے استرا دیکھا تو منع فرمایا اور کہا کہ ''رسول اللہؐ ٹوٹکے کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ [2]

بت شکنی :

عرب میں شرک کا اصلی مظہر بت تھے اس لئے صحابہ کرامؓ اسلام لائے تو سب سے پہلے راہ توحید سے اسی سنگِ گراں کو دور کیا، عرب میں دستور تھا کہ سرداران قبائل خاص طور پر اپنے لئے بت بناتے تھے اور ان کو گھروں میں رکھتے تھے اس طریقہ کے مطابق قبیلہ بنو سلمہ کے سردار عمرو بن الجموح نے ایک لکڑی کا بت بنوا کر گھر میں رکھا تھا نوجوانان بنو سلمہ یعنی حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت معاذؓ بن عمرو غیرہ اسلام لائے تو رات کو خفیہ طور پر آتے تھے اور اس بت کو اٹھا کر ایک گڑھے میں جس کے اندر کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا، پھینک آتے تھے عمرو بن الجموح صبح کو اٹھتا تو بت کو وہاں سے ڈھونڈ کے اٹھا لاتا اور پاک صاف کر کے گھر میں رکھ دیتا۔ اور کہتا کہ ''اے بت جس نے تیرے ساتھ یہ بدسلوکی کی ہے اگر میں اس کو پا جاتا تو اس کی بڑی فضیحت کرتا،، دوسرے دن یہ پرجوش نوجوان بت کے ساتھ پھر یہی سلوک کرتے اس طرح جب یہ واقعہ پے در پے ہوا تو عمرو بن الجموح نے بت کے گلے میں ایک تلوار لٹکا دی اور کہا کہ ''اگر تجھ میں کچھ بھلائی ہے تو خود اپنی حفاظت کر'' رات کو یہ نوجوان حسب معمول پھر آئے اور بت کو ایک مردہ کتے کے ساتھ رسی میں باندھ کر گڑھے میں ڈال دیا۔ عمرو بن الجموح نے بت کو اس حالت میں پایا تو خود بخود مسلمان ہو گیا۔ [3]

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الطب باب تعلیق التمائم

[2] الادب المفرد باب الطیرۃ من الجن ص ۸۰۔

[3] یہ تفصیل ابن ہشام جلد اول ص ۲۴۸ میں ہے۔ اسد الغابہ تذکرہ معاذؓ بن جبل میں اجمالاً صرف اس قدر مذکور ہے۔ کان معاذ ممن یکسر اصنام بنی سلمۃ یعنی، معاذ ان لوگوں میں ہیں جو بنی سلمہ کے بت کو توڑا کرتے تھے۔

قبیلہ سعد کا ایک بت تھا جس کا نام قراض تھا، حضرت ذباب بن حارث اسلام لائے تو اس کو چکنا چور کر دیا اور اس کے متعلق یہ اشعار کہے:

تبعت رسول الله اذجاء بالهدیٰ
جب رسول اللہ ﷺ ہدایت لائے تو میں نے آپ کا
وخلفت قراضا بدار هوان
اتباع کیا اور قراض کو ذلیل ترین مقام میں چھوڑ دیا۔
شددت عليه شدة فكسرته
میں نے اس پر حملہ کیا اور اس کو اس طرح
كان لم يكن والد هر ذوحدثان [1]
چور چور کر دیا کہ گویا اس کا وجود ہی نہ تھا۔

حضرت ہند بن عتبہؓ جب ایمان لائیں تو گھر میں جو بت نصب تھا اس کو توڑ پھوڑ ڈالا اور کہا ''ہم تیری نسبت بڑے دھوکے میں مبتلا تھے۔'' [2]

حضرت ابوطلحہؓ نے جب حضرت ام سلیمؓ سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے کہا کہ ''ابو طلحہ کیا یہ خبر نہیں کہ جس خدا کو تم پوجتے ہو وہ زمین سے اگا ہے۔'' بولے ''مجھے معلوم ہے۔'' بولیں تو کیا تمھیں ایک درخت کی عبادت سے شرم نہیں آتی؟'' چنانچہ جب تک انہوں نے بت پرستی سے توبہ کر کے کلمہ توحید نہیں پڑھا انہوں نے ان سے نکاح کرنا پسند نہیں کیا۔ [3]

ایمان بالرسالۃ:

رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اعتقاد صحابہ کرامؓ کے لوح دل پر کالنقش فی الحجر ہو گیا تھا، اس لئے وہ کسی حالت میں اس کو مٹنے نہیں دیتے تھے، غزوۂ حدیبیہ میں جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مصالحت نامہ لکھا تو کفار نے اصرار کیا کہ اس پر ''رسول اللہ'' کا لفظ نہ لکھا جائے رسول اللہ ﷺ نے یہ شرط منظور کر لی اور حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اس فقرے کو مٹا دیں۔ صحابہ کرامؓ

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ ذبابؓ

[2] اصابہ تذکرہ ہند بن عتبہؓ

[3] اصابہ تذکرہ حضرت ام سلیمؓ

اگر چہ کبھی آپ کی نافرمانی نہیں کرتے تھے تاہم اس موقع پر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ "میں اس کو نہیں مٹا سکتا"، بالآخر آپؐ نے خود اپنے دست مبارک سے اس کو مٹا دیا۔[1]

ایمان کا درجہ کمال یہ ہے کہ پیغمبر کے اقوال پر اس وثوق کے ساتھ ایمان لایا جائے کہ محال ممکن، مستقبل حال اور غائب حاضر بن جائے صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات پر اسی شدت کے ساتھ ایمان لائے تھے اور اسی درجہ کمال نے حضرت ابوبکرؓ کو صدیق کا خطاب دیا تھا۔

ایک بار آپ نے فرمایا کہ "بکری کے ایک گلے پر بھیڑیے نے حملہ کیا اور ایک بکری اٹھالے چلا، چرواہے نے اس کو بلایا تو بھیڑیے نے جواب دیا کہ یوم السبع میں بکری کا نگران کون ہوگا جبکہ میرے سوا ان کا چرواہا کوئی نہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ ایک شخص بیل پر بوجھ لادے ہوئے جا رہا تھا بیل نے مڑ کر کہا میں اس کے لئے نہیں بنایا گیا۔ میں صرف کھیتی باڑی کے لئے پیدا ہوا ہوں"، بہت سے صحابہؓ نے اسکو استعجاب سے سنا اور کہا "سبحان اللہ"، لیکن آپ نے فرمایا "ہم ابوبکرؓ اور عمرؓ بن الخطاب اس پر ایمان لائے ہیں۔"[2]

ایک بار حضرت عمران بن حصینؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ "اہل وعیال کے رونے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے"، اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا کہ "اگر ایک آدمی خراسان میں مر جائے اور اہل وعیال یہاں پر ماتم کریں تو کیا آپ کے خیال میں اس پر خراسان میں عذاب ہوگا؟ بولے "رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے وہ سچ ہے اور تو جھوٹ بکتا ہے"۔[3]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "آئندہ زمانے میں تمھاری مختلف جماعتیں قائم ہو جائیں گی۔ کوئی جماعت شام میں رہے گی کوئی یمن میں اقامت پزیر ہوگی اور کوئی عراق میں سکونت اختیار کرے گی"، اس پیشین گوئی پر حضرت ابن حوالہؓ اس وثوق کے ساتھ ایمان لائے کہ آپ سے درخواست کی کہ "مبادا میں بھی اس زمانہ تک زندہ رہوں اس لئے آپ خود میری اقامت گاہ متعین فرما دیجئے"۔[4]

---

1. مسلم کتاب الجہاد باب صلح الحدیبیہ فی الحدیبیہ
2. بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکرؓ
3. نسائی کتاب الجنائز باب النیاحۃ علی المیت۔
4. ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی سکنی الشام۔

ایک بار آپؐ نے کسی بدو سے گھوڑا خرید ا اور قیمت ادا کرنے کے لئے اس کو ساتھ لے چلے لیکن آپ تیزی سے آگے بڑھ گئے اور بدو پیچھے رہ گیا لیکن جن لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ آپ نے اس کو خرید لیا ہے وہ بدو سے بھاؤ تاؤ کرنے لگے۔ خریداروں کو دیکھ کر بدو نے آپؐ کو پکار کر کہا۔ لینا ہو تو لیجئے ورنہ میں گھوڑے کو فروخت کرڈالتا ہوں،، آپؐ نے فرمایا کہ" تم نے تو اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دیا ہے، بولا نہیں اگر گواہ ہو تو لایئے حضرت خذیمہ ابن ثابت اگرچہ بیع کے موقع پر موجود نہ تھے۔ تاہم کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں تم نے آپ کے ہاتھ گھوڑا فروخت کر دیا ہے، ارشاد ہوا" تم نے کیوں کر شہادت دی،، بولے" آپکی تصدیق کی بناء پر،، اس موقع پر ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ نے ان کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا۔[1]

صحابہ کرامؓ کے عہد میں بچہ بچہ یہ راسخ عقیدہ رکھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے جو لفظ نکل جائے گا اس کے خلاف نہ ہوگا ایک بار آپ نے ایک لڑکی کو بددعا دے دی کہ" تیرا سن زیادہ نہ ہو،، وہ روتی ہوئی حضرت ام سلیمؓ کے پاس آئی اور کہا کہ" آپؐ نے مجھ کو یہ بددعا دی ہے اب میرا سن ترقی نہ کرے گا،، وہ فوراً حاضر خدمت ہوئیں اور کہا کہ" آپؐ نے میری تیمہ کو بددعا دیدی،، آپ ہنس پڑے اور فرمایا " میں بھی آدمی ہوں اور آدمیوں کی طرح خوش اور رنجیدہ ہوتا ہوں پس جس کو میں ایسی بددعا دوں جس کا وہ مستحق نہیں تو یہ اس کے لئے پاکی، تزکیہ اور نیکی ہوگی۔،،[2]

جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی معجزہ صادر ہوتا تھا تو صحابہ کرامؓ کی قوت ایمانیہ میں اور اضافہ ہو جاتا تھا۔ حضرت جابرؓ کو اپنے باپ کی جانب سے بہت سے لوگوں کا قرض ادا کرنا تھا اور کھجوروں کے باغ کے سوا ادا کرنے کا کوئی سامان نہ تھا لیکن قرضدار باغ کے پھل لینے پر آمادہ نہ تھے بالآخر رسول اللہ ﷺ خود باغ میں آئے اور اس کی کھجوروں کے لیے دعائے برکت فرمائی نتیجہ یہ ہوا کہ جب کھجوریں توڑی گئیں تو سب کا قرض بھی ادا ہو گیا اور بہت کچھ کھجوریں بچ بھی رہیں۔ حضرت جابرؓ نے آپؐ کو اس کی خبر کی تو آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا سنتے ہو؟

---

[1] ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب اذا علم الحاکم صدق الشاہد الواحد یجوز لہ الحکم۔

[2] مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب من لعنہ النبی ﷺ وسبہ ودعا علیہ

بولے ''ہم کو تو یقین ہی تھا کہ آپ خدا کے پیغمبر ہیں، خدا کے پیغمبر ہیں،، [1]

غزوہ خیبر میں ایک شخص نہایت بے جگری سے لڑ رہا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ''دوزخی ہے،، اس پر تمام صحابہؓ کو سخت تعجب ہوا اور ایک صحابی اس کی تصدیق کے لئے اس کے ساتھ ہو لئے سوء اتفاق سے وہ زخمی ہو کر زندگی سے تنگ آ گیا اور خودکشی کر لی اس حالت کو دیکھ کر وہ آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ خدا کے رسول ہیں-،، [2]

یہ قوت ایمانیہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں قائم تھی اسی طرح آپ کی وفات کے بعد بھی قائم رہی، رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو تمام صحابہؓ نے رو کر کہا کہ ''کاش ہم آپ سے پہلے ہی مر جاتے ایسا نہ ہو کہ آپ کے بعد ہمارے دین میں کوئی خلل آئے،، لیکن حضرت معنؓ بن عدی نے کہا کہ ''میں آپؐ سے پہلے مرنا پسند نہیں کرتا تا کہ جس طرح میں نے آپؐ کی زندگی میں آپ کی تصدیق کی اسی طرح بعد وصال بھی آپ کی تصدیق کروں،، [3]

ایمان بالغیب :

شریعت میں صرف ایمان بالغیب معتبر ہے اور صحابہ کرامؓ کو غیب کی تمام چیزوں پر اس شدت کے ساتھ یقین تھا کہ گویا ان کو یہ چیزیں علانیہ نظر آتی تھیں-

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت حارثؓ سے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ بولے ''یا رسول اللہ ﷺ خدا پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہوں،، فرمایا ''ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمھارے ایمان کی کیا حقیقت ہے،،؟ بولے دنیا سے میرا دل پھر گیا ہے- اس لئے رات کو جاگتا ہوں، دن کو بھوکا پیاسا رہتا ہوں، گویا مجھ کو خدا کا عرش علانیہ نظر آتا ہے گویا میں اہل جنت کو باہم ملتے جلتے دیکھ رہا ہوں اور گویا اہل دوزخ مجھے چیختے ہوئے نظر آ رہے ہیں آپ نے فرمایا ''تم نے جان لیا اب اس پر قائم رہو،، [4]

---

[1] بخاری کتاب الہبۃ باب اذا وہب دینا علی رجل-

[2] بخاری کتاب المغازی ذکر غزوہ خیبر-

[3] اسد الغابہ تذکرہ معن بن عدیؓ

[4] اسد الغابہ تذکرہ حضرت حارث بن مالکؓ

رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت سے یہ ایمان اور بھی تازہ رہتا تھا حضرت حنظلہؓ کا بیان ہے کہ جب ہم آپ ؐ کی خدمت میں ہوتے تھے اور آپ جنت اور دوزخ کا ذکر فرماتے تھے تو گویا ہمارے سامنے ان کی تصویر پھر جاتی تھی۔ [1]

ایمان بالقدر :

صحابہ کرامؓ مسئلہ تقدیر پر شدت کے ساتھ یقین رکھتے تھے، طاؤس یمانی کا بیان ہے کہ میں نے متعدد صحابہؓ سے ملاقات کی۔ سب کے سب کہتے تھے کہ کل چیزیں تقدیر سے وجود میں آئی ہیں۔ [2] ابن دیلمی کہتے ہیں کہ میرے دل میں مسئلہ تقدیر کے متعلق خدشہ پیدا ہوا۔ انہوں نے حضرت ابی بن کعبؓ سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ خدا کی راہ میں کوہِ احد کے برابر سونا صرف کرو گے تو خدا اس وقت تک قبول نہ کرے گا جب تک تقدیر پر ایمان نہ لاؤ گے اور اگر اس عقیدہ کے خلاف تم کو موت آئی تو جہنم میں داخل ہو گے، اس کے بعد وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ اور زید بن ثابتؓ کے پاس آئے تو سب نے یہی کہا، حضرت عبادہ بن الصامتؓ نے ابو حفصہؒ کو نصیحت کی کہ بیٹے تم کو اس وقت تک حقیقت ایمان کی لذت نہ ملے گی جب تک تم کو یہ یقین نہ ہو کہ جو کچھ ہوا اس کا ہونا لازمی تھا اور جو کچھ نہیں ہوا اس کا نہ ہونا ضروری تھا۔ [3] اس بناء پر جب کوئی شخص مسئلہ تقدیر کا انکار کرتا تھا تو صحابہ کرامؓ شدت کے ساتھ اس سے تحاشی کرتے تھے۔

بصرہ میں جب معبد جہنی نے مسئلہ تقدیر کا انکار کیا تو یحییٰ بن لعمیر اور حمید بن عبدالرحمٰن نے اس مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کی طرف رجوع کرنا چاہا حسن اتفاق سے ایک سفر حج میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے ملاقات ہوگئی، دونوں نے انکو دائیں بائیں سے گھیر لیا اور کہا کہ ''کچھ مسلمان ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو تقدیر کے منکر ہیں،، فرمایا ''ان سے ملنا تو کہہ دینا کہ میں ان سے الگ ہوں اور وہ مجھ سے الگ ہیں خدا کی قسم جب تک وہ تقدیر پر ایمان نہ لائیں گے اگر کوہِ اُحد کے

---

[1] ترمذی ابواب الزہد ص ۴۱۳

[2] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۱۱۰

[3] ابوداؤد کتاب السنۃ باب فی القدر

برابر بھی سونا خیرات کریں گے تو خدا اس کو قبول نہ کرے گا،،[1] ان کا ایک دوست شام میں رہتا تھا اور باہم اس قدر تعلقات تھے کہ خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ لیکن ایک بار انہوں نے اس کو لکھ بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے مسئلہ تقدیر کے متعلق کچھ قیل وقال شروع کی ہے، اس لئے اب خط وکتابت کا سلسلہ بند کردو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت میں کچھ لوگ پیدا ہوجائیں گے جو تقدیر کا انکار کریں گے،،[2]

یہ صرف اعتقاد ہی اعتقاد نہ تھا بلکہ بعض صحابہؓ سخت سے سخت مصیبت میں اسی پر عمل بھی کرتے تھے۔ طاعون عمواس کے زمانے میں حضرت عمرؓ نے سرغ تک پہنچ کر واپس آنا چاہا تو حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے فرمایا۔

افرار من قدر اللّٰه

کیا آپ تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہیں۔

بولے کاش تمہارے سوا کوئی دوسرا اختلاف کرتا، ہاں تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہیں مگر تقدیر الٰہی ہی کی طرف۔[3]

بصرہ میں طاعون آیا تو کسی نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے کہا کہ ''ہم کو مقام وابق میں لے کر نکل چلئے،، بولے:۔

الی اللہ آبق لا الی وابق[4]

خدا کی طرف بھاگوں گا نہ کہ وابق کی طرف

---

1 مسلم کتاب الایمان باب ماجاء فی الایمان والاسلام وذکر القدر وغیرہ

2 مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۹۰

3 مسلم کتاب السلام باب الطاعون والطیرۃ والکہانۃ ونحوہا

4 طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ

عبادات

(ابواب الطہارۃ)

پنجوقتہ نیا وضو کرنا :

ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنا بڑی پاکی اور بڑے ثواب کا کام ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اول اول رسول اللہ ﷺ پر پنج وقتہ نماز کے ساتھ پنج وقتہ وضو بھی فرض کر دیا تھا۔ بعد کو اگر چہ اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی، لیکن بعض صحابہؓ عملاً اس کے پابند رہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہر نماز نئے وضو کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔[1]

ہمیشہ باوضو رہنا :

بعض صحابہؓ ہمیشہ باوضو رہتے تھے، حضرت عدی بن حاتمؓ کا قول ہے۔

ما اقیمت الصلوۃ منذا سلمت الا وانا علی وضوء[2]

جب سے میں اسلام لایا ہر نماز کے وقت باوضو رہتا تھا۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ ''کل تم مجھ سے پہلے کیونکر جنت میں داخل ہوگئے؟،، بولے ''یارسول اللہ ﷺ! میرا معمول یہ ہے کہ جب اذان کہتا ہوں تو دو رکعت نماز لازمی طور پر پڑھ لیتا ہوں اور جس وقت وضو ٹوٹ جاتا ہے، اسی وقت فوراً وضو کر لیتا ہوں۔[3]

---

1. ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب المسواک ومسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۳۳۵۔
2. اصابہ تذکرہ حضرت عدی بن حاتمؓ۔
3. مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۵، تذکرہ حضرت بلالؓ

پنج وقتہ مسواک کرنا :

رسول اللہ ﷺ کمالِ طہارت ونظافت کی وجہ سے پنج وقتہ مسواک کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''اگر امت پر شاق نہ ہوتا تو میں پنجوقتہ نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا بھی حکم دیتا،، لیکن صحابہ کرامؓ کے جوشِ عمل کے سامنے کون سا کام شاق تھا، حضرت زید بن ارقمؓ نے اس شدت کے ساتھ اس کا التزام کیا کہ ہمیشہ قلم کی طرح کان پر مسواک رکھے رہتے تھے۔[1]

(ابواب الصلوٰۃ)

نماز پنجگانہ :

صحابہ کرامؓ جس مستعدی وسرگرمی کے ساتھ نماز پنجگانہ ادا فرماتے تھے، اس کے متعلق احادیث میں نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہیں، بخاری میں ہے کہ جب جماعت کھڑی ہوتی تھی تو تمام صحابہؓ اس تیزی کے ساتھ دوڑتے تھے کہ شور ہو جاتا تھا۔[2] سخت سے سخت مصروفیت کی حالت میں بھی جب نماز کا وقت آتا تھا تو تمام کاروبار چھوڑ کر سیدھے مسجد کی طرف روانہ ہو جاتے تھے۔

حضرت سفیان ثوریؒ سے روایت ہے۔

کانوا یتبایعون ولا یدعون الصلوات المکتوبات فی الجماعة۔

صحابہؓ بیع وشرا کرتے تھے، لیکن نماز مفروضہ کو جماعت کے ساتھ کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ''ایک بار میں بازار میں تھا کہ نماز کا وقت آ گیا تمام صحابہؓ دوکانیں بند کر کے مسجد میں چلے گئے، چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت :-

رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله

صحابہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت کے کاروبار خدا کی یاد سے نہیں روکتے۔

ان ہی لوگوں کی شان میں نازل ہوئی۔[3]

[1] ابوداؤد کتاب الطہارت باب المسواک۔

[2] بخاری کتاب الاذان باب قول الرجل فاتتنا الصلوٰۃ۔

[3] فتح الباری جلد ۴ ص ۲۵۳۔

سخت سے سخت تکلیف میں بھی صحابہ کرامؓ کی نماز قضا نہیں ہو سکتی تھی، جس دن حضرت عمرؓ کو زخم لگا۔ اسی رات کی صبح کو لوگوں نے نماز فجر کے لئے جگایا تو بولے، ''ہاں جو شخص نماز چھوڑ دے۔ اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں،، چنانچہ اسی حالت میں کہ زخم سے متصل خون جاری تھا نماز پڑھی، [1]

اگر کسی رکاوٹ کی وجہ سے نماز قضا ہو جاتی تو صحابہ کرامؓ کو سخت برہمی پیدا ہوتی، غزوہ خندق میں حضرت عمرؓ کی نماز عصر قضا ہوئی تو کفار کو برا بھلا کہتے ہوئے آئے اور کہا کہ ''یا رسولؐ اللہ سورج غروب ہو رہا ہے اور میں نے اب تک نماز عصر نہیں پڑھی، [2]

نماز جمعہ :

صحابہ کرامؓ نماز جمعہ کو نہایت اہم سمجھتے تھے اور اس اہمیت کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے تھے، اسلام کی تاریخ میں حضرت اسعد بن زرارہؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے مدینہ میں جمعہ کو قائم کیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد جب جمعہ کی اذان ہوتی تھی تو حضرت کعب بن مالکؓ ان پر رحمت کی دعا کرتے تھے، ان کے بیٹے نے ایک روز اسکی وجہ پوچھی تو بولے کہ ''وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ہم کو جمعہ کے لئے جمع کیا، اس وقت ہماری تعداد صرف چالیس تھی۔ [3]

ایک صحابیہؓ تھیں جو اپنے کھیتوں میں چقندر بو دیا کرتی تھیں جب جمعہ کا دن آتا تھا تو اس کو پکاتی تھیں اور جمعہ کے بعد تمام صحابہؓ کو کھلاتی تھیں۔ [4]

تمام صحابہؓ غسل جمعہ کا نہایت اہتمام کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے کہ'' غسل جنابت کی طرح غسل جمعہ بھی فرض ہے،، حضرت عبداللہ بن عمرؓ بغیر غسل کئے ہوئے اور بغیر خوشبو لگائے ہوئے کبھی شریک جمعہ نہیں ہوتے تھے۔ [5]

---

1. موطا امام مالک کتاب الصلوۃ باب العمل فیمن غلبہ الدم من جرح اور عاف۔
2. بخاری کتاب الصلوۃ ابواب صلوۃ الخوف باب الصلوۃ عند مناہضۃ ولقاء العدو۔
3. ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الجمعہ فی القریٰ ۔
4. بخاری کتاب الجمعہ باب فی قول اللہ عزوجل ''فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ،،
5. موطائے امام محمد باب الاغتسال یوم الجمعہ و باب وقت الجمعہ و ما یستحب من الطیب والدہان للرجل۔

ایک بار حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے کہ اسی حالت میں حضرت عثمانؓ آ گئے، بولے "بھلا یہ کون سا وقت ہے،،؟ فرمایا "بازار سے پلٹا تو اذان سنی اور صرف وضو کر کے چلا آیا،، فرمایا "یہ بھی قابل اعتراض بات ہے کہ صرف وضو کیا حالانکہ تمھیں معلوم ہے کہ جمعہ کے دن رسول للہ ﷺ غسل کا حکم دیتے تھے۔[1]

اگرچہ صحابہ کرامؓ عموماً پابندی اوقات نماز کا لحاظ رکھتے تھے لیکن جمعہ کے دن خاص طور پر یہ اہتمام کیا جاتا تھا کہ مسجد کی مغربی دیوار پر ایک چادر تان دی جاتی تھی اور جب دیوار کا سایہ اس کو پورے طور پر ڈھک لیتا تھا تو حضرت عمرؓ فوراً نماز کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوتے تھے۔[2]

عہد نبوت میں اگرچہ جہاد افضل الاعمال سمجھا جاتا تھا، لیکن جمعہ کا شوق اس پر بھی غالب آتا تھا، ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو ایک سریہ میں جانے کا حکم دیا لیکن اور لوگ تو روانہ ہو گئے وہ ٹھہر گئے، جمعہ کا دن تھا، آپ نے جماعت میں دیکھا تو فرمایا کیوں رک گئے؟ بولے "میں نے چاہا کہ آپ کے ساتھ جمعہ پڑھ لوں تو جاؤں،،[3]

نوافل، اشراق اور صلوٰۃ کسوف :

صحابہ کرامؓ جس شوق و مستعدی کے ساتھ نماز مفروضہ ادا فرماتے تھے، اسی طرح نوافل، اشراق اور صلوۃ کسوف وغیرہ بھی پڑھتے تھے، بخاری میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے:

لقد ادرکت کبار اصحاب النبیؐ یتبدرون السواری عند المغرب[4]

"میں نے کبار صحابہؓ کو دیکھا کہ مغرب کے وقت مسجد کے ستونوں کی طرف نماز کے لئے دوڑتے تھے"۔

اور شراح حدیث نے تصریح کی ہے کہ یہ نفل کی نماز ہوتی تھی جس کو مغرب کی نماز شروع ہونے سے پہلے صحابہ کرامؓ ادا فرماتے تھے، خود اس حدیث میں ہے۔

---

1. موطا امام محمد باب الاغتسال یوم الجمعہ
2. موطائے امام محمد باب وقت الجمعہ وما یستحب من الطیب والدہان
3. ترمذی ابواب الجمعہ باب ما جاء فی السفر یوم الجمعہ۔
4. بخاری کتاب الصلوٰۃ الی الاستوانہ

حتی یخرج النبی ﷺ

''یعنی صحابہؓ نفل اس وقت تک پڑھتے تھے جب تک رسول اللہ ﷺ امامت کیلئے نکل نہ آئیں''۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت انس بن مالکؓ سفر میں ہوتے تھے تو سواری کے اوپر ہی بیٹھے بیٹھے نفل کی نمازیں پڑھ لیتے تھے اور اس کو رسول اللہ ﷺ کی سنت سمجھتے تھے۔[1]

نماز اشراق اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے بہت کم پڑھی ہے لیکن بہت سے صحابہؓ نے اس کا التزام کرلیا تھا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''میں نے اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی نماز اشراق پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن میں خود پڑھتی ہوں کیونکہ آپؐ بہت سی چیزوں کو پسند فرماتے تھے لیکن اس پر اس لئے عمل نہیں کرتے تھے کہ مبادا امت پر فرض نہ ہوجائے،، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابوالدرداؓ کو آپؐ نے نماز اشراق کی وصیت فرمائی تھی۔ اس لئے یہ دونوں بزرگ اس کو کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔[2]

چاند اور سورج میں جب گہن لگتا تھا تو تمام صحابہؓ صلوٰۃ الکسوف ادا فرماتے تھے، ایک بار مدینہ میں گہن لگا تو عبداللہ بن زبیرؓ نے دو رکعت نماز پڑھی۔[3] ایک بار اور گہن لگا تو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے صفہ زمزم میں لوگوں کو جمع کیا اور باجماعت نماز ادا فرمائی۔[4]

تہجد و نمازِ شب :

رات جس میں ہم نیند کا لطف اٹھاتے ہیں اس میں صحابہ کرامؓ عبادت الٰہی اور تہجد گزاری میں مصروف رہتے تھے ایک صحابی نے رات کو نماز میں نہایت بلند آہنگی سے قرات کی صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' خدا اس پر رحم کرے مجھے بہت سی آیتیں یاد دلائیں جن کو میں بھول گیا تھا۔

---

[1] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب جواز الصلوٰۃ النافلۃ علی الدابۃ فی السفر حیث توجہت

[2] ایضاً باب استحباب صلوٰۃ الضحیٰ

[3] بخاری ابواب صلوٰۃ الکسوف باب خطبۃ الامام فی الکسوف

[4] بخاری باب صلوٰۃ الکسوف جماعۃ

ایک بار آپؐ مسجد میں معتکف تھے اور صحابہ کرامؓ بھی مصروف نماز تھے اور اس قدر بلند آہنگی کے ساتھ قرات کرتے تھے کہ آپؐ نے پردہ اٹھا کر فرمایا ''تم میں ہر شخص خدا کے ساتھ سرگوشی کر رہا ہے۔ اتنا نہ چلاؤ کہ ایک سے دوسرے کو تکلیف پہنچے،،۔[1] حضرت ابوالدرداؓ رات کے اکثر حصے میں نماز پڑھا کرتے تھے چنانچہ حضرت سلمان فارسیؓ نے ان کی بی بی کی شکایت پر اس سے ان کو باصرار روکا۔[2]

صحابہ کرامؓ راتوں کو نہ صرف خود نمازیں پڑھتے تھے بلکہ غیروں بالخصوص اپنے اہل و عیال کو بھی بیدار کر کے شریکِ نماز کرتے تھے ایک روز آپ رات کو گھر سے نکلے تو دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ پست آواز کے ساتھ نماز میں قرات کر رہے ہیں' آگے بڑھے تو حضرت عمرؓ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ نماز میں قرات کرتے ہوئے نظر آئے دونوں بزرگ آپ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ ''ابوبکرؓ! نماز میں تمھاری آواز پست تھی،، بولے کہ ''میں جس سے (خدا سے) سرگوشی کر رہا تھا، اس کے کان میں میری آواز پہنچ گئی،، حضرت عمرؓ سے ارشاد ہوا کہ ''تمھاری آواز نہایت بلند تھی،، بولے کہ ''یارسول اللہ ﷺ میں سونے والوں کو جگاتا اور شیطان کو دھتکارتا ہوں۔،،[3]

موطائے امام مالکؒ میں ہے کہ حضرت عمرؓ رات کو نماز پڑھتے تھے تو اخیر شب میں اپنے اہل وعیال کو بھی نماز کے لئے جگاتے تھے اور یہ آیت پڑھتے تھے۔

وامرا هلک بالصلوة واصطبر عليها لا نسئلک
رزقانحن نرزقک و العاقبة للتقوىٰ[4]

حضرت ابوہریرہؓ اور ان کی بی بی اور خادم نے نماز کے لئے رات کے تین حصے کر لئے تھے اور ان میں جب ایک نماز سے فارغ ہو چکتا تھا تو دوسرے کو نماز کے لئے جگا دیتا تھا۔[5]

---

1. ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب رفع الصوت بالقراءۃ
2. بخاری کتاب الصوم، اقسم علی اخیہ لیفطر فی التطوع۔
3. ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب رفع الصوت بالقراۃ فی صلوۃ اللیل۔
4. موطا کتاب الصلوۃ باب فی صلوۃ اللیل
5. بخاری باب الاطعمہ

یہ ذوق نماز صرف چند صحابہؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ عموماً تمام صحابہؓ میں پایا جاتا تھا حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ مغرب سے عشاء تک بیدار رہ کر نمازیں پڑھتے تھے چنانچہ خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

کانوا قلیلا من اللیل مایھجعون [1]

''یہ لوگ (عبادت میں مشغول رہنے کے سبب سے) راتوں کو بہت ہی کم سوتے تھے''۔

اس میں صحابہ کرامؓ کو سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی تھیں اول اول سورہ مزمل کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تو صحابہ کرامؓ تراویح کی طرح راتوں کو نماز پڑھتے تھے، یہاں تک کہ پاؤں پھول جاتے تھے۔ [2]

قرآن مجید نے صحابہ کرامؓ کی فضیلت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

﴿تتجا فی جنو بھم عن المضا جع یدعون ربھم خوفاً وطمعاً ومما رزقنھم ینفقون﴾

انکے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں، وہ لوگ خوف ورجا سے خدا کو پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے صرف کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تہجد اور نوافل میں شرکت:

رسول اللہ ﷺ رات کی نمازوں میں لمبی لمبی سورتیں مثلاً سورہ بقرہ، آل عمران، مائدہ اور انعام پڑھتے تھے اور جس قدر وقت قیام میں صرف ہوتا تھا، اتنا ہی وقت رکوع وسجود میں صرف فرماتے تھے اس لئے اس قدر طویل اور پرسکون نماز میں وہی شخص شریک ہوسکتا تھا جس کا دل شوق عبادت اور شوق اقتدائے رسولؐ سے لبریز ہو صحابہ کرامؓ اسی قسم کا شوق عبادت اور شوق اقتداء رسول رکھتے تھے، اس لئے آپ کے ساتھ شریک نماز ہو کر اس دولت سے بہرہ اندوز ہوتے تھے چنانچہ حضرت عوف بن مالکؓ ایک بار آپ کے ساتھ تہجد میں شریک ہوئے آپ نے پہلی

1. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب وقت قیام النبی ﷺ من اللیل
2. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب نسخ قیام اللیل و باب فی صلوٰۃ اللیل۔

رکعت میں سورہ بقرہ اور دوسری میں آل عمران پڑھی اور وہ ذوق عبادت میں کھڑے رہے۔
ایک بار حضرت حذیفہؓ کو بھی یہ شرف حاصل ہوا۔[1]

آپ نمازِ شب میں بقرہ، آل عمران اور نساء کی سورتیں پوری پوری پڑھتے اگر کوئی خوف کی آیت آجاتی تو خدا سے دعا کرتے اور اس سے پناہ مانگتے، اسی طرح اگر کوئی بشارت آمیز آیت آتی تو دعا کرتے اور اسکی خواہش فرماتے، حضرت عائشہؓ بھی آپ کے ساتھ اس نماز میں شریک رہتیں۔[2]

یہ شوق صرف چند صحابہ کرامؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ عموماً تمام صحابہ میں پایا جاتا تھا۔
ایک بار چند صحابہؓ نے آپ کو شب میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور شریک ہو گئے۔ صبح کو اور لوگوں سے ذکر کیا تو وہ بھی شریک ہوئے اور متصل دو تین شب برابر شریک ہوتے رہے آپ نے یہ حالت دیکھی تو ایک شب گھر سے نہ نکلے لیکن صحابہ کرامؓ نے مختلف طریقوں سے اپنے شوق کا اظہار کیا، کھانسے کھنکارے، چلائے اور دروازے پر کنکریاں ماریں۔ آپ اندر سے غصہ میں نکلے، اور فرمایا کہ تمھاری ان حرکتوں سے مجھے خیال پیدا ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے،،[3]

آپ شب میں چٹائی کو گھیر کر حجرے کی صورت پیدا کر لیتے تھے اور اس میں نماز ادا فرماتے تھے، صحابہ کرامؓ کو خبر ہوئی تو وہ بھی شریک نماز ہونے لگے۔ لیکن آپ نے ان کو اس سے روک دیا۔[4]

یہ شوق اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کا دل بھی اس سے خالی نہ تھا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ عہد نبوت میں نہایت صغیر السن تھے لیکن اس شوق میں ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے پاس سوئے آدھی رات ہوئی تو آپ نے اٹھ کر پہلے آل عمران کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں پھر وضو کر کے نماز شروع کی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی ان اعمال کی

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب مایقوم الرجل فی رکوعہ وسجودہ
[2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۹۲
[3] بخاری کتاب الصلوۃ باب اذا کان بین الامام وبین القوم حایط اوسترۃ وابوداؤد باب تفریع ابواب شہر رمضان باب فی فضل التطوع فی البیت۔
[4] بخاری کتاب الصلوۃ باب صلوۃ اللیل۔

تقلید کی اور آپ کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔ [1]

قیام رمضان :

صبح سے شام تک کی بھوک پیاس کے بعد ہم لوگ بمشکل تراویح پڑھنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں لیکن صحابہ کرامؓ اس کے بھوکے تھے اس لئے ان کو کبھی اس سے سیری نہیں ہوتی تھی۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے تراویح ادا فرمائی تو چند صحابہؓ شریک ہوئے دوسرے روز اس تعداد میں اور اضافہ ہوا، لیکن تیسرے روز اس مقصد سے جمع ہوئے تو آپ گھر سے نہ نکلے اور فرمایا کہ ''مجھے خوف ہے کہ وہ تم پر کہیں فرض نہ ہو جائے۔''

آپ نے ایک بار اخیر رمضان مین تراویح شروع کی اور پہلے دن ثلث شب تک پڑھی دوسرے دن ناغہ فرما دیا، تیسرے دن آدھی رات تک پڑھی لیکن ابوذر غفاریؓ کو اس سے تسکین نہیں ہوئی اور آپ کی خدمت میں گزارش کی کہ کاش آپ اس کو رات بھر ادا فرماتے،، [2]

حضرت انیس جہنیؓ صحرا میں رہتے تھے، اس لئے مستقل مسجد نبوی میں نمازِ نہیں پڑھ سکتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کے حکم سے رمضان کی تیئسویں شب کو صحرا سے آ کر نماز عصر پڑھ کر مسجد میں داخل ہوتے صبح تک مصروف نماز رہتے اور نماز فجر ادا کر کے صحرا کو روانہ ہو جاتے۔ [3]

صحابہ کرامؓ کو تراویح کے ادا کرنے میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی تھیں، لیکن ان کے شوق میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی، حضرت عمرؓ نے جب تراویح کو باجماعت کر دیا تو امام ایک ایک رکعت میں سو سو آیتیں پڑھتا تھا۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کھڑے کھڑے اس قدر تھک جاتے تھے کہ لکڑی کے سہارے کی ضرورت ہوتی تھی اور سحر کے وقت فارغ ہو کر واپس آتے تھے۔ [4]

---

1. ابواب صلوۃ الوتر
2. ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب فی قیام شہر رمضان
3. ایضاً باب تفریع ابواب شہر رمضان باب فی لیلۃ القدر۔
4. موطائے امام مالک کتاب الصلوۃ، باب ماجاء فی قیام رمضان مع زرقانی شرح موطا،

پابندی اوقات نماز :

نماز اکثر مسلمان پڑھتے ہیں لیکن ان میں کتنے ہیں جو اوقات نماز کی ٹھیک طور پر پابندی کرتے ہیں، لیکن سخت سے سخت خطرہ اور مستعدی کی حالت میں بھی صحابہ کرامؓ کی نماز کا وقت فوت نہیں ہوسکتا تھا۔ ایک صحابی کو رسول اللہؐ نے ایک پرخطر کام کے لئے ایک جگہ روانہ فرمایا جب وہ منزل مقصود کے قریب پہنچے تو عصر کا وقت ہو چکا تھا، انہوں نے دل میں کہا کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں نماز میں دیر ہو جائے اس لئے منزل مقصود کی طرف بڑھے اشاروں ہی میں نماز پڑھتے ہوئے بڑھے۔ [1] غزوہ احزاب سے واپسی کے بعد آپ نے صحابہؓ کو بنو قریظہ کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ عصر کی نماز جا کر وہیں پڑھیں لیکن راستے میں عصر کا وقت آ گیا تو بہت سے صحابہ نے فوراً نماز پڑھی۔ [2]

ایک دن ظہر کے بعد کچھ لوگ حضرت انس بن مالکؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اٹھ کر عصر کی نماز پڑھنے لگے تو ان لوگوں نے کہا ''آپ نے بڑی عجلت کی،، بولے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ'' یہ منافقین کی نماز ہے، منافقین کی نماز ہے، منافقین کی نماز ہے، کہ گھر میں بیٹھے رہتے ہیں اور جب سورج زرد ہونے لگتا ہے تو چار رکعت پڑھ لیتے ہیں اور خدا کو اس میں بہت کم یاد کرتے ہیں۔ [3]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ مکہ میں حجاج کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن جب اس نے تاخیر کرنا شروع کی تو اسکے ساتھ نماز پڑھنا چھوڑ دیا اور مکہ سے نکل گئے۔ [4]

پابندی جماعت :

صحابہ کرامؓ نماز باجماعت کو نہ صرف ذریعہ ازدیاد ثواب خیال کرتے تھے، بلکہ اس کو اسلام و نفاق اور ایمان و کفر کے درمیان حد فاصل سمجھتے تھے، حضرت معاذؓ اپنی قوم کے امام تھے

[1] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الطالب

[2] بخاری باب صلوۃ الخوف ابواب صلوۃ الطالب والمطلوب راکباً وایماء

[3] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب وقت صلوۃ العصر

[4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

لیکن ان کا معمول یہ تھا کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کر لیتے تھے پھر اپنی مسجد میں جا کر نماز پڑھاتے تھے لیکن ایک روز دیر میں واپس آئے اور نماز میں سورہ بقرہ کی تلاوت شروع کی ایک کاروباری آدمی تھک کر جماعت سے علیحدہ ہو گیا اور الگ نماز پڑھ لی تو ایک صحابیؓ نے فوراً کہا کہ تم منافق ہو گئے-[1]

ایک صحابی کہتے ہیں کہ نماز باجماعت سے صرف مشہور منافق ہی الگ رہتا تھا- ورنہ بعض لوگوں کی حالت یہ تھی کہ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں آ کر شریک جماعت ہوتے تھے-[2]

اگر چہ رسول اللہ ﷺ نے عام حکم دیدیا تھا کہ بارش اور آندھی میں لوگ اپنے اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھ لیا کریں لیکن صحابہ کرامؓ کو آپ کے ساتھ نماز ادا کرنے کا اس قدر شوق تھا کہ ایک دن پانی برس رہا تھا اور سخت آندھی چھائی ہوئی تھی کہ اس حالت میں چند صحابہؓ اس غرض سے نکلے کہ چل کے آپؐ کے ساتھ نماز ادا کریں-[3]

ایک صحابیؓ کا گھر مدینہ کے انتہائی کنارے پر تھا، لیکن ہر وقت کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھتے تھے، ایک صحابی کو انکی حالت پر رحم آ گیا اور کہنے لگے کہ کاش تم ایک گدھا خرید لیتے جو زمین کی تمازت، ٹھوکر اور سانپ بچھو سے تم کو محفوظ رکھتا، بولے" میں رسول اللہ ﷺ کے گھر کے قریب رہنا نہیں چاہتا، کیونکہ مجھ کو اپنے ہر نقش قدم کے ثواب کی توقع ہے،،

مدینہ میں قبیلہ بنوسلمہ کا محلّہ مسجد سے بہت دور تھا، لیکن وہ لوگ نماز باجماعت کو اس قدر ضروری سمجھتے تھے کہ اپنا محلّہ چھوڑ کر مسجد نبویؐ کے آس پاس آباد ہو جانا چاہا- لیکن چونکہ اس سے ایک محلّہ ویران ہو جاتا تھا- آپ نے فرمایا کہ" تم کو ہر اس قدم کا ثواب ملے گا جو مسجد کی جانب اٹھے گا،، [4]

جماعت کے انتظار میں صحابہ کرامؓ سخت تکلیفیں برداشت کرتے تھے، لیکن اس کی

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب تخفیف الصلوٰۃ للامام یحدث

[2] نسائی کتاب الامامۃ والجماعۃ باب المحافظۃ علی الصلوٰۃ حیث ینادی بھن

[3] ابوداؤد کتاب الادب، باب مایقول اذا اصبح

[4] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب الابعد فالابعد من المسجد اعظم اجر-

پابندی میں کوئی فرق نہیں آتا تھا ایک رات رسول اللہ ﷺ کو کوئی کام پیش آ گیا، اس لئے عشاء کی نماز میں بہت تاخیر ہوگئی، یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ سو گئے۔لیکن نماز کا روحانی خواب کیونکر بھلایا جاسکتا تھا پھر جاگے پھر سوئے پھر اٹھے' پھر نیند آ گئی، آپ کا شانہ نبوت سے برآمد ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ آج دنیا میں تمھارے سوا کوئی دوسرا نماز کا انتظار نہیں کرتا،،

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ عشاء کا انتظار اتنی دیر تک کرتے تھے کہ نیند کے مارے ان کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک شب نماز عشاء کیلئے رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے، ایک تہائی رات گزر گئی تو آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ ''اگر امت پر شاق نہ گزرتا تو میں اسی وقت نماز عشاء ادا کرتا''۔

ایک دن نمازِ عشاء کے وقت رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں اس قدر دیر ہوئی کہ بعض صحابہؓ نے خیال کیا کہ آپ نماز ادا کر چکے اور اب گھر سے نہ نکلیں گے۔ آپ تشریف لائے اور لوگوں نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا تو فرمایا کہ ''اس نماز کو اسی وقت پڑھو تم کو تمام اُمتوں پر اسی کی وجہ سے فضلیت ہے تم سے پہلے کسی امت نے اس نماز کو ادا نہیں کیا،،

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ہم نے نمازِ عشاء کے لئے آدھی رات تک آپؐ کا انتظار کیا، آپ گھر سے نکلے تو فرمایا کہ ''اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ،، ہم لوگ بیٹھ گئے تو ارشاد ہوا کہ ''اور لوگ تو نماز پڑھ کر سو گئے، لیکن تمہارے انتظار کی گھڑیاں بھی نماز میں داخل تھیں،،[2]

حضرت ابوموسیٰ اشعری اور ان کے رفقائے سفر جب مدینہ آئے تو بقیع بطحان میں قیام کیا وہاں سے اگرچہ تمام لوگ نماز عشاء میں شریک نہیں ہو سکتے تھے تاہم باری باندھ لی تھی اور اپنی اپنی باری پر لوگ آ کر آپؐ کے ساتھ عشاء پڑھتے تھے۔[3]

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء من النوم۔

[2] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی وقت العشاء الآخرۃ۔

[3] بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب فضل العشاء

نماز میں خشوع وخضوع :

صحابہ کرامؓ کی نمازوں میں نہایت محویت، استغراق، خشوع وخضوع اور تضرع وزاری پائی جاتی تھی، حضرت ابوبکرؓ اس خشوع وخضوع کے ساتھ نماز اور قرآن پڑھتے کہ ان پر شدت سے گریہ طاری ہو جاتا اور کفار کی عورتوں اور بچوں پر اس کا اثر پڑتا۔ حضرت عمرؓ نماز میں اس شدت سے روتے کہ پچھلی صف کے لوگ رونے کی آواز سنتے، حضرت عبداللہ بن شدادؓ کا بیان ہے کہ میں باوجودیکہ پچھلی صف میں رہتا تھا، لیکن حضرت عمرؓ کے رونے کی آواز سنتا تھا،،[1]

حضرت تمیم داریؓ ایک رات تہجد کے لئے کھڑے ہوئے تو صرف ایک آیت یعنی ''ام حسب الذین اجترحوا السیئات الخ کی قرأت میں صبح کر دی اسی کو بار بار پڑھتے تھے رکوع کرتے تھے، سجدے میں جاتے تھے اور روتے تھے۔[2]

سخت سے سخت تکلیف کی حالت میں بھی صحابہ کرامؓ کی یہ محویت قائم رہتی تھی، دو بہادر صحابی ایک پہاڑ کے درے میں رسول اللہ ﷺ کی حراست پر مامور تھے ان میں ایک بزرگ مصروف نماز ہوئے تو اسی حالت میں ایک انتقام کیش مشرک آیا۔ اور ان کے جسم میں تین تیر لگائے لیکن انہوں نے نماز کو برابر قائم رکھا، ان کے دوسرے رفیق سو گئے تھے، بیدار ہوئے اور ان کے خون آلود زخم دیکھے تو کہا ''مجھے پہلے ہی کیوں نہیں جگایا،،؟ بولے کہ ''میں نماز میں ایک سورۃ پڑھ رہا تھا جس کو ناتمام چھوڑنا مجھ کو پسند نہ آیا۔،،[3]

محبوب سے محبوب چیز بھی اگر صحابہؓ کی حضوری نماز میں خلل انداز ہوتی تو وہ ان کی نگاہ میں مبغوض ہو جاتیں، ایک دن حضرت ابوطلحہ انصاریؓ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے ایک چڑیا اڑتی ہوئی آئی اور چونکہ باغ بہت گھنا تھا اور کھجوروں کی شاخیں باہم ملی ہوئی تھیں، پھنس گئی اور نکلنے کی راہیں ڈھونڈنے لگی ان کو باغ کی شادابی اور اس کی اچھل کود کا یہ منظر بہت پسند آیا اور اس کو تھوڑی دیر تک دیکھتے رہے پھر نماز کی طرف توجہ کی تو یہ یاد نہ آیا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں دل میں

---

1. بخاری کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجماعۃ والامامۃ باب اذا بکی الامام فی الصلوۃ
2. اسد الغابہ تذکرہ حضرت تمیم داری
3. ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء من الدم۔

کہا کہ ''اس باغ نے یہ فتنہ پیدا کیا فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا ''یا رسول اللہ ﷺ میں اس باغ کو صدقہ کرتا ہوں''۔

ایک اور صحابی اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے فصل کا زمانہ تھا دیکھا تو کھجوریں پھل سے لدی ہوئی ہیں اس قدر فریفتہ ہوئے کہ نماز کی رکعتیں یاد نہ رہیں نماز سے فارغ ہو کر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ''اس باغ کی وجہ سے میں فتنہ میں مبتلا ہو گیا، اس کو اموالِ صدقہ میں داخل کر لیجئے۔'' چنانچہ انہوں نے اس کو ۵۰ ہزار پر فروخت کیا اور اس مناسبت سے اس کا نام خمسین پڑ گیا۔ [1]

اسی خشوع وخضوع کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ نہایت سکون واطمینان کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے، حضرت انسؓ رکوع کے بعد قیام میں دونوں سجدوں کے درمیان اس قدر دیر لگاتے کہ لوگ سمجھتے کہ کچھ بھول گئے ہیں۔ [2] حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ستون کھڑا ہے۔ ایک دن رکوع میں اس قدر جھکے رہے کہ ایک شخص نے سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نساء اور سورہ مائدہ جیسی طویل سورتوں کی تلاوت کر ڈالی لیکن انہوں نے اس درمیان میں سر نہ اٹھایا۔ [3]

(ابواب الزکوٰۃ)

زکوٰۃ مفروضہ :

صحابہ کرامؓ اگرچہ سخت مفلس اور نادار تھے، تاہم خدا کی راہ میں وہ اپنا مال سینکڑوں طریقے سے صرف کرتے تھے، جہاد کے سامان اور نومسلموں کی کفالت کے علاوہ صدقہ وخیرات سے کوئی دن خالی نہیں جاتا تھا، زکوٰۃ سب سے مقدم اور حاوی چیز تھی، یعنی غلہ پر الگ سامان تجارت پر الگ، گھوڑوں پر الگ، اونٹوں پر الگ، باغوں پر الگ غرض کوئی چیز ایسی نہ تھی جس میں

---

[1] موطا امام مالک کتاب الصلوۃ النظر فی الصلوۃ الی مایشغلک عنہا۔

[2] بخاری کتاب الصلوۃ ابواب صفۃ الصلوۃ باب المکث بین السجدتین۔

[3] اسد الغابہ واصابہ تذکرہ عبداللہ بن زبیرؓ

خدا کا حق نہ ہوتا تاہم وہ نہ اس سے گھبراتے تھے نہ تنگدل ہوتے تھے- بلکہ نہایت فیاضی کے ساتھ خدا کے اس حق کو ادا کرتے تھے-

جب کھجوروں کی فصل تیار ہوئی تو تمام صحابہؓ زکوٰۃ کی کھجوریں لے کر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے گرد کھجوروں کا ڈھیر لگا دیتے- [1]

حضرت عدی بن حاتمؓ اپنے قبیلہ طے کا صدقہ لیکر حاضر ہوئے تو چونکہ اسلام میں یہ پہلا صدقہ تھا اس لئے اس کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کے چہرے فرطِ مسرت سے چمک اٹھے [2]

جو لوگ اپنے قبیلہ کی زکوٰۃ لیکر آتے رسول اللہ ﷺ ان کے لئے دعائے خیر فرماتے حضرت ابواوفیؓ اپنی قوم کی زکوٰۃ لیکر آئے تو آپؐ نے دعا دی- [3]

﴿ اللهم صل علىٰ آل ابی اوفی ﴾

خداوند آل ابی اوفی پر رحمت نازل فرما-

جو لوگ زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجے جاتے صحابہ کرامؓ ہمیشہ ان کو رضامند رکھتے، ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چند بدوؤں نے محصلین زکوٰۃ کے ظلم کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا ''ان کو راضی رکھو،، حضرت جریر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ جب سے میں نے یہ سنا میرے پاس سے محصل زکوٰۃ ہمیشہ خوش گیا-'' [4]

زیور عورتوں کو سب سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں لیکن صحابیاتؓ کو خدا کی مرضی ان سے بھی زیادہ عزیز تھی، ایک بار آپؐ کی خدمت میں ایک صحابیہؓ اپنی لڑکی کے ساتھ حاضر ہوئیں جس کے ہاتھ میں سونے کے موٹے موٹے کنگن تھے- آپؐ نے کنگن دیکھ کر فرمایا کیا تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو بولی نہیں فرمایا'' کیا تمھیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ خدا قیامت کے دن ان کے بدلے تمھارے ہاتھ میں آگ کے کنگن پہنائے،،؟ انہوں نے فوراً کنگن آپؐ کے سامنے ڈالدیئے کہ یہ خدا اور خدا کے رسول اللہؐ کے ہیں-'' [5]

---

1. بخاری کتاب الزکوٰۃ باب اخذ صدقۃ التمر عند صرام النخل
2. مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل غفار و اسلم وغیرہا
3. ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب المصدق لاہل الصدقۃ
4. مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ارضاء السعاۃ
5. ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب الکنز ماہو وزکوٰۃ الحلی

صدقہ فطر ادا کرنا :

صدقہ فطر واجب ہے اس لئے صحابہ کرامؓ ہر چھوٹے بڑے غلام آزاد کی طرف سے نہایت التزام کے ساتھ صدقہ فطر ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے غلام نافع کے بچوں بلکہ کافر غلاموں کی جانب سے بھی صدقہ فطر دیتے تھے،[1] رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ نماز عید سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دیا جائے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس شدت کے ساتھ اس حکم کی پابندی کرتے تھے کہ دو ایک دن پیشتر ہی صدقہ فطر دیتے تھے۔[2] ان ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ تمام صحابہؓ ایسا کرتے تھے،[3] عہد رسالت میں ایک صاع جو یا کھجور یا منقّی صدقہ فطر میں دیا جاتا تھا، لیکن جب حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں گیہوں کی پیداوار میں اضافہ ہوا تو انہوں نے ان چیزوں کی بجائے نصف صاع گیہوں کر دیا۔ حضرت امیر معاویہؓ کے حکم سے لوگوں نے دو مد شامی گیہوں کے دینے کا التزام کر لیا۔[4]

زکوٰۃ کی طرح صدقہ فطر وصول کرنے کے لئے بھی اشخاص مقرر ہوئے تھے جو اس کو وصول کر کے ایک جگہ جمع کرتے تھے۔[5] بخاری کتاب الوکالہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے جو یہ مروی ہے

﴿ وکلنی رسول اللّٰہ ﷺ بحفظ زکوٰۃ رمضان ﴾

''رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ رمضان کا مجھ کو وکیل بنایا''۔

اس میں زکوٰۃ رمضان سے صدقہ فطر ہی مراد ہے جو ادا کرنے کے لئے ایک جگہ جمع کیا گیا تھا اور اس کی حفاظت کے لئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ کو مقرر کیا تھا،[6]

---

1. بخاری مع فتح الباری ابواب صدقۃ الفطر باب صدقۃ الفطر علی الحر والمملوک
2. ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب متی تودی صدقۃ الفطر
3. بخاری ابواب صدقۃ الفطر باب صدقۃ الفطر والحر والمملوک
4. ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب کم یودی فی صدقۃ الفطر
5. بخاری مع فتح الباری ابواب صدقۃ الفطر باب صدقۃ الفطری علی الحر و المملوک
6. بخاری مع فتح الباری کتاب الوکالۃ باب اذا وکل رجلا فترک الوکیل شیاء، فاجازہ الموکل فھو جائز

صدقہ وخیرات :

اگر چہ صحابہ کرامؓ سخت تنگدست تھے تاہم ان کو تھوڑا بہت جو کچھ ملتا تھا اس کو صدقہ و خیرات کر دیتے تھے۔حضرت ابو مسعودؓ انصاری سے روایت ہے کہ جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ بازاروں میں جاتے اور حمالی کرتے ،محنت و مزدوری میں جو کچھ ملتا اس کو صدقہ کر دیتے۔ [1]

حضرت اسمٰؓ نے ایک لونڈی فروخت کی اور اس کی قیمت گود میں لئے بیٹھی تھیں کہ ان کے شوہر حضرت زبیرؓ آئے اور قیمت دیکھ کر کہا'' مجھے دیدو،، بولیں''میں نے تو اس کو صدقہ کر دیا،،۔ [2]

حضرت حکیم بن حزامؓ زمانہ جاہلیت ہی میں جو نیک کاموں کے کرنے میں مشہور تھے، اسلام لائے تو زمانہ جاہلیت میں جو نیک کام کئے تھے اسلام میں بھی اسی قسم کے نیک کام کئے، دارالندوہ جو قریش کا ایک قابلِ فخر یادگار تھا ان ہی کے قبضہ میں تھا،انہوں نے اس کو حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم پر فروخت کیا اور اس کی کل قیمت خیرات کر دی۔ [3]

حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر تھے اور پانچ ہزار وظیفہ پاتے تھے۔لیکن جب بیت المال سے وظیفہ کی رقم ملتی تھی تو کل کی کل خیرات کر دیتے تھے اور خود اپنے کسب سے روزی پیدا کرتے تھے۔ [4]

حضرت زبیر بن عوامؓ کے ہزار غلام تھے وہ کما لاتے تھے تو کل رقم صدقہ کر دیتے تھے، گھر میں ایک حبہ بھی نہ آنے پاتا تھا۔ [5]

حضرت ابوذر غفاریؓ سرے سے مال کا جمع کرنا ہی ناجائز سمجھتے تھے۔ [6]

---

[1] بخاری کتاب الزکوۃ باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ۔

[2] مسلم کتاب آداب باب جواز المراۃ الاجنبیۃ

[3] اسد الغابہ تذکرہ حکیم بن حزامؓ

[4] استیعاب حضرت سلمان فارسی

[5] اصابہ تذکرہ حضرت زبیر بن عوامؓ

[6] بخاری کتاب الزکوۃ باب ما ادی زکوۃ فلیس بکنز

بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جو چیز صدقہ میں دیدے اسکو دوبارہ نہ خریدے اس لئے حضرت ابن عمرؓ اگر صدقہ کا مال دیکر پھر خریدتے تو اس کو اپنے ملک میں نہ رکھتے بلکہ صدقہ کر دیتے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کی ترغیب وتحریض سے صحابہ کرامؓ اور بھی زیادہ صدقہ وخیرات کی طرف مائل ہو جاتے تھے، ایک بار آپ نے خطبہ عید میں صدقہ کی ترغیب دی، عورتوں کا مجمع تھا حضرت بلالؓ دامن پھیلائے ہوئے تھے اور عورتیں اپنے کان کی بالیاں اور ہاتھ کی انگوٹھیاں پھینکتی جاتی تھیں۔ [2] ایک بار قبیلہ مضر کے بہت سے فاقہ زدہ لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان کی حالت دیکھی تو چہرے کا رنگ بدل گیا اور نماز کے بعد ایک خطبہ دیا جسمیں ان پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی ایک صحابیؓ کے پاس درہم ودینار کی ایک تھیلی اس قدر وزنی تھی کہ اس کو بمشکل اٹھا سکتے تھے لیکن انہوں نے اس کو آپؐ کے سامنے ڈال دیا۔ اس کے بعد اور تمام صحابہؓ نے کپڑے اور غلہ کا ڈھیر لگا دیا۔ [3]

ایک بار آپؐ نے دیکھا کہ انصار نے اپنے باغوں کے گرد چار دیواریاں قائم کر دی ہیں۔ حالانکہ پہلے ایسا نہیں کرتے تھے فرمایا کہ "نماز جمعہ کے بعد چلے نہ جانا میں کچھ کہوں گا جب نماز ہو چکی تو تمام انصار منبر کے گرد جمع ہو گئے، آپ نے فرمایا کہ "تم پہلے قوم کا تاوان دیتے تھے، یتیموں کی پرورش کرتے تھے اور دوسری نیکیاں کرتے تھے لیکن جب اسلام آیا تو مال کی اس قدر حفاظت کرتے ہو؟ انسان جو کچھ کھالیتا ہے اس کا ثواب ملتا ہے اور چڑیاں جو کچھ کھالیتی ہیں اس کا ثواب ملتا ہے،، انصار پر اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ پلٹے تو سب نے اپنے اپنے باغ کی دیواروں میں ایک ایک دو دو شگاف کر دیئے [4] کہ ان کا فائدہ سب کو پہنچے۔

ایک بار مسجد نبویؐ میں ایک سائل آیا آپؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے اپنے کپڑے زمین پر ڈال دیں۔ سب نے اپنے اپنے کپڑے ڈال دیئے اور ان میں سے آپؐ نے سائل کو دو کپڑے

---

1. بخاری کتاب الزکوۃ باب ہل یشتری صدقتہ
2. ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الخطبہ فی یوم العید۔
3. نسائی کتاب الزکوۃ باب التحریض علی الصدقہ
4. اسد الغابہ تذکرہ خالد بن صخرؓ

دیدیئے پھر آپؐ نے صدقہ کی ترغیب دی، اب خود سائل نے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑا پھینک دیا۔ [1]

ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ ''آج تم میں کسی نے کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہے''؟ حضرت ابوبکرؓ مسجد میں آئے جہاں ان کو ایک سائل ملا ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمانؓ کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا ان سے لے کر سائل کو دیدیا۔ [2]

صحابہ کرامؓ جو ہر قسم کی چھوٹی بڑی چیز خالصتاً بوجہ اللہ صدقہ میں دیتے، اس کو دیکھ کر منافقین طعنہ دیتے بدگمانی کرتے لیکن ان پر اس کا کچھ اثر نہ پڑتا، ایک بار حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے آٹھ ہزار صدقہ میں دیئے تو منافقین نے کہا کہ ''یہ ریاکار آدمی ہیں''، لیکن ایک صحابیؓ ڈول کھینچنے کی اجرت میں ایک صاع پایا اور اس کو صدقہ میں دیا تو منافقین نے کہا کہ ''خدا اس حقیر خیرات سے بے نیاز ہے'' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

والذین یلمزون المطوعین من المئومنین فی الصدقات و الذین لا یجدون الا جهدهم فیسخرون منهم سخرالله منهم و لهم عذاب الیم، [3]

''یہ (منافق) ہی تو ہیں کہ مسلمانوں میں جو لوگ (با مقدر ہیں اور) خوش دلی سے خیرات کرتے ہیں ان پر (ریاکاری) کا عیب لگاتے ہیں اور جو لوگ اپنے محنت (کی کمائی) کے سوا (زیادہ) کا مقدر نہیں رکھتے (اور اس پر بھی جو میسر آجاتا ہے خدا کی راہ میں دینے کو موجود ہو جاتے ہیں) ان پر (ناحق کی شیخی کا) عیب لگاتے ہیں۔ غرض ان (سب) پر ہنستے ہیں اللہ ان منافقوں پر ہنستا ہے اور ان کیلئے عذاب دردناک (تیار) ہے''۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب الرجل یخرج من مالہ

[2] ایضاً باب المسئلۃ فی المساجد۔

[3] بخاری کتاب الزکوۃ باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ مع فتح الباری جلد ۳ ص۲۳۴۔

مُردوں کی جانب سے صدقہ کرنا:

صحابہ کرامؓ نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے مردوں کی جانب سے بھی صدقہ کرتے تھے اوران کواس کا ثواب پہنچاتے تھے۔حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ نے انتقال کیا تو انہوں نے ان کی جانب سے بطور صدقہ جاریہ کے ایک کنواں کھدوایا۔[1] ایک صحابی کی ولدہ نے انتقال کیا تو انہوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ''یارسول اللہ ﷺ میری ماں دفعتہً مرگئی اور کوئی وصیت نہیں کی، لیکن اگراس کو بات چیت کرنے کا موقع ملتا تو صدقہ کرتی اب اگر میں اس کی جانب سے صدقہ کروں تو اس کو ثواب ملے گا؟،،آپؐ نے فرمایا ''ہاں ملے گا،،[2]

اعزہ واقارب پرصدقہ کرنا:

عام خیال ہے کہ صدقہ وخیرات صرف فقراء ومساکین کے ساتھ مخصوص ہیں لیکن درحقیقت اعزہ و اقارب کی اعانت کرنا سب سے بڑا صدقہ ہے اور سب سے پہلے اسلام نے اس دقیق نکتہ کو بتایا اورصحابہ کرامؓ نے اس پر عمل کیا۔

حضرت ابوطلحہؓ نے اپنا کنواں بیرحا خدا کی راہ میں وقف کرنا چاہا تو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اپنے اعزہ واقارب پر تقسیم کردیا، ایک بار رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کوصدقہ و خیرات کی ترغیب دی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بی بی حضرت زینبؓ نے ان سے کہا کہ''تم نادار آدمی ہو، رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اگر آپؐ اجازت دیں تو میں جوصدقہ کرنا چاہتی ہوں تمھیں پر کروں لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا ''تمھیں جاؤ،، وہ آئیں تو آستانِ مبارک پر اسی غرض سے ایک دوسری بی بی بھی موجود تھیں، دونوں بیبیوں نے حضرت بلالؓ کے ذریعہ سے دریافت کرایا کہ ''دو عورتیں اپنے شوہروں اور چند یتیموں پر جوان کی کفالت میں ہیں صدقہ کرنا چاہتی ہیں کیا یہ جائز ہے،،؟ آپؐ نے فرمایا ''ان کودوہرا ثواب ملے گا، ایک قرابت کا دوسرا صدقہ کا،، ایک بار حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا کہ''یارسول اللہ! میں ابوسلمہ کے لڑکوں کے

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب فی فضل سقی الماء

[2] مسلم کتاب الزکوۃ باب وصول ثواب الصدقۃ عن المیت الیہ

مصارف برداشت کرتی ہوں کیا مجھ کو اس کا ثواب ملے گا، میں ان کو چھوڑ نہیں سکتی، کیونکہ وہ میرے لڑکے ہیں ،،فرمایا ''ہاں تم کو ثواب ملے گا،، [1]

ایک صحابیہؓ نے اپنی ماں کو ایک لونڈی صدقتہً دی تھی، ماں کا انتقال ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت دریافت کیا، فرمایا ''صدقہ کا ثواب تمھیں مل چکا اور اب وہ لونڈی تمھاری وراثت میں داخل ہو گئی،، [2]

صدقہ دینے پر اصرار :

صرف یہی نہیں کہ صحابہ کرامؓ صدقہ دیتے تھے، بلکہ صدقہ دینے پر اصرار کرتے تھے، ایک بار ایک صحابیؓ انڈے کے برابر سونا لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ''یا رسول اللہ ﷺ میں نے اس کو ایک کان میں پایا ہے، قبول فرمالیجئے یہ صدقہ ہے اس کے سوا میرے پاس کچھ نہیں ،، آپؐ نے اعراض فرمایا پھر داہنے جانب سے لے آئے اور یہی درخواست کی آپ نے منہ پھیر لیا، پھر بائیں جانب سے آئے، آپ نے پھر روگردانی کی پھر پیچھے سے آئے اب کی بار آپ نے اس کو لے کر ان کی طرف اس زور سے پھینکا کہ اگر ان پر پڑا ہوتا تو چوٹ آتی۔ اور فرمایا کہ ''تم لوگ اپنا تمام سرمایہ صدقہ میں دیدیتے ہو پھر بھیک مانگنے لگتے ہو، بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد بھی انسان کے پاس کچھ مال رہ جائے،، [3]

آپؐ نے ایک بار صدقہ دینے کا حکم دیا تو ایک صحابیؓ نے کہا ''میرے پاس ایک دینار ہے ،، فرمایا ''اس کو اپنے اوپر صدقہ کرو،، بولے ،ایک دینار اور بھی ہے،، فرمایا'' اپنے لڑکے پر صدقہ کرو،، بولے ''ایک اور بھی ہے،، فرمایا'' اپنی بی بی پر صدقہ کرو،، بولے ایک اور بھی ہے،، فرمایا ''اپنے خادم پر صدقہ کرو ،، بولے'' ایک اور بھی ہے،، فرمایا اب تمھیں سمجھو،، [4]

---

[1] مسلم کتاب الزکوٰۃ باب النفقہ علی الاقربین والزوج والاولاد والدین ولوکانوا مشرکین

[2] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب من تصدق بصدقتہ ثم ورثہا۔

[3] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب الرجل یخرج من مالہ۔

[4] ایضاً باب فی صلتہ الرحم

صدقہ دینے میں مسابقت :

اسلام نے اگر چہ قمار بازی کو حرام کر دیا تاہم صحابہ کرامؓ بازی لگانے سے باز نہیں آتے تھے، لیکن اس بازی میں جو شخص کامیاب ہو جاتا تھا اس کے ہاتھ ناجائز مال نہیں آتا تھا بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول آتے تھے۔

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا، حسن اتفاق سے اس وقت حضرت عمرؓ کے پاس مال تھا انہوں نے دل میں کہا "آج میں ابوبکرؓ سے بازی لے جاؤں گا"، نصف مال لیکر حاضر خدمت ہوئے، آپؐ نے فرمایا کچھ اہل وعیال کے لئے بھی رکھا ہے"، بولے "اسی قدر"، اسی اثناء میں حضرت ابوبکرؓ اپنا کل سرمایہ لے کر حاضر ہوئے، آپؐ نے فرمایا "اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑا"، بولے "اللہ اور اللہ کا رسول"، اب حضرت عمرؓ نے کہا میں تم سے کبھی بازی نہ لیجا سکوں گا"[1]

اخفائے صدقہ :

صدقہ وخیرات اگر چہ ہر حال میں نیکی کا کام ہے لیکن چھپا کر صدقہ دینا اور بھی افضل ہے اس لئے قرآن مجید میں آیا ہے۔

ان تبدوا الصدقات فنعما هي وان تخفوها و تو توها الفقراء فهو خير لكم

"اگر علانیہ صدقہ دو تو یہ بھی بہتر ہے لیکن اگر چھپا کر دو تو یہ اور بھی اچھا ہے"۔

اس لئے بعض صحابہؓ مخفی طور پر صدقہ دینا زیادہ پسند کرتے تھے چنانچہ جب یہ آیت

لن تنالو االبر حتى تنفقوا مما تحبون،

"تم نیکی کو اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک اپنے محبوب ترین مال کو خیرات نہ کرو"۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب الرخصۃ فی ذالک ۔

یا یہ آیت

من ذالذی یقرض اللّٰہ قرضاً حسناً

''وہ کون ہے جو خدا کو اچھا قرض دے''۔

نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہؓ انصاری نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ''اگر ممکن ہوتا تو میں اپنے فلاں باغ کو صدقہ میں دیتا اور اس کو بالکل مخفی رکھتا اس کا اعلان نہ کرتا،،۔[1]

اپنے بہترین مال کا انفاق :

ہم ہیں کہ صدقہ و خیرات اور زکوٰۃ میں ادنیٰ درجہ کی چیز بھی نہیں دے سکتے لیکن صحابہ کرامؓ ان میں ہمیشہ اپنا بہترین مال صرف کرتے تھے جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون

''تم لوگ جب تک اپنا بہترین مال نہ خیرات کرو نیکی کو نہیں پا سکتے''۔

تو حضرت ابوطلحہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا ''یارسول اللہ ﷺ خدا کہتا ہے کہ جب تک تم لوگ اپنا بہترین مال خیرات نہ کرو گے نیکی کو نہ پاؤ گے، میرا محبوب ترین مال بیر حا ہے جس کو میں خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور خدا سے اس کے ثواب کی امید کرتا ہوں،،[2]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا معمول تھا کہ ان کو اپنی چیز جو پسند آتی اس کو خدا کی راہ میں دیدیتے ایک بار سفر حج میں تھے اونٹنی کی چال پسند آئی تو اس سے اتر گئے اور اپنے غلام نافع سے کہا کہ اس کو قربانی کے جانوروں میں داخل کرلو۔[3]

اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے محصلین زکوٰۃ کو حکم دیا تھا کہ زکوٰۃ میں مال کا بہترین حصہ نہ لیں، لیکن صحابہ کرامؓ بخوشی اپنے مال کا بہترین حصہ دیتے تھے ایک صحابی نے ایک محصل زکوٰۃ کو اپنی بہترین اونٹنی دی، لیکن اس نے لینے سے انکار کیا تو کہا کہ ''میری خواہش ہے کہ آپ میرا بہترین اونٹ لیں،، پھر اس سے کم درجہ کی اونٹنی دی، لیکن اس نے اب بھی انکار کیا بالآخر اس سے

---

1. مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۱۷۴
2. بخاری کتاب الزکوٰۃ باب الزکوٰۃ علی الاقارب
3. طبقات ابن سعد و اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

بھی کم درجہ کی اونٹنی لینے پر راضی ہوا،

ایک دن ایک صحابیؓ پہاڑ کے درے میں بکریاں چرا رہے تھے، دو محصلین زکوٰۃ آئے اور کہا کہ ''ہم کو رسول اللہ ﷺ نے تمھاری بکریوں کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا ہے،، بولے ''مجھ کو کیا دینا پڑے گا،،؟ انہوں نے کہا ''ایک بکری ،، انہوں نے ایک نہایت فربہ گابھن بکری دی تو بولے کہ ''ہم اس کو نہیں لے سکتے آپؐ نے ہم کو اس سے منع فرمایا ہے،،

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا وہ ایک صحابی کے پاس آئے اور انہوں نے اپنے تمام اونٹ حاضر کر دیئے وہ سب کا جائزہ لے کر بولے کہ ''تم کو صرف ایک بچہ دینا ہوگا ،، بولے ''نہ تو وہ سواری کے قابل ہے نہ دودھ دیتا ہے، یہ جوان فربہ اونٹنی حاضر ہے،، بولے ''جب تک مجھ کو حکم نہ دیا جائے میں اس کو قبول نہیں کرسکتا، رسول اللہ ﷺ تم سے قریب ہی ہیں،، اگر تم چاہو تو خود آپ کی خدمت میں اس اونٹنی کو پیش کر سکتے ہو، اگر آپؐ نے قبول فرمالیا تو میں بھی قبول کرلوں گا،، وہ اونٹنی لے کر خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ''یا نبی اللہ میرے پاس صدقہ وصول کرنے کے لئے آپ کا محصل آیا اور آج سے پہلے یا رسول اللہ کوئی محصل میرے پاس صدقہ وصول کرنے کے لئے نہیں آیا تھا میں نے اپنے تمام اونٹ اس کے سامنے حاضر کردیئے، تو اس نے کہا کہ ''تم پر صرف ایک بچہ فرض ہے لیکن نہ دودھ دیتا ہے نہ سواری کے قابل تھا اس لئے میں نے اس کو جوان اور فربہ اونٹنی دی لیکن اس نے انکار کردیا۔ اب میں اسکو آپؐ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں،، آپؐ نے ارشاد فرمایا ''فرض تو تم پر وہی ہے اس سے زیادہ دو تو صدقہ ہوگا اور ہم اس کو قبول کرلیں گے،، انہوں نے کہا ''تو یہ حاضر ہے ،، آپؐ نے اس کے قبول کرنے کی اجازت دی اور ان کے مال میں برکت کی دعا فرمائی۔ [1]

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی زکوٰۃ السائمہ۔

(ابواب الصیّام)

صوم رمضان :

رمضان کے روزے فرض ہوئے تو ابتدا میں عشاء کے بعد کھانا پینا حرام ہو جاتا تھا اس پابندی کی وجہ سے اگرچہ بعض اوقات صحابہؓ کو سخت زحمتیں برداشت کرنی پڑیں لیکن بااین ہمہ انہوں نے روزہ رکھنے میں کبھی سہل انکاری سے کام نہیں لیا۔ ایک دن رمضان کے مہینے میں حضرت صرمہ بن قیسؓ انصاری نے بی بی سے کھانا مانگا، سوئے اتفاق سے گھر میں کچھ نہ تھا وہ باہر گئیں کہ کھانے پینے کی کوئی چیز تلاش کر کے لائیں۔ لیکن اس اثناء میں ان کی آنکھ لگ گئی اور کھانا نہ کھا سکے، صبح کو پھر روزہ رکھے ہوئے کام دھندے کے لئے نکل گئے دو دن کا متصل فاقہ اس پر کام کی محنت دوپہر ہوئی تو بھوک کی شدت سے بیہوش ہو گئے۔[1]

اگر کسی غلطی سے صحابہ کرامؓ کا روزہ ٹوٹ جاتا تو ان پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ایک صحابی نے رمضان میں دن کو اپنی بی بی سے مباشرت کر لی بعد کو اس قدر بدحواس ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بال نوچتے ہوئے، سینہ کوبی کرتے ہوئے آئے اور کہا کہ ''میں ہلاک ہو گیا،،[2]

سفر میں روزہ رکھنا :

حالتِ سفر میں اگرچہ روزہ رکھنا فرض نہیں ہے تاہم صحابہ کرامؓ اس حالت میں بھی سخت سے سخت تکلیف برداشت کرتے، لیکن افطار کرنا پسند نہ کرتے ایک صحابیؓ نے سفر میں روزہ رکھا تو دھوپ کی شدت سے محفوظ رکھنے کے لیے لوگوں نے ان کے سر پر چادر تان دی، رسول اللہ ﷺ نے ان کے گرد لوگوں کا ہجوم دیکھا تو فرمایا ''سفر میں روزہ رکھنا نیکی کا کام نہیں۔،،[3]

---

[1] ابوداوَد کتاب الصیام باب مبداء فرض الصیام -

[2] موطا امام مالک کتاب الصیام باب من افطر فی رمضان-

[3] ابوداوَد کتاب الصیام باب اختیار الفطر-

رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے دھوپ اس قدر تیز تھی کہ لوگ اس کی شدت سے سروں پر ہاتھ رکھتے تھے، لیکن اس حالت میں بھی حضرت عبداللہ بن رواحہؓ روزے سے تھے۔[1]

ایک بار صحابہ کرامؓ ایک نہایت گرم دن میں سفر کر رہے تھے ان میں جو لوگ روزے سے تھے منزل پر پہنچ کر ضعف سے گر پڑے اور بے روزہ داروں نے خیمے وغیرہ کھڑے کئے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے مکہ کا سفر کیا تو تمام صحابہؓ روزہ سے تھے، منزل پر پہنچ کر فرمایا کہ ''تم لوگ دشمن کے قریب پہنچ گئے اور افطار تمھارے لئے ازدیادِ قوت کا سبب ہوگا،، اس پر بھی بہت سے صحابہؓ نے روزہ افطار نہیں کیا، دوسری منزل آئی تو آپ نے اور بھی تاکید کے ساتھ افطار کی ترغیب دی، اب تمام صحابہؓ نے روزہ توڑ دیا۔[3]

صومِ عاشوراء:

رمضان کے روزوں کے علاوہ صحابہ کرامؓ اور بھی مختلف قسم کے روزے رکھتے تھے، اول اول عاشورہ کا روزہ فرض تھا، اس لئے عاشورا کی صبح کو رسول اللہ ﷺ منادی کرا دیتے کہ جن لوگوں نے روزہ رکھا ہے وہ اپنے روزے پورے کرلیں اور جو لوگ کھا پی چکے ہیں وہ بقیہ دن کا روزہ رکھیں، اس اعلان کے بعد صحابہ کرامؓ نے اس شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی کہ نہ صرف خود روزے رکھتے بلکہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں سے بھی روزے رکھواتے اور جب وہ کھانے کے لئے روتے تو بہلانے کے لئے ان کو رنگین اون کی گڑیاں دیدیتے۔[4] فرضیتِ صوم رمضان کے بعد اگرچہ یہ روزہ فرض نہیں رہا۔ تاہم بعض صحابہؓ نے اس کو قائم کر رکھا ایک بار حضرت امیر معاویہؓ نے مدینہ میں خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ ''اس دن کا روزہ اگرچہ فرض نہیں ہے تاہم میں روزے سے ہوں جس کا جی چاہے روزہ رکھے جس کا جی چاہے افطار کرلے،،[5]

---

1. بخاری کتاب الصوم باب اذا صام ایاما من رمضان ثم سافر۔
2. مسلم کتاب الصوم باب جواز الصوم والفطر فی شہر رمضان للمسافر
3. ایضاً باب اجر المفطر فی السفر اذا تولی العمل
4. مسلم کتاب الصوم باب من اکل فی عاشوراء فلیکف بقیۃ یومہ
5. ایضاً باب صوم یوم عاشوراء۔

صوم داوٗدی :

حضرت عبداللہ بن عمرؓ و صائم الدہر رہا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع فرمایا، اور کہا کہ ”ہر مہینہ میں صرف تین دن رکھا کرو“، لیکن ان کے شوق کو اس سے کیا تسکین ہو سکتی تھی؟ بولے ”مجھ میں اس سے زیادہ طاقت ہے“، ارشاد ہوا ”تو صوم داوٗدی کا التزام کرلو یعنی ایک دن کا ناغہ دے کر دوسرے دن کا روزہ رکھو“۔ [1]

صوم وصال :

رسول اللہ ﷺ متصل کئی کئی دن کے روزے رکھتے تھے آپ کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ نے بھی متصل روزے رکھنے شروع کئے، لیکن آپ نے صحابہؓ کو روک دیا اور فرمایا ”میری حالت تم سے مختلف ہے مجھ کو خدا کھلاتا پلاتا ہے“۔ [2] تاہم بعض صحابہؓ صوم وصال کے پابند تھے چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ متصل ایک ایک ہفتہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ [3]

دوشنبہ اور پنجشنبہ کے روزے :

رسول اللہ ﷺ ان دونوں دنوں کے روزے رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ”ان دونوں دنوں میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں“، بعض صحابہؓ نے بھی اس کا التزام کرلیا تھا چنانچہ ایک دن حضرت اسامہؓ وادی قریٰ کو گئے، اور ان دنوں کے روزے رکھے، غلام نے کہا ”آپؓ تو بڈھے ہیں، ان دنوں میں کیوں روزہ رکھتے ہیں“؟ بولے ”رسول اللہ ﷺ ان دنوں کے روزے رکھا کرتے تھے“۔ [4]

ایام بیض کے روزے :

رسول اللہ ﷺ ایام بیض ہر مہینے کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کے روزے

---

1. مسلم کتاب الصیام باب استحباب صیام ثلاثہ ایام من کل شہر۔
2. ایضاً باب النہی عن الوصال فی الصوم
3. اسد الغابہ تذکرہ ابن زبیر۔
4. ابوداوٗد کتاب الصوم باب فی صوم الاثنین والخمیس

رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''یہ روزے صوم دہر کے مثل ہیں''، صحابہ کرامؓ کو بھی یہی حکم تھا۔ [1]

صائم الدہر رہنا:

ایک صحابی ایک سال آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس چلے گئے۔ دوسرے سال پھر حاضرِ خدمت ہوئے تو صورت اس قدر بدل گئی تھی کہ آپؐ نے ان کو نہیں پہچانا اس بناء پر انہوں نے خود اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ ''میں وہی شخص ہوں جو پہلے سال آیا تھا''، فرمایا تمھارا کیا حال ہو گیا؟ تمھاری صورت تو اچھی خاصی تھی''، بولے ''جب سے آپ سے جدا ہوا ہوں رات کے سوا دن کو کبھی کھانا نہیں کھایا''، لیکن آپ نے ان کو اس سے منع فرمایا، [2] بایں ہمہ بہت سے صحابہ ہمیشہ روزے سے رہتے تھے، حضرت ابوامامہؓ نے متعدد غزوات میں رسول اللہ ﷺ سے بار بار دعائے شہادت کی درخوست کی، لیکن آپ نے سلامتی کی دعا فرمائی، اخیر میں عرض کی کہ ''اچھا یہ نہ سہی تو کسی ایسے عمل کی ہدایت فرمایئے کہ خدا مجھے اس سے نفع دے''، آپ نے روزے کا حکم دیا اور انہوں نے متصل روزے رکھنے کا التزام کرلیا، خادم اور بی بی نے بھی اس عملِ صالح میں شرکت کی اور روزہ ان کے گھر کی امتیازی علامت ہوگئی، اگر کسی دن ان کے گھر میں دھواں اٹھتا یا آگ جلائی جاتی تو لوگ سمجھتے کہ آج ان کے گھر میں کوئی مہمان آیا ہے۔ [3] ورنہ اس گھر میں دن کا کھانا کیوں کر پک سکتا تھا۔

حضرت زید بن سہلؓ عہدِ رسالت میں غزوات کی شرکت کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکتے تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو اس کی تلافی کرنا شروع کی اور ۴۰ برس تک متصل روزے رکھے اور عید کے سوا کہ اس دن روزہ رکھنا حرام ہے کبھی بے روزہ نہ رہے۔ [4]

حضرت حمزہ بن عمروؓ الاسلمی بھی ہمیشہ روزے سے رہتے تھے۔ [5]

---

1. ابوداؤد کتاب الصوم باب فی صوم الثلاث من کل شہر
2. ابوداؤد کتاب الصیام باب فی صوم اشہر الحرام۔
3. مسند جلد ۵ ص ۲۵۵ .
4. اسد الغابہ تذکرہ حضرت زید بن سہلؓ
5. مسلم کتاب الصوم باب التخییر فی الصوم والفطر فی السفر

نفل کے روزے رکھنا :

حضرت ابوالدرداءؓ کو نفل کے روزہ کا اس قدر شوق تھا کہ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ آج گھر میں کچھ کھانے کو نہیں ہے تو کہتے کہ "میں آج روزے سے ہوں"، حضرت ابوطلحہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت حذیفہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی یہی حال تھا۔ [۱]

بعض صحابیہ نفل کے روزے رکھتی تھیں جس سے ان کے شوہر کو تکلیف ہوتی تھی۔ انہوں نے روکا تو ان کو سخت ناگوار ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر شکایت کی۔ لیکن آپؐ نے حکم دیا کہ کوئی عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نفل کا روزہ نہیں رکھ سکتی۔ [۲]

مُردوں کی جانب سے روزہ رکھنا :

صحابہ کرامؓ نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے مردوں کی جانب سے بھی روزے رکھتے تھے، ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ "میری ماں کا انتقال ہو گیا اور اس پر پورے مہینے کے روزے فرض تھے کیا میں ان کو پورا کر دوں؟" آپ نے فرمایا "ہاں"۔ [۳]

بچوں سے روزہ رکھوانا :

صحابہ کرامؓ نہ صرف خود روزہ رکھتے تھے بلکہ اپنے بچوں سے بھی روزہ رکھواتے تھے اوپر گزر چکا ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے صوم عاشوراء کے لئے منادی کروائی تو صحابہ کرامؓ نے خود روزہ رکھا اور بچوں سے بھی روزے رکھوائے ایک بار حضرت عمرؓ نے رمضان میں ایک بدمست کو یہ کہہ کر سزا دی کہ "ہمارے بچے روزے رکھتے ہیں اور تمہارا یہ حال ہے۔ افسوس"۔ [۴]

---

[۱] بخاری کتاب الصوم باب اذا نوی بالنہار صوما

[۲] ابوداؤد کتاب الصیام باب المراۃ ھل تصوم بغیر اذن زوجہا

[۳] بخاری کتاب الصوم باب من مات وعلیہ صوم

[۴] بخاری کتاب الصوم باب صوم الصبیان

اعتکاف :

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا تو تمام صحابہ بھی آپؐ کے ساتھ معتکف ہوئے۔ [1]

ازواج مطہراتؓ کو اعتکاف کا اس قدر شوق تھا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کے لئے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا، حضرت عائشہؓ نے دیکھا تو اپنا خیمہ الگ نصب کروایا۔ ان کی دیکھا دیکھی تمام ازواج مطہراتؓ نے خیمے نصب کرائے آپؐ نے دیکھا تو اپنے ساتھ ازواجِ مطہرات کے خیمے بھی گروادیئے [2] کہ اس سے آپ کے سکون و جمعیت خاطر میں فرق آتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے زمانہ جاہلیت میں اعتکاف کی نذر مانی تھی، اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے اس کے پورا کرنے کی اجازت چاہی، آپ نے اجازت دی تو انہوں نے اس نذر کو پورا کیا۔ [3]

(ابواب الحج)

حج :

فرائض اسلام میں اگرچہ حج تمام عمر میں صرف ایک بار فرض ہے، لیکن بعض صحابہؓ تقریباً ہر سال فریضہ حج ادا فرماتے تھے۔ ایک بار حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے جہاد کی اجازت چاہی تو فرمایا ”بہترین جہاد حج مبرور ہے“، اس کے بعد سے وہ کبھی حج کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ [4] حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ ”جب تم جہاد سے فارغ ہو تو حج کے لئے کجاوے کسو کیونکہ حج بھی ایک جہاد ہے“۔ [5]

---

[1] مسلم کتاب الصوم باب فضل لیلۃ القدر

[2] ابوداؤد کتاب الصیام باب فی الاعتکاف۔

[3] ایضاً باب المعتکف یعود المریض

[4] بخاری کتاب الحج باب حج النساء

[5] بخاری مع فتح الباری کتاب الحج باب الحج علی الرجل

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سخت سے سخت خطرے کی حالت میں بھی حج کو قضا نہیں فرماتے تھے حجاج اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے درمیان جنگ شروع ہوئی اور خود مکہ محاصرہ میں آ گیا تو انہوں نے اس حالت میں بھی سفر حج کرنا چاہا، صاحبزادے نے روکا تو بولے کہ ''ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کا نمونہ موجود ہے آپؐ حج کے لئے چلے تو کفار نے روک دیا اگر مجھے بھی روکا جائے گا تو میں بھی وہی کروں گا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا،،[1]

صحابہ کرامؓ جس ذوق وشوق سے حج کرتے تھے اس کا موثر منظر حجۃ الوداع میں دنیا کو نظر آیا تھا رسول اللہ ﷺ نے اعلان حج کیا تو مدینہ میں بکثرت صحابہ جمع ہوئے حضرت اسماء بنت عمیسؓ اگرچہ حاملہ تھیں اور اسی سفر میں بہ مقام ذوالحلیفہ ان کو وضع حمل بھی ہو گیا، تاہم وہ بھی شریک سفر ہوئیں، آپ مقام بیداء میں پہنچے تو صحابہؓ کا اس قدر ازدحام ہو کہ دائیں بائیں آگے پیچھے آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔[2]

تمام خلفاء اپنے زمانہ خلافت میں بالالتزام حج کرتے تھے اور خود امیر الحاج ہوتے تھے حضرت عثمانؓ کی مدت خلافت دس برس ہے اور اس مدت میں انہوں نے متصل دس سال حج کئے اخیر سال جب لوگوں نے ان کا محاصرہ کر لیا تو خود نہ جا سکے لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر الحاج بنا کر بھیجا۔[3]

اسلام نے اگرچہ رہبانیت کو باطل کر دیا تھا، تاہم بعض صحابہ فریضہ حج کے ادا کرنے میں طرح طرح کا التزام مالایلزم کرتے تھے، ایک صحابیہ نے خانہ کعبہ تک پا پیادہ جانے کی نذر مانی اور رسول اللہ ﷺ سے دریافت کروایا تو آپؐ نے کہا ''پا پیادہ بھی چلیں اور سوار بھی ہولیں،، آپ نے ایک بوڑھے صحابی کو دیکھا کہ اپنے دو بیٹوں کے سہارے پا پیادہ چل رہے ہیں، فرمایا کیا معاملہ ہے؟ معلوم ہوا کہ پا پیادہ حج کرنے کی منت مانی ہے آپ نے سوار ہونے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ''خدا اس کی جان کو عذاب میں ڈالنے سے بے نیاز ہے،،[4]

---

[1] بخاری کتاب الحج باب طواف القارن
[2] مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی ﷺ
[3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عثمانؓ
[4] بخاری کتاب الحج باب من نذر المشی الی الکعبۃ

اگر کسی معذوری سے حج کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو جاتا تھا تو صحابہ کرامؓ کو سخت صدمہ ہوتا تھا، حجتہ الوداع میں حضرت عائشہؓ کو ضرورتِ نسوانی سے معذوری ہوگئی رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا تو دیکھا کہ رو رہی ہیں، فرمایا کیا ماجرا ہے؟ بولیں کہ ''کاش میں اس سال حج نہ کرتی''، فرمایا ''سبحان اللہ، یہ تو فطری چیز ہے تمام مناسک ادا کرو صرف خانہ کعبہ کا طواف نہ کرو''۔[1]

باپ ماں کی طرف سے حج کرنا:

صحابہ کرامؓ نہ صرف خود بلکہ اپنے ماں باپ کی جانب سے بھی حج ادا کرتے تھے، حجتہ الوداع کے زمانہ میں ایک صحابیہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ ''میرے باپ پر حج فرض ہوگیا ہے۔لیکن وہ بڑھاپے کی وجہ سے سواری پر بیٹھ نہیں سکتے کیا میں ان کی جانب سے حج ادا کردوں؟'' آپؐ نے ان کو اس کی اجازت دے دی۔[2]

ایک صحابیہ کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا وہ آپؐ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ ''میری ماں نے کبھی حج نہیں کیا کیا میں ان کی جانب سے اس فرض کو ادا کردوں''؟ آپ نے ان کو بھی اجازت دیدی۔[3]

عمرہ:

بعض صحابہؓ عمرہ کو فرض سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا خیال تھا کہ حج کی طرح عمرہ بھی ہر شخص پر فرض ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کی فرضیت پر یہ استدلال کرتے تھے کہ قرآن مجید میں حج اور عمرہ دونوں کا حکم ایک ساتھ آیا ہے۔

اتموا الحج والعمرة للّٰه [4]

''خدا کے لئے حج اور عمرہ کو پورا کرو''۔

---

1. ابوداؤد کتاب المناسک باب فی افراد الحج
2. بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج وفضلہ
3. مسلم کتاب الصوم باب قضا الصیام عن المیت
4. بخاری ابواب العمرہ باب وجوب العمرة وفضلها۔

بہر حال عمرہ فرض ہو یا نہ ہو، لیکن صحابہ کرامؓ اس کو نہایت پابندی کے ساتھ ادا کرتے تھے اور جب وہ فوت ہو جاتا تھا تو ان کو سخت قلق ہوتا تھا، حجتہ الوداع کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ رو رہی ہیں، وجہ پوچھی تو بولیں کہ "میں ضرورتِ نسوانی سے معذور ہوں، لوگ دو دو فرض (حج اور عمرہ) کا ثواب لے کر جاتے ہیں اور میں صرف ایک کا،، فرمایا" کوئی حرج نہیں، خدا تم کو عمرہ کا ثواب بھی عطا فرمائے گا، چنانچہ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کو ساتھ کر دیا اور مقام تنعیم میں جا کر انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا اور آدھی رات کو فارغ ہو کر آئیں۔ [1]

قربانی کرنا :

صحابہ کرامؓ نہایت پابندی اور نہایت شوق کے ساتھ قربانی کرتے تھے، ایک بار حضرت ابو کباشؓ تجارت کی غرض سے کچھ بکریوں کے بچے لائے لیکن کسی نے نہیں پوچھا، وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے ملے اور اس کے جواز و عدم جواز کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

ونعمت الا ضحية الجذع

"بکری کا بچہ قربانی کے لئے کس قدر موزوں ہے"۔

یہ سننا تھا کہ صحابہؓ نے ہاتھوں ہاتھ گلے کو خرید لیا۔ [2]

ایک بار حضرت اسود بن ہلالؓ مدینہ میں بہت سے اونٹ لے کر آئے مسجد میں گئے تو دیکھا کہ حضرت عمرؓ تقریر کر رہے ہیں اور لوگوں کو حج کرنے اور ہدی لے جانے کی ترغیب دے رہے ہیں وہ مسجد سے نکلے تو ہر شخص نے ایک ایک اونٹ خرید لیا اور وہ مالا مال ہو گئے۔ [3]

---

1. بخاری ابواب العمرۃ کتاب الحج۔
2. ترمذی کتاب الاضاحی باب فی الجذع من بضان فی الاضاحی
3. طبقات ابن سعد تذکرہ اسود بن ہلالؓ

(ابواب الجہاد)

شوق جہاد :

اسلام کے فرائض و اعمال میں جہاد سب سے زیادہ سخت ہے لیکن صحابہ کرامؓ کو جہاد کا اس قدر شوق تھا کہ حضرت زبیرؓ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے حضرت عثمانؓ کے عہد تک برابر جہاد ہی میں مشغول رہے۔[1]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے شرکت جہاد کے لئے عام منادی کرائی، ایک صحابی نہایت بوڑھے تھے اور خدمت کے لیے ان کے پاس کوئی خادم بھی نہ تھا، تاہم اس قدر شوق جہاد رکھتے تھے کہ شریک جہاد ہوئے اور خدمت کے لئے تین دینار کی اُجرت پر ایک شخص کو ساتھ لیتے گئے۔[2]

بی بی اور جائیداد سب کو عزیز ہوتے ہیں، لیکن شوق جہاد میں بعض صحابہؓ نے ان کو بھی الگ کر دیا تھا، حضرت سعد بن ہشامؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دیدی اور مدینہ آیا کہ وہاں کی جائیداد کو بیچ کر ہتھیار خریدوں اور جہاد کروں لیکن چند صحابہؓ ملے اور انہوں نے کہا کہ ہم میں بھی چھ شخصوں نے یہی ارادہ کیا تھا، لیکن رسول اللہ ؐ نے منع فرما دیا،، [3]

شوقِ شہادت :

عہد نبوت میں شہادت ایک ابدی زندگی خیال کی جاتی تھی اس لئے ہر شخص اس آب حیات کا پیاسا رہتا تھا، حضرت ام ورقہ بنتؓ نوفل ایک صحابیہ تھیں، جب بدر کا معرکہ پیش آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ''مجھ کو شریک جہاد ہونے کی اجازت عطا فرمایئے میں مریضوں کی تیمارداری کروں گی شاید مجھے وہ درجہ شہادت حاصل ہو جائے، لیکن آپؐ نے فرمایا '' گھر ہی میں رہو، خدا تمھیں وہیں شہادت دیگا ،، یہ معجزانہ پیشگوئی کیونکر غلط

---

[1] بخاری کتاب الجہاد باب برکتہ الغازی فی مالہ حیاً ومیتاً

[2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الرجل یغیر و باجر لیخدم

[3] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب فی صلوۃ اللیل۔

ہوسکتی تھی؟ انہوں نے ایک لونڈی اور ایک غلام مدبر کئے تھے،[1] جنہوں نے ان کوشہید کر دیا[2] کہ جلد آزاد ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ پر ایک بدو ایمان لایا اور آپؐ کے ساتھ ہجرت کرنے پر آمادگی ظاہر کی لیکن آپ نے اس کو بعض صحابہؓ کے سپرد کر دیا جن کے اونٹ وہ چرایا کرتا تھا، لیکن جب ایک غزوہ میں مال غنیمت ہاتھ آیا اور آپ نے اس کا بھی حصہ لگایا تو اس نے کہا ''میں اس لئے ایمان نہیں لایا، میں اس لئے حلقہ اسلام میں داخل ہوا ہوں کہ میرے حلق میں تیر لگے اور میں شہید ہوکر جنت میں داخل ہوں'' تھوڑی دیر کے بعد معرکہ کارزار گرم ہوا تو وہ ٹھیک حلق پر تیر کھا کر شہید ہوا صحابہ کرامؓ لاش کو آپ کے سامنے لائے تو آپ نے فرمایا کہ ''اس نے خدا کی تصدیق کی تو خدا نے بھی اس کی تصدیق کی'' یہ کہہ کر خود اپنا جبہ کفن کے لئے عنایت فرمایا۔[3]

غزوہ اُحد میں ایک صحابی نے آپ سے پوچھا ''اگر میں شہید ہو جاؤں تو میرا ٹھکانا کہاں ہوگا؟'' ارشاد ہوا کہ ''جنت میں'' کھجوریں ہاتھ میں تھیں ان کو پھینکا اور لڑ کر شہید ہوئے۔
غزوہ بدر میں جب مشرکین مکہ قریب آ گئے تو آپ نے صحابہ کرامؓ کی طرف خطاب کر کے فرمایا ''اٹھو اور وہ جنت لو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے'' حضرت عمیر بن الحمام الانصاریؓ نے کہا ''یارسول اللہ ﷺ آسمان وزمین کے برابر'' ارشاد ہوا ''ہاں'' بولے ''واہ واہ'' فرمایا ''واہ واہ کیوں کہتے ہو؟'' بولے صرف اس امید میں کہ شاید میں بھی ۔[3] اس میں داخل ہوسکوں'' ارشاد ہوا کہ تم داخل ہو گے'' اس سوال و جواب کے بعد انہوں نے جھولی سے کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے، پھر شوق شہادت نے جوش مارا اور بولے کہ ''اتنا وقفہ بھی جس میں یہ کھجوریں کھا سکوں میرے لئے بہت ہے'' یہ کہہ کر کھجوروں کو پھینکا میدان میں گئے لڑے اور شہید ہوئے۔

---

[1] مدبران غلاموں کو کہتے ہیں جن سے آقا یہ کہہ دے کہ اس کی موت کے بعد آزاد ہو جائیں گے
[2] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب امامتہ النساء
[3] نسائی کتاب الجنائز باب الصلوۃ علی الشہداء

حضرت انسؓ کے چچا غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اس لئے ہمیشہ یہ کانٹا ان کے دل میں کھٹکا کرتا تھا، غزوہ احد پیش آیا تو اس میں اس جانبازی کے ساتھ لڑ کر شہید ہوئے کہ ان کی بہن کا بیان ہے کہ تیر، نیزے اور تلوار کے اسی سے زیادہ زخم جسم پر تھے، میں نے صرف انگلیوں سے ان کو پہچانا۔

ایک بار ایک صحابی نے معرکہ جنگ میں یہ روایت کی کہ "جنت کے دروازے تلوار کے سایہ کے نیچے ہیں"، ایک صحابی اٹھے اور کہا "تم نے اس کو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے"، بولے "ہاں"، وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے رفقاء کے پاس آئے اور سلام کر کے ان سے رخصت ہوئے تلوار کا میان توڑ کر پھینک دیا اور دشمن کی صف میں گھس کر لڑے اور شہید ہوئے۔[1]

حضرت عبداللہ بن ثابتؓ کو طاعون ہوا، رسول اللہ ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے تو آثارِ موت طاری ہو چکے تھے، عورتیں رونے پیٹنے لگیں ان کی صاحبزادی روتی تھیں اور کہتی تھیں کہ "مجھے توقع یہ تھی کہ آپ شہید ہوں گے آپ نے جہاد کا سامان مکمل بھی کر لیا تھا آپ نے فرمایا "ان کو نیت کا ثواب مل چکا۔"[2]

حضرت عمرو بن الجموحؓ ایک بوڑھے اور لنگڑے صحابی تھے، غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے لنگڑا پن کی وجہ سے ان کو مدینہ ہی میں چھوڑ دیا تھا، لیکن غزوہ احد میں انہوں نے بیٹوں سے کہا کہ "مجھے میدان جہاد میں جانے دو"، سب نے کہا "آپ کو تو رسول اللہ ﷺ نے معاف کر دیا ہے"، بولے "افسوس تم نے مجھے بدر میں جنت سے محروم رکھا اور اب احد میں بھی محروم رکھنا چاہتے ہو؟ یہ کہہ کر روانہ ہوئے، جب لڑائی کا وقت آیا تو بولے "یا رسول اللہ! اگر میں شہید ہو جاؤں تو اسی طرح لنگڑاتا ہو جنت میں پہنچ جاؤں گا"، ارشاد ہوا "ہاں" یہ سن کر آگے بڑھے، لڑے اور شہید ہوئے۔[3]

---

1. مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوت الجنۃ للشہید
2. ابوداؤد کتاب الجنائز باب فضل من مات فی الطاعون
3. اسد الغابہ تذکرہ سلیمؓ مولی عمر بن الجموع۔

خلوص فی الجہاد :

صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب میں خلوص سب سے زیادہ نمایاں چیز ہے، حضرت ولید بن ولیدؓ غزوۂ بدر میں گرفتار ہوئے اور فدیہ دیکر رہائی پائی، فدیہ ادا کرنے کے بعد مکہ کو روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ تک پہنچ کر واپس گئے اور اسلام لائے اس پر ان کے بھائی خالد نے کہا کہ "اگر اسلام ہی لانا تھا تو فدیہ دینے سے پہلے ہی اسلام لاتے کہ فدیہ سے بچ جاتے بولے "میں اس لئے فدیہ دینے کے بعد اسلام لایا کہ قریش یہ نہ کہیں کہ فدیہ سے بچنے کیلئے اسلام قبول کیا ہے،،[1]

جہاد میں اس خلوص کا اظہار اور بھی شدت سے ہوتا تھا۔ حضرت عمر بن اقیشؓ غزوہ احد کے زمانہ تک کافر تھے اُحد کا معرکہ پیش آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی ہدایت دی اور گھر میں آ کر کہا کہ میرے چچا زاد بھائی کہاں ہیں؟ فلاں کہاں ہے،،؟ فلاں کہاں ہے لوگوں نے اُحد کا نام لیا تو زرہ پہن کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور احد کا راستہ لیا صحابہ کرامؓ نے دیکھا تو کہا کہ "ہم سے الگ رہو،، بولے کہ "میں تو ایمان لا چکا ،، یہ کہہ کر کفار پر حملہ شروع کر دیا اور زخمی ہو کر گھر واپس آئے حضرت سعد بن معاذؓ نے ان کی بہن سے پچھوایا کہ جہاد کی شرکت حمیت قومی کے لئے تھی یا خدا کی راہ میں بولے "صرف خدا اور رسول ﷺ کی حمایت کے لئے،، [2]

جب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کی شرکت کے لئے منادی کرائی تو حضرت واثلہ بن اسقعؓ تمام مدینہ میں پکارتے پھرے کہ کون اس شخص کو سواری دیتا ہے جو اپنی غنیمت کا حصہ اس کے صلے میں دینے کیلئے تیار ہے؟ ایک بوڑھے انصاری نے جواب دیا کہ "میں دیتا ہوں،، وہ راضی ہو گئے اور ان کے ساتھ چل کھڑے ہوئے، مال غنیمت تقسیم ہوا تو ان کے حصہ میں چند نو جوان اونٹنیاں آئیں اور انہوں نے اونٹنیوں کو لاکر انصاری بزرگ کے سامنے کھڑا کر دیا، بولے "ذرا ادھر ادھر پھرا کے تو دکھاؤ ،، انہوں نے ان کو آگے بڑھایا، پھر پیچھے ہٹایا، دیکھ بھال کے بولے "نہایت عمدہ ہیں ،، انہوں نے کہا "شرط کے موافق تو یہ آپ ہی کی ہیں ،، بولے "اپنی اونٹنیاں لے جاؤ ہمارا مقصود تمہارا یہ حصہ نہ تھا، بلکہ اور کچھ تھا۔،، [3] یعنی ثواب جہاد میں شرکت۔

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ ولید بن ولیدؓ

[2] ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی من یسلم ویقتل مکانہ فی سبیل اللہ تعالیٰ

[3] ابو داؤد کتاب الجہاد باب الرجل یکری دابتہ علی النصف او السہم۔

عمل بالقرآن

آج ہر مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے عقائد، احکام، اخلاق، معاش اور معاد کے متعلق تمام آیتیں اس کی نگاہ سے گزرتی ہیں۔ لیکن چونکہ دل سے اثر پذیری کا مادہ مفقود ہو چکا ہے، اس لئے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، لیکن صحابہ کرامؓ کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی ان پر قرآن کی ایک ایک آیت کا اثر پڑتا تھا اور اس شدت کے ساتھ پڑتا تھا کہ اس کے خوف سے ہمیشہ کانپتے رہتے تھے،

ایک سفر میں حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بار بار ایک سوال کیا جواب نہ ملا تو آگے نکل گئے اور دل میں خوف پیدا ہوا کہ کہیں ان کے بارے میں کوئی آیت نہ نازل ہو جائے تھوڑی دیر کے بعد دربار نبوت سے پکار ہوئی وہ گھبرا گئے کہ آیت نازل ہوگئی حاضر خدمت ہوئے تو آپؐ نے یہ آیت سنائی۔

انا فتحنا لک فتحا مبینا[1]

''ہم نے تم کو کھلی ہوئی فتح دی''۔

رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو تمام صحابہؓ سخت اضطراب میں مبتلا تھے، حضرت عمرؓ کو آپ کے وصال کا یقین ہی نہیں آتا تھا، لیکن جب حضرت ابوبکرؓ نے خطبہ دیا اور اس میں یہ آیت

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل، الخ

''محمد (ﷺ) صرف پیغمبر ہیں اور ان کے پیشتر بہت پیغمبر گزر چکے ہیں''

پڑھی تو صحابہؓ پر یہ اثر ہوا کہ گویا یہ آیت اس سے پیشتر نازل ہی نہیں ہوئی تھی، تمام صحابہؓ نے اس کو از بر کر لیا اور سب کے سب اس کو پڑھنے لگے حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ ''جب میں نے ابوبکرؓ سے اس آیت کو سنا تو زمین میرے پاؤں کے نیچے سے نکل گئی، اور میں زمین پر گر پڑا''[2]

---

1. بخاری کتاب المغازی غزوۃ الحدیبیہ
2. بخاری جلد ۲ باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ۔

حضرت سعدؓ غزوہ بدر میں ایک تلوار لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ''آج دشمن کے خون سے خدا نے میرے کلیجہ کو ٹھنڈا کیا ہے، اس لئے یہ تلوار مجھے عطا فرمائیے''۔ ارشاد ہوا کہ ''یہ نہ تمھاری ہے نہ میری وہ دل میں یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ یہ اس کو دیجائے گی جس نے مجھ جیسا مردانہ کام نہیں کیا ہے'' تھوڑی دیر کے بعد آپ کا قاصد آیا وہ گھبرائے کہ میری اس گفتگو پر کہیں کوئی آیت تو نہیں نازل ہوئی، آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے یہ آیت سنائی۔

يسئلونك عن الانفال قل الانفال لله والرسول

لوگ تم سے مال غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں کہہ دو مالِ غنیمت تو خدا اور رسولؐ کا ہے۔

اور فرمایا کہ ''خدا نے یہ تلوار مجھ کو دی ہے، مگر میں تم کو دیتا ہوں''[1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ عہد نبوت میں ہم لوگ اس خوف کے مارے عورتوں سے ہنسی خوشی کی باتیں نہیں کرتے تھے کہ مبادا اس بارے کوئی آیت نازل نہ ہو جائے لیکن آپؐ کے وصال کے بعد یہ مہر خموشی ٹوٹ گئی۔[2]

ایک دن رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کی دیوار کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے، حضرت ابوذر غفاریؓ آ گئے تو آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا ھم الخاسرون یعنی لوگ گھاٹے میں ہیں وہ گھبرا گئے کہ میرے بارے میں کوئی آیت تو نازل نہیں ہوئی۔[3]

ایک بار آپ نے نمازِ صبح کے بعد فرمایا کہ ''فلاں قبیلے کا کوئی شخص موجود ہے؟'' کسی نے جواب نہیں دیا، دوسری بار اسی فقرہ کا اعادہ کیا تو ایک شخص اٹھا، آپ نے فرمایا کہ ''پہلی بار کیوں نہیں اٹھے؟'' بولا مجھے خوف پیدا ہوا کہ اس قبیلے کے متعلق کوئی آیت تو نہیں نازل ہوئی۔[4]

---

1. ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی النفل
2. سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ذکر وفاۃ دفنہ ﷺ و بخاری کتاب النکاح
3. نسائی کتاب الزکوٰۃ باب التغلیظ فی حبس الزکوٰۃ
4. اسد الغابہ تذکرہ وہب والد عثمان بن وہب۔

بالخصوص جن آیتوں میں کسی فعل پر عذاب کی دھمکی دی جاتی تھی، صحابہ کرامؓ ان سے اور بھی خوف زدہ ہوتے تھے چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

والذین یکنزون الذھب و الفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللّٰہ فبشر ھم بعذاب الیم۔

''جو لوگ چاندی اور سونا جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کو سخت عذاب کی بشارت دو''۔

تو تمام صحابہؓ پر گویا ایک مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کی بدحواسی کا یہ عالم دیکھ کر کہا ''میں تمھاری مشکل کو حل کرتا ہوں'' چنانچہ آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ''آپؐ کے اصحاب پر یہ آیت نہایت گراں گزری ہے'' آپؐ نے فرمایا ''خدا نے زکوۃ صرف اس لئے فرض کی ہے کہ تمھارے بقیہ مال کو اس کے ذریعہ سے پاک کرے اور میراث اس لئے مقرر کی ہے کہ بعد کی نسل کے ہاتھ آئے'' اس پر حضرت عمرؓ نے نعرہ مارا۔[1]

عہدِ رسالت میں حضرت مالکؓ بن ثعلبہ ایک دولتمند صحابی تھے، ایک دن رسول اللہ ﷺ اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ الخ

جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں، ان پر یہ عذاب ہوگا۔

اتفاق سے حضرت مالکؓ کا گزر ہوا تو یہ آیت سن کر ان پر غشی طاری ہوگئی، ہوش میں آئے تو خدمتِ مبارک میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ''یا رسول اللہ میرے باپ ماں آپؐ پر قربان، کیا یہ آیت ان لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں؟'' ارشاد ہوا ''ہاں'' بولے ''شام ہونے تک مالک کے پاس ایک درہم اور ایک دینار نہ ہوگا'' چنانچہ شام تک انہوں نے اپنی کل دولت خیرات کردی۔[2]

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب فی حقوق المال روایت میں پوری آیت نہیں ہے

[2] اسد الغابہ تذکرہ مالک بن ثعلبہؓ

ایک بار حضرت عائشہؓ نے آپ سے فرمایا کہ قرآن مجید کی یہ آیت نہایت سخت ہے۔

من یعمل سوء یجزبہ

''جو شخص ذرا بھی برائی کرے گا اس کو اس کا بدلا دیا جائے گا''۔

ارشاد ہوا کہ ''عائشہ تم کو یہ خبر نہیں کہ مسلمان کے پاؤں میں اگر ایک کانٹا بھی چبھ جاتا ہے تو وہ اس کے اعمال بد کا بدلا ہوتا ہے''[1]

جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

ان تبدو اما فی انفسکم او تخفوہ یحا سبکم بہ اللّٰہ

اپنے دل کی باتوں کو ظاہر کرو۔ یا چھپاؤ خدا تم سے ان کا حساب لے گا۔

تو تمام صحابہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض کی کہ'' یارسول اللہ نماز، روزہ، جہاد اور صدقہ کی تو ہم طاقت رکھتے ہیں لیکن اس آیت کے متحمل نہیں ہوسکتے۔'' چنانچہ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا [2]

خدا ہر شخص کو بقدر استطاعت تکلیف دیتا ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی۔

الذین امنوا ولم یلبسو اایمانھم بظلم اولئک لھم الا من وھم مھتدون۔

جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ مخلوط نہیں کیا، ان ہی کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں''۔

تو تمام صحابہ کرامؓ پریشان ہوگئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ ہم میں کون ہے جو اپنی جان پر ظلم نہیں کرتا فرمایا ''ظلم سے شرک مراد ہے'' [3]

---

[1] ابوداؤد کتاب الجنائز باب امراض المکفرۃ الذنوب۔

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب فی قولہ ان تبدوا مافی انفسکم او تخفوہ ہم نے روایت کی پوری آیتوں کو نقل نہیں کیا ہے

[3] ترمذی ابواب تفسیر القرآن، تفسیر سورۂ انعام۔

اس اثر پذیری کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ احکام قرآنیہ پر عمل کرنے کیلئے شدت کے ساتھ تیار ہو جاتے تھے، جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون

تم لوگ جب تک اپنی محبوب ترین چیزوں کو نہ صرف کرو گے نیکی کو ہرگز نہیں پا سکتے۔

تو حضرت ابوطلحہؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ "خدا ہمارا مال مانگتا ہے آپ گواہ رہئے کہ اریحا میں میری جو زمین ہے میں اس کے نام پر وقف کرتا ہوں" لیکن آپ نے فرمایا کہ "اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو"۔[1]

حضرت ابوحذیفہ بن عتبہؓ نے حضرت سالمؓ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا اور زمانہ جاہلیت کی رسم کے مطابق ان کو حقیقی بیٹوں کے حقوق حاصل ہو گئے تھے لیکن جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی ادعوالاباھم الخ تو ان کی بی بی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ "ہم سالم کو اپنا لڑکا سمجھتے تھے اور وہ ہمارے ساتھ گھر میں رہتے تھے اور ان سے کوئی پردہ نہ تھا، لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اب آپ کا کیا حکم ہے؟" فرمایا کہ ان کو دودھ پلا دو" چنانچہ دودھ پلانے سے وہ ان کے رضاعی بیٹے کے مثل ہو گئے۔[2]

سحر کے متعلق جب یہ آیت نازل ہوئی۔

کلواواشربوا حتیٰ یتبین لکم الخیط الا بیض من الخیط الا سود،

"اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ (رات کی) کالی دھاری سے صبح کی سفید دھاری تم کو صاف دکھائی دینے لگے۔"

تو حضرت عدیؓ بن حاتم ایک سیاہ اور سفید دھاگا سرہانے رکھ کر سوئے اور دیکھا کہ دونوں ممتاز ہوتے ہیں یا نہیں؟ کچھ پتہ نہ چلا تو رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا، آپؐ نے فرمایا

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب فی صلۃ الرحم۔

[2] ابوداؤد کتاب النکاح باب فی من حرم بہ۔

''عجب سادہ لوح ہو، اس سے رات دن یعنی رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی مراد ہے''[1]

جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہولی۔

لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارة عن تراض منکم

''اپنے مال باہم ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تم میں رضامندی کے ساتھ تجارت ہو۔''

تو یہ حالت ہوگئی کہ دولت مند لوگ اپنے اعزہ کو شریکِ طعام کرنا چاہتے تھے مگر وہ لوگ انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ''غرباء ہم سے زیادہ مستحق ہیں'' چنانچہ سورہ نور کی ایک دوسری آیت نے اس کو منسوخ کر دیا۔[2]

زمانہ جاہلیت میں عرب کی عورتیں دوپٹہ اوڑھتی تھیں تو سینہ اور سر وغیرہ کھلا رہتا تھا لیکن خداوند تعالیٰ نے اس کے مخالف مسلمان عورتوں کو یہ ہدایت کی۔[3]

والیضربن بخمرھن علی جیوبھن،

''عورتوں کو چاہیے کہ اپنے دوپٹوں کو سینے پر ڈالے رہیں۔''

اس کا یہ اثر ہوا کہ عورتوں نے اپنے تہ بندوں اور چادروں کو پھاڑ کر دوپٹے بنائے اور ان سے اپنے سروں کو اس طرح چھپالیا کہ حضرت عائشہؓ کے قول کے مطابق یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہوئے ہیں۔[4]

رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ ناپ جوکھ میں سخت خیانت کرتے تھے اس پر سورہ ویل للمطففین نازل ہوئی اور اب لوگ دیانت سے کام لینے لگے۔[5]

---

1. ابوداؤد کتاب الصیام باب وقت السحور روایت میں کلوا واشربوا نہیں ہے بلکہ ہم نے اضافہ کر دیا ہے
2. ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب نسخ الضیف یاکل من مال غیرہ۔
3. تفسیر ابن کثیر تفسیر سورہ نور ج ۷ ص ۱۸۱۔
4. ابوداؤد کتاب اللباس باب فی قولہ تعالیٰ یدنین علیھن من جلابیبھن وفی قولہ تعالیٰ ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن

اصحاب صفہ کی معاش کا زیادہ تر دارومدار صحابہؓ کی فیاضی پر تھا، چنانچہ انصار حسب مقدور کھجور کے خوشے لا کر مسجد میں لٹکا دیتے تھے، یہ لوگ آتے تھے تو چھڑی سے ان کو ہلاتے تھے جو کھجوریں ٹپک پڑتی تھیں ان کو کھا لیتے تھے۔ لیکن ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو سڑے گلے روکھے پھیکے خوشے لا کر لٹکا دیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یاایھا الذین امنوا انفقوا من طیبات ماکسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولاتیمموا الخبیث منه تنفقون ولستم باخذیه الاان تغمضوا فیه

''مسلمانو! اپنی بہترین کمائی اور بہترین پیداوار سے صدقہ دو، برے مال کو خیرات نہ کرو حالانکہ (وہی چیز کوئی تم کو دے) تو تم اس کو کبھی نہ لو مگر چشم پوشی کے ساتھ۔''

اور اس کے بعد اس حالت میں انقلاب پیدا ہو گیا اور تمام لوگ بہترین کھجوریں لانے لگے۔ [1]

جب یہ آیت نازل ہوئی۔

یاایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی

''مسلمانو! پیغمبر کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو۔''

تو حضرت عمرؓ آپؐ کے سامنے اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ ان کی بات سننے میں نہیں آتی تھی۔ [2]

حضرت ثابت بن قیسؓ پر اس آیت کا اور بھی زیادہ سخت اثر ہوا، جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ بالکل خانہ نشین ہو گئے ایک روز آپؐ نے حضرت سعد بن معاذؓ سے فرمایا کہ ''وہ کہیں بیمار تو نہیں ہیں''؟ بولے ''میں ان کا پڑوسی ہوں مجھے کوئی شکایت معلوم نہیں ہوئی'' واپس آ کر ان

---

[1] ترمذی ابواب تفسیر القرآن سورہ بقرہ

[2] ترمذی ابواب القرآن تفسیر سورۂ حجرات و بخاری کتاب التفسیر

سے یہ واقعہ بیان کیا تو بولے ''کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے اور تم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں آپ کے سامنے نہایت بلند آہنگی سے گفتگو کرتا تھا، پس میں دوزخی ہو گیا'' آپ ؐ کو خبر ہوئی تو فرمایا '' نہیں وہ جنتی ہیں'' [1]

حضرت مسطح ؓ حضرت ابوبکرؓ کے رشتہ دار تھے اس لئے وہ ان کی کفالت کرتے تھے، لیکن جب انہوں نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی تو انہوں نے ان کی کفالت سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ولا یاتل اولوالفضل منکم والسعة ان یوتوا اولی القربیٰ والمساکین والمهاجرین فی سبیل اللّٰه و لیعفوا ولیصفحوا الاتحبون ان یغفراللّٰه لکمْ واللّٰه غفورٌ رحیم،

تم میں دولت مند لوگ قرابتداروں، مسکینوں اور مہاجرین فی سبیل اللہ کو دینے کی قسم نہ کھا بیٹھیں، اور عفو درگزر کریں، کیا تم لوگ یہ پسند نہیں کرتے کہ خدا تمھاری مغفرت کرے اور خدا مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اور اب حضرت ابوبکرؓ پھر ان کے مصارف کے کفیل ہو گئے اور کہا ''ہاں مجھے یہی پسند ہے کہ خدا میری مغفرت کرے،،۔ [2]

اسلام کے فرائض واعمال میں جہاد سب سے زیادہ خطرناک ہے لیکن صحابہ کرامؓ کو قرآن مجید ہی کے اثر نے جہاد پر آمادہ کیا تھا اور اسی اثر کی بدولت وہ سخت سے سخت جنگی خطرات میں ثابت قدم رہتے تھے۔

ایک بار قسطنطنیہ میں رومیوں سے مسلمانوں کا مقابلہ ہوا، رومی بالکل قسطنطنیہ کی دیوار کے متصل صف زن تھے، ایک مسلمان نے جرات کر کے حملہ شروع کیا تو لوگ پکارے ''ہاں ہاں! اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتے ہو'' حضرت ابوایوب انصاریؓ جو ساتھ تھے بولے ''یہ آیت تو ہم

---

[1] مسلم کتاب الایمان باب مخافتہ المومن ان یحبط عملہ بخاری کتاب التفسیر

[2] بخاری کتاب الشہادات باب تعدیل النساء بعضھن بعضا۔

انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب اسلام نے قوت حاصل کرلی، تو ہم لوگ اپنی ،معاش کے کام دھندے میں مصروف ہو گئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وانفقوافی سبیل اللّٰہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ

''اور خدا کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو''

اس لئے اصلی ہلاکت یہ ہے کہ ہم معاش کے کاروبار میں مصروف ہو جائیں اور جہاد کو چھوڑ دیں راوی کا بیان ہے کہ ''جب سے یہ آیت نازل ہوئی، حضرت ابوایوب انصاریؓ ہمیشہ مصروف جہاد رہے یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں شہید ہو کر مدفون ہوئے۔ [1]

ایک بار جب رومیوں نے مسلمانوں کے مقابل میں ایک لشکر گراں جمع کیا اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے حضرت عمرؓ کو اس خطرہ کی اطلاع کی تو انہوں نے ان کو لکھا کہ ''مسلمان بندے پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو اس کے بعد خدا اس کو دور کر دیتا ہے، ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی خداوند تعالیٰ اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا اصبروا و صابروا ورابطوا واتقوا اللّٰہ لعلکم تفلحون ، [2]

''مسلمانو! مصیبتوں پر صبر کرو اور صبر میں کفار کا مقابلہ کرو اور استقلال کے ساتھ جہاد کرو اور خدا سے ڈرو یقین ہے کہ تم کامیاب ہو گے''۔

جنگ یمامہ میں جب حضرت سالمؓ کو علم عطا کیا جانے لگا تو دوسروں نے کہا کہ ''ہم کو آپ کے ثابت قدم رہنے کا یقین نہیں، اس لئے جھنڈا دوسرے کے ہاتھ میں دینا چاہتے ہیں'' بولے ''تو میں اس حالت میں قرآن مجید کا بدترین حامل ہوں گا'' چنانچہ انہوں نے علم کو داہنے ہاتھ میں لیا، لیکن جب وہ کٹ گیا تو بائیں ہاتھ میں لیا وہ بھی کٹ گیا تو علم کو آغوش میں لے لیا اور یہ آیت پڑھنے لگے۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی قولہ تعالیٰ ولاتلقوا بایدیکم الی التھلکہ

[2] موطائے امام مالک کتاب الجہاد باب الترغیب فی الجہاد

وما محمد الارسول' وکاین من نبی قتل معه ربیون کثیر ، [1]

''محمدؐ صرف ایک پیغمبر ہیں اور بہت سے پیغمبر گزرے ہیں جن کیساتھ ہوکر بہت سے علماء نے جہاد کیا۔''

ترغیب جہاد کے متعلق جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو جولوگ کسی معذوری سے اس میں شریک نہیں ہو سکتے تھے ان کو اس پر سخت افسوس ہوتا تھا، ایک بار حضرت زید بن ثابتؓ آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے، آپؐ پر آثار وحی طاری ہوئے افاقہ ہوا تو آپ نے ان کو اس آیت کو لکھ لینے کا حکم دیا۔

لایستوی القاعدون من المومنین والمجاهدون فی سبیل الله ، الخ

''خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے اور گھر میں بیٹھ رہنے والے مسلمان برابر نہیں ہو سکتے۔''

حضرت ابن ام مکتومؓ آنکھوں سے معذور تھے اس لئے شریک جہاد نہیں ہو سکتے تھے لیکن جب انہوں نے مجاہدین کی فضیلت سنی تو بولے کہ ''یارسول اللہ جولوگ جہاد کی قدرت نہیں رکھتے ان کا کیا حال ہوگا؟'' اب آپ پر دوبارہ آثار وحی طاری ہوئے، افاقہ ہوا تو دوبارہ وحی آسمانی نے غیر اولی الضرر (بجز معذور لوگوں کے) کا اضافہ کر کے معذور لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا۔ [2]

ایک طرف تو قرآن مجید کا یہ اثر تھا کہ جس طرف چاہتا تھا، صحابہ کرامؓ کو جھونک دیتا تھا دوسری طرف جس چیز سے چاہتا تھا روک بھی دیتا تھا ایک بار عیینہ بن حصین اپنے بھتیجے حر بن قیس کے ساتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ''آپ ہم کو خوب عطیہ نہیں دیتے ہمارے درمیان انصاف نہیں کرتے'' اس پر حضرت عمرؓ سخت برہم ہوئے اور ان کو سزا دینی چاہی، لیکن حضرت حر بن قیسؓ نے کہا یا امیر المومنین خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو حکم دیا تھا۔

خذ العفوو امر بالعرف واعرض عن الجاهلین،

''درگزر کا شیوہ اختیار کر اور نیکی کا حکم دے اور جاہلوں سے کنارہ کش رہ۔''

اور یہ بھی ایک جاہل ہے، یہ آیت سن کر حضرت عمرؓ فوراً رک گئے کیونکہ وہ عموماً

کان وقافا عند کتاب الله [3]

خدا کی کتاب کے سامنے اسی طرح رک جاتے تھے۔

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ سالم مولی ابی حذیفہ اسد الغابہ میں پوری آیتیں نقل نہیں کی ہیں بیچ کی آیتیں چھوڑ دی ہیں اور ہم نے اسی کا اتباع کیا ہے۔

[2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الرخصۃ فی القعود من العذر۔

[3] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ خذ العفو وامر بالعرف

اِتبّاعِ سُنّت

قرآن مجید کے بعد صحابہ کرامؓ کا محور عمل صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات تھی اس لئے وہ تمام اعمال میں آپ کی سنت کا اتباع کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب غسل جنابت فرماتے تو دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر سات بار پانی ڈالتے پھر شرمگاہ کو دھوتے اور ان تمام مراتب کے بعد وضو کر کے تمام جسم پر پانی ڈال کر کہتے کہ ''رسول اللہ ﷺ اسی طرح غسل فرماتے تھے''۔[1]

عہد نبوت میں معمول تھا کہ لوگ صدقہ فطر میں ایک صاع گیہوں، یا پنیر یا جو یا کھجور یا منقی دیتے تھے، لیکن اخیر زمانہ میں حضرت امیر معاویہؓ شام سے حج یا عمرہ ادا کرنے کے لئے آئے تو ایک خطبہ میں فرمایا کہ ''میرے خیال میں دو مد شامی گیہوں کھجور کے ایک صاع کے برابر ہیں'' اس کے بعد تمام لوگوں نے اس طریقہ کو عملاً اختیار کر لیا، لیکن حضرت ابوسعید خدریؓ نے عہد نبوت کی سنت کو بدلنا پسند نہیں کیا اور برابر ایک صاع صدقہ فطر نکالتے رہے۔[2]

حالتِ سفر میں اگرچہ آپ نے روزہ بھی رکھا ہے اور افطار بھی کیا ہے تاہم آپ نے زیادہ تر افطار کی ترغیب دی ہے اس لئے اکثر صحابہؓ شدت سے اس پر عمل کرتے تھے۔ ایک بار حضرت ابوذرؓ غفاری رمضان میں مصر سے کشتی میں سوار ہوئے ابھی مصر کے در و دیوار آنکھ سے اوجھل بھی نہ ہوئے تھے کہ کھانا طلب کیا، دسترخوان سامنے آیا تو بعض ہمراہیوں نے کہا کہ ''آپ مصر کے در و دیوار کو بھی نہیں دیکھتے'' بولے ''تم سنت نبوی سے اعراض کرتے ہو''۔[3]

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی الغسل من الجنابۃ

[2] ایضاً کتاب الزکوۃ باب کم یودی فی صدقۃ الفطر

[3] ابوداؤد کتاب الصیام باب متی یفطر المسافر اذا خرج۔

ایک بار حضرت دحیہؓ ابن خلیفہ رمضان میں دمشق کے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کی طرف روانہ ہوئے، دونوں گاؤں میں صرف تین میل کا فاصلہ تھا۔ لیکن انہوں نے روزہ توڑ ڈالا اور ان کے بہت سے ہمراہیوں نے بھی روزے توڑ ڈالے لیکن اور لوگوں نے اس کو پسند نہ کیا وہ پلٹے تو فرمایا کہ ''آج میں نے وہ کچھ دیکھا ہے جس کی نسبت میرا خیال تھا کہ کبھی نہ دیکھوں گا۔ ایک قوم نے سنتِ نبوی سے اعراض کیا (یعنی روزہ دار لوگ)۔ خداوندا مجھے اب اس دنیا سے اٹھا لے''۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کی سنت کے اتباع میں تمام صحابہؓ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ خاص طور پر ممتاز تھے، رسول اللہ ﷺ جب سفر حج سے واپس آئے تو مسجد کے دروازہ پر ناقہ کو بٹھا کر پہلے دو رکعت نماز ادا فرمائی پھر گھر کے اندر تشریف لے گئے اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی یہی معمول کر لیا۔ [2] وہ کعبہ کے صرف دونوں یمانی رکنوں کو چھوتے تھے، سبتی جوتے پہنتے تھے زرد رنگ کا خضاب لگاتے تھے۔ [3] اور لوگ چاند دیکھتے ہی احرام باندھ لیتے تھے لیکن وہ یوم الترویہ کو احرام باندھتے تھے ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ ''صرف آپ ہی کیوں ایسا کرتے ہیں؟ آپ کے اور اصحاب نہیں کرتے'' بولے کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے اس لئے میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں''۔ [4] حجۃ الوداع میں آپ نماز عشاء کے بعد تھوڑی دیر تک مقام بطحا میں سو کر مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی ہمیشہ اس مقام پر کسی قدر سوتے تھے پھر مکہ میں داخل ہوتے تھے۔ [5] اسی طرح آپ اس سفر میں جہاں جہاں اترے تھے یا نماز پڑھی تھی وہ بھی وہاں ضرور اترتے اور نماز پڑھتے تھے۔

ایک بار وہ سفر میں تھے دیکھا کہ کچھ لوگ نفل پڑھ رہے ہیں رفیق سفر سے بولے کہ ''اگر مجھے نفل پڑھنا ہوتا تو میں نماز ہی نہ پوری پڑھتا، میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کیا

[1] ابوداؤد کتاب الصیام باب مسیرۃ ما یفطر فیہ
[2] ایضاً کتاب الجہاد باب فی الصلوۃ عند القدوم من السفر
[3] ایضاً کتاب اللباس باب فی الصبوغ
[4] ایضاً کتاب المناسک باب وقت الاحرام
[5] ابوداؤد کتاب المناسک باب التحصیب

ہے، آپ نے دو رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ سفر کیا ہے انہوں نے بھی دو رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ سفر کیا ہے انہوں نے بھی دو رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی۔ اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ [1]

''تمھارے لئے رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات پاک میں تقلید کے لئے بہترین مثال ہے''۔

ایک بار حضرت سعید بن یسارؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ سفر میں تھے ایک موقع پر اونٹ سے اتر کر پیچھے ٹھہر گئے، فرمایا ''تم پیچھے کیوں رہ گئے؟'' بولے وتر پڑھتا تھا'' فرمایا ''کیا تمھارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں اسوۂ حسنہ نہیں ہے؟ آپ اونٹ ہی پر وتر ادا فرماتے تھے'' [2]

وہ صدقہ فطر اسی پیمانہ کے مطابق ادا فرماتے تھے جس کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا تھا۔ [3]

سنن عادیہ واتفاقیہ کا اتباع اگر ضروری نہیں لیکن بعض صحابہؓ اس کا اتباع بھی کرتے تھے حضرت ابوالدرداءؓ جب کوئی بات کہتے تھے تو مسکرا دیتے تھے ام الدرداء نے کہا کہ ''اس عادت کو ترک کردیجئے ورنہ لوگ آپ کو احمق بنائیں گے'' بولے ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ جب کوئی بات کہتے تھے تو مسکرا دیتے تھے'' [4]

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ سوار ہونے لگے تو رکاب میں بسم اللہ کہہ کر پاؤں رکھا پشت پر پہنچے تو الحمدللہ کہا پھر یہ آیت پڑھی۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوۃ ابواب صلوۃ السفر باب التطوع فی السفر۔

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوۃ باب ماجاء فی الوتر علی الرحلۃ

[3] بخاری کتاب الایمان والنذ ور باب صاع المدینہ ومد النبی ﷺ وبرکتہ

[4] مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۱۹۸

سبحن الذی سخرلنا هذا وما کناله مقرنین وانا الی
ربنا لمنقلبون

پھر تین بار الحمدللہ اور تین بار اللہ اکبر کہا۔ اسکے بعد یہ دعا پڑھی،

سبحانک انی ظلمت نفسی فاغفرلی انه لا
یغفرالذنوب الا انت

پھر ہنس پڑے، لوگوں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی، بولے ''ایک بار رسول اللہ ﷺ ان ہی پابندیوں کے ساتھ سوار ہوئے اور اخیر میں ہنس پڑے میں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ جب بندہ علم و یقین کیساتھ یہ دعا کرتا ہے تو خدا اس سے خوش ہوتا ہے،،[1]

ایک صحابی آپ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ کی قمیض کا تکمہ کھلا ہوا ہے، آپکی تقلید میں انہوں نے بھی عمر بھر قمیض کا تکمہ کھلا رکھا اور اسمیں سردی گرمی کی کچھ پرواہ نہ کی۔[2]

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایقول الرجل اذا رکب

[2] مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۳۵۔

محرمات شرعیہ سے اجتناب

اکل حرام سے اجتناب:

صحابہ کرامؓ اگر چہ تنگدست اور فاقہ مست تھے لیکن حلال طیب کے سوا اکل حرام سے ان کے کام ودہن کبھی آلودہ نہیں ہوئے، حضرت ابوبکرؓ کے غلام نے زمانہ جاہلیت میں فریب آمیز طریقہ پر کہانت کی اور اس کے معاوضہ میں کچھ مال پایا اور حضرت ابوبکرؓ کو دیدیا، انہوں نے اس کو وجہ معاش میں صرف کر دیا لیکن بعد کو جب معلوم ہوا کہ یہ ناجائز مال تھا تو منہ میں ہاتھ ڈالا اور پیٹ میں جو کچھ تھا قے کر ڈالا، [1]

ایک بار وہ حالت سفر میں بدووں کے ایک خیمہ میں اترے۔ اتفاق سے ان بدووں میں کسی کی بی بی حاملہ تھی اور اس سفر میں ایک اور بدو ساتھ تھا جس نے اس سے کہا کہ ”کیا تم اولاد نرینہ چاہتی ہو؟ اگر تم مجھے ایک بکری دو تو تمھارے اولاد نرینہ پیدا ہوگی، اس نے بکری دے دی اور اس نے کاہنوں کی طرح کچھ مسجع فقرے پڑھے پھر بکری ذبح کی اور حضرت ابوبکرؓ نے بھی گوشت کھایا بعد کو جب معلوم ہوا کہ یہ کسب حرام تھا تو فوراً اٹھے اس فعل سے برات ظاہر کی اور جو کچھ کھایا تھا قے کر دیا۔[2]

اکل حرام کی سب سے بدترین قسم یہ ہے کہ مذہب فروشی کی جائے یہودیوں کے مذہب کو اسی نے برباد کر دیا تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اشتروا بہ ثمنا قلیلاً

”یعنی یہودیوں نے اس کے عوض میں تھوڑے سے دام (یعنی دنیوی فائدے) حاصل کئے۔“

---

[1] بخاری باب ایام الجاہلیۃ

[2] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۵۱

لیکن صحابہ کرامؓ کے نزدیک مذہب سب سے زیادہ گراں قیمت چیز تھی اس لئے ان کے نزدیک دنیا کی کوئی چیز اس کی قیمت نہ ہوسکتی تھی، مسلمانوں کو بیت المال سے سالانہ وظیفہ ملا کرتا تھا، ایک شخص نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے پوچھا کہ اس کی نسبت آپ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اس وقت تو لیتے رہو، لیکن جب وہ تمھارے دین کی قیمت بن جائے تو چھوڑ دو" [1]

حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بہت کچھ مال و جائیداد دیکر یزید کی بیعت پر آمادہ کرنا چاہا اور اس غرض سے ان کی خدمت میں حضرت عمرو بن العاصؓ کو بھیجا لیکن انہوں نے کہا میرے پاس سے چلے جاؤ اور پھر کبھی نہ آؤ میرا دین تمھارے دینار و درہم کے معاوضہ میں بک نہیں سکتا، میری صرف یہی خواہش ہے کہ دنیا سے جاؤں تو میرا ہاتھ پاک وصاف ہو" [2]

یہ صرف مخصوص صحابہؓ کا حال نہ تھا بلکہ تمام صحابہؓ میں یہ فضیلت مشترک طور پر پائی جاتی تھی۔ چنانچہ بہت سے صحابہؓ کی تولیت میں بہت سے یتیم بچے تھے، جن کے کھانے پینے کی چیزیں ان کے کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ مخلوط تھیں، لیکن جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔ [3]

ان الذین یاکلون اموال الیتمیٰ ظلما انما یاکلون
فی بطونھم ناراً

"جو لوگ ظلماً یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔"

ان صحابہؓ نے ان چیزوں کو اپنے کھانے پینے کی چیزوں سے الگ کردیا یہاں تک کہ ان یتیموں کی یہ چیزیں بعض اوقات فاضل بچ کر خراب ہوجاتی تھیں، لیکن صحابہ کرامؓ ان کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ [4]

---

1. مسلم کتاب الزکوۃ باب فی الکانزین الاموال والتغلیظ علیہم۔
2. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
3. روایت میں یہ آیت بھی ہے لاتقربوا مال الیتیم الا بالتی ہی احسن
4. ابوداؤد کتاب الوصایا باب مخالط الیتیم فی الطعام

زکوٰۃ وصدقہ سے اجتناب:

اہل استطاعت پر صدقہ و زکوٰۃ کا مال حرام ہے اس لئے صحابہ کرامؓ اس سے شدت کے ساتھ اجتناب کرتے تھے۔ایک بار حضرت عمرؓ کو ایک شخص نے دودھ پلایا جو ان کو نہایت لذیذ معلوم ہوا، دریافت کیا کہ یہ دودھ کہاں سے لائے ہو؟ بولا کہ میں ایک گھاٹ پر گیا لوگ صدقے کے اونٹوں کو پانی پلا رہے تھے۔سب نے پانی پلا کر میرے لئے دودھ دوہا جس کو میں نے اپنے مشکیزے میں بھر لیا اور یہ وہی دودھ ہے، حضرت عمرؓ نے فوراً منہ میں ہاتھ ڈالا اور قے کر دی۔[1]

ایک بار حضرت عبداللہ بن ارقمؓ نے حضرت ام اسلم عدویؓ سے کہا کہ مجھے سواری کا ایک اُونٹ بتاؤ میں اس کو امیر المومنین سے مانگوں گا۔" بولے" ہاں صدقہ کا اونٹ ہے،، انہوں نے کہا" کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ ایک موٹا تازہ آدمی گرمی کے دنوں میں اپنی شرمگاہ کو دھوکر دھوون تمھیں پینے کو دے؟" وہ برہم ہوئے اور کہا "استغفراللہ آپ ایسا کہتے ہیں؟،، بولے تو صدقہ بھی آدمیوں کا میل ہے جس کو وہ دھوکر اپنے جسم سے الگ کر دیتے ہیں"[2]

ایک بار حضرت سلمان فارسیؓ کے غلام نے کہا کہ "مجھے مکاتب بنالیجئے" بولے "تمھارے پاس کچھ مال ہے" اس نے کہا "نہیں، لوگوں سے مانگ کر بدل کتابت ادا کر دوں گا" بولے "تم مجھے لوگوں کا دھوون کھلانا چاہتے ہو"[3]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنا ایک غلام اپنی ماں پر صدقہ کر دیا تھا، ایک دن وہ بازار سے گزرے تو ایک شیر دار بکری نظر آئی جو فروخت ہو رہی تھی چونکہ وہ دودھ سے افطار کرنا پسند کرتے تھے اس لئے اس غلام سے کہا کہ "اپنی اجرت کی رقم سے بکری کو خریدلو" لیکن افطار کے وقت اس بکری کا دودھ سامنے آیا تو بولے کہ "دودھ بکری کا ہے اور بکری غلام کی کمائی کی ہے، اور غلام کو میں نے اپنی ماں پر صدقہ کر دیا ہے، اس کو لے جاؤ مجھ کو اس کی ضرورت نہیں"[4]

---

1. موطا کتاب الزکوٰۃ باب ما جاء فی الصدقات والتشدید فیہا۔
2. موطا امام مالک کتاب الجامع باب ما یکرہ من الصدقہ
3. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ
4. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

حدیث شریف میں آیا ہے کہ میز بان اگر تین دن سے زیادہ مہمان کی ضیافت کرے تو وہ داخل صدقہ ہوگی، اس بناء پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ مکہ میں آتے تھے تو تین دن تک ان کا کھانا حضرت خالد بن اسیدؓ کے یہاں سے جوان کے رشتہ دار تھے آتا تھا۔ لیکن تین دن کے بعد کہہ دیتے تھے کہ ''اب اپنا صدقہ بند کرو'' اور اپنے غلام نافع کو حکم دیتے تھے کہ اب تم اپنے پاس سے اکل وشرب کا انتظام کرو۔[1]

قتل مسلم سے اجتناب:

مسلمانوں کا قتل حرام ہے قرآن مجید میں ہے۔

ومن یقتل مؤمنا متعمد افجزاوہ جہنم خالدا فیھا،

''اور جو کسی مسلمان کو قصداً مار ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔''

اس بناء پر صحابہ کرامؓ مسلمانوں کی خونریزی سے سخت احتراز کرتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالدؓ کو قبیلہ بنو جذیمہ کے پاس دعوت اسلام دینے کے لئے بھیجا انہوں نے ان کو دعوت اسلام دی تو انہوں نے کہا صبانا، صبانا، یعنی ہم صابی ہوئے چونکہ کفار مسلمانوں کو صابی کہتے تھے اس لئے انہوں نے اسی لفظ سے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا، لیکن حضرت خالد بن ولیدؓ کو اس پر تسکین نہیں ہوئی اور انہوں نے انکو قتل کرنا اور گرفتار کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ایک دن عام حکم دے دیا کہ ہر شخص اپنے اپنے قیدیوں کو قتل کر ڈالے لیکن تمام صحابہؓ نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا اور جب آنحضرت ﷺ سے آ کر واقعہ بیان کیا تو آپ نے بھی ان کی تائید کی اور دوبارہ فرمایا کہ ''خداوندا! میں خالد کے اس فعل سے بری ہوتا ہوں''[2]

حضرت ابوبکرؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے اول اول اختلاف

---

[1] زرقانی شرح موطا جلد ۴ ص ۱۳۶

[2] بخاری کتاب المغازی بعث خالد الی بنی جذیمہ مع فتح الباری

کیا اور کہا کہ کلمہ گویوں سے کیونکر جہاد کیا جا سکتا ہے''[1] ان پر ایک عجمی غلام نے حملہ کیا تو انہوں نے حضرت عباسؓ سے شکایت کی کہ'' تم ہی لوگوں نے ان غلاموں سے مدینہ کو بھر دیا'' بولے '' اگر حکم ہو تو سب کو قتل کر دیں'' فرمایا'' یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ وہ تمھاری زبان بولتے ہیں، تمھارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں تمھارا حج ادا کرتے ہیں'' [2]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور خوارج کی زمانہ میں جنگ ہوئی تو ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ'' آپ ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں؟ حالانکہ یہ لوگ باہم ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں'' بولے جو حی علی الصلوۃ کہے گا میں اس کی دعوت قبول کرلوں گا۔ جو شخص حی علی الفلاح کہے گا میں اسکی دعوت قبول کرلوں گا۔ لیکن جو شخص یہ کہے گا کہ ''آؤ اپنے مسلمان بھائیوں کو قتل کرو، ان کا مال لوٹو'' تو میں انکار کردوں گا'' [3]

سُود خوری سے اجتناب:

اسلام نے سودخوری کی ممانعت ایسے سخت قیود کی پابندی کے ساتھ کی ہے کہ اگر ذرا سی غفلت یا بے پروائی کی جائے تو معمولی معاملات وادوستد و بیع و شراء بھی سود کی صورت میں داخل ہو جائیں، صحابہ کرامؓ ان تمام قیود کا لحاظ رکھتے تھے اور ان سے نہایت احتیاط کے ساتھ بچتے تھے ایک بار حضرت مالک بن اوسؓ نے حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ سے بیع صرف کرنی چاہی (یعنی اشرفی کے بدلہ میں درہم لینا چاہا) اور سو اشرفیاں ان کے سامنے رکھ دیں انہوں نے ان کو اٹھا لیا اور کہا کہ'' جنگل سے خزانچی آئے تو درہم دلا دیں '' حضرت عمرؓ سن رہے تھے بولے ''بغیر لئے ہوئے ہرگز نہ جانا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سونے کے بدلے میں چاندی اگر دست بدست نہ لی جائے تو سود ہے''[4]

ایک بار حضرت معمر بن عبداللہؓ نے اپنے غلام کو ایک صاع گیہوں دیا کہ اس کو بیچ کر

---

[1] بخاری کتاب الزکوۃ

[2] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان۔

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ عبداللہ بن عمرؓ

[4] بخاری کتاب البیوع باب بیع الشعیر بالشعیر

بازار سے جولائے اس نے بازار میں جا کر جولیا تو ایک صاع سے کچھ زیادہ پایا، حضرت معمرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو بولے اس کو فوراً جا کر واپس کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ غلہ کو مثلاً بمثل خریدنا چاہئے' لوگوں نے کہا کہ بازار میں صرف جو کا رواج ہے گیہوں نہیں مل سکتا'' بولے کہ ''مجھے خوف ہے کہ یہ سود کے مشابہ نہ ہو جائے،،[1]

صحابہ کرامؓ سود خوری سے نہ صرف خود بچتے تھے بلکہ اور لوگوں کو بھی اس سے بچنے کی نصیحت کرتے تھے ایک شخص حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئے تو انہوں نے ان کے ساتھ نہایت مہربانی کا برتاؤ کیا اور کہا کہ ''آپ ایک کاروباری ملک میں رہتے ہیں اس لئے اگر آپ پر کسی کا قرض آتا ہو تو اور وہ آپ کے یہاں بھس کی ایک گٹھڑی بھی ہدیہ بھیجے تو اس کو قبول نہ کیجئے گا، کیونکہ یہ سود ہے،[2]

شراب خوری سے اجتناب:

شراب عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی لیکن متعدد صحابہؓ مثلاً حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ وغیرہ اپنی فطرتِ سلیمہ کی ہدایت سے زمانہ جاہلیت ہی میں اس سے محترز رہے لیکن جو صحابہؓ اس کی عادی تھے انہوں نے بھی شراب کی حرمت کے ساتھ ہی اس دیرینہ عادت کو اس طرح ترک کر دیا کہ گویا انہوں نے جام و ساغر کو منہ ہی نہیں لگایا تھا۔

شراب کی حرمت کا حکم بتدریج نازل ہوا لیکن حرمت خمر کے متعلق سب سے آخری آیت۔

انما یریدالشیطان ان یوقع بینکم العداوة والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصد کم عن ذکر اللّٰہ و عن الصلوة فھل انتم منتھون،

شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کی وجہ سے تمھارے درمیان دشمنی اور بغض ڈالدے اور تم کو یاد الٰہی سے اور نماز سے باز رکھے تو تم باز نہیں آؤ گے؟

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۴۰۰

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ ابوبردہؓ بن ابی موسیٰ

نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ بیساختہ پکار اٹھے۔

انتھینا[1] ''ہم باز آئے۔''

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں ابو عبیدہ، ابوطلحہ اورابی بن کعبؓ کو شراب پلا رہا تھا کہ اسی حالت میں ایک شخص نے آ کر خبر دی کہ شراب حرام ہوگئی، ابوطلحہ نے فوراً کہا کہ انس اٹھو اور شراب کو گرا دو''[2] دوسری روایت میں ہے کہ'' میں ابوطلحہ کے مکان میں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا کہ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ نے حرمت شراب کی منادی کروائی، ابوطلحہ نے مجھ سے کہا کہ ''نکل کے دیکھو یہ کیسی آواز ہے،،؟ میں گھر سے نکلا اور پلٹ کر کہا کہ ایک منادی اعلان کررہا ہے کہ ''شراب حرام ہوگئی'' ابوطلحہ نے مجھ سے کہا کہ'' تم شراب گرا دو'' اورلوگوں نے اس کثرت سے شراب گرائی کہ مدینہ کی گلیوں میں بہنے لگی۔[3]

بدکاری سے اجتناب:

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب سخت بدکاری میں مبتلا تھے،لیکن اسلام نے ان میں عفت و عصمت کا ایسا احساس پیدا کردیا کہ سخت سے سخت نازک موقعوں پر بھی ان کا دامن اس معصیت سے آلودہ نہیں ہونے پاتا تھا۔

ہجرت کے بعد مکہ میں جو گرفتار بلا مسلمان رہ گئے تھے، مکہ سے مدینہ تک ان کا پہنچانا مرثد بن ابی مرثد الغنویؓ کے متعلق تھا وہ ایک رات اسی غرض سے مکہ آئے وہاں ان کی آشنا ایک طوائف تھی جس کا نام عناق تھا وہ نکلی تو ان کی پرچھائیں دیکھ کر پہچان لیا اور نہایت تپاک سے ملی اور کہا کہ آج میرے گھر میں شب باشی کرو'' لیکن انہوں نے معذرت کی کہ زنا اب حرام ہوگیا اب اس نے شوروغل کیا یہ بھاگ کر ایک پہاڑ کے غار میں جا چھپے کفار نے وہاں تک تعاقب کیا لیکن خدا نے ان کو بچالیا۔[4]

---

[1] ابوداؤد کتاب الاشربہ باب فی تحریم الخمر روایت میں پوری آیت نہیں ہے ہم نے اس کو بڑھا دیا ہے

[2] بخاری کتاب الاشربہ باب نزول تحریم الخمر وہی من الیسر والتمر

[3] بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ مائدہ باب لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا۔

[4] نسائی کتاب النکاح باب تزویج الزانیہ

ایک صحابیہ جن کی اخلاقی حالت زمانہ جاہلیت میں اچھی نہ تھی، ایک شخص نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو بولیں ''ہٹو اب جاہلیت کا وہ زمانہ گیا اور اسلام آیا''۔[1]

اسلام کی اس پاکبازانہ تعلیم اور صحابہ کرامؓ کی اس پاکبازانہ زندگی کا یہ اثر تھا کہ اس زمانہ میں لونڈیاں تک بدکاری سے اباء کرنے لگیں، چنانچہ عبداللہ بن ابی ابن سلول جو راس المنافقین تھا اپنی لونڈیوں کو اس ناجائز طریقہ سے روپیہ پیدا کرنے پر آمادہ کرتا تھا، لیکن اس کی دو لونڈیوں نے اس ننگ و عار کو گوارا نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر شکایت کی کہ ہمارا آقا ہم کو زنا کرنے پر مجبور کرتا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ولاتکرھو افتیا تکم علی البغاء الخ[2]

''اپنی لونڈیوں کو زنا کرنے پر مجبور نہ کرو۔''

اس جرم کا ارتکاب تو صحابہ کرامؓ سے بہت بعید تھا وہ لوگ کسی عورت پر نگاہ ڈالنا بھی پسند نہیں کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک حسین صحابیہ شریک نماز ہوتی تھیں، اس لئے بعض صحابہ آگے کی صف میں جا کر کھڑے ہوتے تھے کہ ان پر آنکھ نہ پڑنے پائے۔[3]

اگر کسی صحابی نے ناجائز طریقہ سے بھی اس کی جرات کی تو تمام صحابہؓ نے اس کو سخت قابل اعتراض خیال کیا، ایک بار حضرت محمد بن سلمہؓ نے ایک عورت سے نکاح کرنا چاہا اور نکاح سے پہلے چوری چھپے اسکو دیکھنا چاہا یہاں تک کہ اس نخلستان میں اسکو دیکھ بھی لیا لیکن لوگوں نے ٹوکا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہو کر ایسا کرتے ہیں؟ بولے آپ ہی نے اس کی اجازت دی ہے''

ایک بار حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے نکاح کرنا چاہا اور رسول اللہ ﷺ سے مشورہ طلب کیا آپ نے فرمایا کہ ''پہلے عورت کو جا کر دیکھ لو'' وہ اس غرض سے اس کے گھر گئے تو عورت نے پردہ سے کہا ''اگر رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے تو خیر ورنہ تمھیں خدا کی قسم ایسا نہ کرنا''۔[4]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۸۷

[2] ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی تعظیم الزنا و مسلم کتاب التفسیر تفسیر ہذہ الایۃ

[3] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوۃ باب الخشوع فی الصلوۃ

[4] سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب النظر الی المراۃ اذا اراد ان یتزوجھا۔

کسی عورت پر قصداً نگاہ ڈالنا تو بڑی بات ہے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ تو یہاں تک فرماتے تھے کہ ''مجھے یہ پسند ہے کہ میری ناک مردار کی بدبو سے بھر جائے لیکن یہ پسند نہیں کہ اس میں کسی عورت کی خوشبو آئے''۔[1]

راگ باجے سے اجتناب:

صحابہ کرامؓ کے کانوں کو صرف تلاوت قرآن کی آواز خوش آئند معلوم ہوتی تھی، اس لئے وہ عود و بربط اور چنگ و رباب کی آواز پر کان نہیں دھرتے تھے ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آواز طبل سنی تو کان بند کر لئے اور فرمایا کہ ''رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے''۔[2]

ایک بار اونٹ پر سوار جا رہے تھے چرواہے کی بانسری کی آواز کان میں آئی تو فوراً کانوں میں انگلیاں دے لیں اور پہلا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیا اور بار بار اپنے غلام نافع سے پوچھتے جاتے تھے کہ آواز آتی ہے یا نہیں؟'' جب انہوں نے کہا کہ ''نہیں'' تو کانوں سے انگلیاں نکالیں اور کہا کہ ''رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے موقع پر ایسا ہی کیا تھا''۔[3]

ایک بار بازار میں گزرے تو دیکھا کہ ایک چھوکری گا رہی ہے فرمایا اگر شیطان کسی کے بہکانے سے باز رہتا تو اس کو نہ بہکاتا''۔[4]

ایک بار عید کے دن چند لڑکیاں حضرت عائشہؓ کے پاس جنگ بعاث کے متعلق اشعار گا رہی تھیں، حضرت ابوبکرؓ آئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا گھر اور مزامیر شیطان'' آپ نے فرمایا ''ابوبکرؓ یہ ہماری عید کا دن ہے''۔[5]

ایک بار ایک گھر میں تقریب تھی اور ایک شخص گا رہا تھا، حضرت عائشہؓ نے دیکھا کہ وہ گردن ہلا ہلا کر گا رہا ہے، تو کہا ''اف یہ شیطان ہے اس کو نکالو اس کو نکالو''۔[6]

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ

[2] سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب الغناء والدف۔

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

[4] الادب المفرد باب الغناء واللہو

[5] بخاری کتاب العیدین باب سنۃ العیدین لاہل الاسلام۔

[6] الادب المفرد باب اللہو فی ختان

راگ باجا تو پھر بھی بڑی چیز ہے۔حضرت عائشہؓ کا یہ حال تھا کہ گھنٹی کی آواز سننا بھی پسند نہیں کرتی تھیں،اگر سامنے سے گھنٹی کی آواز آتی تو ساربان سے کہتیں کہ ''ٹھہر جاؤ تا کہ یہ آواز سننے میں نہ آئے'' اگر سن لیتیں تو کہتیں کہ تیزی کے ساتھ لے چلو تا کہ میں اس آواز کو نہ سن سکوں'' [1]

مشتبہات سے اجتناب:

حلال وحرام دونوں بدیہی ہیں لیکن بہت سی چیزیں ہیں جن کی حلت وحرمت دونوں مشتبہ ہے، زہدو تورع،تقویٰ طہارت اور حزم واحتیاط کا اصلی محل یہی چیزیں ہیں۔اس بناء پر حدیث شریف میں ان چیزوں سے بچنے کی تاکید آئی ہے۔

الحلال بين والحرام بين وما بينهما امور مشتبهة فمن ترك ماشبه عليه من الا ثم كان لما استبان له اترك و من اجتراء على مايشك فيه من ا لاثم اوشك ان يواقع ماستبان والمعاصى حمى اللّٰه من يرتع حول الحمى يوشك ان يواقع۔

(بخاری کتاب البیوع)

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی،اوران کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں پس جو شخص مشتبہ گناہوں کو چھوڑے گا وہ کھلے ہوئے گناہوں کا سب سے زیادہ چھوڑنے والا ہوگا اور جو شخص مشتبہ گناہوں کا مرتکب ہوگا۔بہت ممکن ہے کہ کھلے ہوئے گناہوں کا مرتکب ہوجائے،گناہ خدا کی چراگاہیں اور جو شخص چراگاہ کے گرد چرائے گا ممکن ہے کہ اس کے اندر داخل ہوجائے۔

اس لئے صحابہ کرامؓ ہمیشہ ان مشتبہ چیزوں سے احتراز فرماتے تھے۔

حالت احرام میں شکار کرنا جائز نہیں،ایک بار صحابہ سفر حج میں تھے سب نے احرام

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۱۵۲

باندھ لیا تھا صرف ابوقتادہ انصاریؓ غیر محرم تھے۔ ایک جنگلی گدھا نظر آیا، انہوں نے گھوڑے کو اس کے پیچھے ڈال دیا، صحابہ سے کوڑا اور نیزہ مانگا یہ ایک مشتبہ فعل تھا اس لئے سب نے انکار کر دیا بالآخر ان کو خود ہی نیزہ اٹھانا پڑا گدھا کا شکار ہو چکا تو بعض صحابہؓ نے گوشت کھانے سے بھی انکار کر دیا۔[1]

ایک بار حضرت ابوطلحہؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ ان کے نیچے سے ایک چادر نکال لے حضرت سہیل بن حنیف پاس بیٹھے ہوئے تھے بولے کیوں؟ فرمایا ''اس میں تصویر بنی ہوئی ہے اور تصویروں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے وہ تم کو معلوم ہے'' بولے ''لیکن آپ نے کپڑے میں بنی ہوئی تصویر کی ممانعت تو نہیں فرمائی'' بولے ''ہاں لیکن میرے دل کا اطمینان اسی طرح ہوگا''۔[2]

ایک بار حضرت مسورؓ ابن مخرمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی عیادت کو آئے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ استبرق کی چادر اوڑھے ہوئے تھے حضرت مسور بن مخرمہؓ نے اس پر ٹوکا تو بولے ''رسول اللہ ﷺ نے صرف غرور وتکبر کی بناء پر اس کی ممانعت کی تھی اور الحمدللہ کہ ہم مغرور نہیں ہیں'' انہوں نے کہا ''تو پھر چولھے میں یہ تصویریں کیسی بنی ہوئی ہیں؟ بولے'' دیکھتے نہیں کہ ہم نے ان کو جلا ڈالا ہے'' لیکن یہ چیزیں مشتبہات میں داخل تھیں اس لئے جب وہ چلے گئے تو فرمایا کہ ''میرے بدن سے یہ چادر اتار لو اور ان تصویروں کا سر کاٹ ڈالو کسی نے کہا کہ'' اگر ان کو صحیح وسلامت بازار میں فروخت کر ڈالتے تو فائدہ ہوتا'' بولے ''نہیں''۔[3]

نومسلم لوگ صحابہ کے پاس گوشت لے کر آتے تھے۔ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یہ ابھی دور جاہلیت سے نکلے ہیں، ہم کو معلوم نہیں کہ خدا کا نام لے کر ذبح کیا ہے یا نہیں؟ کیا ہم اس گوشت کو کھا سکتے ہیں؟'' فرمایا ''بسم اللہ کہہ کر کھا سکتے ہو''۔[4]

حضرت اسماءؓ کی ماں کافرہ تھیں اور حضرت ابوبکرؓ نے زمانہ جاہلیت ہی میں ان کو طلاق دے دی تھی۔ ایک بار وہ حضرت اسماءؓ کے پاس متعدد چیزیں ہدیۃً لے کر آئیں چونکہ ایک کافرہ

[1] ابوداؤد کتاب المناسک باب لحم الصید للمحرم۔

[2] ترمذی کتاب اللباس باب ماجاء فی الصورت

[3] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۳۲۰

[4] ابوداؤد کتاب الاضاحی باب ماجاء فی اکل اللحم لا یدراذ کراسم اللہ علیہ ام لا

عورت کا ہدیہ مشتبہ تھا اس لئے حضرت اسماءؓ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا اور حضرت عائشہؓ کے ذریعہ سے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرایا تو آپؐ نے اس ہدیہ کو قبول کرنے کی اجازت دی۔[1]

عمالِ سلطنت کی آمدنی بعض حیثیتوں سے مشتبہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ زہد پیشہ لوگ سلاطین وامراء کے دربار سے ہمیشہ اپنا دامن بچاتے رہتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے زمانہ تک اگرچہ عمال وامراء کی مذہبی اور اخلاقی حالت اس زمانہ سے بہت بہتر تھی تاہم جو صحابہؓ نہایت محتاط تھے وہ اس قسم کی آمدنی سے فائدہ اٹھانا پسند نہیں کرتے تھے، حضرت ابوذر غفاریؓ نے دنیا سے الگ ہوکر بادیہ نشینی اختیار کرلی تھی اس لئے انہوں نے تمام عمر اسی زہد وتورع کے ساتھ بسر کی مرنے لگے تو بی بی نے روکر کہا کہ ''میرے پاس تو تمھارے کفن کیلئے بھی کپڑا نہیں ہے'' بولے ''روؤ مت میں ایک دن چند لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، آپؐ نے فرمایا کہ ''تم میں سے ایک آدمی جنگل میں مرے گا اور اس کے جنازے میں مسلمانوں کا ایک گروہ شریک ہوگا اور لوگ جو اس جماعت میں شریک تھے وہ تو مسلمانوں کے درمیان مرچکے صرف میں رہ گیا تھا اور اب جنگل میں مر رہا ہوں تم راہ دیکھو اور انتظار کرو'' بی بی نے کہا ''اب تو حاجیوں کی آمدورفت کا سلسلہ بھی منقطع ہوگیا'' بولے ''خیر راستہ دیکھو'' حسن اتفاق سے دفعتہً ایک قافلہ آگیا اس نے ان کی بی بی سے پوچھا ''کیا حال ہے'' بولیں ''ایک مسلمان کو کفناؤ اور ثواب لو'' انہوں نے حضرت ابوذر غفاریؓ کا نام سنا تو تیزی کے ساتھ دوڑے اور کہا ''ہمارے ماں باپ ان پر قربان'' پاس آئے تو حضرت ابوذر غفاریؓ نے کہا ''تمھیں وہ لوگ ہو جن کی رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو خبر دی تھی اگر میرے کپڑے کافی ہوتے تو ان ہی میں سے میرا کفن ہوتا، لیکن اگر تم میں کوئی شخص امیر، عریف یا بریدہ ہوتو وہ مجھے کفن نہ دے'' لیکن ان میں ہر شخص ان خدمات کو انجام دے چکا تھا، صرف ایک انصاری نوجوان تھا جس نے کہا ''میرے پاس دو کپڑے ہیں جن کو میری ماں نے بنا ہے'' بولے ''بس تمھیں میرے رفیق ہو، تمھیں مجھے کفن پہناؤ۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت اسماءؓ۔

[2] مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۱۶۸۔

جامع الابواب

تلاوتِ قرآن:

صحابہ کرامؓ ہمیشہ تلاوت قرآن میں مصروف رہتے تھے اور تلاوت کا طریقہ یہ تھا کہ قرآن مجید کے متعدد ٹکڑے کر لئے تھے اور بلا ناغہ اس کی تلاوت فرماتے تھے ایک نو وارد صحابی نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ ''ایک ٹکڑے میں کتنی سورتیں شامل تھیں؟'' بولے ''تین پانچ، سات، نو گیارہ تیرہ اور اخیر کی تمام چھوٹی چھوٹی سورتیں ایک ٹکڑے میں داخل تھیں''[1]

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کے اس شوق و شغف کو دیکھتے تو خوش ہوتے ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، ایک بار صحابہ کرامؓ جن میں عجمی اور بدوی سبھی شامل تھے تلاوت کر رہے تھے۔ آپؐ کا شانہ نبوت سے برآمد ہوئے تو فرمایا ''پڑھے جاؤ سب کا طرز اچھا ہے، اس کے بعد ایک قوم پیدا ہوگی جو قرآن کو تیر کی طرح سیدھا کرے گی لیکن اس کا مقصد ثواب آخرت نہ ہوگا بلکہ دنیا ہوگی''

اسی طرح ایک روز صحابہ کرامؓ تلاوت کر رہے تھے آپؐ نے دیکھا تو فرمایا ''خدا کا شکر ہے خدا کی کتاب ایک ہے اور تم میں سرخ، سیاہ سپید ہر قسم کے لوگ ہیں''[2]

رمضان میں یہ شوق اور بھی ترقی کر جاتا تھا، چنانچہ آپ۔ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس شوق کو دیکھا تو فرمایا کہ ''پورے ایک مہینے میں قرآن ختم کیا کرو'' بولے کہ ''مجھ میں اس سے زیادہ کی طاقت ہے'' حکم ہوا ''بیس دن میں'' گزارش کی کہ ''میں اس سے بھی زیادہ طاقت

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ابواب شہر رمضان باب تخریب القرآن۔

[2] ایضاً ابواب تفریع استفتاح الصلوٰۃ باب ما یجزی الامی والاعجمی من القراۃ۔

پاتا ہوں'' فرمایا ''پندرہ دن میں'' بولے ''مجھ میں اس سے بھی زیادہ طاقت ہے'' ارشاد ہوا کہ ''دس دن میں'' عرض کی کہ ''مجھ میں اس سے بھی زیادہ طاقت ہے'' فرمایا ''سات دن میں'' اور اب اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ [1]

سخت سے سخت مصیبت میں بھی صحابہ کرامؓ کے اس شوق میں کوئی فرق نہیں آتا تھا، بلکہ اس حالت میں قرآن مجید ہی ان کے لئے مایہ تسکین ہوتا تھا، جس وقت حضرت عثمانؓ کی شہادت واقع ہوئی، وہ قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف تھے چنانچہ ان کے خون کے قطرے قرآن مجید کی اس آیت پر گرے۔

فسيكفيكهم الله وهوالسميع العليم [2]

قرآن مجید کی تلاوت ہم بھی کرتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سر کا بوجھ اتار رہے ہیں لیکن بعض صحابہ اس خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے تھے کہ سننے والوں پر محویت کا عالم طاری ہو جاتا تھا، ایک رات حضرت عائشہؓ گھر میں دیر کو آئیں، رسول اللہ ﷺ نے وجہ پوچھی تو بولیں ''آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص قرآن پڑھ رہے تھے میں نے ایسی قرات کبھی نہیں سنی تھی'' آپ بھی ان کے ساتھ ہو لئے اور کہا یہ سالم مولیٰ بن ابی حذیفہؓ ہیں خدا کا شکر ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ موجود ہیں،،

حضرت عبداللہ بن قیسؓ نہایت خوش الحان تھے۔ ایک روز وہ قرآن پڑھ رہے تھے آپ نے سنا تو پوچھا کون ہے؟ لوگوں نے نام بتایا تو فرمایا ''ان کو نغمہ داؤدی عطا کیا گیا ہے'' [3]

حضرت ابوعثمان مہدیؓ کا بیان ہے کہ میں نے جاہلیت کا زمانہ بھی پایا ہے لیکن میں نے چنگ و بربط کی آواز کو بھی ابوموسیٰ اشعریؓ کی خوش الحانی سے بہتر نہیں پایا وہ ہم کو نماز فجر پڑھاتے تھے تو جی چاہتا تھا کہ پوری سورۂ بقرہ پڑھ ڈالتے'' [4]

---

1. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ابواب شہر رمضان باب فی کم یقراء القرآن۔
2. استیعاب تذکرہ عثمان بن عفانؓ
3. سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب فی حسن الصوت بالقرآن۔
4. استیعات تذکرہ عبدالرحمٰن بن مل

وہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو فرماتے کہ ''ہم کو خدا کا شوق دلاؤ،، وہ قرأت شروع کرتے اور حضرت عمرؓ نہایت محویت سے سنتے ایک بار اسی حالت میں کسی نے کہا کہ ''نماز کا وقت آ گیا'' بولے ''کیا یہ نماز نہیں ہے؟'' وہ قرآن پڑھتے تو ازواج مطہرات نہایت شوق سے سنتیں ایک دن ان کو معلوم ہوا تو بولے کہ ''اگر مجھے خبر ہوتی تو تم لوگوں کو اور بھی شوق دلاتا'' [1]

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ خوش الحانی ان کے تمام قبیلہ کا وصف امتیازی تھا رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ''رات کو جب قبیلہ اشعری کے لوگ آتے ہیں تو میں ان کی قرآن خوانی ہی سے ان کے جائے قیام کو پہچان لیتا ہوں۔ [2]

حضرت عبدالرحمٰن بن سائبؓ بھی نہایت خوش الحان تھے، خود ان کا بیان ہے کہ ''ایک دن میرے پاس حضرت سعد بن ابی وقاصؓ آئے اور کہا کہ ''میں نے سنا ہے کہ آپ قرآن نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ قرآن غم کے لئے نازل ہوا ہے اس لئے جب پڑھو تو روؤ اگر نہیں روتے تو رونی صورت بناؤ اور اس کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھو'' [3]

صحابہ کرامؓ تلاوت کی حالت میں قرآن مجید کے ادب و احترام کا نہایت لحاظ رکھتے تھے حضرت مصعب بن سعد بن ابی وقاصؓ کا بیان ہے کہ ''میں ہاتھ میں قرآن مجید لئے ہوئے تھا اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تلاوت فرما رہے تھے میں نے بدن کھجلایا تو حضرت سعدؓ نے فرمایا شاید تم نے اپنے شرمگاہ کا مس کیا'' میں نے کہا ''ہاں'' بولے جاؤ وضو کر کے آؤ۔ [4]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ تلاوت فرماتے تھے تو جب تک فارغ نہ ہو جاتے کسی سے بات چیت نہیں کرتے تھے۔ [5]

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ۔

[2] مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل الاشعریین

[3] ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب فی حسن الصوت بالقرآن۔

[4] موطائے امام مالک کتاب الصلوۃ باب الوضوء من مس الفرج

[5] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ نساءکم حرث لکم

حفظِ قرآن:

قرآن مجید کی متفرق سورتیں اگرچہ تقریباً تمام صحابہؓ کو یاد تھیں، لیکن ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوایوبؓ حضرت عبادہ بن الصامتؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ ابن جبلؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوزیدؓ، حضرت سالمؓ، حضرت ابوالدرداءؓ نے خود رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں پورا قران حفظ کرلیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو خود بھی اس پر نہایت فخر تھا ایک بار انہوں نے ایک خطبہ میں فخریہ لہجے میں فرمایا کہ ''میں نے خود رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے کچھ اوپر ستر آیتیں یاد کی ہیں، تمام اصحاب رسولؐ اللہ جانتے ہیں کہ میں ان میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کا عالم ہوں۔[1] لیکن حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس سے لازم نہیں آتا کہ اس زمانے میں اور صحابہؓ حافظِ قرآن نہ تھے بلکہ اور حفاظ کی تعداد ان سے بہت زیادہ تھی، چنانچہ غزوہ بیر معونہ میں جو ستر صحابہؓ شہید ہوئے سب کے سب قراء کہے جاتے تھے۔[2]

حضرت ابی بن کعبؓ کی نسبت حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے ابی اقرانا ہم میں قرآن کے سب سے زیادہ قاری ابی ہیں۔[3] اسی بناء پر جب نماز تراویح باجماعت قائم کی تو حضرت ابی ابن کعبؓ کو امام بنایا[4] اور اسی فضیلت کی بناء پر حضرت ابی بن کعبؓ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابوزیدؓ پر ان کے قبیلہ خزرج کو بڑا ناز تھا۔ ایک بار قبیلہ اوس وخزرج میں مفاخرت ہوئی تو اوس نے کہا کہ ''ہم میں حنظلہ بن عامر ہیں جن کو فرشتوں نے غسل دیا تھا ہم میں عاصم بن ثابتؓ ہیں جن کے جسم کو بھیڑوں نے کفار کی دست برد سے محفوظ رکھا تھا۔ ہم میں سعد بن معاذؓ ہیں جن کی موت پر عرش الٰہی ہل گیا تھا، ہم میں خزیمہ بن ثابتؓ ہیں جن کی شہادت کو رسول اللہ ﷺ نے دوشہادتوں کے برابر قرار دیا'' خزرج بولے ''ہم میں چار شخص ہیں جنہوں نے خود عہد نبوت میں قرآن یاد کرلیا تھا پھر ان بزرگوں کے نام لئے۔[5]

---

[1] بخاری کتاب ابواب فضائل القران باب القراءۃ من اصحاب رسول اللہ ﷺ مع فتح الباری۔

[2] فتح الباری جلد ۹ص ۴۳

[3] بخاری کتاب ابواب فضائل القرآن باب القرآن اصحاب رسول اللہ ﷺ۔

[4] بخاری باب فضل من قام رمضان

[5] اسدالغابہ تذکرہ حضرت ابوزیدؓ

ان بزرگوں کے علاوہ اور بہت سے صحابہؓ تھے جن کو قرآن مجید از بر یاد تھا، ان میں حضرت مجمعؓ بن جاریہ[1] حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کے نام ہم کو معلوم ہیں[2] لیکن جن کے نام معلوم نہیں ان کی تعداد ان سے بھی زیادہ ہے جنگ یمامہ میں بکثرت حفاظ شریک ہوئے تھے۔ چنانچہ ان ہی لوگوں کے شہید ہونے پر حضرت عمرؓ کو جمع قرآن کا خیال پیدا ہوا اور انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو اس پر آمادہ کیا۔[3]

ان لوگوں کی نسبت حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

ان كثيرا ممن قتل في وقعته اليمامة كان قدحفظ القران،

''جو لوگ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے ان میں اکثروں نے قرآن کو حفظ کر لیا تھا۔''

تسبیح وتہلیل:

تسبیح وتہلیل پاک مذہبی زندگی کی مخصوص علامت ہے اس لئے صحابہ کرامؓ اکثر تسبیح و تہلیل کیا کرتے تھے، جب جہاد میں روانہ ہوتے تو تمام پہاڑیاں ان کے غلغلہ تسبیح وتہلیل سے گونج اٹھتی تھیں اس وقت اگر چہ عقیق و کہربا کی تسبیح موجود نہ تھی تاہم سنگریزے اور کھجور کی گٹھلیوں کی کمی نہ تھی جن صحابہ نے خاص طور پر تسبیح وتہلیل کا التزام کر لیا تھا ان ہی سے تسبیح کا کام لیتے تھے ایک بار آپ نے ایک صحابیہ کو دیکھا کہ سامنے کنکری یا گٹھلی رکھ کر تسبیح پڑھ رہی ہیں فرمایا ''میں اس سے آسان تدبیر بتا دیتا ہوں'' اس کے بعد ایک دعا بتادی۔[4]

حضرت ابو ہریرہؓ ہمیشہ تسبیح وتہلیل میں مصروف رہتے تھے اس غرض سے ایک تھیلی بنا رکھی تھی جس میں کنکریاں یا گٹھلیاں بھری رہتی تھیں جن پر وہ تسبیح پڑھتے تھے جب تھیلی خالی

1. اسد الغابہ تذکرہ حضرت مجمع بن جاریہ
2. اسد الغابہ تذکرہ حضرت قیس بن سکنؓ
3. بخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن۔
4. ابوداؤد ابواب تفریع شہر رمضان باب التسبیح الحصی

ہو جاتی تو وہ لونڈی کو حکم دیتے وہ پھر بھر دیتی۔[1]

ذکر الٰہی:

ذکرِ الٰہی صحابہ کرامؓ کا محبوب ترین مشغلہ تھا، خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صحابہ کرامؓ کے اس وصف کو نمایاں کیا ہے

والذاكرين الله كثيراً والذاكرات

ایک دن حضرت امیر معاویہؓ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ لوگوں نے حلقہ ذکر قائم کیا ہے، بولے ''کیوں بیٹھے ہو؟'' لوگوں نے جواب دیا کہ ''ذکر الٰہی کرتے ہیں'' پھر فرمایا کہ ''صرف اسی لئے بیٹھے ہو؟'' جواب ملا ''ہاں صرف اس لئے'' فرمایا ایک بار اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کا حلقہ ذکر دیکھا تو اسی طرح سوال کیا اور جواب ملنے پر فرمایا کہ ''میرے پاس جبرئیل آئے اور خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تمھارے ذریعہ فرشتوں پر فخر کرتا ہے''[2]

صحابہ کرامؓ جب نماز سے فارغ ہوتے تو نہایت بلند آہنگی سے ذکرِ الٰہی کرتے، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''جب میں یہ غلغلہ سنتا تو سمجھ جاتا کہ صحابہؓ نماز پڑھ کر واپس آتے ہیں''[3]

خوفِ قیامت:

صحابہ کرامؓ کے دلوں میں قیامت کا خوف اس قدر سما گیا تھا کہ اس کے ڈر سے ہر وقت کانپتے رہتے تھے ایک بار دفعتہً اندھیرا ہو گیا، ایک صاحب نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا کہ کیا عہد نبوت میں بھی ایسا ہوتا تھا؟'' بولے ''معاذ اللہ اگر ہوا بھی تیز ہو جاتی تھی تو ہم سب قیامت کے ڈر سے مسجد کی طرف بھاگ دوڑتے تھے''[4]

---

[1] ابوداؤد کتاب النکاح باب ما یکرہ الرجل ما یکون من اصابتہ اہلہ

[2] ترمذی ابواب الدعوات باب ماجاء فی القوم یجلسون فیذکرون اللہ ما لہم من الفضل و مسلم کتاب الذکر والدعاء والتوبہ والاستغفار باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن و علی الذکر۔

[3] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ

[4] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الصلوۃ عند الظلمہ

یہ خوفِ قیامت ہی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ پر وقائع اخروی کے ذکر سے رقت طاری ہو جاتی تھی، بیہوش ہو ہو جاتے تھے گر گر پڑتے تھے۔ ایک بار دو صحابیوں میں وراثت کے متعلق نزاع پیدا ہوئی، گواہ کسی کے پاس نہ تھا دونوں صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے فرمایا ''میں ایک آدمی ہوں ممکن ہے کہ تم میں کوئی نہایت چرب زبان اور طرار ہو، اور میں اس کے موافق فیصلہ کر دوں لیکن اگر یہ اس کا حق نہیں ہے تو اس کو یقین کرنا چاہیے کہ میں نے اس کے گلے میں آگ کا ایک طوق لٹکا دیا ہے'' دونوں بزرگ آخرت کے خوف سے رونے لگے اور ہر ایک نے اپنا حق دوسرے کو دینا چاہا۔[1]

جب یہ آیت نازل ہوئی۔

یاایھاالناس اتقوا ربکم ان زلزلۃ الساعۃ شئی عظیم،

''لوگو اپنے خدا سے ڈرو کیونکہ قیامت کا زلزلہ ایک بڑی مصیبت ہوگی''۔

تو آپ نے صحابہؓ کی طرف خطاب کر کے فرمایا ''جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟ یہ وہ دن ہے جب خدا آدم سے کہے گا کہ ''آگ کی فوج بھیجو'' وہ کہیں گے، خداوند آگ کی فوج کون ہے؟ خدا کہے گا ہزار میں نو سو ننانوے جہنم میں جھونکے جائیں گے اور جنت میں صرف ایک'' تمام صحابہؓ یہ سن کر بے اختیار رو پڑے۔[2]

ایک بار شفیا الاصجی مدینہ میں آئے دیکھا کہ ایک بزرگ کے سامنے بھیڑ لگی ہوئی ہے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے کہا ''ابو ہریرہؓ'' پاس آئے اور جب لوگ ہٹ گئے تو کہا کہ ''رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بیان فرمائیے'' فرمایا ''بیان کرتا ہوں'' یہ کہہ کر چیخے اور بیہوش ہو گئے، افاقہ ہوا تو کہا ایک حدیث بیان کرتا ہوں جو اس گھر میں آپ نے مجھ ہی سے بیان فرمائی تھی'' پھر چلائے اور غشی طاری ہوگئی ہوش آیا تو منہ پونچھا اور پھر یہی الفاظ فرمائے، پھر چلائے اور زمین پر گرنے لگے، شفیا نے فوراً تھام لیا ہوش آیا تو فرمایا کہ ''قیامت کے دن خدا بندوں کے

---

[1] ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب فی قضاء القاضی اذا اخفا

[2] ترمذی ابواب تفسیر القرآن، تفسیر سورہ حج۔

فیصلہ کے لئے اترے گا تو پہلے تین شخص طلب کئے جائیں گے، ایک قاری ایک دولتمند ایک مجاہد خدا قاری سے پوچھے گا کیا ہم نے تجھ کو قرآن کی تعلیم نہیں دی؟ اس پر تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا کہ ''میں نے رات دن اس کی تلاوت کی'' خدا کہے گا ''جھوٹ بکتے ہو'' تم نے یہ سب اس لئے کیا ہے کہ لوگ تم کو قاری کا خطاب دیں،،

دولت مند سے سوال ہوگا تو وہ کہے گا کہ ''میں نے صلہ رحمی کی اور صدقہ دیا'' خدا کہے گا ''یہ جھوٹ ہے تم نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ لوگ تم کو فیاض کہیں'' مجاہد سے پوچھا جائے گا تو وہ کہے گا کہ ''تو نے مجھ کو جہاد کا حکم دیا میں لڑا اور شہید ہوا۔ خدا فرمائے گا ''یہ تو غلط ہے' تمھارا صرف یہ مقصد تھا کہ لوگ تم کو بہادر کہیں'' یہ بیان کر کے رسول اللہ ﷺ نے میرے زانو پر ہاتھ مارا اور کہا کہ ''سب سے پہلے ان ہی پر جہنم کی آگ بھڑکے گی۔'' شفیا نے مدینہ سے آ کر حضرت امیر معاویہؓ سے یہ حدیث بیان کی تو وہ روتے روتے قریب ہلاکت ہو گئے۔ [1]

صحابہ کرامؓ کو ہر قسم کی دینوی تکلیفیں قبول تھیں، دنیوی مال و متاع کا قربان کر دینا منظور تھا لیکن عذاب اخروی گوارا نہ تھا، ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کی عیادت کی دیکھا کہ سوکھ کے قاق ہو گئے ہیں فرمایا ''کیا تم صحت کی دعا نہیں کرتے تھے'' بولے ''میں یہ دعا کرتا تھا کہ اے خدا اگر تو مجھے عذاب اخروی دینا چاہتا ہے تو دنیا میں ہی دیدے'' [2]

جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ ''گھبرانے کی کوئی بات نہیں آپ نے رسول اللہ ﷺ کی حسن رفاقت کا حق ادا کیا اور وہ آپ سے راضی ہو گئے۔ پھر ابوبکرؓ کی حسنِ رفاقت کا حق ادا کیا اور وہ آپ سے راضی ہو گئے پھر ان کے اصحاب کی حسنِ رفاقت کا حق ادا کیا اور اگر آپ ان کو داغِ جدائی دے کر گئے تو وہ آپ سے راضی رہیں گے'' بولے ''رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ کی حسن رفاقت اور ان کی رضامندی تو ایک احسان الٰہی تھا، یہ گھبراہٹ صرف تمھارے اور تمھارے اصحابہ کے لئے ہے خدا کی قسم اگر زمین کی سطح پر سونا بکھیر دیا جائے تو میں اس

---

[1] ترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی الریاء والسمعۃ

[2] ترمذی ابواب الدعوات باب ماجاء فی عقد التسبیح بالید۔

کو دیکر عذابِ الٰہی سے بچنے کو ترجیح دوں گا،،[1] شدتِ خوفِ قیامت سے ان کو یہی غنیمت معلوم ہوتا تھا کہ وہ اگر جنت میں داخل نہیں ہو سکتے تو کم از کم عذابِ دوزخ سے تو بچ جائیں، ایک بار انہوں نے ایک صحابی سے کہا ''تمھیں یہ پسند ہے کہ ہم جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسلام لائے، ہجرت کی، جہاد کیا اور بہت سے نیک کام کیے ان سب کا ثواب تو ہم کو مل جائے لیکن آپ کے بعد ہم نے جو نیک کام کیے تو اس کے بدلے میں صرف دوزخ سے بچ جائیں اور عذاب و ثواب برابر سرابر ہو جائیں؟'' بولے ''خدا کی قسم نہیں، ہم نے آپ کے بعد بھی جہاد کیا، روزہ رکھا، نماز پڑھی، بہت سے نیک کام کیے اور ہمارے ہاتھ پر بہت سے لوگ اسلام لائے ہم کو ان اعمال سے بڑی بڑی توقعات ہیں'' حضرت عمرؓ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مجھے تو یہی غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کے بدلے عذاب سے بچ جائیں اور نیکی بدی برابر سرابر ہو جائے۔'' [2]

خوفِ عذابِ قبر:

قبر سفرِ آخرت کی پہلی منزل ہے اس لئے صحابہ کرامؓ اس منزل کو نہایت کٹھن سمجھتے تھے اور اس کے دشوار گزار اور پُر خطر راستوں سے ہمیشہ لرزتے رہتے تھے ایک بار رسول اللہ ﷺ نے قبر کی آزمائش اور امتحان پر خطبہ دیا تو صحابہ کرامؓ چیخ اٹھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کا انتقال ہونے لگا تو وصیت کی کہ مجھ کو دفن کرنا تو تھوڑی سی خاک ڈالنا، پھر قبر کے پاس اتنی دیر تک کھڑے رہنا کہ اونٹ ذبح کر دیئے جائیں اور ان کا گوشت تقسیم ہو جائے تاکہ تمھارے ساتھ انس قائم رہے اور اتنی دیر میں میں خدا کے قاصدوں (منکر نکیر) کا جواب سوچ لوں۔'' [3]

گریہ و بکا:

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے دلوں کو موم کی طرح نرم و گداز کر دیا تھا اس لئے جب رسول اللہ ﷺ کے خطبات و مواعظ سنتے، قرآن مجید پڑھتے یا خشیتِ الٰہی کا موقع آتا تو ان پر

[1] بخاری کتاب المناقب فضائل عمرؓ۔

[2] بخاری باب ایام الجاہلیۃ

[3] مسلم کتاب الایمان باب کون الاسلام یہدم ما قبلہ وکذا الحج والہجرۃ

رقت طاری ہو جاتی اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑتے۔

ایک بار آپؐ نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ ''جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہنستے کم اور روتے بہت'' تمام صحابہؓ بے اختیار منہ ڈھانک ڈھانک کر رونے لگے۔[1]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر کسی کے دل میں رائی برابر بھی غرور ہوگا تو وہ مرنے کے بعد دوزخ میں داخل ہوگا'' حضرت عبداللہ بن قیس انصاریؓ یہ سن کر رو پڑے آپ نے فرمایا ''کیوں روتے ہو؟'' بولے آپ کا ارشاد سن کر'' فرمایا ''تمھیں خوشخبری ہو کہ تم جنتی ہو''[2]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب قرآن مجید کی یہ آیت۔

الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ

کیا ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ خدا کے ذکر پر ان کے دل گداز ہوں۔

پڑھتے تھے تو بے اختیار رو پڑتے تھے اور دیر تک روتے رہتے تھے۔[3]

ایک بار انہوں نے حضرت عمیرؓ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا،

فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید،

اس دن ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے۔

تو اس قدر روئے کہ داڑھی اور گریبان دونوں تر ہو گئے۔[4]

حضرت سہیل بن عمروؓ جب قرآن پڑھتے تھے تو ان پر گریہ طاری ہو جاتا تھا،[5]

---

1. بخاری کتاب التفسیر باب لاتسألوا عن اشیاء ان تبدلکم تسوء کم
2. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ ابن قیس انصاریؓ
3. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
4. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
5. اسد الغابہ تذکرہ حضرت سہیل بن عمرو

تمام صحابہؓ میں حضرت ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب تھے وہ قرآن مجید پڑھتے تھے تو ان پر اس قدر اثر پڑتا تھا کہ بے اختیار رونے لگتے تھے۔[1]

ایک بار حضرت عکرمہؓ نے حضرت اسماءؓ سے پوچھا کہ "صحابہؓ پر خوف الٰہی سے کبھی غشی بھی طاری ہوتی تھی؟" بولیں "نہیں وہ صرف روتے تھے"۔[2]

الحب فی اللہ :

اسلام ایک رشتہ اتحاد تھا جو صحابہ کرامؓ کو دور دور سے کھینچ کر لاتا تھا اور ایک دائمی محبت کے سلسلہ میں منسلک کر دیتا تھا، مہاجرین و انصار دونوں کا خاندان الگ تھا سلسلہ نسب الگ تھا، طرز معاشرت الگ تھا، لیکن یہ صرف اسلام کا تعلق تھا جس نے دونوں کو اس قدر متحد کر دیا کہ دونوں بھائی بھائی ہو گئے اور مال میں جائیداد میں، وراثت میں ایک دوسرے کے شریک ہو گئے اسی کا نام حب فی اللہ ہے اور صحابہ کرامؓ کا ہر فرد اسی محبت کے نشہ میں چور تھا، ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ "میرے دو بھائی تھے اور میں ایک سے صرف خدا اور رسول اللہ ﷺ کے لئے محبت اور دوسرے سے صرف خدا اور خدا کے رسول کے لئے بغض رکھتا تھا۔[3]

حضرت مجاہدؒ کا بیان ہے کہ "ایک صحابی نے پیچھے سے میرا شانہ پکڑ کر کہا کہ "میں تم سے محبت رکھتا ہوں" انہوں نے کہا کہ "جس ذات (خدا) کے لئے تم مجھ سے محبت رکھتے ہو میں بھی اسی ذات کے لیے تجھ سے محبت رکھتا ہوں"۔[4]

یہ حب فی اللہ ہی کا نتیجہ تھا کہ جو لوگ کوئی نیک کام کرتے تھے، صحابہ کرامؓ کو ان سے محبت ہو جاتی تھی، ایک بار حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ذکر ہوا تو بولے "تم نے ایسے شخص کا ذکر کیا کہ جب سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں

---

[1] بخاری کتاب الصلوۃ باب المسجد یکون فی الطریق من غیر ضرر بالناس۔

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت اسماءؓ۔

[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت خالد الاحدب حارثی

[4] الادب المفرد باب اذا احب الرجل اخاہ فلیعلمہ۔

سے سیکھو اور ان میں سب سے پہلے عبداللہ بن مسعودؓ کا نام لیا اسی دن سے میں برابر ان کو محبوب رکھتا ہوں''۔[1]

ایک بار قبیلہ بنو تمیم کا صدقہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ میری قوم کا صدقہ ہے اور یہ لوگ دجال کے مقابلہ میں سب سے قوی تر ہیں'' حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ '' عرب کے قبائل میں کوئی قبیلہ مجھے اس قبیلہ سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ لیکن جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت یہ کلمات سنے وہ مجھے محبوب ہو گیا''۔[2]

البغض فی اللہ :

صحابہ کرامؓ ہمہ تن محبت تھے اس لئے ان کے نزدیک بغض سے زیادہ کوئی چیز مبغوض نہ تھی تاہم خدا کے عشق میں انہوں نے دوسروں کی محبت کو بھلا دیا تھا وہ اگر محبت کرتے تھے تو خدا ہی کے لئے اور بغض رکھتے تھے تو خدا ہی کے لئے۔

بیٹا ہر شخص کو محبوب ہوتا ہے لیکن اگر وہ خدا سے محبت نہیں رکھتا تو اس سے کوئی عاشق خدا محبت نہیں رکھ سکتا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اسلام نہیں لائے تھے اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے قسم کھالی تھی کہ ان کو وراثت نہ دوں گا۔[3]

بی بی سب کو محبوب ہے لیکن خدا اور رسول اللہ ﷺ کی محبت نے صحابہؓ کے لئے ایسی محبوب چیز کو بھی مبغوض بنا دیا تھا، ایک صحابی کی بی بی (اُم ولد) رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا کرتی تھی وہ اس کو بار بار سختی سے منع کرتے تھے لیکن وہ اس حرکت سے باز نہیں آتی تھی اس کے ساتھ ان کے تعلقات جس قسم کے تھے ان کو خود انہوں نے اس طرح بیان کیا ہے۔

لی منها ابنان مثل اللولو یتین وکانت بی رفیقة،

اس سے میرے دو بچے موتی کی طرح تھے اور وہ میری ہمدم تھی۔

لیکن ایک بار رات کو وہ رسول اللہؐ ﷺ کو برا بھلا کہہ رہی تھی، انہوں نے سن لیا اور

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۱۹۱۔

[2] مسند ابن حنبل ص ۳۹۰۔

[3] ابوداؤد کتاب الفرائض باب فسخ میراث العقد میراث الرحم

دفعتہً تمام تعلقات کو بھول گئے کلہاڑی اٹھائی اور اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ [1]

حضرت ابن ام مکتومؓ ایک یہودیہ کے مہمان ہوئے وہ اگر چہ ان کی خاطر مدارت کرتی تھی لیکن خدا اور خدا کے رسولؐ کو برا بھلا کہتی تھی اس لئے انہوں نے اس کو قتل کر ڈالا۔ [2]

اعزہ واحباب سے کس کو محبت نہیں ہوتی لیکن صحابہ کرامؓ نے خدا کے لئے ان سب کی محبت کو خیر باد کہہ دیا تھا، اسیران بدر گرفتار ہو کر آئے اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے مشورہ لیا تو حضرت ابوبکرؓ نے فدیہ لے کر رہا کرنے کا مشورہ دیا لیکن حضرت عمرؓ نے کہا کہ ''ہم کو ان سب کی گردن مارنے کا اختیار عطا فرمایئے علیؓ عقیل کی اور میں اپنے ایک عزیز کی گردن اڑا دوں کیونکہ یہ لوگ ائمۃ الکفر ہیں'' [3]

مقامات مقدسہ کی زیارت :

خانہ کعبہ کی طرح صحابہ کرامؓ اور دوسرے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت سے بھی شرف اندوز ہوتے تھے۔

ایک بار ایک خاتون بیمار ہوئیں اور نذر مانی کہ اگر خدا شفا دے گا تو بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھوں گی، صحت یاب ہوئیں تو سامانِ سفر کیا، رخصت ہونے کے لئے حضرت میمونہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی انہوں نے کہا ''مسجد نبویؐ ہی میں نماز پڑھ لو رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ میری مسجد کی ایک نماز خانہ کعبہ کی مسجد کے سوا دوسری مساجد کی ہزاروں نمازوں سے بہتر ہے۔'' [4]

حضرت ابو جمعہ انصاریؓ بیت المقدس میں نماز ادا کرنے کے لئے آئے، نماز ادا کر کے چلنے لگے تو لوگ پہنچانے آئے، بولے مجھ پر تمہارا حق ہے، اس کے بدلے میں ایک حدیث بیاں کرتا ہوں'' [5]

---

[1] ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبیؐ

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابن ام مکتومؓ

[3] مسلم کتاب الجہاد باب الامداد لا الملائکۃ فی غزوۃ بدر واباحۃ الغنائم

[4] مسلم کتاب الحج باب فضل الصلوۃ فی مسجد المدینہ ومکہ

[5] اصابہ تذکرہ حضرت ابو جمعہ انصاریؓ

کوہ طور تجلی گاہِ نورِ الٰہی تھا، اس لئے حضرت ابو ہریرہؓ وہاں گئے اور اس پر نماز پڑھی پلٹے تو حضرت ابوبصرہؓ سے ملاقات ہوگئی انہوں نے کہا کہ ''اگر میں پہلے ملا ہوتا تو تم وہاں نہ جانے پاتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسجد نبوی، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے سوا شد رحال نہیں کیا جا سکتا''۔[1]

رسول اللہ ﷺ ہر ہفتہ کو معمولاً قبا میں تشریف لے جایا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی یہی التزام کر لیا تھا۔[2] ایک دن حضرت عبداللہ بن قیس بن مخرمہؓ مسجد قبا کے پاس سے خچر پر سوار ہو کر نکلے، دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ پا پیادہ جا رہے ہیں، خچر سے اتر کر کہا کہ ''چچا جان اس پر سوار ہو لیجئے'' بولے اگر سواری درکار ہوتی تو مل سکتی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ اس مسجد میں پا پیادہ آ کر نماز پڑھا کرتے تھے اس لئے میں بھی پا پیادہ آنا پسند کرتا ہوں''۔[3]

ایک صحابیہ نے مسجد قبا تک پا پیادہ جانے کی نذر مانی تھی، ابھی نذر پوری کرنے بھی نہ پائی تھیں کہ انتقال ہو گیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فتویٰ دیا کہ ان کی صاحبزادی نذر پوری کریں۔[4]

فرائض مذہبی کے ادا کرنے میں جسمانی تکلیفیں اٹھانا:

ہم کو ہر قسم کی آسانیاں حاصل ہیں، تاہم مذہبی فرائض و اعمال ادا نہیں کرتے لیکن صحابہ کرامؓ ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتے تھے اور فرائض اسلام کو بخوشی ادا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کو اکثر مذی کے قطرے آ جایا کرتے تھے اس لئے وہ عموماً نہاتے رہتے تھے جب بار بار کے نہانے سے ان کی پیٹھ پھٹ پھٹ گئی تو انہوں نے رسول اللہ سے اس کا ذکر کیا، آپؐ نے فرمایا ''اس کے لئے وضو کافی ہے''۔[5]

---

1. مسند ابوداؤد طیالسی ص ۱۹۲ مسند ابوبصرہ غفاری
2. مسلم کتاب الحج باب فضل مسجد قبا۔
3. مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۱۱۹
4. موطا امام محمد کتاب الایمان والنذ ور باب الرجل یحلف بالمشی الی بیت اللہ۔
5. ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی المذی

رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز پڑھتے تھے تو دھوپ کی شدت سے زمین اس قدر گرم رہتی تھی کہ بعض صحابہ مٹھی میں کنکریاں اٹھا کر اس کو ٹھنڈا کرتے تھے، پھر سامنے رکھ کر اس پر سجدہ کرتے تھے، [1] حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ :۔

کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یصلی الظهر بالهاجرة ولم یکن یصلی صلوة اشد علی اصحاب رسول اللّٰه ﷺ منها [2]

رسول اللہ ﷺ ٹھیک دوپہر کے وقت ظہر پڑھتے تھے اور آپ کی کوئی نماز صحابہ پر ظہر سے زیادہ شاق اور سخت نہ تھی۔

ایک بار سورج گرہن لگا تو رسول اللہ ﷺ نے نماز کسوف پڑھائی اور قیام و قعود اور رکوع و سجود میں اس قدر دیر لگائی کہ بہت سے صحابہ بے ہوش ہو گئے اور ان پر پانی کی مشکیں ڈالی گئیں۔ [3]

اسلام نے اگرچہ رہبانیت کو مٹا دیا تاہم ذوق عبادت میں حضرت حمنہ بنت جحشؓ برابر مصروف نماز رہتی تھیں اور جب تھک جاتی تھیں تو مسجد کے دونوں ستونوں میں ایک رسی باندھ رکھی تھی اس سے لٹک جاتی تھیں تاکہ نیند نہ آنے پائے رسول اللہ ﷺ نے اس رسی کو دیکھا تو فرمایا ''ان کو صرف اسی قدر نماز پڑھنی چاہیے جو ان کی طاقت میں ہو اگر تھک جائیں تو بیٹھ جانا چاہیے'' چنانچہ وہ رسی کھلوا کر پھینکوا دی۔ [4]

شوق حصول ثواب :

صحابہ کرامؓ کے تمام اعمال کا محور صرف ثواب آخرت تھا اسی کے لئے وہ طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتے تھے اور اسی پر انہوں نے اپنے تمام عیش و آرام کو قربان کر دیا تھا۔ ایک صحابیؓ کا گھر مسجد سے بہت دور تھا، لیکن ان کی کوئی جماعت قضا نہیں ہوتی تھی ایک صحابیؓ نے ان سے کہا

---

1. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی صلوٰۃ الظہر۔
2. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی وقت العصر
3. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الکسوف۔
4. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ابواب التطوع ورکعات السنۃ باب النعاس فی الصلوٰۃ۔

کہ ''کاش آپ ایک گدھا خرید لیتے جس پر دن کی دھوپ اور رات کے اندھیرے میں سوار ہوکر شریک نماز ہوتے ''انہوں نے جواب دیا کہ ''میں سرے سے یہی نہیں پسند کرتا کہ میرا گھر مسجد کے پہلو میں ہو'' رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا ذکر آیا تو آپ نے وجہ پوچھی، بولے کہ ''میرا مقصد یہ ہے کہ میری طویل آمدورفت داخلِ حسنات ہو'' آپ نے یہ سن کر فرمایا ''خدا نے تم کو یہ دیدیا''۔[1]

آپ نے فرمایا تھا کہ ''مسجد کی طرف جو قدم اٹھتا ہے اس پر ثواب ملتا ہے'' اس لئے صحابہ کرامؓ نماز کو آتے تھے تو قدم قریب قریب رکھتے تھے کہ نقشِ قدم کی تعداد بڑھ جائے۔ اور اس پر ثواب ملے۔[2]

حضرت مالک بن عبداللہؓ نے حضرت حبیب بن مسلمہؓ کو دیکھا کہ گھوڑا ساتھ ہے اور خود پا پیادہ جا رہے ہیں، بولے ''جب خدا نے سواری دی ہے تو سوار کیوں نہیں ہو لیتے؟'' بولے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''خدا کی راہ میں جس شخص کے پاؤں غبار آلود ہو جائیں خدا اس کو آگ پر حرام کر دیتا ہے''[3] یعنی پیدل اس لئے چلتا ہوں کہ پاؤں میں مٹی لگ جائے تاکہ اس بشارت سے مجھ کو بھی حصہ ملے۔،،

ایک روز حضرت جابرؓ سخت دھوپ میں پا پیادہ اپنے خچر کو ہانکتے ہوئے جا رہے تھے، راستہ میں فوج سے ملاقات ہوگئی تو اس کے سپہ سالار نے کہا ''خدا نے آپ کو سواری دی ہے پھر سوار کیوں نہیں ہو لیتے؟'' بولے ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس شخص کے پاؤں خدا کی راہ میں غبار آلود ہو جائیں، اللہ تعالیٰ اس کو آگ پر حرام کر دیتا ہے یہ سن کر تمام فوج گھوڑے سے اتر گئی۔[4]

---

[1] ابوداؤد باب ماجاء فی فضل المشی الی الصلوٰۃ

[2] نسائی کتاب الامامۃ باب المحافظۃ علی الصلوٰۃ حیث ینادی بہن

[3] مسند دارمی فی فضل الغبار فی سبیل اللہ

[4] مسند ابوداؤد طیالسی ص ۲۴۴ الافراد عن جابر۔

پابندی نذر وقسم:

ہم لوگ ہر وقت قسمیں کھایا کرتے ہیں اور ہم کو محسوس نہیں ہوتا کہ یہ کس قدر ذمہ داری کا کام ہے، لیکن صحابہ کرامؓ بہت کم قسم کھاتے تھے اور جس بات پر قسم کھا لیتے تھے اس کو پورا کرتے تھے، ایک بار حضرت عائشہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہو گئیں اور قسم کھالی کہ اب ان سے کبھی بات چیت نہ کریں گی۔ لیکن جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے دوسرے صحابہؓ کی سفارش پہنچائی تو رو کر کہنے لگیں۔

انی نذرت والنذر شدید

''میں نے نذر مان لی ہے اور نذر کا معاملہ نہایت سخت ہے''

بالآخر اصرار و سفارش سے معاف کر دیا اور کفارۂ قسم میں ۴۰ غلام آزاد کیے۔[1]

حضرت عمرؓ خلافت کے کاروبار میں مشغول رہتے تھے اس لئے اپنے دربان کو حکم دیا تھا کہ اگر وہ کوئی قسم کھالیں اور مصروفیت کی وجہ سے اس کو پورا نہ کر سکیں تو وہ ان کی طرف سے کفارے میں دس فقیر کو پانچ صاع گیہوں دیدے۔[2] یعنی ہر فقیر کو نصف صاع۔

حضرت کردمؓ نے کوہ بوانہ پر پچاس بکریوں کے ذبح کرنے کی نذر مانی تھی، رسول اللہ ﷺ سے اس کے ایفاء کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا کہ ''وہاں کوئی بت تو نصب نہیں ہے'' بولے ''نہیں'' اب آپ نے نذر پوری کرنے کی اجازت دے دی، انہوں نے بکریاں جمع کیں اور ان کو ذبح کرنے لگے، سوئے اتفاق سے ایک بکری بھاگ گئی، وہ اس کی جستجو میں نکلے تو یہ کہتے جاتے تھے کہ ''خداوندا میری نذر پوری کر'' چنانچہ جب اس بکری کو پکڑ کر ذبح کر لیا تو ان کو تسکین ہوئی۔[3]

اسلام نے اگرچہ رہبانیت کو ناجائز قرار دیا تھا۔ تاہم بعض صحابہؓ ناواقفیت کی وجہ سے نہایت تکلیف دہ نذریں مانتے تھے اور ان کو پورا کرتے تھے ایک بوڑھے صحابیؓ نے پا پیادہ حج

---

۱ بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ۔

۲ موطائے امام محمد کتاب الایمان والنذور وادنی ما یجزی فی کفارۃ الیمین۔

۳ طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت میمونہ بنت کردمؓ۔

کرنے کی نذر مانی اور اس کو پورا کیا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع فرمایا، ایک اور صحابیہؓ نے بھی اسی قسم کی نذر مانی لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی۔[1] ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو دیکھا کہ کھڑے ہوئے ہیں دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے یہ نذر مانی ہے کہ نہ بیٹھیں گے نہ سائے میں کھڑے ہوں گے نہ کسی سے بولیں گے اور روزہ رکھیں گے، آپ نے فرمایا کہ ''ان سے کہہ دو کہ سب چھوڑ دیں اور صرف روزے کو پورا کریں۔[2]

---

1 بخاری کتاب الحج باب من نذر المشی الی الکعبۃ۔

2 بخاری کتاب النذر باب النذر فیما لا یملک وفی معصیۃ

تبجیل الرسول

برکت اندوزی :

صحابہ کرامؓ مختلف طریقوں سے رسول اللہ ﷺ کی ذات سے برکت اندوز ہوتے رہتے، مثلاً بچے بیمار پڑتے یا پیدا ہوتے تو ان کو آپؐ کی خدمت میں حاضر کرتے آپؐ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے، اپنے منہ میں کھجور ڈال کر اس کے منہ میں ڈالتے اور اس کے لئے برکت کی دعا فرماتے، حضرت سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں کہ میں بیمار پڑا تو میری خالہ مجھ کو آپ کی خدمت میں لے گئیں۔ آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائے برکت کی، اس کے بعد آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے وضو کا پانی پیا، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے لڑکا پیدا ہوا تو آپ کی خدمت میں لائے، آپ نے اس کا نام رکھا، اپنے منہ میں کھجور ڈال کے اس کے منہ میں ڈالی اور اس کو برکت کی دعا دی، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے تو ان کی والدہ حضرت اسماءؓ ان کو لے کر آئیں اور آپ کی گود میں رکھ دیا، آپ نے کھجور منگا کر چبائی اور اس کو ان کے منہ میں ڈال دیا پھر برکت کی دعا کی، آپ بعض بچوں کے منہ میں کلی کر دیتے، بعض کے منہ میں لعاب دہن ڈال دیتے اور بعض کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے۔ [1]

حضرت زہرہ بن معبدؓ ایک صحابی تھے، بچپن ہی میں ان کی والدہ ان کو آپ کی خدمت میں لائیں اور کہا کہ "اس سے بیعت لیجئے" آپؐ نے فرمایا "ابھی بچہ ہے" یہ کہہ کر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی چنانچہ جب ان کو لے کر ان کے دادا غلہ خریدنے کے لئے بازار جاتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ سے ملاقات ہوتی تھی تو کہتے تھے کہ "ہم کو بھی شریک کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تم کو برکت کی دعا دی ہے"[2] حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

---

[1] بخاری کتاب الدعوات باب الدعاء للصبیان بالبرکۃ ومسح رؤسہم وکتاب العقیقہ باب تسمیۃ المولود غداۃ یولد لمن لم یعق عنہ وتحنیکہ۔

[2] بخاری کتاب الشرکۃ باب الشرکۃ فی الطعام۔

وتوفر دواعي الصحابة على احضار اولادهم ان النبي صلى الله عليه وسلم لالتماس بركته،

یعنی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے برکت حاصل کرنے کے لئے صحابہ کرامؓ کو آپ کی خدمت میں اپنی اولاد کے حاضر کرنے کا بڑا اشوق تھا۔

نماز فجر کے بعد صحابۂ کرامؓ کے ملازم برتنوں میں پانی لے کر حاضر ہوتے آپ ان میں دست مبارک ڈال دیتے وہ متبرک ہو جاتا۔[1]

جب پھل پختہ ہوتے تو پہلا پھل آپؐ کی خدمت میں پیش کرتے آپ برکت کی دعا فرماتے اور سب سے چھوٹا بچہ جو موجود ہوتا اس کو دے دیتے۔[2] آپ کے وضو کا بچا کھچا پانی صحابہؓ کے لئے آب حیات تھا جس پر وہ جان دے دیتے تھے ایک بار حضرت بلالؓ نے آپؐ کے وضو کا بچا ہوا پانی نکالا تو تمام صحابہ نے اس کو جھپٹ لیا۔[3]

ایک دن آپؐ نے وضو کیا، پانی بچ گیا تو تمام صحابہ نے اس کو لے کر جسم پر مل لیا،[4] ایک بار آپؐ سر منڈوا رہے تھے، صحابۂ کرام نے آپ کو گھیر لیا، حجام سر مونڈتا جاتا تھا اور صحابہ اوپر ہی اوپر سے بالوں کو اچک لینا چاہتے تھے۔[5]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابومحذورہؓ کی پیشانی پر ہاتھ پھیر دیا اس کے بعد انہوں نے عمر بھر نہ سر کے آگے کے بال کٹوائے، نہ مانگ نکالی۔ بلکہ اس کو بطور متبرک یادگار کے قائم رکھا۔[6]

آپ جب صحابہ کرامؓ کے مکان پر تشریف لاتے تو وہ آپ سے برکت حاصل کرنے کی درخواست کرتے، ایک بار آپ ایک صحابی کے گھر پر تشریف لائے، انہوں نے دعوت کی جب چلنے لگے تو گھوڑے کی باگ پکڑ کر عرض کی کہ "میرے لئے دعا فرمایئے" آپ نے دعائے برکت و دعائے مغفرت فرمائی۔[7]

---

1. مسلم کتاب الفضائل باب فی قرب النبی من الناس وتبرکہم بہ،
2. سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب اذا اتی باول الثمر ۃ وترمذی کتاب الدعوات باب مایقول اذا رای الباکورۃ من الثمر
3. نسائی کتاب الطہارۃ باب الانتفاع بفضل الوضوء
4. بخاری کتاب الوضوء باب استعمال فضل وضوء الناس،
5. مسلم کتاب الفضائل باب فی قرب النبی علیہ السلام وتبرکہم
6. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب کیف الاذان،
7. ابوداؤد کتاب الاشربہ فی النفخ فی الشراب

ایک بار آپ حضرت سعدؓ کے گھر تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کیا انہوں نے آہستہ سے جواب دیا، ان کے صاحبزادے نے کہا کہ "رسول اللہ ﷺ کو اذن نہیں دیتے" بولے "چپ رہو مقصد یہ ہے کہ آپ ہم پر بار بار سلام کریں" آپ نے دوبارہ سلام کیا، پھر اسی قسم کا جواب ملا، تیسری بار سلام کر کے آپ واپس چلے تو حضرت سعدؓ پیچھے پیچھے دوڑتے ہوئے آئے اور کہا کہ "میں آپ کا سلام سنتا تھا، لیکن جواب اس لئے آہستہ سے دیتا تھا کہ آپ ہم پر متعدد بار سلام کریں،، [1]

محافظت یادگار رسول:

صحابۂ کرام کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی اکثر یادگاریں محفوظ تھیں جن کو وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور ان سے برکت حاصل کرتے تھے۔ حضرت علی بن حسینؓ کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے زمانے میں یزید کے دربار سے پلٹ کر مدینہ میں آئے تو حضرت مسور بن مخرمہؓ ملے اور مجھ سے کہا کہ "رسول اللہ ﷺ کی تلوار مجھے دیدو ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ اس کو چھین لیں خدا کی قسم اگر تم نے مجھے یہ تلوار دی تو جب تک جسم میں جان باقی ہے کوئی شخص اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا سکتا،، [2]

حضرت عائشہؓ کے پاس آپ کا ایک جبہ محفوظ تھا جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت اسماء نے اس کو لے لیا اور محفوظ رکھا چنانچہ جب ان کے خاندان میں کوئی شخص بیمار ہوتا تھا تو شفاء حاصل کرنے کے لئے دھو کر اس کا پانی پلاتی تھیں۔ [3]

بہت سے صحابہ ان یادگاروں کو زادِ آخرت سمجھتے تھے اور ان کو بعد مرگ بھی اپنے پاس سے جدا کرنا پسند نہیں کرتے تھے جب آپ حضرت انسؓ کے گھر تشریف لاتے تھے تو ان کی والدہ آپ کے پسینے کو ایک شیشی میں بھر کر اپنی خوشبو میں ملا دیتی تھیں چنانچہ جب حضرت انسؓ نے انتقال کیا تو وصیت کی کہ یہ خوشبو ان کے حنوط میں شامل کی جائی۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ آپ کے بال کو بھی شیشی میں بھر لیتی تھیں۔ لیکن حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں پہلے تو

[1] ایضاً کتاب الادب باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستیذان

[2] ابوداؤد کتاب النکاح باب ما یکرہ ان تجمع بینہن من النساء

[3] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۳۴۸

اس کو ایک بے جوڑ چیز سمجھا ہے۔لیکن اس کے بعد لکھا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک اس سے وہ بال مراد ہیں جو کنگھی کرنے میں آپ کے سر سے جھڑ جاتے تھے، پھر حضرت انسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب منیٰ میں اپنے بال منڈوائے تو حضرت ابوطلحہؓ نے آپ کے بال لے لئے اور ان کو حضرت انسؓ کی والدہ کے حوالے کیا، جن کو انہوں نے اپنی خوشبو میں شامل کرلیا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس خوشبو میں یہ بال شامل تھے اسی میں وہ پسینے کو بھی شامل کرلیتی تھیں۔[1]

غزوۂ خیبر میں آپ نے ایک صحابیہ کو خود دستِ مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا، وہ اس کی اس قدر قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں، تو وصیت کی کہ ان کے ساتھ وہ بھی دفن کردیا جائے۔[2]

حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آپ کی ایک قمیض، ایک تہ بند، ایک چادر اور چند موئے مبارک تھے انہوں نے وفات کے وقت وصیت کی کہ یہ کپڑے کفن میں لگائے جائیں اور موئے مبارک منہ اور ناک میں بھر دیئے جائیں۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے جن کپڑوں میں انتقال فرمایا تھا، حضرت عائشہؓ نے ان کو محفوظ رکھا تھا، چنانچہ ایک دن انہوں نے ایک صحابی کو ایک یمنی تہ بند اور ایک کمبل دکھا کر کہا کہ ''خدا کی قسم آپ نے ان ہی کپڑوں میں انتقال فرمایا تھا،،۔[4]

ایک صحابی کو آپ نے سیاہ ریشم کا ایک عمامہ عطا فرمایا تھا انہوں نے اس کو محفوظ رکھا تھا اور اس پر فخر کیا کرتے تھے چنانچہ ایک بار بخارا میں خچر پر سوار ہو کر نکلے تو عمامہ دکھا کر کہا کہ ''اس کو رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو عنایت فرمایا تھا،،۔[5]

آپ کے چند بال حضرت امّ سلمہؓ نے بطور یادگار کے محفوظ رکھے تھے اور جب کوئی شخص بیمار ہوتا تو ایک برتن میں پانی بھر کر بھیج دیتا تھا اور وہ اس میں بالوں کو دھو کر واپس کر دیتیں تھیں جس کو وہ شفا حاصل کرنے کے لئے پی جاتا تھا یا اس سے غسل کرلیتا تھا۔[6]

---

[1] بخاری کتاب الاستیذان باب من زار قوماً فقال عندہم

[2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۸۰

[3] نزہۃ الابرار تذکرہ حضرت امیر معاویہؓ

[4] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی لبس الصوف والشعر

[5] ایضاً باب ماجاء فی الخز

[6] بخاری کتاب اللباس باب مایذکر فی الشیب مع فتح الباری

خلفاء ان یادگاروں کی نہایت عزت کرتے تھے اور ان سے برکت اندوز ہوتے تھے ایک بار آپ نے کسی عجمی بادشاہ کے نام خط لکھنا چاہا تو لوگوں نے کہا کہ "جب تک خط پر مہر نہ ہو اہل عجم اس کو نہیں پڑھتے" اس لئے آپ نے ایک چاندی کی انگوٹھی تیار کروائی جس کے نگینہ پر "محمد رسول اللہ" کندہ تھا، اس انگوٹھی کو خلفائے ثلاثہ نے محفوظ رکھا تھا۔ اخیر میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے ایک کنویں میں گر پڑی انہوں نے تمام کنویں کا پانی انچواڑالا لیکن یہ گوہر نایاب نہ مل سکا۔[1]

حضرت کعب بن زہیرؓ کے قصیدے کے صلے میں رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی چادر عنایت فرمائی تھی، یہ چادر امیر معاویہؓ نے ان کے صاحبزادے سے خرید لی اور ان کے بعد تمام خلفاء عیدین میں وہی چادر اوڑھ کر نکلتے تھے۔[2]

آپ جس پیالے میں پانی پیتے تھے وہ حضرت انس بن مالکؓ کے پاس محفوظ تھا ایک بار وہ ٹوٹ گیا تو انہوں نے اس کو چاندی کے تار سے جڑوایا اس میں ایک لوہے کا حلقہ بھی لگا ہوا تھا، لیکن بعد کو حضرت انسؓ نے اس میں سونے یا چاندی کا حلقہ لگوانا چاہا لیکن حضرت ابوطلحہؓ نے منع کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کام کیا ہے اس میں تغیر نہیں کرنا چاہیے آپ کے دو اور پیالے حضرت سہلؓ اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے پاس محفوظ تھے۔[3]

ایک دن آپ حضرت اُم سلیمؓ کے مکان پر تشریف لائے، گھر میں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا آپ نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا، حضرت ام سلیمؓ نے مشکیزے کے دہانے کو کاٹ کر اپنے پاس بطور یادگار کے رکھ لیا۔[4]

آپ حضرت شفاء بنت عبداللہؓ کے یہاں کبھی کبھی قیلولہ فرماتے تھے، اس غرض سے انہوں نے آپ کے لئے ایک خاص بستر اور ایک خاص تہبند بنوالیا تھا جس کو پہن کر آپ استراحت فرماتے تھے یہ یادگاریں ایک مدت تک ان کے پاس محفوظ رہیں، اخیر میں مروان نے ان سے لے لیا۔[5]

---

1. ابوداؤد اول کتاب الخاتم
2. اصابہ تذکرہ حضرت کعب بن زہیرؓ
3. بخاری کتاب الاشربہ باب الاشرب من قدح النبیؐ
4. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیمؓ
5. اسد الغابہ تذکرہ حضرت شفاء بنت عبداللہؓ

ان یادگاروں کے علاوہ صحابۂ کرام آپ کی ہر چیز کو یادگار سمجھتے تھے اور لوگوں کو اس کی زیارت کرواتے تھے، حضرت نافعؒ کا بیان ہے کہ مجھ کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مسجد میں وہ جگہ دکھائی جہاں آپ معتکف ہوتے تھے۔ [1]

ادبِ رسول:

صحابۂ کرام جس طرح رسول اللہ ﷺ کا ادب واحترام کرتے تھے اس کا اظہار سینکڑوں طریقے سے ہوتا تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو دربار نبوت کے ادب وعظمت کے لحاظ سے خاص طور پر کپڑے زیب تن کر لیتے، ایک صحابیہ فرماتی ہیں کہ

جمعت علی ثيابی حين امسيت فاتيت رسول الله ﷺ [2]

''شام ہوئی تو میں نے تمام کپڑے پہن لئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی''

بغیر طہارت کے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا اور آپ سے مصافحہ کرنا گوارا نہ کرتے، مدینہ کے کسی راستے میں آپ سے ابوہریرہؓ کا سامنا ہو گیا۔ ان کو نہانے کی ضرورت تھی، گوارا نہ ہوا کہ اس حالت میں آپ کے سامنے آئیں اس لئے آپ کو دیکھا تو کترا گئے اور غسل کر کے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے آپ نے دیکھا تو فرمایا کہ ''ابوہریرہؓ کہاں تھے''؟ بولے ''میں پاک نہ تھا، اس لئے آپ کے پاس بیٹھنا پسند نہیں کرتا تھا'' [3]

آپ کے سامنے بیٹھتے تو فرطِ ادب سے تصویر بن جاتے، احادیث میں اسی حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے،

كانما علىٰ رؤسهم الطير

یعنی صحابہؓ آپ کے سامنے اس طرح بیٹھتے تھے گویا ان کے سروں پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہے۔ [4]

---

[1] ابوداؤد کتاب الصیام باب ان یکون الاعتکاف۔

[2] ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی عدۃ الحامل

[3] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی الجنب یصافح

[4] ابوداؤد اول کتاب الطب باب الرجل تیداوی

گھر میں بچے پیدا ہوتے تو ادب سے ان کا نام محمد نہ رکھتے ایک دفعہ ایک صحابی کے گھر میں بچہ پیدا ہوا تو انہوں نے محمد نام رکھا لیکن ان کی قوم نے کہا ''ہم نہ یہ نام رکھنے دیں گے نہ اس کنیت سے تم کو پکاریں گے، تم اس کے متعلق خود رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کرلو وہ بچے کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا، تو ارشاد ہوا کہ'' میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت نہ اختیار کرو''[1]

اگر راستے میں کبھی ساتھ ہو جاتا تو ادب سے آپ کے ساتھ سواری پر سوار ہونا پسند نہ کرتے۔ ایک بار حضرت عقبہ بن عامرؓ آپکا خچر ہانک رہے تھے، آپؐ نے فرمایا'' سوار کیوں نہیں ہو لیتے؟ لیکن انہوں نے اس کو بڑی بات سمجھا کہ آپؐ کے خچر پر سوار ہوں، تاہم امتثالاً للامر تھوڑی دور تک سوار ہو لئے،[2]

فرطِ ادب سے کسی بات میں آپ سے تقدم یا مسابقت گوارا نہ کرتے، آپ غزوۂ تبوک کے سفر میں قضائے حاجت کے لئے صحابہؓ سے الگ ہو گئے، نماز فجر کا وقت آ گیا تو صحابہؓ نے آپؐ کے آنے سے پیشتر ہی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی امامت میں نماز شروع کر دی آپ پہنچے تو ایک رکعت نماز ہو چکی تھی اس لئے آپ دوسری رکعت میں شریک ہوئے نماز ہو چکی تو تمام صحابہؓ نے اس کو بے ادبی بلکہ گناہ خیال کیا اور سب کے سب (بطور استغفار کے) سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگے، آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ'' تم نے اچھا کیا''[3]

ایک بار آپ کسی نزاع چکانے کے لئے قبیلۂ بنو عمرو بن عوف میں گئے نماز کا وقت آ گیا تو مؤذن حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں آیا کہ نماز پڑھا دیجئے، وہ نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ آ کر شریکِ جماعت ہو گئے، لوگوں نے تالیاں بجانا شروع کیں، حضرت ابوبکرؓ اگرچہ نماز میں کسی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے تاہم جب لوگوں نے متصل تالیاں بجائیں تو مڑ کر دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہیں آپ نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر قائم رہو، انہوں نے پہلے تو خدا کا شکر کیا کہ آپ نے ان کی امامت کو پسند فرمایا، پھر پیچھے ہٹ آئے اور آپ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی،

---

1. مسلم کتاب الآداب باب النہی عن التکنی بابی القاسم و بیان ما یستحب من الاسماء
2. نسائی کتاب الاستعاذہ صہ ۸۰۳
3. ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین،

نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ ''جب میں نے حکم دیا تو تم کیوں اپنی جگہ سے ہٹ آئے؟ بولے کہ'' ابن قحافہ کا یہ منہ نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے آگے نماز پڑھائے'' [1]

ایک بار آپؐ پیدل جا رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک صحابیؓ گدھے پر سوار آئے آپکو پیدل دیکھا تو خود فرطِ ادب سے پیچھے ہٹ گئے اور آپ کو آگے سوار کرنا چاہا، لیکن آپؐ نے فرمایا ''تم آگے بیٹھنے کے زیادہ مستحق ہو البتہ اگر تمھاری اجازت ہو تو میں آگے بیٹھ سکتا ہوں'' [2]

اگر کبھی آپ کے ساتھ کھانا کھانے کا اتفاق ہوتا تو جب تک آپ کھانا شروع نہ کرتے تمام صحابہ فرطِ ادب سے کھانے میں ہاتھ نہ ڈالتے۔ [3]

ادب کے مارے آپ سے آگے چلنا پسند نہیں کرتے، ایک سفر میں حضرت ابن عمرؓ ایک سرکش اونٹ پر سوار تھے جو رسول اللہ ﷺ سے آگے نکل نکل جاتا تھا، حضرت عمرؓ نے ان کو ڈانٹا کہ کوئی آپؐ سے آگے نہ بڑھنے پائے'' [4]

کسی چیز میں آپؐ کے مقابلہ کی جرأت نہ کرتے، ایک بار چند صحابہ جو قبیلۂ اسلم سے تعلق رکھتے تھے باہم تیراندازی میں مقابلہ کر رہے تھے، آپؐ نے فرمایا ''اے بنو اسمٰعیل تیر پھینکو کیونکہ تمھارا باپ تیرانداز تھا، اور میں فلاں قبیلہ کے ساتھ ہوں' دوسرے گروہ کے لوگ فوراً رک گئے آپ نے پوچھا کہ ''تیر کیوں نہیں پھینکتے،،؟ بولے ''اب کیوں کر مقابلہ کریں جبکہ آپ ان کے ساتھ ہیں'' فرمایا ''تیر پھینکو میں تم سب کے ساتھ ہوں'' [5] حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ اس لئے رک گئے کہ اگر وہ گروہ اپنے فریق پر غالب آ گئے درانحالیکہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کے ساتھ ہیں تو آپ بھی مغلوب ہو جائیں گے، اس لئے انہوں نے ادب سے مقابلہ ہی کرنا چھوڑ دیا۔

اس ادب و احترام کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کی نسبت کسی قسم کی سوئے ادبی گوارا نہ کرتے آپؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان میں قیام فرمایا، اور آپ نیچے کے حصے میں اور ان کے اہل و عیال اوپر کے حصے میں رہنے لگے، ایک رات

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب التصفیق فی الصلوۃ

[2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب رب الدابۃ احق بصدرھا

[3] ایضاً کتاب الاطعمہ باب التسمیۃ علی الطعام

[4] بخاری کتاب الہبہ باب من اہدیٰ لہ ہدیۃ وعندہ جلساء فہو احق بہا

[5] ایضاً کتاب الجہاد باب التحریض علی الرمی

حضرت ابوایوب انصاریؓ بیدار ہوئے تو کہا کہ "ہم رسول اللہ ﷺ کے اوپر چلیں پھریں" اس خیال سے تمام اہل وعیال کو ایک کونے میں کر دیا صبح کو آپؐ کی خدمت میں گزارش کی کہ آپ اوپر قیام فرمائیں ارشاد ہوا کہ نیچے کا حصہ ہمارے لئے زیادہ موزوں ہے" بولے کہ "جس چھت کے نیچے آپ ہوں ہم اس پر نہیں چڑھ سکتے"

مجبوراً آپ کو بالا خانہ پر قیام کرنا پڑا"[1]

بعض صحابہؓ آپ سے سن میں بڑے تھے لیکن ان کو فرطِ ادب سے یہ گوارا نہ تھا کہ ان کو آپ سے بڑا کہا جائے۔ ایک بار حضرت عثمانؓ نے ایک صحابی سے پوچھا "آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ ﷺ" بولے "بڑے تو رسول اللہ ﷺ ہیں، البتہ میں آپ سے پہلے پیدا ہوا"۔[2]

اگر نادانستگی میں بھی آپ کی شان میں کوئی گستاخانہ کلمہ نکل جاتا تو اس کی معافی چاہتے ایک صحابیہ کا بچہ مر گیا تھا اور وہ اس پر رو رہی تھیں، آپ کا گزر ہوا تو فرمایا "خدا سے ڈرو اور صبر کرو" بولیں تمھیں میری مصیبت کی کیا پروا ہے، آپ چلے گئے تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تھے، دوڑی ہوئی آئیں اور عرض کی کہ "میں نے حضور کو نہیں پہچانا تھا"[3]

اگر کسی دوسرے شخص کے متعلق آپ کی نسبت گستاخی کا خیال ہوتا تو صحابہ کرامؓ سخت برہم ہوتے، ایک بار حضرت ابوبکرؓ کاشانۂ نبوت میں آئے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ باآواز بلند بول رہی ہیں، فوراً طمانچہ اٹھایا اور کہا کہ "اب کبھی آپ کے سامنے آواز بلند نہ ہونے پائے"۔[4]

آپ پر ایک شخص کا کچھ قرض آتا تھا، اس نے گستاخانہ طریقے سے تقاضہ کیا تو تمام صحابہ اس پر ٹوٹ پڑے، بالآخر خود آپ نے بیچ بچاؤ کیا۔[5]

ایک بار آپ سفر میں تھے، ایک بدو آیا اور وحشیانہ لہجہ میں باآواز بلند پکارا "یا محمدؐ"، "یا محمدؐ" صحابہ کرامؓ نے کہا "ہیں" "ہیں" یہ کیا؟ یہ منع ہے۔[6]

---

[1] مسلم کتاب الاشربہ باب اباحۃ اکل الثوم وانہ ینبغی لمن ارادخطاب الکبار ترکہ وکذاما فی معناہ

[2] ترمذی ابواب المناقب عن رسول اللہ ﷺ باب ماجاء فی میلاد النبیؐ

[3] ابوداؤد کتاب الجنائز باب الصبر عند الصدمہ

[4] ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی المزاح

[5] ابن ماجہ ابواب الصدقات باب لصاحب الحق سلطان

[6] ترمذی کتاب الدعوات باب ماجاء فی فضل التوبہ والاستغفار وماذکر من رحمۃ اللہ لعبادہ

ایک بار آپ نے فرمایا کہ انصار کے خاندانوں میں سب سے افضل بنونجار ہیں، پھر بنو عبدالاشہل، پھر بنوحرث بن الخزرج، پھر بنو ساعدہ، ان کے علاوہ انصار کے تمام خاندان اچھے ہیں، حضرت سعد بن عبادۃ قبیلہ بنو ساعدہ سے تھے ان کو جب معلوم ہوا کہ آپ نے ان کے قبیلہ کو چوتھے نمبر پر رکھا تو ان کو کسی قدر نا گوار ہوا، بولے ''میرے گدھے پر زین کسو، میں خود رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق گفتگو کروں گا'' لیکن ان کے بھتیجے حضرت سہلؓ نے کہا کہ ''کیا آپ رسول اللہ ﷺ کی تردید کے لئے جاتے ہیں؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ وجوہِ فضیلت کے سب سے زیادہ عالم ہیں یہ کیا کم ہے کہ آپ کا چوتھا نمبر ہے'' [۱]

صلح حدیبیہ کے بعد کافروں اور مسلمانوں میں اختلاط ہو گیا، حضرت سلمہؓ آئے اور ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے، چار مشرک بھی اس جگہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہنا شروع کیا، ان کو گوارا نہ ہو سکا، اٹھ گئے دوسری جگہ چلے گئے اور چار مشرک بھی ہتھیار کو لٹکا کر سو رہے، اسی حالت میں شور ہوا کہ ابن زنیم قتل کر دیا گیا، حضرت سلمہؓ نے موقع پا کر تلوار میان سے کھینچ لی اور چاروں پر حالتِ خواب میں حملہ کر کے ان کے تمام ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا، اور کہا کہ ''اس ذات کی قسم جس نے محمدؐ کو عزت دی، تم میں سے جو شخص سر اٹھائے گا اس کا دماغ پاش پاش کر دیا جائے گا'' [۲]

ایک شخص کا نام محمد تھا، حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک آدمی ان کو گالی دے رہا ہے بلا کر کہا کہ ''دیکھو تمہاری وجہ سے محمدؐ کو گالی دی جا رہی ہے اب تا دم مرگ تم اس نام سے پکارے نہیں جا سکتے'' چنانچہ اسی وقت ان کا نام عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ پھر بنوطلحہ کے پاس پیغام بھیجا کہ جو لوگ اس نام کے ہوں سب کے نام بدل دیئے جائیں، اتفاق سے وہ لوگ سات آدمی تھے اور ان کے سردار کا نام محمد تھا، لیکن انہوں نے کہا، خود رسول اللہ ﷺ ہی نے میرا نام محمد رکھا ہے،، بولے ''اب میرا اس پر کچھ زور نہیں چل سکتا'' [۳]

چھوٹے چھوٹے بچے بھی اگر آپ کے ساتھ کسی قسم کی گستاخی کرتے تو صحابۂ کرامؓ ان کو ڈانٹ دیتے، حضرت ام خالدؓ اپنے باپ کے ساتھ حاضر خدمت ہوئیں اور بچپن کی وجہ سے

---

[۱] مسلم کتاب الفضائل باب فی خیر دور الانصار

[۲] مسلم کتاب الجہاد باب غزوۃ ذی قرد وغیرہا

[۳] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۲۱۶

خاتم النبوۃ سے کھیلنے لگیں، ان کے والد نے ڈانٹا، لیکن آپ نے فرمایا کھیلنے دو۔[1]

جو چیزیں شان نبوت کے خلاف ہوتیں، صحابۂ کرامؓ آپ کے سامنے ان کے ذکر تک کو سوئے ادبی سمجھتے، آپ نے جب عمرہ قضا ادا فرمایا تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ آپ کے آگے آگے اشعار پڑھتے چلتے تھے، حضرت عمرؓ نے سنا تو فرمایا ''رسول اللہ ﷺ کے سامنے اور حدود حرم کے اندر شعر پڑھتے ہو''؟ لیکن آپ نے خود اس کو مستحسن خیال فرمایا۔[2]

ایک بار کچھ لوگوں نے جمعہ کے دن آپ کے منبر کے سامنے شور وغل کرنا شروع کیا، حضرت عمرؓ نے ڈانٹا کہ آپ کے منبر کے سامنے آواز اونچی نہ کرو۔[3]

یہ تعظیم، یہ ادب، یہ عزت آپ ہی کی زندگی کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ آپؐ کے وصال کے بعد بھی صحابۂ کرامؓ آپ کا اسی طرح ادب کرتے تھے، آپ کے وصال کے بعد قبر کے متعلق اختلاف ہوا کہ لحد کھودی جائے یا صندوق اس پر لوگوں نے شور وغل کرنا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ کے سامنے موت وحیات دونوں حالتوں میں شور وشغب نہ کرو۔[4]

صحابۂ کرامؓ کے اس ادب واحترام کا منظر صلح حدیبیہ میں عروہ کو نظر آیا تو وہ سخت متاثر ہوا اس نے صلح کے متعلق آپ سے گفتگو کی تو عرب کے طریقے کے مطابق ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا، لیکن جب جب ہاتھ بڑھاتا تھا، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ تلوار کے ذریعہ سے روک دیتے تھے۔ اس واقعہ سے عروہ کو اس طرف توجہ ہوگئی اور اس نے صحابہ کے طرزِ عمل کو بغور دیکھنا شروع کیا تو اس پر یہ اثر پڑا کہ پلٹا تو کفار سے بیان کیا کہ ''میں نے قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں لیکن محمدؐ کے اصحاب جس قدر محمدؐ کی تعظیم کرتے ہیں اس قدر کسی بادشاہ کے رفقاء نہیں کرتے اگر وہ تھوکتے ہیں تو لوگوں کے ہاتھ میں ان کا تھوک گرتا ہے اور وہ اپنے جسم وچہرہ پر اس کو مل لیتے ہیں اگر وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو ہر شخص مسابقت کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ وضو کرتے ہیں تو وہ لوگ بچے کھچے پانی کے لئے باہم لڑ پڑتے ہیں اگر ان کے سامنے بولتے ہیں تو ان کی آوازیں

---

1. بخاری کتاب الجہاد باب من تکلم بالفارسیۃ والرطانۃ
2. نسائی کتاب المناسک انشاد الشعر فی الحرم والمشی بین ایدی الامام، ترمذی میں ہے کہ اشعار حضرت کعب بن مالکؓ نے پڑھے تھے اور یہی صحیح بھی ہے۔
3. مسلم کتاب الامارۃ فضل الشہادۃ فی سبیل اللہ تعالیٰ
4. سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی الشق

پست ہو جاتی ہیں اور ان کی طرف آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے''۔[1]

جانثاری:

صلح حدیبیہ میں جب عروہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ''میں آپ کے سامنے ایسے چہرے اور مخلوط آدمی دیکھتا ہوں جو آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے'' تو حضرت ابوبکرؓ کے دل پر اس طنز آمیز فقرہ نے نشتر کا کام دیا اور انہوں نے برہم ہو کے کہا ''ہم اور آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے''[2] یہ ایک قول تھا جس کی تائید ہر موقع پر صحابۂ کرامؓ نے اپنے عمل سے کی۔

ابتدائے اسلام میں ایک بار آپ نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط آیا اور آپ کا گلا گھونٹنا چاہا، حضرت ابوبکرؓ نے اس کو دھکیل دیا اور کہا کہ ایک آدمی کو صرف اس لئے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا خدا اللہ ہے' حالانکہ وہ تمھارے خدا کی جانب سے دلائل لے کر آیا ہے۔''[3]

ہجرت کے بعد آپ اور بھی خطرات میں مبتلا ہو گئے تھے کفار کے علاوہ اب منافقین اور یہود نئے دشمن پیدا ہو گئے تھے جن کا رات دن ڈر لگا رہتا تھا اس لئے آپ کو اکثر پاسبانی کی ضرورت ہوتی تھی اور صحابۂ کرامؓ آپ کی حفاظت کے لئے اپنے آپ کو ان تمام خطرات میں ڈال دیتے تھے۔ چنانچہ ابتدائے ہجرت میں آپ ایک شب بیدار ہوئے تو فرمایا'' کاش آج کی رات کوئی صالح بندہ میری حفاظت کرتا'' تھوڑی دیر کے بعد ہتھیار کی جھنجھناہٹ کی آواز آئی، آپؐ نے آواز سن کر فرمایا'' کون؟'' جواب ملا'' میں سعد بن ابی وقاص ،، فرمایا کیوں آئے ''بولے'' میرے دل میں آپ کی نسبت خوف پیدا ہوا اس لئے حفاظت کے لئے حاضر ہوا''[4]

ان خطرات کی وجہ سے اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے بھی آنکھ سے اوجھل ہو جاتے تھے تو جاں نثاروں کے دل دھڑکنے لگتے تھے، آپ ایک دن صحابۂ کرامؓ کے حلقہ میں رونق افروز تھے کسی ضرورت سے اٹھے تو پلٹنے میں دیر ہوگئی، صحابۂ کرامؓ گھبرا گئے کہ خدانخواستہ دشمنوں کی طرف سے کوئی چشم زخم تو نہیں پہنچا، حضرت ابو ہریرۃؓ اسی پریشانی کی حالت میں گھبرا کر آپ کی جستجو میں

---

[1] بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل العرب

[2] ایضاً

[3] بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکرؓ

[4] ترمذی کتاب الفضائل مناقب سعد بن ابی وقاصؓ

انصار کے ایک باغ میں پہنچے دروازہ ڈھونڈا تو نہیں ملا۔ دیوار میں پانی کی ایک نالی نظر آئی اس میں گھس کر آپ تک پہنچے اور صحابہ کی پریشانیوں کی داستان سنائی۔ [1]

غزوات میں یہ خطرات اور بھی بڑھ جاتے تھے اس لئے صحابۂ کرامؓ کی جاں نثاری میں اور بھی ترقی ہو جاتی تھی۔

غزوۂ ذات الرقاع میں ایک صحابی نے ایک مشرک کی بی بی کو گرفتار کیا، اس نے انتقام لینے کے لئے قسم کھائی کہ "جب تک اصحاب محمدؐ میں کسی صحابی کے خون سے زمین کو رنگین نہ کرلوں گا چین نہ لوں گا" اس لئے جب آپ واپس ہوئے تو اس نے تعاقب کیا آپ منزل پر فروکش ہوئے تو دریافت فرمایا کہ "کون میری حراست کی ذمہ داری اپنے سر لے گا،،؟ مہاجرین و انصار دونوں میں سے ایک ایک بہادر اس شرف کے حاصل کرنے کے لئے اٹھے، آپؐ نے حکم دیا کہ گھاٹی کے دہانے پر جا کر متمکن ہو جائیں، (کہ وہی کفار کا کمین گاہ ہوسکتا تھا) دونوں بزرگ وہاں پہنچے تو مہاجر بزرگ سو گئے اور انصاری نے نماز پڑھنا شروع کی، مشرک آیا اور فوراً تاڑ گیا کہ یہ محافظ اور نگہباں ہیں، تین تیر مارے اور تینوں کے تینوں انکے جسم میں ترازو [2] ہو گئے لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔

آپ غزوۂ حنین کے لئے نکلے تو ایک صحابی نے شام کے وقت خبر دی کہ میں نے آگے جا کر پہاڑ کے اوپر سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ قبیلہ ہوازن کے زن و مرد چار پایوں اور مویشیوں کو لے کر امنڈ آئے ہیں آپ مسکرائے اور فرمایا کہ "آج میری پاسبانی کون کرے گا" حضرت انسؓ بن ابی مرثد غنوی نے کہا "میں یا رسول اللہؐ" ارشاد ہوا کہ "سوار ہو جاؤ" وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تو فرمایا کہ "اس گھاٹی کے اوپر چڑھ جاؤ، آپ نماز فجر کے لئے اٹھے تو صحابہ سے فرمایا کہ " تمھیں اپنے شہ سوار کی بھی خبر ہے"؟ صحابہ نے عرض کی "ہمیں تو کچھ خبر نہیں" جماعت قائم ہوئی تو آپ نماز پڑھاتے جاتے تھے اور مڑ مڑ کے گھاٹی کی طرف دیکھتے جاتے تھے، نماز ادا کر چکے تو فرمایا "لو مبارک تمھارا شہ سوار آ گیا، صحابۂ کرامؓ نے گھاٹی کے درختوں کے درمیان سے دیکھا تو وہ آ پہنچے اور خدمت مبارک میں حاضر ہو کر سلام کیا اور کہا کہ میں گھاٹی کے بلند ترین حصے پر جہاں آپ نے مامور فرمایا تھا چڑھ گیا، صبح کو دونوں گھاٹیاں بھی دیکھیں تو ایک متنفس بھی نظر نہ آیا، آپ

[1] مسلم کتاب الایمان باب مالقی اللہ من الایمان و ہو غیر شاک فیہ دخل الجنۃ وحرم علی النار

[2] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء من الدم۔

نے فرمایا ''کبھی نیچے بھی اترے تھے''؟ بولے ''صرف نماز اور قضائے حاجت کے لئے، ارشاد ہوا ''تم کو جنت مل چکی، اس کے بعد اگر کوئی عمل نہ کرو تو کوئی ہرج نہیں'' [1]

ایک غزوۂ میں صحابۂ کرامؓ نے ایک ٹیلے پر قیام فرمایا، اس شدت سے سردی پڑی کہ بعض لوگوں نے زمین میں گڑھا کھودا اور اس کے اندر گھس کر اوپر سے ڈھال ڈال لی آپ نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ ''آج کی شب میری حفاظت کون کرے گا؟ میں اس کو دعا دوں گا،، ایک انصاری نے کہا کہ ''میں یارسول اللہؐ'' آپ نے قریب بلا کران کا نام پوچھا اور دیر تک دعا دیتے رہے، حضرت ابوریحانہؓ نے یہ دعا سنی تو کہا کہ ''میں دوسرا نگہبان بنوں گا'' آپ نے قریب بلا کر نام پوچھا اور ان کو بھی دعا دی۔ [2]

غزوۂ بدر میں جب آپ نے کفار کے مقابلے کے لئے صحابۂ کرامؓ کو طلب کیا تو حضرت مقدادؓ بولے ''ہم وہ نہیں ہیں جو موسیٰ کی قوم کی طرح کہہ دیں،

فاذهب انت وربک فقاتلا

تم اور تمھارا خدا دونوں جاؤ اور لڑو۔

بلکہ ہم آپ کے دائیں سے بائیں سے آگے سے پیچھے سے لڑیں گے'' آپ نے یہ جان نثارانہ فقرے سنے تو چہرۂ مبارک فرطِ مسرت سے چمک اٹھا، [3]

صحابۂ کرامؓ کے جاں نثارانہ جذبات کا ظہور سب سے زیادہ غزوۂ احد میں ہوا، چنانچہ اس غزوہ میں کسی مقام پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف نو صحابہ جن میں سات انصاری اور دو قریشی تھے، (یعنی حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ) رہ گئے اس حالت میں کفار آپ پر دفعۃً ٹوٹ پڑے تو آپ نے ان جانثاروں کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ ان اشقیا کو کون میرے پاس سے ہٹا سکتا ہے؟ ایک انصاری فوراً آگے بڑھے اور لڑ کر آپ پر قربان ہو گئے اسی طرح کفار برابر آپ پر حملہ کرتے جاتے اور آپؐ بار بار پکارتے جاتے تھے اور ایک ایک انصاری بڑھ کر آپؐ پر اپنی

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی فضل الحرس فی سبیل اللہ عزوجل

[2] مسند ابن حنبل جلد ۴ صہ ۱۳۴

[3] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ بدر۔

جان قربان کرتا جاتا تھا، یہاں تک کہ ساتوں بزرگ شہید ہو گئے۔ [1] حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ کی جانثاری کا وقت آیا تو حضرت سعدؓ کے سامنے آپ نے خود اپنا ترکش بکھیر دیا اور فرمایا کہ ''تیر پھینکو، میرے ماں باپ تم پر قربان'' حضرت ابوطلحہؓ تیر لیکر آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور تیر چلانے لگے اور اس شدت سے تیراندازی کی کہ دو تین کمانیں ٹوٹ گئیں اگر آپ گردن اٹھا کر کفار کی طرف دیکھتے تھے تو وہ کہتے تھے ''میرے ماں باپ آپ پر قربان یوں گردن اٹھا کر نہ دیکھئے، مبادا کوئی تیر نہ لگ جائے میرا سینہ آپ کے سینہ کے سامنے ہے''۔ [2]

اس غزوہ میں حضرت شماسؓ بن عثمان کی جاں نثاری کا یہ حال تھا کہ رسول اللہ ﷺ دائیں بائیں جس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تھے ان کو تلوار چمکتی ہوئی نظر آتی تھی، آپ پر غشی طاری ہوئی تو انہوں نے اپنے آپ کو آپ کی سپر بنالیا، یہاں تک کہ اسی حالت میں شہید ہوئے۔ [3]

اسی غزوہ میں آپ نے ایک صحابی کو حضرت سعد بنؓ ربیع انصاری کی تلاش میں روانہ فرمایا وہ لاشوں کے درمیان ان کو ڈھونڈنے لگے تو حضرت سعدؓ بن ربیع خود بول اٹھے ''کیا کام ہے'' جواب دیا کہ ''رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمھارا ہی پتہ لگانے کے لئے بھیجا ہے'' بولے ''جاؤ'' آپ کی خدمت میں میرا اسلام عرض کر دو اور کہو کہ مجھے نیزے کے بارہ زخم لگے ہیں اور اپنے قبیلہ میں اعلان کر دو کہ اگر رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے اور ان میں کا ایک متنفس بھی زندہ رہا تو خدا کے نزدیک ان کا کوئی عذر قابل سماعت نہ ہوگا''۔ [4]

نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی آپ کی جان نثاری کی آرزو رکھتی تھیں، حضرت طلیب بن عمیرؓ اسلام لائے اور اپنی ماں اروی بنت عبدالمطلب کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ ''تم نے جس شخص کی مدد کی وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا، اگر مردوں کی طرح ہم بھی استطاعت رکھتے تو آپ کی حفاظت کرتے اور آپ کی طرف سے لڑتے۔ [5]

---

1. صحیح مسلم باب غزوۂ احد
2. بخاری باب غزوۂ احد
3. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت شماس بن عثمانؓ
4. موطا امام مالک کتاب الجہاد باب الترغیب فی الجہاد
5. استیعاب تذکرہ حضرت طلیب بن عمیرؓ

خدمتِ رسولؐ:

صحابۂ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت کو اپنا سب سے بڑا شرف خیال کرتے تھے اس لئے متعدد بزرگوں نے اپنے آپ کو آپ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ حضرت بلالؓ نے ابتدائے بعثت ہی سے آپ کی خانہ داری کے تمام کاروبار کا انتظام اپنے ذمے لے لیا تھا اور اس کے لئے طرح طرح کی ذلتیں اور تکلیفیں برداشت کرتے تھے لیکن آپ کے شرفِ خدمت کا چھوڑنا کبھی گوارا نہیں کرتے تھے آپ کا معمول تھا کہ جب کوئی غریب مسلمان خدمت مبارک میں حاضر ہوتا اور اس کے بدن پر کپڑے نہ ہوتے تو آپ حضرت بلالؓ کو حکم دیتے اور وہ قرض دام لے کر اس کی خوراک ولباس کا انتظام کرتے ایک بار کسی مشرک سے اس غرض کے لئے قرض لیا۔ لیکن ایک دن اس نے دیکھا تو نہایت سخت لہجے میں کہا ''او حبشی تجھے معلوم ہے کہ اب مہینے میں کتنے دن رہ گئے ہیں؟ صرف چار دن، اسی عرصہ میں قرض وصول کرلوں گا ورنہ جس طرح تو پہلے بکریاں چرایا کرتا تھا اسی طرح بکریاں چرواؤں گا'' حضرت بلالؓ کو اس سے سخت رنج ہوا عشاء کے بعد آپؐ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ''مشرک نے مجھے یہ کچھ کہا ہے آپ کے پاس اور نیز میرے پاس قرض کے ادا کرنے کا کوئی سامان نہیں ہے اور وہ مجھے ذلیل کر رہا ہے، فرمایئے تو جب تک قرض نہ ادا ہو جائے مسلمان قبائل میں بھاگ کر پناہ لوں گھر واپس آئے تو بھاگنے کا تمام سامان بھی کرلیا، لیکن رزاق عالم نے صبح تک خود قرض کے ادا کرنے کا سامان کر دیا۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ شرف حاصل تھا کہ جب آپ کہیں جاتے تو وہ پہلے آپ کو جوتیاں پہنا تے پھر آگے آگے عصا لے کر چلتے، آپ مجلس میں بیٹھنا چاہتے تو آپ کے پاؤں سے جوتیاں نکالتے، پھر آپ کو عصا دیتے، آپ اٹھتے تو پھر اسی طرح جوتیاں پہناتے آگے آگے عصا لے کر چلتے اور حجرۂ مبارک تک پہنچا جاتے آپ نہاتے تو پردہ کرتے آپ سوتے تو بیدار کرتے آپ سفر میں جاتے تو آپ کا بچھونا، مسواک، جوتا اور وضو کا پانی ان کے ساتھ ہوتا، اس لئے وہ صاحب سوادرسول اللہ ﷺ یعنی آپ کے میر سامان کہے جاتے تھے۔[2]

حضرت ربیعہ اسلمیؓ بھی شب وروز آپ کی خدمت میں مصروف رہتے جب آپ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر کاشانۂ نبوت میں تشریف لے جاتے تو وہ دروازہ پر بیٹھ جاتے کہ مبادا

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین۔

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

آپ کو کوئی ضرورت پیش آ جائے۔ایک بار آپ نے ان کو تاہل اختیار کرنے کا مشورہ دیا بولے ''یہ تعلق آپ کی خدمت گزاری میں خلل انداز ہوگا،جس کو میں پسند نہیں کرتا'' لیکن آپ کے بار بار کے اصرار سے شادی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ [1]

حضرت عقبہ بن عامرؓ آپ کے مستقل خدمت گزار تھے،ان کا کام یہ تھا کہ سفر میں آپ کی اونٹنی کو ہانکتے ہوئے چلتے تھے۔ [2]

حضرت انسؓ بن مالکؓ کو بچپن ہی سے ان کی والدہ نے آپ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔

حضرت سلمیٰؓ ایک صحابیہ تھیں جنہوں نے اس استقلال کے ساتھ آپ کی خدمت کی کہ ان کو خادمۂ رسول اللہ ﷺ کا لقب حاصل ہوا۔ [3] حضرت سفینہؓ حضرت سلمیٰ کی والدہ کے غلام تھے انہوں نے ان کو اس شرط پر آزاد کرنا چاہا کہ وہ اپنی عمر آپ کی خدمت گذاری میں صرف کر دیں،انہوں نے کہا کہ ''اگر آپ یہ شرط نہ بھی کرتیں تب بھی میں تانفسِ واپسیں آپ کی خدمت سے علیحدہ نہ ہوتا'' [4]

ان بزرگوں کے علاوہ جو صحابہؓ اکثر آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ان کو بھی عموماً شرف خدمت حاصل ہوتا رہتا تھا ایک بار آپ رفع حاجت کے لئے بیٹھے تو حضرت عمرؓ آپ کے پیچھے پانی کا کوزہ لے کر کھڑے رہے،آپ نے پوچھا کہ'' عمر! کیا ہے،،؟ بولے کہ'' وضو کا پانی'' فرمایا کہ''ہر وقت اس کی ضرورت نہیں'' [5]

حضرت ابو ہریرہؓ کو جو ہمیشہ خدمتِ مبارک میں حاضر رہتے تھے اکثر یہ شرف حاصل ہوتا کہ جب آپ رفع ضرورت کے لئے تشریف لے جاتے تو وہ کسی طشت یا کوزہ میں پانی لاتے اور آپ وضو کرتے۔ [6]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۵۸،۵۹

[2] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ابواب شہر رمضان باب فی المعوذتین

[3] ابوداؤد کتاب الطب باب الحجامۃ

[4] ابوداؤد کتاب العتق باب العتق علی الشرط۔

[5] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی الاستبراء

[6] ایضاً کتاب الطہارۃ باب الرجل یدلک یدہ الارض اذا استنجیٰ

ایک بار حضرت حسینؓ نے آپ کی گود میں پیشاب کر دیا، حضرت لبابہؓ نے کہا کہ ''آپ دوسرا کپڑا پہن لیں اور اپنا تہ بند مجھے عنایت فرمائیں کہ میں دھلاؤں'' ارشاد ہوا کہ بچے کے پیشاب پر صرف پانی چھڑک دینا کافی ہے''

حضرت ابوالسمحؓ ہمیشہ آپ کی خدمت میں مصروف رہتے تھے چنانچہ جب آپ غسل فرماتے تو وہ پیٹھ پھیر کر کھڑے ہو جاتے اور آپ ان کی آڑ میں نہا لیتے ایک بار امام حسن یا حسین رضی اللہ عنہما نے آپ کے سینے پر پیشاب کر دیا، انہوں نے سینہ مبارک کو دھونا چاہا، لیکن آپ نے فرمایا کہ لڑکے کے پیشاب پر صرف پانی چھڑک دینا چاہیئے۔ [1]

جب آپ نے حجتہ الوداع میں رمی جمرہ کرنا چاہی تو خدام بارگاہ میں حضرت اسامہؓ اور حضرت بلالؓ ساتھ ساتھ تھے ایک کے ہاتھ میں ناقہ کی نکیل تھی اور دوسرے بزرگ آپ کے سر پر اپنا کپڑا تانے ہوئے چلتے تھے کہ آفتاب کی شعاعیں چہرۂ مبارک کو گرم نگاہوں سے نہ دیکھنے پائیں۔ [2]

محبت رسولؐ:

حدیث شریف میں ہے:

لا یو من احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین،

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک میں تم کو تمھارے باپ، لڑکے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں تم لوگ مومن نہیں کہے جا سکتے۔

اور صحابۂ کرامؓ کو ایمان کا یہی درجۂ کمال حاصل تھا، چنانچہ حضرت جابرؓ کے والد جب غزوۂ احد کی شرکت کے لئے روانہ ہونے لگے تو بیٹے سے کہا کہ میں ضرور شہید ہوں گا اور رسول اللہ ﷺ کے سوا مجھ کو تم سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے، تم میرا قرض ادا کرنا اور اپنے بھائیوں کے ساتھ سلوک کرنا، [3] اس کے علاوہ صحابۂ کرامؓ اور بھی مختلف طریقوں سے آپ کی محبت کا اظہار کرتے تھے۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب بول الصبی یصیب الثوب

[2] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی المحرم یظلل

[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن حرام

ایک بار ایک صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے؛ جوش محبت میں آپ کی قمیص الٹ دی اس کے اندر گھس گئے آپ کو چوما اور آپ سے لپٹ گئے۔ [1]

حضرت اسید بن حضیرؓ ایک شگفتہ مزاج صحابی تھے ایک روز وہ ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے کہ آپ نے ان کے پہلو میں ایک چھڑی سے کونچ دیا، انہوں نے اس کا انتقام لینا چاہا آپ اس پر راضی ہو گئے، لیکن انہوں نے کہا کہ "آپ کے بدن پر قمیص ہے حالانکہ میں برہنہ تھا" آپ نے قمیص بھی اٹھا دی، قمیص کا اٹھانا تھا کہ وہ آپ سے لپٹ گئے، پہلو چومے اور کہا "یا رسول اللہ ﷺ یہی مقصود تھا"۔

جب آپ کی خدمت میں وفد عبدالقیس حاضر ہوا تو سواری سے اترنے کے ساتھ ہی سب کے سب دوڑے اور آپ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا، [2] حضرت کردمؓ نے حجۃ الوداع میں آپ کی زیارت کی تو آپ کے قدم چومے اور آپ کی رسالت کا اقرار کیا اور آپ کی باتیں سنتے رہے۔ [3] حضرت زاہرؓ ایک بدوی صحابی تھے جو رسول اللہ ﷺ سے نہایت محبت رکھتے تھے اور آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے، آپ بھی ان سے محبت رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ "زاہر ہمارے بدوی ہیں اور ہم ان کے شہری ہیں" ایک دن وہ اپنا سودا فروخت کر رہے تھے۔ آپ نے پیچھے سے آ کر ان کو گود میں لے لیا، انہوں نے کہا "کون ہے چھوڑ دو" لیکن مڑ کر دیکھا اور معلوم ہوا کہ آپ ہیں تو اپنی پشت کو بار بار آپ کے سینہ سے چمٹاتے تھے اور تسکین نہیں ہوتی تھی۔ [4]

عرب میں یہ خیال تھا کہ اگر کسی کے پاؤں سو جائیں اور وہ اپنے محبوب کو یاد کرے تو یہ کیفیت زائل ہو جاتی ہے، ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاؤں سو گئے تو کسی نے کہا "اپنے محبوب کو یاد کرلو" بولے "یا محمدؐ" [5]

حضرت ام عطیہؓ ایک صحابیہ تھیں وہ جب آپ کا ذکر کرتیں تو فرط مسرت سے کہتیں

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب مالا یجوز منعہ

[2] ابوداؤد کتاب الادب باب فی قبلۃ الجسد

[3] ایضاً کتاب النکاح باب فی تزویج لم یولد

[4] شمائل ترمذی باب ماجاء فی صفۃ مزاح رسول اللہؐ

[5] الادب المفرد باب مایقول الرجل اذا خدرت رجلہ

''بابا''یعنی میرے باپ آپ پر قربان۔ [1]

عزت اور محبت کی وجہ سے صحابۂ کرامؓ آپ کے آرام اور آسائش کا نہایت خیال رکھتے تھے اور آپ کی کسی قسم کی تکلیف گوارا نہیں کرتے تھے،

آپ ایک سفر میں تھے جس میں ایک صحابی نہایت اہتمام کے ساتھ آپ کے لئے پانی ٹھنڈا کرتے تھے۔ [2]

ایک عورت تھی جو ہمیشہ مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی، اس کا انتقال ہو گیا تو صحابۂ کرامؓ نے اس کو دفن کر دیا اور آپ کو اطلاع نہ دی آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں خبر کی؟ بولے'' حضور روزے سے تھے اور قیلولہ فرما رہے تھے، ہم نے تکلیف دینا گوارا نہ کیا'' اسی طرح ایک اور صحابیؓ کا انتقال ہو گیا تو صحابۂ کرامؓ نے آپ کو خبر نہ کی اور کہا کہ'' اندھیری رات تھی حضور کو زحمت ہوتی''۔ [3]

آپ کو جو چیز محبوب ہوتی وہ آپ کی محبت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کو بھی محبوب ہو جاتی کدو آپ کو بہت مرغوب تھا، اس لئے حضرت انسؓ بن مالک بھی اس کو نہایت پسند فرماتے تھے چنانچہ ایک روز کدو کھا رہے تھے تو خود بخود بول اٹھے'' اے درخت اس بناء پر کہ رسول اللہ ﷺ کو تجھ سے محبت تھی، تو مجھے کس قدر محبوب ہے''۔ [4]

آپ کی محبت نے صحابۂ کرامؓ کے نزدیک آپ کی ہر چیز کو محبوب بنا دیا تھا، آپ کا معمول تھا کہ ہر کام کی ابتداء داہنے جانب سے فرماتے تھے، ایک بار حضرت میمونہؓ کے گھر میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ آپ کے دائیں اور حضرت خالد بن ولیدؓ بائیں جانب بیٹھے ہوئے تھے۔

حضرت میمونہؓ دودھ لائیں تو آپ نے پی کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے فرمایا کہ حق تو تمھارا ہے لیکن اگر ایثار کرو تو خالد کو دے سکتے ہو بولے کہ'' میں آپ کا جھوٹا کسی کو نہیں دے سکتا''۔ [5]

---

1. نسائی کتاب الحیض باب شہود الحائض العیدین ودعوۃ المسلمین
2. کتاب الزہد باب حدیث جابر الطویل
3. سنن ابن ماجہ باب کتاب الجنائز باب ماجاء فی الصلوۃ علی القبر
4. ترمذی کتاب الاطمعہ باب ماجاء فی اکل الدباء
5. ترمذی ابواب الدعوات باب مایقول اذا اکل طعاما

ایک مرتبہ آپ نے پانی یا دودھ پی کر حضرت ام ہانیؓ کو عنایت فرمایا، بولیں "میں اگر چہ روزے سے ہوں لیکن آپ کا جھوٹا واپس کرنا پسند نہیں کرتی،،[1]

ایک بار ایک صحابی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے آپ کھانا کھا رہے تھے، ان کو بھی شریک کرنا چاہا وہ روزے سے تھے اس لئے ان کو افسوس ہوا کہ ہائے رسول اللہ ﷺ کا کھانا نہ کھایا[2]

محبت کی وجہ سے آپ کو رنج ہوتا تو تمام صحابہؓ کو بھی رنج ہوتا آپ کو خوشی ہوتی تو تمام صحابہؓ بھی اس میں شریک ہوتے آپ نے ایک مہینے کے لئے ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کر لی تو تمام صحابہؓ نے مسجد میں آ کر گریہ وزاری شروع کر دی۔[3]

آپ نے جب مرض الموت میں حضرت ابوبکرؓ کو امام بنانا چاہا تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ وہ رقیق القلب آدمی ہیں جب آپ کو نہ دیکھیں گے تو خود روئیں گے اور تمام صحابہ بھی۔[4]

حضرت عمروؓ بن الجموح ایک فیاض صحابی تھے ان کو آپ سے اس قدر محبت تھی کہ جب آپ نکاح کرتے تو وہ آپ کی جانب سے دعوت ولیمہ کرتے۔[5]

آپ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو صحابیات فرط محبت سے آپ کی واپسی اور سلامتی کے لئے نذریں مانتی تھیں۔ ایک بار آپ کسی غزوہ سے واپس آئے تو ایک صحابیہ (جاریۃ سودۃ) نے کہا "یا رسول اللہ ﷺ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا آپ کو صحیح وسالم واپس لائے گا، تو آپ کے سامنے دف بجا بجا کے گاؤں گی"[6]

آپ عموماً فقر وفاقہ کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے سامنے آپ کی خانگی زندگی کا یہ منظر آ جاتا تو فرطِ محبت سے آبدیدہ ہو جاتے، ایک بار حضرت عمرؓ کا شانہ نبوت میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ آپ چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں جس پر کوئی بستر نہیں ہے جسم مبارک پر تہ

---

1. مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۴۳
2. سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب عرض الطعام
3. مسلم کتاب الرضاع باب فی الایلاء واعتزال النساء
4. سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی صلوٰۃ الرسول ﷺ فی مرضہ
5. اصابہ جلد ۴ ص ۲۹۶ تذکرہ حضرت عمرو بن الجموحؓ۔
6. ترمذی کتاب المناقب ابی الحفص عمر بن الخطاب۔

بند کے سوا کچھ بھی نہیں، پہلو میں بدھیاں پڑ گئی ہیں، توشہ خانہ میں مٹھی بھر جو کے سوا اور کچھ نہیں، آنکھوں سے بیساختہ آنسو نکل آئے، ارشاد ہوا کہ "عمرؓ کیوں روتے ہو،،؟ بولے "کیوں نہ روؤں آپ کی یہ حالت ہے اور قیصر و کسریٰ دنیا کے مزے اڑا رہے ہیں" فرمایا "کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ ہمارے لئے آخرت اور ان کے لئے دنیا ہو"۔[1]

آپ کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ کو جب آپ کی یہ حالت یاد آتی تھی تو آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے تھے۔ایک بار حضرت ابو ہریرہؓ کے سامنے چپاتیاں آئیں تو دیکھ کر رو پڑے کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے کبھی چپاتی نہیں دیکھی۔[2]

ایک دن حضرت عبدالرحمن بنؓ عوف نے اپنے دوستوں کو گوشت روٹی کھلایا تو رو پڑے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال بھی ہو گیا اور آپ نے پیٹ بھر کر جو کی روٹی کبھی نہیں کھائی[3]

اگر آپ کسی چیز سے متمتع نہ ہو سکتے تو صحابہ کرامؓ اس سے متمتع ہونا پسند نہ کرتے آپ کا وصال ہوا تو آپ کے کفن کے لئے ایک حُلہّ خریدا گیا لیکن بعد کو آپ دوسرے کپڑوں میں کفنائے گئے اور یہ حُلہّ حضرت عبداللہ بنؓ ابی بکر نے اس خیال سے لے لیا کہ اس کو اپنے کفن کے لئے محفوظ رکھیں گے لیکن پھر کہا کہ "جب خدا کی مرضی نہ ہوئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کا کفن ہو تو میرا کیوں ہو" یہ کہہ کے اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت صدقہ کر دی۔[4]

غزوہ تبوک سخت گرمیوں کے زمانہ میں واقع ہوا تھا، حضرت ابو خثیمہؓ ایک صحابی تھے جو اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے تھے ایک دن وہ گھر میں آئے تو دیکھا کہ بیبیوں نے ان کی آسائش کیلئے نہایت سامان کیا ہے، بالا خانے پر چھڑکاؤ کیا ہے، پانی سرد کیا ہے، عمدہ کھانا تیار کیا ہے لیکن وہ یہ تمام سامان عیش دیکھ کر بولے، "رسول اللہ ﷺ اس لو اور اس گرمی میں کھلے ہوئے میدان میں ہوں اور ابو خثیمہ سایہ، سرد پانی، عمدہ غذا اور خوبصورت عورتوں کے ساتھ لطف اٹھائے خدا کی قسم یہ انصاف نہیں ہے میں ہرگز بالا خانہ پر نہ آؤں گا، چنانچہ اسی وقت زادراہ لیا اور تبوک کی طرف روانہ ہو گئے۔[5]

---

1. مسلم کتاب الرضاع باب فی الایلاء واعتزال النساء وتخییرھن
2. سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب الرقاق
3. سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب الرقاق
4. شمائل ترمذی باب ماجاء عیش النبی ﷺ
5. مسلم کتاب الجنائز باب فی کفن المیت۔

وصال کے بعد آپ یاد آتے تو صحابہ بے اختیار رو پڑتے ایک دن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا ''جمعرات کا دن اور جمعرات کا دن کس قدر سخت تھا اس کے بعد اس قدر روئے کہ زمین کی کنکریاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ حضرت سعید بن جبیرؓ نے پوچھا ''جمعرات کا دن کیا؟'' بولے ''اسی دن آپ کے مرض الموت میں اشتداد ہوا تھا [1]''۔

آپؐ کی مبارک صحبتوں کی یاد آتی تو صحابہ کرامؓ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے، ایک بار حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عباسؓ انصار کی ایک مجلس میں گئے تو دیکھا کہ سب لوگ رو رہے ہیں، سبب پوچھا تو بولے کہ ہم کو آپ کی مجلس [2] یاد آ گئی'' حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ آپ کی بیماری کے زمانہ کا ہے جس میں انصار کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر اس مرض میں آپ کا وصال ہوا تو پھر آپ کی مجلس میسر نہ ہوگی، اس لئے وہ اس غم میں رو پڑے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ فرماتے تھے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ [3]

اہل بیت اور رسول اللہ ﷺ کے اعزہ و اقارب کی عزت و محبت:

رسول اللہ ﷺ کے تعلق سے صحابہ کرامؓ اہل بیت کی بھی نہایت عزت و محبت کرتے تھے ایک بار امام باقر حضرت جابر بن عبداللہؓ کی خدمت میں حجۃ الوداع کی کیفیت پوچھنے کی غرض سے حاضر ہوئے اس وقت اگرچہ وہ طالب العلمانہ اور نیاز مندانہ حیثیت سے آئے تھے۔ تاہم حضرت جابر بن عبداللہؓ نے نہایت تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ پہلے ان کے سر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ان کے اوپر اور نیچے کے تکمے کھولے سینے پر ہاتھ رکھا اور مرحبا کہا پھر اصل مسئلہ پر گفتگو کرنے کی اجازت دی۔ [4]

ایک بار ایک عراقی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ'' مچھر کا خون جو کپڑے پر

---

[1] مسلم کتاب الوصیۃ باب ترک الوصیۃ لمن لیس لہٗ شئی یوصی فیہ

[2] بخاری کتاب المناقب باب قول النبی ﷺ اقبلوا من محسنھم وتجاوزوا عن مسیئھم

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

[4] ابوداؤد کتاب المناسک باب صفۃ حجۃ النبی

لگ جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے،،؟ بولے"ان کو دیکھو رسول اللہ ﷺ کے نواسے کو تو شہید کر ڈالا اور مچھر کے خون کا سوال کرتے ہیں"۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے چند روز بعد ایک دن حضرت ابوبکرؓ ایک راستے سے گزرے دیکھا کہ حضرت حسن علیہ السلام کھیل رہے ہیں اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھ لیا، اور یہ شعر پڑھا۔

وابا بی شبه النبی لیس شبیها بالعلی

میرا باپ تم پر قربان کہ رسول اللہ ﷺ کے ہمشکل ہو، علیؓ کے متشابہ نہیں، حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے، وہ ہنس پڑے۔[2]

ایک دن حضرت ابوہریرہؓ امام حسن علیہ السلام سے ملے اور کہا کہ "ذرا پیٹ کھولئے جہاں رسول اللہ ﷺ نے بوسہ دیا تھا وہیں میں بھی بوسہ دوں گا" چنانچہ انہوں نے پیٹ کھولا اور انہوں نے وہیں بوسہ دیا۔[3]

ایک بار بہت سے لوگ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے، اتفاق سے حضرت امام حسین علیہ السلام آ نکلے اور سلام کیا سب نے سلام کا جواب دیا، لیکن حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ خاموش رہے۔ جب سب چپ ہوئے تو بآواز بلند کہا "السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ" یہ کہہ کر سب کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "میں تمھیں بتاؤں کہ زمین کے رہنے والوں میں آسمان والوں کو سب سے محبوب شخص کون ہے؟ یہی جو جا رہا ہے، جنگ صفین کے بعد سے انہوں نے مجھ سے بات چیت نہیں کی، اگر وہ مجھ سے راضی ہو جائیں تو یہ مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے"[4]

حضرت ابوالطفیلؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بہت بڑے حامی تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے انتقال کے بعد ایک بار حضرت امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا کہ تمھارے دوست ابوالحسن کے غم میں تمھارا کیا حال ہے،،؟ بولے "موسیٰ کے غم میں جو حال ان کی ماں کا تھا"[5]

حضرت فاطمہؓ نے جب حضرت ابوبکرؓ سے رسول اللہ ﷺ کی وراثت کا مطالبہ کیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ ﷺ کی قرابت کے حقوق جتائے تو حضرت ابوبکرؓ نے اس

---

[1] ترمذی کتاب المناقب الحسن والحسینؓ

[2] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۸

[3] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۴۲۷۔

[4] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاصؓ

[5] استیعاب تذکرہ حضرت ابوالطفیلؓ

موقع پر جو تقریر کی اس میں خاص طور پر اہلِ بیت کی محبت کا اظہار فرمایا اور کہا کہ ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، رسول اللہ ﷺ کی قرابت کے حقوق کا لحاظ مجھے اپنی قرابت سے زیادہ ہے'' اور لوگوں کو بھی ان کے حقوق کے لحاظ رکھنے کا حکم دیا۔[1]

ایک بار حضرت عباسؓ نے ایک معاملہ میں حضرت عمرؓ سے اصرار کیا اور کہا ''یا امیر المومنین اگر موسیٰ کے چچا آپ کے پاس مسلمان ہوکر آتے تو آپ کیا کرتے،،؟ بولے ''ان کے ساتھ سلوک کرتا،، حضرت عباسؓ نے کہا ''تو پھر میں رسول اللہ ﷺ کا چچا ہوں'' بولے ''اے ابوالفضل آپ کی کیا رائے ہے؟ خدا کی قسم آپ کے باپ مجھے اپنے باپ سے زیادہ محبوب ہیں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو میرے باپ سے زیادہ محبوب تھے اور میں رسول اللہ کی محبت کو اپنی محبت پر ترجیح دیتا ہوں،،

حضرت عباسؓ کا انتقال ہوا تو بنو ہاشم نے الگ اور حضرت عثمانؓ نے الگ انصار کی تمام آبادیوں میں اس کا اعلان کروادیا، لوگ اس کثرت سے جمع ہوئے کہ کوئی شخص تابوت کے پاس نہیں جا سکتا تھا، خود بنو ہاشم کو لوگوں نے اس طرح گھیر لیا کہ حضرت عثمانؓ نے پولیس کے ذریعہ سے ان کو ہٹایا۔[2] عرب میں جب قحط پڑتا تھا تو حضرت عمرؓ ان کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگتے تھے اور کہتے تھے کہ ''خداوندا ہم پہلے اپنے پیغمبر کو وسیلہ بناتے تھے اور تو پانی برساتا تھا اور اب اپنے پیغمبر کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں، ہمارے لئے پانی برسا۔''[3]

ایک بار حضرت عمرؓ نے شفاء بنت عبداللہ العدویہ کو بلا بھیجا، وہ آئیں تو دیکھا کہ عاتکہ بنت اسید پہلے سے موجود ہیں۔ کچھ دیر کے بعد حضرت عمرؓ نے دونوں کو ایک ایک چادر دی لیکن شفاء کی چادکم درجہ کی تھی اس لئے انہوں نے کہا کہ ''میں عاتکہ سے زیادہ قدیم الاسلام اور آپ کی چچا زاد بہن ہوں، آپ نے مجھے خاص اس غرض کے لئے بلایا تھا اور عاتکہ تو یوں ہی آ گئی تھیں'' بولے ''میں نے یہ چادر تمہارے ہی دینے کے لئے رکھی تھی لیکن جب عاتکہ آ گئیں تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی قرابت کا لحاظ کرنا پڑا۔''[4]

حضرت ہندؓ بن ابی ہالہ حضرت خدیجہؓ کے بیٹے تھے، صرف اتنے تعلق سے کہ رسول اللہ

---

[1] بخاری کتاب المناقب مناقب قرابۃ رسول اللہ ﷺ۔

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عباسؓ

[3] بخاری کتاب المناقب ذکر عباس بن عبدالمطلبؓ

[4] اصابہ تذکرہ عاتکہؓ بنت اسید

ﷺ نے ان کی پرورش فرمائی تھی جب ان کے بیٹے کا بصرے میں بمرض طاعون انتقال ہوا تو پہلے ان کا جنازہ نہایت کسمپرسی کی حالت میں اٹھایا گیا، لیکن اس حالت کو دیکھ کر ایک عورت نے پکارا واھند بن ھنداہ وابن ربیب رسول اللّٰہ یہ سننا تھا کہ لوگ اپنے مردوں کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر ان کے جنازے میں شریک ہو گئے۔ [1]

قبیلہ بنو زہرہ میں چونکہ رسول اللہ ﷺ کی نانہال تھی، اسلئے حضرت عائشہؓ اس قبیلہ کے پاس خاطر کا نہایت لحاظ کرتی تھیں چنانچہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہوئیں تو انہوں نے اسی قبیلہ کے چند بزرگوں کو شفیع بنایا۔ [2]

رسول اللہ ﷺ کے دوستوں کی عزت اور محبت:

رسول اللہ ﷺ جن لوگوں سے محبت رکھتے تھے صحابہ کرامؓ بھی ان کی نہایت توقیر و عزت کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت اسامہؓ کا عطیہ ساڑھے تین ہزار اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تین ہزار مقرر فرمایا انہوں نے اعتراض کیا کہ ''آپ نے اسامہؓ کو مجھ پر کیوں ترجیح دی وہ تو کسی جنگ میں مجھ سے آگے نہیں رہے،،؟ بولے ''زید تمھارے باپ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو محبوب تھے اور آپ اسامہؓ کی محبت تم سے زیادہ کرتے تھے، اس لئے میں نے اپنے محبوب پر رسول اللہ ﷺ کے محبوب کو ترجیح دی۔ [3]

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا کہ ایک شخص مسجد کے گوشے میں دامن گھسیٹتا ہوا پھر رہا ہے، بولے یہ کون شخص ہے؟ ایک آدمی نے کہا ''آپ ان کو نہیں پہچانتے یہ محمد بن مسلمہ ہیں'' حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ سن کر گردن نیچے جھکالی اور زمین پر ہاتھ مار کر کہا ''اگر رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھتے تو ان سے محبت [4] کرتے،،

صحابہ کرامؓ نہ صرف آپ کے دوستوں کی عزت کرتے تھے بلکہ آپ نے جن غلاموں کو آزاد کر کے اپنا مولیٰ بنالیا تھا، ان کے ساتھ بھی نہایت لطف و مدارات کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ایک بار آپ نے فرمایا کہ ''جن غلاموں کے ناک کان کاٹ لئے گئے ہیں یا ان کو جلا دیا گیا ہے وہ

[1] استیعاب تذکرہ ہندؓ بن ابی ہالہ

[2] بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش۔

[3] ترمذی کتاب المناقب مناقب زید بن حارثہؓ

[4] بخاری کتاب المناقب ذکر اسامہ بن زیدؓ

آزاد ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے مولی ہیں" لوگ یہ سن کر ایک خواجہ سرا کو لائے۔ جس کا نام سندر تھا، آپ نے اس کو آزاد کر دیا۔ آپ کی وفات کے بعد وہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں آتا تو دونوں بزرگ اس کے ساتھ عمدہ سلوک کرتے اس نے ایک بار مصر جانا چاہا تو حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو خط لکھ دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے موافق اس کے ساتھ عمدہ سلوک کرنا۔ [1]

شوق زیارت رسولؐ:

صحابہ کرامؓ کے دل رسول اللہ ﷺ کے شوق زیارت سے لبریز تھے۔ اس لئے جب زیارت کا وقت قریب آتا تو یہ جذبہ اور بھی ابھر جاتا اور اس کا اظہار مقدس نغمہ سنجیوں کی صورت میں ہوتا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جب اپنے رفقاء کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچے تو سب کے سب ہم آہنگ ہو کر زبان شوق سے یہ رجز پڑھنے لگے۔

غدا نلقى الا حبه محمد او حزبه

"ہم کل اپنے دوستوں یعنی محمدؐ اور ان کے گروہ سے ملیں گے" [2]

مصافحہ کی رسم سب سے پہلے ان ہی لوگوں نے ایجاد کی جو اظہار شوق و محبت کا ایک لطیف ذریعہ ہے۔

دربار نبوت کی غیر حاضری صحابہؓ کے نزدیک بڑا جرم تھا، ایک دن حذیفہ کی والدہ نے پوچھا کہ "تم نے کب سے رسول اللہ ﷺ کی زیارت نہیں کی"؟ بولے "اتنے دنوں سے" اس پر انہوں نے ان کو برا بھلا کہا، تو بولے کہ "مجھے آپ کی خدمت میں جانے دو تا کہ آپ کے ساتھ مغرب پڑھوں اور اپنے اور تمھارے لئے استغفار کی درخواست کروں" [3]

آپ کے وصال کے بعد یہی شوق تھا جو صحابہ کرامؓ کو آپ کے مزار کی طرف کھینچ لاتا

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۲۲۵ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اس کی اور اس کے اہل و عیال کی بیت المال سے کفالت کرتے تھے اور حضرت عمرؓ نے گورنر مصر کو لکھا تھا کہ اس کو کچھ زمین دے دی جائے لیکن اس روایت میں اس کے نام کی تصریح نہیں ہے ممکن ہے کہ یہ دوسرا غلام ہو جلد ۲ ص ۸۲

[2] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۲۲۳

[3] ترمذی کتاب المناقب وفضائل الحسنؓ والحسینؓ

تھا ایک بار حضرت ابو ایوب انصاریؓ آئے اور مزار پاک پر اپنے رخسار رکھ دیئے۔ مروان نے دیکھا تو کہا'' کچھ خبر ہے یہ کیا کرتے ہو،،؟ بولے'' میں اینٹ پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ [1]

شوق دیدار رسولؐ:

رسول اللہ ﷺ کا دیدار ازدیاد ایمان کا باعث ہوتا تھا، اس بناء پر صحابہ کرامؓ اس کے نہایت مشتاق رہتے تھے جب آپؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو تشنگان دیدار میں جن لوگوں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا وہ آپ کو پہچان نہ سکے لیکن جب دھوپ آئی اور حضرت ابوبکرؓ نے آپ کے اوپر اپنی چادر کا سایہ کیا تو سب نے اس سایہ میں آفتاب نبوت کے دیدار سے اپنا ایمان تازہ کیا۔ [2]

حجتہ الوداع میں مشتاقان دیدار نے آفتاب نبوت کو ہالے کی طرح اپنے حلقے میں لے لیا، بدو آ آ کر شربت دیدار سے سیراب ہوتے تھے اور کہتے تھے'' یہ مبارک چہرہ ہے۔ [3]

آپ نے مرض الموت کے زمانہ میں جب پردہ اٹھا کر جھانکا اور صحابہ کرام کی نماز کی حالت ملاحظہ فرما کر مسکرائے تو اس آخری دیدار سے صحابہ کرامؓ پر مسرت کی وہ کیفیت طاری ہوئی کہ خشوع نماز میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو گیا حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔

کان وجهه ورقة مصحف ما راينا منظرا كان
اعجب الينا من وجه النبی ﷺ حين وضح لنا۔ [4]

آپ کا چہرہ قرآن کے ورق کی طرح صاف تھا ہم نے کوئی ایسا خوشگوار منظر نہیں دیکھا جیسا اس وقت نظر آیا۔ جب آپ کا چہرہ مبارک نمایاں ہوا۔

بعض صحابہ کو آنکھیں صرف اس لئے عزیز تھیں کہ ان کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کا دیدار ہوتا تھا، لیکن جب خدا نے ان کو اس شرف سے محروم کر دیا تو وہ آنکھوں سے بھی بے نیاز ہو گئے۔

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۴۲۲

[2] بخاری باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصحابہ الی المدینہ۔

[3] ابوداؤد کتاب المناسک باب المواقیت

[4] بخاری کتاب الصلوۃ باب اہل العلم والفضل احق بالامامتہ۔

ایک صحابی کی آنکھیں جاتی رہیں لوگ عیادت کو آئے تو انہوں نے کہا کہ ''ان سے مقصود تو صرف رسول اللہ ﷺ کا دیدار تھا۔ لیکن جب آپؐ کا وصال ہو گیا تو اگر میرے عوض تبادلہ کی ہرنیاں اندھی ہو جائیں اور میری بینائی لوٹ آئے تب بھی مجھے پسند نہیں۔[1]

شوق صحبت رسول :

رسول اللہ ﷺ کا فیض صحبت ایک ایسی دولت جاودانی تھ ،جس پر صحابہ کرامؓ ہر قسم کے دنیوی مال و متاع کو قربان کر دیتے تھے ایک بار آپ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے فرمایا کہ ''میں تمھیں ایک مہم پر بھیجنا چاہتا ہوں خدا مالِ غنیمت دے گا تو تم کو معتد بہ حصہ دوں گا'' بولے '' میں مال کے لئے مسلمان نہیں ہوا صرف اس لئے اسلام لایا ہوں کہ آپ کا فیض صحبت حاصل ہو'' [2]

جو صحابہ دنیوی تعلقات سے آزاد ہو جاتے تھے وہ صرف آستانہ نبوت سے وابستگی پیدا کر کے آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے، حضرت قیلہؓ بیوہ ہو گئیں تو بچوں کو ان کے چچا نے لے لیا، اب وہ تمام دنیوی جھگڑوں سے آزاد ہو کر ایک صحابی کے ساتھ خدمت مبارک میں حاضر ہوئیں اور آپ کی تعلیمات وتلقینات سے عمر بھر فائدہ اٹھاتی رہیں۔[3]

حضرت عمرؓ مدینہ سے کسی قدر دور مقام عالیہ میں رہتے تھے اس لئے روزانہ آپ کے فیض صحبت سے متمتع نہیں ہو سکتے تھے، تاہم یہ معمول کر لیا تھا کہ ایک روز خود آتے تھے اور دوسرے روز اپنے اسلامی بھائی حضرت عتبان بن مالکؓ کو بھیجتے تھے کہ آپ کی تعلیمات وارشادات سے محروم نہ رہنے پائیں۔[4]

دنیا میں آپ کے فیض صحبت سے سیری نہ ہوئی تو بعض صحابہؓ نے خواہش کی کہ آخرت میں بھی یہ دولتِ جاودانی نصیب ہو، حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ آپ کے خادم تھے اور ہمیشہ سفر وحضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے ایک بار آپ نے ان سے کہا کہ '' کچھ مانگو'' بولے کہ ''جنت میں آپ کی رفاقت'' ارشاد ہوا '' کچھ اور'' بولے ''صرف یہی ایک چیز'' فرمایا ''خوب نماز پڑھو تو یہ

---

1. الادب المفرد باب العیادۃ من الرمد
2. ایضاً باب المال الصالح للمرء الصالح
3. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت قیلہؓ
4. بخاری کتاب العلم باب التناوب فی العلم، لیکن روایت میں حضرت عتبانؓ بن مالک کا نام تصریح مذکور نہیں۔

دولت نصیب ہوگی۔“ [1]

رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا اثر:

صحابۂ کرامؓ چونکہ نہایت خلوص وصفائے قلب کے ساتھ آپ کے ارشاد و ہدایت سے فیض یاب ہونے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اس لئے ان پر آپ کی صحبت کا شدت کے ساتھ اثر پڑتا تھا ایک بار حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ ”یارسول اللہؐ یہ کیا بات ہے کہ جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو ہمارے دل نرم ہو جاتے ہیں، زہد و آخرت کا خیال غالب ہو جاتا ہے پھر جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں اہل وعیال سے ملتے جلتے ہیں اور بچوں کو سونگھتے ہیں تو وہ بات باقی نہیں رہتی ،،؟ ارشاد ہوا کہ اگر یہی حالت قائم رہتی تو فرشتے خود تمھارے گھروں میں تمھاری زیارت کو آتے“ [2]

ایک بار حضرت حنظلہ اسیدیؓ حضرت ابو بکرؓ کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہا کہ حنظلہ منافق ہوگیا، ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں تو ہمارے سامنے ان کی تصویر کھنچ جاتی ہے، پھر گھر میں آ کر اہل وعیال سے ملتے ہیں اور کھیتی باڑی کے کام میں مصروف ہوتے ہیں تو اس حالت کو بھول جاتے ہیں“ انہوں نے کہا کہ ”ہمارا بھی یہی حال ہوتا ہے، چلو خود آپؐ کے پاس چلیں“ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا ”اگر وہ حالت قائم رہتی تو فرشتے تمھاری مجلسوں میں تمھارے بستروں پر اور تمھارے راستوں میں آ کر تم سے مصافحہ کرتے اس حالت کا ہمیشہ قائم رہنا ضروری نہیں“ [3]

استقبالِ رسول ﷺ:

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی تو آپ کے ساتھ طبل و علم، لاؤلشکر، خیمہ وخرگاہ کچھ نہ تھا، صرف سواری کی دو اونٹنیاں تھیں اور ساتھ میں ایک جاں نثار رفیق سفر تھا، لیکن یہ بے سروسامان

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب وقت قیام النبی ﷺ من اللیل صاحب استیعاب نے ان کے حال میں لکھا ہے کان یلزم رسول اللہ ﷺ فی السفر والحضر

[2] ترمذی ابواب صفۃ الجنۃ باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ ونعیمہا ص ۲۱۵

[3] ترمذی ابواب الزہد صہ ۴۱۳

قافلہ جس دن مدینہ میں پہنچا، مدینہ مسرت کدہ بن گیا، عورتوں بچوں اور لونڈیوں کی زبان پر یہ فقرہ تھا ''رسول اللہؐ آئے، رسول اللہؐ آئے'' ہجرت کی خبر پہلے سے مدینہ میں پہنچ گئی تھی، اس لئے تمام مسلمان صبح کے تڑکے گھر سے نکل کر مدینہ کے باہر استقبال کے لئے جمع ہوتے، دوپہر تک انتظار کر کے واپس چلے جاتے ایک دن حسبِ معمول سب لوگ انتظار کر کے چلے گئے تو ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھ کر با آوازِ بلند پکارا کہ ''اہل عرب لوتمھارا شاہد مقصود آ پہنچا'' تمام صحابہؓ دفعتہً ابل پڑے اور ہتھیار سج سج کر گھروں سے نکل آئے، آپ قباء میں تشریف لائے اور خاندان بنوعمرو بن عوف کے یہاں اترے تو تمام خاندان نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا، انصار ہر طرف سے آتے اور جوش عقیدت کے ساتھ سلام عرض کرتے، [1] انصار میں جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو اب تک نہیں دیکھا تھا وہ شوق دیدار میں بے تاب تھے لیکن آپؐ کو پہچان نہیں سکتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دھوپ سے بچانے کے لئے آپ کے سر پر چادر تانی تو سب کو اس کے سایہ میں آفتاب نبوت نظر آیا۔

آپؐ قباء سے مدینہ کی خاص آبادی کی طرف چلے تو جاں نثاروں کا جھرمٹ ساتھ تھا۔ ایک مقام پر آپ ٹھہر گئے اور انصار کو طلب فرمایا، سب لوگ حاضر ہوئے سلام عرض کیا، اور کہا کہ ''سوار ہو جائیے کوئی خطرہ نہیں ہم لوگ فرماں برداری کے لئے حاضر ہیں'' آپ انصار کی تلوار کے سایہ میں روانہ ہوئے۔

قباء سے مدینہ تک دورویہ جاں نثاروں کی صفیں تھیں، راہ میں انصار کے خاندان آتے تو ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا کہ ''حضور یہ گھر ہے، یہ مال ہے، یہ طاقت ہے،، کوکبۂ نبوت شہر کے متصل پہنچا تو ایک عام غل پڑ گیا، لوگ بالاخانے سے جھانک جھانک کر دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ'' رسول اللہؐ آئے، رسول اللہؐ آئے'' [2]

پردہ نشین خواتین جوشِ مسرت میں یہ ترانہ گاتی تھیں۔

طلع البدر علینا من ثنیاتِ الوداع
وجب الشکر علینا ما دعی للہ داعی

''کوہ وداع کی گھاٹیوں کے برج سے بدر کامل طلوع ہوا ہے، جب تک دعا کرنے والے دعا کریں ہم پر شکر واجب ہے۔''

---

[1] طبقات جلد سیرت نبوی ص ۱۵۸

[2] بخاری باب ہجرۃ النبی وطبقات جلد سیرۃ نبوی ذکر ہجرت۔

جب آپ کی اونٹنی حضرت ابوایوب انصاریؓ کے دروازہ پر بیٹھ گئی تو قبیلہ، بنونجار کی چھوکریاں دف بجا بجا کر یہ شعر گانے لگیں:۔

نحن جوار من بني النجار

ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں۔

یا حبذا محمدﷺ امن جار [1]

محمدؐ کیسے اچھے ہمسایہ ہیں۔

ضیافتِ رسولؐ:

اگر خوش قسمتی سے کبھی صحابۂ کرامؓ کو رسول اللہ ﷺ کی ضیافت و میزبانی کا شرف حاصل ہو جاتا تھا تو وہ نہایت عزت محبت اور ادب و احترام کے ساتھ اس فرض کو بجا لاتے تھے، ایک بار ایک انصاری نے خدمت مبارک میں گزارش کی کہ "میں نہایت لحیم و شحیم آدمی ہوں آپ کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہوسکتا، آپ میرے مکان پر تشریف لا کر نماز ادا فرمایئے تا کہ میں اسی طرح نماز پڑھا کروں، انہوں نے پہلے سے کھانا بھی تیار کر رکھا تھا، چنانچہ آپ تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ [2]

ایک بار آپ ام حرامؓ کے مکان پر تشریف لے گئے، انہوں نے کھانا کھلایا اور بیٹھ کر آپ کے سر سے جوئیں نکالیں۔ [3]

ایک روز آپ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ حضرت ابوالہیثمؓ بن التیہان الانصاری کے مکان پر تشریف لے گئے وہ باہر گئے ہوئے تھے آئے تو آپ سے لپٹ گئے اور قربان ہونے لگے، پھر سب کو باغ میں لے گئے، فرش بچھایا اور کھجوریں توڑ کر آپ کے سامنے رکھ دیں کہ خود دست مبارک سے چن چن کر تناول فرمائیں اس کے بعد اٹھے اور ایک بکری ذبح کی اور سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ [4]

---

[1] وفاء الوفا جلد ۱ صہ ۱۸۷

[2] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ علی الحصیر

[3] ایضاً کتاب الجہاد باب فی رکوب البحر فی الغزو

[4] ترمذی ابواب الزہد ص ۳۹۱

ایک روز آپ نے حضرت جابرؓ کے مکان پر تشریف لے جانے کا وعدہ کیا۔ انہوں نے نہایت اہتمام کے ساتھ آپ کی دعوت کا سامان کیا اور بی بی سے کہا ''دیکھو رسول اللہ ﷺ آنے والے ہیں، تمھاری صورت نظر نہ آئے، آپ کو کوئی تکلیف نہ دینا آپ سے بات چیت نہ کرنا،،۔ آپ تشریف لائے تو بستر بچھایا تکیہ لگایا آپ مصروف خواب استراحت ہوئے تو غلام سے کہا آپ کے جاگنے سے پیشتر بکری کے اس بچے کو ذبح کر کے پکالو۔ ایسا نہ ہو کہ آپ منہ ہاتھ دھونے کے ساتھ ہی روانہ ہو جائیں'' آپ بیدار ہو کر منہ ہاتھ دھونے سے فارغ ہوئے فوراً دسترخوان سامنے آیا' آپ کھانا کھاتے تھے اور قبیلہ بنوسلمہ کے تمام لوگ دور ہی دور سے آپ کے دیدار سے مشرف ہوتے تھے کہ قریب آتے تو شاید آپ کو تکلیف ہوتی آپ کھانے سے فارغ ہو کر روانہ ہوئے تو ان کی بی بی نے پردہ سے کہا ''یارسول اللہ! مجھ پر اور میرے شوہر پر درود بھیجے جایئے'' آپؐ نے فرمایا ''خدا تم پر اور تمھارے شوہر پر رحمت نازل فرمائے''[1]

ایک بار آپ حضرت سعدؓ کے مکان پر تشریف لے گئے، انہوں نے آپ کو غسل کرایا، نہانے کے بعد زعفرانی رنگ کی چادر اڑھائی پھر کھانا کھلایا، آپ رخصت ہوئے تو سواری حاضر کی اور اپنے بیٹے کو ساتھ کر دیا کہ گھر تک پہنچا آئیں۔[2]

کبھی کبھی آپ خود کسی چیز کی خواہش ظاہر فرماتے اور صحابۂ کرامؓ اس کو تیار کر کے پیش کرتے، ایک بار آپ نے فرمایا'' کاش میرے پاس گیہوں کی سفید روٹی، گھی اور دودھ میں چپڑی ہوئی ہوتی ''ایک صحابی فوراً اٹھے اور تیار کرا کے لائے۔[3]

بعض صحابیات خود کوئی نئی چیز پکا کر آپ کی خدمت میں پیش کرتی تھیں، ایک بار حضرت ام ایمنؓ نے آٹا چھانا اور اس کی چپاتیاں تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیں آپ نے فرمایا ''یہ کیا ہے،،؟ بولیں'' ہمارے ملک میں اسی کا رواج ہے میں نے چاہا کہ آپ کے لئے بھی اسی قسم کی چپاتیاں تیار کروں'' لیکن آپ نے کمال زہد و تقویٰ سے فرمایا کہ'' آٹے میں چوکر ملا لو پھر گوندھو''[4]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۳۱۵

[2] ابوداؤد کتاب الادب باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستیذان

[3] ایضاً کتاب الاطعمہ باب فی الجمع بین اللونین من الطعام

[4] سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب الحواری۔

نعتِ رسولؐ :

قرآن مجید کے مواعظ اور رسول اللہ ﷺ کے کلمات طیبہ نے اگرچہ عہدِ صحابہ میں شاعری کے دفتر پر پانی پھیر دیا تھا، تاہم بلبلانِ باغِ قدس آپ کی مدح میں کبھی کبھی زمزمہ خوان ہو جاتے تھے اور چونکہ یہ اشعار سچے دل سے نکلتے تھے اور سچی تعریف پر مشتمل ہوتے تھے اس لئے دلوں پر اثر ڈالتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت کعب بن زہیرؓ اور حضرت حسان بن ثابتؓ کا یہ خاص مشغلہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے چند مدحیہ اشعار بخاری میں مذکور ہیں۔

وفینارسول اللہ یتلو کتابہ　　اذا انشق معروف من الفجر ساطع

''ہم میں خدا کا پیغمبر ہے، جب صبح نمودار ہوتی ہے تو خدا کی کتاب کی تلاوت کرتا ہے''

ارانا الھدی بعد العمی فقلوبنا　　بہ موقنات ان ما قال واقع

''گمراہی کے بعد اس نے ہم کو راہِ راست دکھائی اس لئے ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ جو کچھ اس نے کہا وہ ضرور ہو کے رہے گا۔''

یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ　　اذا ستثقلت با لمشرکین المضاجع [1]

وہ راتوں کو شب بیداری کرتا ہے حالانکہ اس وقت مشرکین گہری نیند میں سوتے ہیں۔

حضرت کعب بن زہیرؓ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مشہور قصیدہ بانت سعاد آپ کے سامنے پڑھا تو آپ نے اس کو سن کر صحابہؓ سے فرمایا کہ ''اس کو سنو'' [2]

ایک صحابیہ کی شادی میں چھوکریاں دف بجا بجا کر واقعاتِ بدر کے متعلق اشعار گانے لگیں، ان میں سے ایک نے یہ مصرع گایا۔

وفینا نبی یعلم مافی غد

ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔

---

1. بخاری ابواب الوتر باب فضل من تعارمن اللیل فصلی
2. اسد الغبہ تذکرہ حضرت کعب بن زہیرؓ

تو آپ نے روک دیا اور کہا کہ "وہی گاؤ جو پہلے گا رہی تھیں"۔[1]

حضرت ابو حمامہ سلمیؓ شاعر تھے، انہوں نے ایک بار عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میں نے آپ کی اور خدا کی مدح وثنا لکھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "خدا کی تعریف میں جو کچھ لکھا ہے سناؤ اور میری مدح کو چھوڑ دو"۔[2]

رضامندیٔ رسولؐ :

صحابۂ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی سے سخت گھبراتے تھے اور اس سے پناہ مانگتے تھے، ایک بار کسی نے حضرت عباسؓ کے آباؤ اجداد میں سے کسی کو برا بھلا کہا آپ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ "عباسؓ مجھ سے ہیں اور میں عباسؓ سے ہوں، ہمارے مردوں کو برا بھلا نہ کہو جس سے ہمارے زندوں کے دل دکھیں" یہ سن کر صحابہؓ نے کہا کہ "ہم آپ کی ناراضگی سے پناہ مانگتے ہیں، ہمارے لئے استغفار کیجئے"۔[3]

ایک بار کسی نے آپؐ سے آپؐ کے روزے کے متعلق سوال کیا، جس پر آپ کو غصہ آ گیا حضرت عمرؓ نے یہ حالت دیکھی تو کہا۔

رضينا بالله ربا والا سلام ديناو بمحمد نبيا نعوذ بالله من غضب الله و غضب رسوله

ہم نے خدا کو اپنا پروردگار اسلام کو اپنا دین اور محمدؐ کو اپنا پیغمبر بنایا ہے، اور خدا کے رسولؐ کے غصہ سے پناہ مانگتے ہیں۔

اسی فقرے کو بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ آپ کا غصہ اتر گیا۔[4]

اس لیے اگر آپ کسی ناگوار واقعہ سے مکدر ہو جاتے تھے تو صحابہ کرام ہر ممکن تدبیر سے آپ کو راضی کرنا چاہتے تھے آپ نے ازواج مطہراتؓ سے ایلاء کیا تو تمام صحابہ پر مصیبت کا پہاڑ

---

1. بخاری کتاب النکاح باب ضرب الدف فی النکاح والولیمہ۔
2. اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابن ابی حمامہؓ اسلمی
3. نسائی کتاب الدایات باب القود من الاطمہ
4. ابوداؤد کتاب الصیام باب فی صوم الدہر تطوعا۔

ٹوٹ پڑا، حضرت عمرؓ نے آپ کو راضی کرنا چاہا اور در دولت پر تشریف لے گئے دربان نے بے التفاتی کی تو سمجھے کہ شاید آپ کو یہ خیال ہے کہ لڑکی (حفصہؓ) کی خاطر آئے ہیں اس لیے دربان سے کہا کہ "اگر آپ کا یہ خیال ہے تو کہہ دو کہ خدا کی قسم آپ حکم دیں تو حفصہؓ کی گردن اڑا دوں" حضرت ابوبکرؓ کو پہلے سے مل چکے تھے حضرت عمرؓ آئے تو حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ہنسانے کے لیے کہا کہ اگر بنت خارجہ (حضرت ابوبکرؓ کی بی بی) مجھ سے نان ونفقہ طلب کرتیں تو میں اٹھ کے ان کی گردن توڑ دیتا" آپ ہنس پڑے اور ازواج مطہرات کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "یہ لوگ مجھ سے نفقہ ہی تو مانگ رہی ہیں" دونوں بزرگ اٹھے اور حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی گردن توڑنی چاہی اور کہا کہ "رسول اللہ ﷺ سے وہ چیز مانگتی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے" [1]

حضرت کعب بن مالکؓ سے جب آپ نے ناراض ہو کر قطع کلام کر لیا اور تمام صحابہؓ کو بھی یہی حکم دیا تو ان کو سب سے زیادہ آپ کی رضا مندی کی فکر تھی، آپ نماز کے بعد مسجد میں تھوڑی دیر تک بیٹھا کرتے تھے اس حالت میں وہ آتے اور سلام کرتے اور دل میں کہتے کہ لبہائے مبارک کو سلام کے جواب میں حرکت ہوئی یا نہیں؟ پھر آپ ہی کے متصل نماز پڑھتے اور کنکھیوں سے آپ کی طرف دیکھے جاتے۔ [2]

آپ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو تمام بیبیاں ساتھ تھیں سوء اتفاق سے راستہ میں حضرت صفیہؓ کا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا وہ رونے لگیں آپ کو خبر ہوئی تو خود تشریف لائے اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے، آپ جس قدر ان کو رونے سے منع فرماتے تھے اسی قدر وہ اور زیادہ روتی تھیں جب کسی طرح چپ نہ ہوئیں تو آپ نے ان کو سرزنش فرمائی اور تمام لوگوں کو منزل کرنے کا حکم دیا اور خود بھی اپنا خیمہ نصب کروایا، حضرت صفیہؓ کو خیال ہوا کہ آپ ناراض ہو گئے اس لیے آپ کی رضامندی کی تدبیریں اختیار کیں اس غرض سے حضرت عائشہؓ کے پاس گئیں اور کہا کہ "آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنی باری کا دن کسی چیز کے معاوضہ میں نہیں دے سکتی، لیکن اگر آپ رسول اللہ ﷺ کو مجھ سے راضی کر دیں تو میں اپنی باری آپ کو دیتی ہوں" حضرت

---

[1] مسلم کتاب الرضاع باب بیان ان تخیر امراتہ لا یکون طلاقا الا بالنیۃ و باب فی الایلاء واعتزال النساء وتخیرہن وقولہ تعالے وان تظاہرا علیہ

[2] بخاری کتاب المغازی ذکر غزوہ تبوک۔

عائشہؓ نے آمادگی ظاہر کی اور ایک دوپٹہ اوڑھا جوزعفرانی رنگ میں رنگا ہوا تھا پھر اس پر پانی چھڑکا کہ خوشبو اور پھیلے اس کے بعد بن سنور کر آپ کے پاس گئیں اور خیمہ کا پردہ اٹھایا تو آپ نے فرمایا کہ ''عائشہ یہ تمھارا دن نہیں ہے'' بولیں

ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء [1]

یہ خدا کا فضل ہے، جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

آپ اکثر اپنی ناراضی کا اظہار علانیہ طور پر نہیں فرماتے تھے لیکن جب صحابہؓ کو آپ کے چشم وابرو سے اس کا احساس ہو جاتا تھا تو فوراً آپ کو راضی کرتے تھے ایک بار آپ ایک راستہ سے گزرے راہ میں ایک بلند خیمہ نظر سے گزرا تو فرمایا ''یہ کس کا ہے''؟ لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا۔ آپ کو یہ شان وشوکت ناگوار ہوئی مگر اس کا اظہار نہیں فرمایا کچھ دیر کے بعد انصاری بزرگ آئے اور سلام کیا، لیکن آپ نے ناراضی سے منہ پھیر لیا۔ بار بار یہی واقعہ پیش آیا تو انہوں نے دوسرے صحابہؓ سے آپ کی ناراضی کی شکایت کی، ناراضی کا سبب معلوم ہوا تو انہوں نے خیمہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ [2]

ناراضی کے بعد اگر رسول اللہ ﷺ خوش ہو جاتے تو گویا صحابۂ کرامؓ کو دولتِ جاوید مل جاتی۔ ایک بار آپ سفر میں تھے، حضرت ابورہم غفاری کی اونٹنی آپ کے ناقہ کے پہلو بہ پہلو جا رہی تھی، حضرت ابورہمؓ کے پاؤں میں سخت چمڑے کے جوتے تھے اونٹنیوں میں مزاحمت ہوئی تو ان کے جوتے کی نوک سے آپ کی ساقِ مبارک میں خراش آ گئی اور آپ نے ان کے پاؤں میں کوڑا مار کر کہا ''تم نے مجھے دکھ دیا، پاؤں ہٹاؤ'' وہ سخت گھبرائے کہ کہیں میرے بارے میں کوئی آیت نازل نہ ہو جائے، مقام جعرانہ میں پہنچے تو گو ان کی اونٹ چرانے کی باری نہ تھی، تاہم اس خوف سے کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کا قاصد میرے بلانے کے لئے نہ آ جائے صحرا میں اونٹ چرانے کے لئے نکل گئے شام کو پلٹے تو معلوم ہوا کہ آپ نے طلب فرمایا تھا، مضطربانہ حاضر خدمت ہوئے آپ نے فرمایا ''مجھے تم نے اذیت پہنچائی اور میں نے بھی تمھیں کوڑا مارا، جس سے تمھیں اذیت پہنچی اس کے عوض میں یہ بکریاں لو'' ان کا بیان ہے کہ آپ کی یہ رضامندی میرے لئے دنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب تھی۔ [3]

---

1. مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۳۸
2. ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی البناء
3. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابورہمؓ غفاریؓ

ماتم رسولؐ:

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کو جو محبت تھی اس کا اثر آپ کی زندگی میں جن طریقوں سے ظاہر ہوتا تھا اس کا حال اوپر گذر چکا لیکن آپ کی وفات کے بعد اس محبت کا اظہار صرف گریہ و بکا، آہ و فریاد اور نالہ و شیون کے ذریعہ سے ہو سکتا تھا اور صحابہ کرامؓ نے آپ کے ماتم میں یہ دردانگیز صدائیں اس زور سے بلند کیں کہ مدینہ بلکہ کل عرب کے در و دیوار ہل گئے، آپ پر موت کے آثار بتدریج طاری ہوئے جمعرات کے دن مرض میں اشتداد پیدا ہوا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو جب یہ دن یاد آتا تھا تو کہتے تھے کہ ''جمعرات کا دن جمعرات کا کونسا دن؟ وہ جس میں آپ کے مرض میں ترقی ہوئی''۔ نزع کا وقت قریب آیا تو غشی طاری ہوئی، حضرت فاطمہؓ نے یہ حالت دیکھی تو بے اختیار چیخ اٹھیں ''واکرب اباہ'' ہائے میرے باپ کی تکلیفیں ''آپ کا وصال ہوا تو یہ الفاظ کہہ کر آپ پر روئیں ''یا ابتاہ اجاب ربا دعاہ یا ابتاہ من جنۃ الفردوس ماواہ یا ابتاہ الیٰ جبرئیل ننعاہ،، لوگ آپ کو دفن کر کے آئے تو انہوں نے حضرت انسؓ سے نہایت دردانگیز لہجے میں پوچھا، کیوں انسؓ! کیا رسول اللہ ﷺ پر خاک ڈالنا تم کو گوارا تھا؟

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مجھے کسی کا مرض الموت نہیں کھلتا۔

یہ تو اہل بیت کی حالت تھی، اہل بیت کے علاوہ اور تمام صحابہ کا حلقۂ ماتم مسجد نبویؐ میں قائم تھا اور حضرت عمرؓ لوگوں کو یقین دلا رہے تھے کہ ابھی آپ کا وصال ہی نہیں ہو سکتا، حضرت ابوبکرؓ نے آ کر یہ حالت دیکھی تو کسی سے بات چیت نہیں کی سیدھے آپ کی لاش مبارک تک چلے گئے منہ کھول کر آپ کے چہرۂ مبارک کو بوسہ دیا اور روئے وہاں سے نکل کر لوگوں کو سمجھایا تو سب کو آپ کی موت کا یقین آیا۔[1]

ایک شخص صحابہ کے قلق و اضطراب کا یہ عالم دیکھ کر مدینہ سے عمان آیا تو لوگوں کو آپ کے وصال کی خبر دی اور کہا کہ ''میں مدینہ کے لوگوں کو ایسے حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ ان کے سینے دیگچی کی طرح ابال کھا رہے ہیں''۔[2] حضرت عبداللہ بن ابی لیلیٰ انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول

---

1. بخاری کتاب المغازی باب مرض النبیؐ
2. اصابہ تذکرہ خمیصہ

اللہ ﷺ کے وصال کے وقت میں بچہ تھا، لوگ اپنے سروں اور کپڑوں پر خاک ڈال رہے تھے اور میں ان کے گریہ و بکا کو دیکھ کر روتا تھا۔ [1]

مدینہ کے باہر جب یہ وحشتناک خبر پہنچی تو قبیلۂ باہلہ کے لوگوں نے اس ماتم میں اپنے خیمے گرا دیئے اور متصل سات دن تک ان کو کھڑا نہیں کیا۔ [2]

تفویض الی الرسول ﷺ:

صحابۂ کرامؓ نے اپنی ذاتی حیثیت بالکل فنا کر دی تھی اور اپنی ذات اور اپنی آل و اولاد کو رسول اللہ ﷺ کے حوالہ کر دیا تھا، حضرت فاطمہ بنت قیسؓ ایک صحابیہ تھیں ان سے ایک طرف تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جو نہایت دولتمند صحابی تھے نکاح کرنا چاہتے تھے دوسری طرف آپ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے متعلق ان سے گفتگو کی تھی، جن کی فضیلت یہ تھی کہ آپ نے فرمایا تھا کہ ''جو مجھے دوست رکھتا ہے، چاہیے کہ اُسامہؓ کو بھی دوست رکھے'' لیکن حضرت فاطمہؓ نے آپ کو اپنی قسمت کا مالک بنا دیا اور کہا کہ ''میرا معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے، جس سے چاہیں نکاح کر دیجئے۔ [3]

حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہؓ انصاری اپنی تین لڑکیوں کے نکاح کے متعلق آپ کو وصیت کر گئے تھے جن میں آپ نے حضرت فریعہؓ کا نکاح نبیط بن جابر سے کر دیا۔ [4]

انصار کا یہ معمول تھا کہ آنحضرت ﷺ کی رضا مندی جانے بغیر اپنی بیواؤں کی شادی نہیں کرتے تھے، ایک دن آپ نے ایک انصاری سے فرمایا ''تم اپنی لڑکی کا نکاح مجھ سے کر دو وہ تو منتظر ہی تھے باغ باغ ہو گئے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ ''میں اپنے لئے نہیں بلکہ جلیبیب کے لئے پیغام دیتا ہوں'' جلیبیب ایک ظریف الطبع صحابی تھے جو عورتوں کے ساتھ ظرافت اور مذاق کی باتیں کیا کرتے تھے اس لئے صحابہ ان کو عموماً پسند نہ کرتے تھے انہوں نے جلیبیب کا نام سنا تو بولے ''اس کی ماں سے مشورہ کر لوں'' ماں نے جلیبیب کا نام سنا تو انکار کیا، لیکن لڑکی نے کہا ''رسول اللہ

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن ابی لیلیٰؓ

[2] اصابہ تذکرہ جہم بن کلدہ باہلی

[3] نسائی کتاب النکاح الخطبۃ فی النکاح

[4] اسد الغابہ تذکرہ فریعہ بنت ابی امامہ

ﷺ کی بات نامنظور نہیں کی جاسکتی مجھے آپ کے حوالہ کردو، آپ مجھے ضائع نہ کریں گے۔[1]

ہیبت رسولؐ :

رسول اللہ ﷺ کے وقار وعظمت کی بناء پر صحابۂ کرامؓ آپ کے سامنے اس قدر مرعوب ہوجاتے تھے کہ جسم میں رعشہ پڑ جاتا تھا۔ایک بار ایک صحابی نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی لیکن دو شخص جو مسجد کے ایک گوشے میں تھے شریک نماز نہیں ہوئے آپ نے ان کو باز پرس کے لئے طلب فرمایا تو وہ اس قدر مرعوب ہوئے کہ جسم میں لرزہ پڑ گیا۔[2]

ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ سے بات چیت کی لیکن ان پر اس قدر جلالِ نبوت طاری ہوا کہ جسم میں رعشہ پڑ گیا۔آپ نے فرمایا ''گھبراؤ نہیں میں تو اس عورت کا لڑکا ہوں جو گوشت کے سوکھے ٹکڑے کھایا کرتی تھی''[3]

ایک بار ایک صحابیہؓ نے آپ کو مسجد میں اکڑو بیٹھے دیکھا، ان پر آپ کی اس خضوع و خشوع کی حالت کا یہ اثر پڑا کہ کانپ اٹھیں۔[4]

اس رعب وداب کا یہ اثر تھا کہ صحابۂ کرامؓ آپ کو کسی بات پر ٹوک نہیں سکتے تھے ایک بار آپ پر عصر یا ظہر کی نماز میں نسیان طاری ہوگیا اور صرف دو رکعتیں ادا فرمائیں۔ بہت سے صحابہ مسجد سے یہ کہتے ہوئے نکل آئے کہ رکعاتِ نماز میں کمی کردی گئی، جماعت میں حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ بھی شریک تھے، لیکن آپ کی ہیبت سے کچھ پوچھ نہیں سکتے تھے بالآخر حضرت ذوالیدینؓ نے آپ سے دریافت فرمایا کہ ''آپ بھول گئے، یا نماز میں کمی ہوگئی'' تمام صحابہ نے اس کی تصدیق کی لیکن زبان نہ ہل سکی بلکہ اشاروں میں حضرت ذوالیدینؓ کی تائید کی۔[5]

حضرت عمرو بن العاصؓ فاتحِ مصر بڑے پایہ کے صحابی تھے، لیکن ان کا بیان ہے

---

[1] مسند جلد ۴ ص ۴۲۲

[2] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب فیمن صلی فی منزلہ ثم ادرک الجماعۃ یصلی معھم

[3] سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب القدید

[4] شمائل ترمذی باب ماجاء فی جلسۃ رسول اللہ ﷺ۔

[5] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب السھو فی السجدتین

کہ ''میں آپ کا حلیہ نہیں بیان کرسکتا، کیونکہ میں نے آپ کو کبھی آنکھ بھر کر دیکھنے کی جرأت نہیں کی''۔[1]

آپ حجۃ الوداع میں ناقہ پر سوار ہو کر نکلے تو آپ کے ہاتھ میں درہ تھا۔ لوگوں پر اس قدر ہیبت طاری تھی کہ کہتے تھے ''طبطبیہ طبطبیہ''، یعنی اس کوڑے سے بچتے رہو''[2]

صحابۂ کرامؓ کے بچوں تک کے رگ وریشہ میں آپ کا رعب وداب سرایت کر گیا تھا، ایک بار حضرت ایادؓ بچپن میں باپ کے ساتھ آپ کی خدمت میں گئے آپ کا دیدار ہوا تو ان کے باپ نے پوچھا کہ ''جانتے ہو کہ کون ہیں؟ بولے ''نہیں'' کہا کہ ''رسول اللہ ﷺ ہیں'' یہ سننے کے ساتھ ہی ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ان کا خیال تھا کہ آپ کی شکل وصورت آدمیوں سے مختلف ہوگی' لیکن ان کو نظر آیا کہ آپ بھی آدمی ہی ہیں اور آپ کے سر پر لمبے لمبے بال ہیں۔[3]

اطاعتِ رسولؐ:

صحابۂ کرام جس طوع ورضاء کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے تھے اس کے متعلق احادیث میں نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہیں ذیل کے چند واقعات سے ان کا اندازہ ہو سکے گا۔

ایک بار حضرت زینبؓ اپنے کپڑے رنگوا رہی تھیں، آپ گھر میں آئے تو الٹے پاؤں واپس گئے آپ نے اگرچہ منہ سے کچھ نہیں فرمایا تھا، تاہم حضرت زینبؓ آپ کی نگاہِ عتاب کو تاڑ گئیں، اور تمام کپڑوں کے رنگ کو دھوڈالا۔

آپ نے ایک صحابی کو ایک رنگین چادر اوڑھے ہوئے دیکھا تو فرمایا ''یہ کیا ہے''؟ وہ سمجھ گئے کہ آپ نے ناپسند فرمایا، فوراً گھر میں آئے اور اس کو چولھے میں ڈال دیا۔[4]

حضرت خریم اسدیؓ ایک صحابی تھے جو نیچی تہ بند باندھتے تھے اور لمبے لمبے بال رکھتے تھے ایک روز آپ نے فرمایا ''خریم اسدی کتنا اچھا آدمی تھا، اگر لمبے بال نہ رکھتا اور نیچی تہ بند نہ

---

[1] مسلم کتاب الایمان باب کون الاسلام یہدم ماقبلہ وکذا الحج والہجرۃ

[2] ابوداؤد کتاب النکاح باب تزویج من لم یولد

[3] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۲۲۶۔

[4] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی الحمرۃ

باندھتا ان کو معلوم ہوا تو فوراً قینچی منگائی اس سے بال کترے اور تہ بند اونچی کرلی۔[1]

بی بی سب کو عزیز ہے لیکن جب آپ نے تخلفِ غزوہ تبوک کی بنا پر تمام مسلمانوں کو حضرت کعب بن مالکؓ سے قطع تعلق کر لینے کا حکم دیا اور اخیر میں ان کی بی بی سے بھی علیحدگی اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی، تو بولے ''طلاق دیدوں یا اور کچھ،، لیکن آپ کے قاصد نے کہا ''صرف علیحدگی مقصود ہے چنانچہ انہوں نے فوراً بی بی کو میکے میں بھیج دیا۔[2]

شادی بیاہ کا معاملہ نہایت نازک ہوتا ہے لیکن صحابۂ کرامؓ کو اطاعتِ رسولؐ نے ان معاملات میں غور وفکر کرنے سے بے نیاز کر دیا تھا۔ حضرت ربیعہ اسلمیؓ ایک نہایت مفلس صحابی تھے ایک بار آپ نے ان کو نکاح کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ ''جاؤ انصار کے فلاں قبیلہ میں نکاح کرلو' وہ آئے اور کہا کہ 'رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمھارے یہاں فلاں لڑکی سے نکاح کرنے کے لئے بھیجا ہے' سب نے ان کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا قاصد ناکامیاب نہیں جاسکتا''۔ چنانچہ فوراً انہوں نے اس کی تعمیل کی۔[3]

پابندی احکامِ رسولؐ :

رسول اللہ ﷺ کے جو احکام وقتی ہوتے تھے صحابۂ کرامؓ فوراً ان کی تعمیل کرتے تھے اور جو دائمی ہوتے ہمیشہ ان کے پابند رہتے تھے اور اس کے خلاف کبھی ان سے کوئی حرکت صادر نہیں ہوتی تھی۔

آپ کے زمانہ میں عورتیں بھی شریک جماعت ہوتی تھیں، اس حالت میں اقتضائے کمالِ عفت وعصمت یہ تھا کہ ان کے لئے مسجد کا ایک دروازہ مخصوص کر دیا جائے، اس بناء پر آپ نے ایک روز ارشاد فرمایا۔

لو ترکنا هذاالباب للنساء

''کاش ہم یہ دروازہ صرف عورتوں کے لئے چھوڑ دیتے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس شدّت کے ساتھ اس کی پابندی کی کہ تادمِ مرگ اس

---

[1] ایضاً باب ماجاء فی اسبال الازار

[2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ تبوک

[3] مسند ابن حنبل جلد ۴ صہ ۵۸۔

دروازہ سے مسجد میں داخل نہیں ہوئے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا۔

من زار قوما فلا یو مھم و لیو مھم رجل منھم

جو شخص کسی قوم کے یہاں جائے، وہ ان کی امامت نہ کرے بلکہ خود اسی قوم کا کوئی شخص ان کی امامت کرے،

ایک بار حضرت مالک بن حویرثؓ ایک قوم کی مسجد میں آئے لوگوں نے امامت کی درخواست کی تو انہوں نے انکار کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔[2]

ایک بار حضرت ابوسعید خدریؓ نماز پڑھ رہے تھے ایک قریشی نوجوان سامنے سے گزرا انہوں نے اس کو دھکیل دیا، وہ باز نہ آیا، پھر دھکیلا، وہ نہ رکا، تیسری بار پھر دھکیلا، نماز پڑھ چکے تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''نماز کو اگرچہ کوئی چیز توڑ نہیں سکتی، تاہم اگر کوئی چیز سامنے آجائے تو جہاں تک ممکن ہو اس کو دفع کرو، کیونکہ وہ شیطان ہے''۔[3]

ایک بار آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے غسل جنابت میں ایک بال کو بھی خشک چھوڑ دیا اس پر دوزخ میں یہ عذاب ہوگا'' حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس پر جس شدت سے عمل کیا اس کو خود انہوں نے بیان کیا ہے۔

فمن ثم عادیت راسی فمن ثم عادیت راسی[4]

''یعنی اسی دن سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کر لی (یعنی برابر بال ترشواتے رہے)''

رسول اللہ ﷺ نے شوہر کے علاوہ اور اعزہ کے ماتم کے لئے صرف تین دن مقرر فرمائے تھے، صحابیات نے اس کی اس شدت کے ساتھ پابندی کی کہ جب حضرت زینبؓ بنت جحشؓ کے بھائی کا انتقال ہو گیا، تو (غالباً چوتھے دن) انہوں نے خوشبو لگائی اور کہا کہ ''مجھ کو خوشبو کی کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن میں نے آپ سے منبر پر سنا ہے کہ ''کسی مسلمان عورت کو شوہر کے سوا تین دن سے زیادہ کسی کا ماتم کرنا جائز نہیں اس لئے یہ اسی حکم کی تعمیل تھی''۔

---

1. ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب التشدید فی ذالک
2. ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب امامۃ الزائر
3. ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب من قال لایقطع الصلوۃ شی۔
4. ابوداؤد کتاب الطہارہ باب فی غسل الجنابۃ حدیث میں ہے کہ یہ فقرہ انہوں نے تین بار فرمایا

جب حضرت ام حبیبہؓ کے والد نے انتقال کیا تو انہوں نے تین روز کے بعد اپنے رخساروں پر خوشبو ملی اور کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی صرف اس حکم کی تعمیل مقصود تھی،،۔[1]

پہلے یہ دستور تھا کہ جب صحابۂ کرامؓ سفر جہاد میں منزل پر قیام فرماتے تھے تو اِدھر اُدھر پھیل جاتے تھے ایک بار آپ نے فرمایا کہ ''یہ تفرق وتشتت شیطان کا کام ہے'' اس کے بعد صحابۂ کرامؓ نے اس کی شدت کے ساتھ پابندی کی کہ جب منزل پر اترتے تھے تو اس قدر سمٹ جاتے تھے کہ اگر ایک چادر تان لی جاتی تو سب کے سب اس کے نیچے آجاتے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے تجارت کے متعلق جو احکام جاری فرمائے تھے ان میں ایک یہ تھا

لا یبیع حاضر لباد

شہری آدمی بدوؤں کا مال نہ بکوائے (یعنی اس کا دلال نہ بنے)

ایک بار ایک بدو کچھ مال لے کر آیا تو حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ کے یہاں اترا، لیکن انہوں نے کہا کہ ''میں خود تو تمھارا سودا نہیں بکوا سکتا، البتہ بازار میں جاؤ، بائع کی تلاش کرو، میں صرف مشورہ دیدوں گا،،۔[3]

حضرت حذیفہؓ کے سامنے مدائن کے ایک رئیس نے چاندی کے برتن میں پانی پیش کیا انہوں نے اس کو اٹھا کر پھینک دیا اور فرمایا کہ ''میں نے اس کو منع کیا تھا، یہ باز نہ آیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے،،۔[4]

رسول اللہ ﷺ نے پہلے یمن کی گورنری پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو روانہ فرمایا، ان کے بعد حضرت معاذ بن جبلؓ کو بھیجا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ آئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے سامنے ایک مجرم کو دیکھا، حضرت ابوموسیٰ اشعری نے سواری سے اترنے کے لئے کہا، لیکن انہوں نے مجرم کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہے؟ بولے ''یہودی تھا، اسلام لا کر مرتد ہوگیا ہے'' فرمایا ''جب تک خدا اور رسولؐ کے حکم کے مطابق قتل نہ کر دیا جائے گا، میں نہ بیٹھوں گا،

---

1. ابوداؤد کتاب الطلاق باب احداد المتوفی عنہا زوجہا
2. ایضاً کتاب الجہاد باب مایومر من انضمام العسکر۔
3. ایضاً کتاب البیوع باب فی النہی ان یبیع حاضر لباد
4. ایضاً کتاب الاشربہ باب الشرب فی آنیۃ الذہب والفضہ

، انہوں نے بیٹھنے پر اصرار کیا، لیکن ان کا یہی جواب تھا، چنانچہ جب وہ قتل ہو چکا تو سواری سے اترے۔ [1]

ایک بار حضرت ابوبکرؓ ایک مجلس میں آئے ایک شخص نے اٹھ کر ان کے لئے اپنی جگہ خالی کر دی تو انہوں نے اس کی جگہ بیٹھنے سے انکار کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ [2]

ایک بار حضرت عائشہؓ کے پاس ایک سائل آیا، انہوں نے اس کو روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیا، پھر اس کے بعد ایک خوش لباس شخص آیا تو انہوں نے اس کو بٹھا کر کھانا کھلایا، لوگوں نے اس تفرق پر اعتراض کیا تو بولیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

انزلوا الناس منازلهم [3]

''ہر شخص سے اس کے درجہ کے مطابق برتاؤ کرو''

ایک بار آپ مسجد سے نکل رہے تھے دیکھا کہ راستے میں مرد اور عورتیں مل جل کے چل رہے ہیں، عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا'' پیچھے رہو، تم وسط راہ سے نہیں گزر سکتیں،،۔ اس کے بعد یہ حال ہو گیا کہ عورتیں اس قدر گلی کے کنارے سے چلتی تھیں کہ ان کے کپڑے دیواروں سے الجھ جاتے تھے۔ [4]

حضرت محمد بن اسلمؓ نہایت کبیر السن صحابی تھے، لیکن جب بازار سے پلٹ کر گھر آتے اور چادر اتارنے کے بعد یاد آتا کہ انہوں نے مسجد نبویؐ میں نماز نہیں پڑھی تو کہتے کہ خدا کی قسم میں نے مسجد رسول اللہؐ میں نماز نہیں پڑھی۔ حالانکہ آپ نے ہم سے فرمایا تھا کہ جو شخص مدینہ میں آئے تو جب تک اس مسجد میں دو رکعت نماز نہ پڑھ لے گھر واپس نہ جائے، یہ کہہ کر چادر اٹھاتے اور مسجد نبویؐ میں دو رکعت نماز پڑھ کر گھر واپس آتے۔ [5]

---

[1] ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فی من ارتد لیکن اس کے بعد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اس کو تقریباً ۲۰ دن تک سمجھایا' پھر حضرت معاذ نے بھی اس کو سمجھایا' لیکن جب وہ راہ راست پر نہ آیا تو قتل کر دیا۔

[2] ایضاً کتاب الادب باب فی التحلق

[3] ابوداؤد کتاب الادب باب فی تنزیل الناس منازلھم۔

[4] ابوداؤد کتاب الادب باب فی مشی النساء فی الطریق

[5] اسد الغابہ تذکرہ حضرت محمد بن اسلمؓ

غزوۂ احزاب میں آپ نے حضرت حذیفہؓ کو حکم دیا کہ کفار کی خبر لائیں لیکن ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں وہ آئے تو دیکھا کہ ابوسفیان آگ تاپ رہے ہیں کمان میں تیر جوڑ لیا اور نشانہ لگانا چاہا لیکن رسول اللہ ﷺ کا حکم یاد آ گیا اور رک گئے۔ [1]

جو صحابہ رافع بن ابی الحقیق یہودی کے قتل کرنے کے لئے گئے تھے۔ ان کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ اس کے بچوں اور عورتوں کو نہ قتل کریں ان لوگوں نے اس شدت کے ساتھ اس حکم کی پابندی کی کہ ابن ابی الحقیق کی عورت نے باوجود یہ کہ اس قدر شور کیا کہ قریب تھا کہ ان کا راز فاش ہو جاتا، لیکن ان لوگوں نے صرف آپ کے حکم کی بنا پر اس پر ہاتھ اٹھانا پسند نہ کیا۔ [2]

ادب حرم نبوی :

رسول اللہ ﷺ کے تعلق سے صحابۂ کرامؓ ازواجؓ مطہرات کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ جب آپ کی حرم محترم نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سجدے میں گر پڑے لوگوں نے کہا'' آپ اس وقت سجدہ کرتے ہیں،،؟ بولے'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ'' جب قیامت کی کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کر لیا کرو پھر ازواج مطہرات کی موت سے بڑھ کر قیامت کی کون سی نشانی ہوگی،، [3]

مقام سرف میں حضرت میمونہؓ کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی ساتھ تھے بولے کہ'' یہ میمونہؓ ہیں، ان کا جنازہ اٹھاؤ تو مطلق حرکت و جنبش نہ دو،،۔ [4]

بعض صحابہؓ عزت و محبت کی وجہ سے ازواجِ مطہرات پر اپنی جائدادیں وقف کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ازواج مطہرات کو ایک جائداد دی تھی جو چالیس ہزار پر فروخت کی گئی اور ایک باغ بھی وقف کیا تھا جو چار لاکھ پر فروخت کیا گیا۔ [5]

---

[1] مسلم کتاب الجہاد باب غزوۃ الاحزاب

[2] موطائے امام مالک کتاب الجہاد باب النہی عن قتل النساء والولدان فی الغزو

[3] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب السجود عند الآیات۔

[4] نسائی کتاب النکاح ذکر الرسول اللہ ﷺ فی النکاح وازواجہ وما اباح اللہ عزوجل لنبیہؐ

[5] ترمذی کتاب المناقب مناقب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف

خلفاء ازواج مطہرات کے ادب واحترام کا اس قدر لحاظ رکھتے تھے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ازواج مطہرات کی تعداد کے لحاظ سے نو پیالے تیار کرائے تھے جب ان کے پاس میوہ یا اور کوئی عمدہ چیز آتی تو ان پیالوں میں ڈال کے تمام ازواج مطہرات کی خدمت میں بھیجتے تھے۔[1]

۲۳ھ میں جب حضرت عمرؓ نے حج کیا تو ازواج مطہرات کو بھی نہایت ادب و احترام کے ساتھ ہمراہ لے گئے، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو سواریوں کے ساتھ کر دیا تھا۔ یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے اور کسی کو سواریوں کے قریب نہیں آنے دیتے تھے ازواج مطہرات منزل پر اترتی تھیں تو خود حضرت عمرؓ کے ساتھ قیام کرتی تھیں، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کسی کو قیام گاہ کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔[2]

[1] موطائے امام مالک کتاب الزکوۃ باب جزیہ اہل الکتاب والمجوس۔

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ

فضائل اخلاق

مسکین نوازی:

صحابہ کرامؓ اس قدر مسکین نواز تھے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کسی مسکین کی شرکت کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔[1] ان کے سامنے جب دسترخوان چنا جاتا اور اتفاق سے کسی معزز شخص کا گزر ہو جاتا تو ان کے اہل و عیال اس کو شریک طعام کر لیتے'' لیکن وہ خود اس کو نہ بلاتے البتہ جب کوئی مسکین سامنے سے گزرتا تو اس کو ضرور شریک طعام کرتے اور کہتے کہ ''یہ لوگ اس کو بلاتے ہیں جس کو کھانے کی خواہش نہیں اور اس کو چھوڑ دیتے ہیں جس کو کھانے کی خواہش ہے۔''

ایک بار ان کو مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی آپ کی بیوی صفیہ نے بڑے اہتمام سے لذیذ مچھلی تیار کی ابھی دسترخوان چنا ہی تھا کہ کانوں میں ایک مسکین کی صدا آئی فرمایا ''اس کو دے دو'' بیوی کو عذر ہو'' لیکن وہ اسی پر اصرار کرتے رہے بالآخر مسکین کو ایک دینار دے کر راضی کر لیا گیا۔

ایک بار لوگوں نے ان کی بیوی کو ملامت کی کہ تم اچھی طرح ان کی خدمت نہیں کرتیں، بولیں کیا کروں، ان کے لیے جب کھانا تیار کیا جاتا ہے تو کسی مسکین کو ضرور شریک طعام کر لیتے ہیں'' چنانچہ اس کے انسداد کے لئے جو فقراء و مساکین ان کے راستے میں بیٹھتے تھے، انہوں نے ان سے کہلا بھیجا کہ اب ان کے راستے میں نہ بیٹھو، وہ مسجد سے نماز پڑھ کے نکلے تو ان لوگوں کو گھر سے بلوا بھیجا، ان کی بی بی نے ان سے کہہ دیا تھا کہ بلانے پر بھی نہ آنا۔ چنانچہ وہ لوگ نہ آئے تو اس رات کو کھانا نہیں کھایا۔[2]

---

[1] بخاری کتاب الاطعمہ باب المومن یاکل فی معی واحد

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

حضرت حارثہ بن النعمانؓ اندھے ہوگئے تھے اس لئے اپنے مصلی سے دروازے تک ایک دھاگا باندھ رکھا تھا جب کوئی مسکین آتا تو ٹوکری سے کچھ کھجوریں لے لیتے اور دھاگے کے سہارے سے دروازہ تک آ کر اس کو دے دیتے گھر کے لوگوں نے کہا "ہم آپ کا یہ کام کر سکتے ہیں" بولے "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "مسکین کو دینا بری جگہ پر گرنے سے محفوظ رکھتا ہے"۔[1]

ایک دن حضرت عائشہؓ روزے سے تھیں اور گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی حالت میں ایک مسکین نے سوال کیا تو انہوں نے لونڈی سے کہا کہ "وہ روٹی اس کو دیدو" اس نے کہا "افطار کس چیز سے کیجئے گا" بولیں "دے تو دو" شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوادیا، لونڈی کو بلا کر کہا "لے کھا یہ تیری روٹی سے بہتر ہے"۔[2]

استعفاف :

صحابہ کرامؓ اگرچہ مفلس اور نادار تھے لیکن کسی کے سامنے دستِ سوال نہیں پھیلاتے تھے، ایک بار چند صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی، شرائط بیعت میں ایک شرط یہ بھی تھی۔

لاتسالو االناس شئیا

"لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا۔"

ان میں بعض لوگوں نے اس شدت کے ساتھ اس کی پابندی کہ اگر راہ میں کوڑا بھی گر جاتا تھا تو کسی سے یہ نہیں کہتے تھے کہ اٹھا کر دیدو"۔[3]

حضرت ابوبکر صدیقؓ اونٹنی پر سوار ہوتے تھے اور ہاتھ سے لگام گر جاتی تھی تو اونٹنی کو بٹھا کر خود اپنے ہاتھ سے اس کو اٹھاتے تھے لوگ کہتے کہ "آپ نے ہم سے کیوں نہیں کہا ہم اٹھا دیتے"۔ فرماتے "میرے حبیب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسی سے کچھ نہ مانگ"[4]

---

1. اصابہ تذکرہ حضرت حارثہ بن النعمان
2. موطائے امام مالک کتاب الجامع باب الترغیب فی الصدقہ
3. ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب کراھیۃ المسئلۃ
4. مسند ابن حنبل جلد اص ۱۱

ایک بار آپ نے فرمایا کہ ''جو شخص یہ ضمانت کر دے کہ کسی سے سوال نہ کرے گا میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں'' آپ کے مولیٰ ثوبان بولے ''میں یہ ضمانت دیتا ہوں'' چنانچہ اس کے بعد وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے، [1]

ایک بار حضرت حکیم بن حزامؓ نے آپ سے سوال کیا، آپ نے ان کا سوال پورا کیا، پھر مانگا پھر دیا پھر مانگا پھر عنایت فرمایا لیکن اس کیساتھ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ ''اے حکیم یہ مال نہایت شیریں اور خوش رنگ چیز ہے جو شخص اس کو فیاض دلی کے ساتھ لیتا ہے اس کو برکت نصیب ہوتی ہے اور جو شخص اس کو حرص و طمع کے ساتھ حاصل کرتا ہے۔ اس کو برکت نصیب نہیں ہوتی اور وہ مثل اس آدمی کے ہوتا ہے جو کھاتا تو ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہرحال بہتر ہے'' حضرت حکیم بن حزامؓ نے اسی وقت عہد کر لیا کہ اب تا دم مرگ کسی سے کچھ نہ مانگوں گا اور اس عہد کو اس شدت کے ساتھ پورا کیا کہ حضرت ابوبکرؓ ان کو عطیہ دینے کے لئے طلب فرماتے تھے اور وہ انکار کر دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو عطیہ دینا چاہا مگر انہوں نے رد کر دیا بالآخر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ''مسلمانو! گواہ رہنا میں حکیم کو ان کا حق دیتا ہوں اور وہ قبول نہیں کرتے۔'' [2]

حضرت مالک بن سنانؓ سوال کو اس قدر موجب ننگ و عار سمجھتے تھے کہ ''ایک بار تین دن تک بھوکے رہے لیکن کسی سے کچھ نہ مانگا۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ جس شخص کو عفیف المسالہ شخص کا دیکھنا منظور ہو وہ مالک بن سنان کو دیکھ لے۔'' [3]

اصحابِ صفہ اگرچہ ناداری کی وجہ سے دوسروں کے دستِ نگر تھے۔ تاہم الحاح و لجاجت کیساتھ سوال کرنا ان کی شان سے بالکل بعید تھا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کے اس مخصوص وصف امتیازی کو خاص طور پر سراہا ہے۔

یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف تعرفھم بسیمھم لا یسئلون الناس الحافاً

[1] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب کراہیۃ المسئلۃ

[2] ترمذی ابواب الزہد بخاری کتاب الزکوٰۃ باب الاستعفاف عن المسئلۃ

[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت مالک بن سنانؓ۔

جو شخص ان کی حالت سے ناواقف ہے وہ انکی خودداری سے انکو دولتمند سمجھتا ہے' تم
صرف ان کے بشرے سے انکو پہچان سکتے ہو وہ کسی سے گڑ گڑا کر کچھ نہیں مانگتے۔

لوگوں کے سامنے غیروں سے مانگنا تو بڑی بات ہے صحابہ کرامؓ کی غیرت اس کو بھی گوارا نہیں کرتی تھی کہ ماں باپ سے سب کے سامنے سوال کیا جائے' حضرت فاطمہؓ گھر کے کام کاج سے تنگ آ گئی تھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ لونڈی غلام آئے۔ حاضر خدمت ہوئیں کہ آپ سے ایک غلام مانگیں، دیکھا کہ آپ سے کچھ لوگ باتیں کر رہے ہیں، شرم کے مارے واپس آئیں۔ [1]

اگر کبھی سوال کا موقع بھی آتا تو صحابہ کرامؓ شرم و حیا سے علانیہ سوال نہیں کرتے تھے بلکہ صرف حسنِ طلب سے کام لیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ اصحاب صفہ میں تھے جن کا تمغہ امتیاز صرف فقرہ فاقہ تھا۔ ان کی حالت یہ تھی کہ بھوک کے مارے زمین پر پیٹ کے بل پڑ رہتے تھے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے لیکن کسی سے علانیہ کچھ نہیں مانگتے تھے ایک روز شاہراہِ عام پر بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ کا گزر ہوا تو ان سے ایک آیت پوچھی وہ گزر گئے اور کچھ توجہ نہ کی، حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا، لیکن اس حسن طلب سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ کوئی صاحب متوجہ ہوں اور اپنے ساتھ لے جا کر کھانا کھلائیں۔ [2]

ایثار :

فیاضی ایک اخلاقی وصف ہے لیکن ایثار فیاضی کی اعلیٰ ترین قسم ہے اور وہ صحابہ کرامؓ میں اس قدر پائی جاتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عمرؓ کو عطیہ دیتے تھے لیکن وہ یہ کہہ کر انکار کر دیتے تھے کہ ''یہ اس کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو''۔ [3]

ایک بار ایک فاقہ زدہ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا سوئے اتفاق سے آپ کے گھر میں پانی کے سوا کچھ نہ تھا، اس لئے آپ نے فرمایا ''آج کی شب کون اس مہمان کا حق ضیافت ادا کرے گا؟'' ایک انصاری یعنی حضرت ابوطلحہؓ نے کہا ''میں یا رسول اللہ چنانچہ اس کو ساتھ لے کر گھر آئے، بی بی سے پوچھا کچھ ہے؟ بولیں ''صرف بچوں کا کھانا ہے'' بولے بچوں کو تو کسی طرح بہلاؤ جب میں مہمان کو گھر لے آؤں تو چراغ بجھا دو اور میں اس پر

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی التسبیح عند النوم

[2] ترمذی ابواب الزہد ص ۴۰۸

[3] بخاری کتاب الزکوۃ باب من اعطاہ اللہ شیئا من غیر مسئلۃ ولا اشراف نفس وفی اموالہم حق للسائل والمحروم۔

یہ ظاہر کروں گا کہ ہم بھی ساتھ کھا رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، صبح کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا کہ ''رات خدا تمھارے اس حسنِ سلوک سے بہت خوش ہوا اور یہ آیت نازل فرمائی۔

ویوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصہ [1]

وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں گو وہ خود تنگدست ہوں۔''

حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں اپنی قبر کے لئے مخصوص جگہ کر رکھی تھی۔ لیکن جب حضرت عمرؓ نے ان سے درخواست کی تو انہوں نے یہ تختہ جنت ان کو دے دیا اور فرمایا۔

کنت اریدہ لنفسی ولا وثرن بہ الیوم علی نفسی [2]

میں نے خود اپنے لئے اس کو محفوظ رکھا تھا لیکن آج اپنے اوپر آپ کو ترجیح دیتی ہوں۔

ایک غزوہ میں حضرت عکرمہؓ، حضرت حارث بن ہشامؓ، حضرت سہیل بن عمروؓ زخم کھا کر زمین پر گرے اور اس حالت میں حضرت عکرمہؓ نے پانی مانگا۔ پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت سہیلؓ پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں، بولے ''پہلے ان کو پلاؤ''۔ حضرت سہیلؓ کے پاس پانی آیا۔ تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت حارثؓ کی نگاہ بھی پانی کی طرف ہے، بولے ''ان کو پلاؤ'' بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کے منہ میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ گیا اور سب نے تشنہ کامی کی حالت میں جان دی۔ [3]

فیاضی:

اگرچہ صحابہ کرامؓ کے تمام اخلاقی محاسن نے اسلام کو تقویت دی لیکن سب سے زیادہ اسلام کو صحابہ کی فیاضی سے رسوخ و ثبات حاصل ہوا، مدینہ رسول اللہ ﷺ کے لئے غربت کدہ تھا لیکن انصار کی فیاضی نے آپ کو اپنی آنکھوں میں جگہ دی مہاجرین کو اپنے گھروں میں ٹھہرایا اور

[1] مسلم کتاب الاشربہ باب اکرام الضیف وفضل ایثارہ

[2] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعہ۔

[3] استیعاب تذکرہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل۔

بعض شرائط کے ساتھ اپنی نخلستان کی پیداوار میں ان کو شریک کرلیا۔[1]

حضرت سعد بن الربیعؓ نے جائیداد کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اپنی ایک بی بی بھی دینا چاہی، لیکن انہوں نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی شان استغنا نے اگرچہ انصار سے خدا کے گھر کے لئے بھی زمین مانگی تو قیمت دینا چاہی لیکن انصار کی فیاضی نے اس کا معاوضہ صرف خدا سے لینا چاہا اور نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ کہا،

لا نطلب ثمنه الا الی الله[3]

ہم اس کی قیمت صرف خدا سے مانگتے ہیں۔

اسلام میں عمری کی ایک خاص ہبہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص عمر بھر کے لئے کسی پر کوئی چیز ہبہ کر دے مدینہ میں مہاجرین آئے تو انصار نے ہر قسم کی اعانت و امداد کیساتھ مہاجرین کو بہت سی جائیداد بطور عمری کے دینی چاہی لیکن رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا۔[4]

انصار میں حضرت سعد بن عبادہؓ فیاضی میں عام طور پر مشہور تھے، روزانہ ان کے قلعہ کے اوپر سے ایک آدمی پکارتا کہ جس کو گوشت اور چربی کی خواہش ہو وہ یہاں آئے۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آئے تو زیادہ تر وہی کھانا تیار کروا کے بھیجتے تھے، اصحاب صفہ کی معاش کا زیادہ تر دار و مدار ان ہی کی فیاضی پر تھا، چنانچہ جب شام ہوتی تو اور صحابہ ان میں سے ایک یا دو کو لے جاتے لیکن وہ اسی اسی آدمیوں کو لے جا کر کھانا کھلاتے۔[5]

حضرت جعفر بن ابی طالب بھی اصحاب صفہ کے ساتھ لطف و مدارات کے ساتھ پیش آتے تھے کیونکہ وہ مسکینوں کے ساتھ محبت رکھتے تھے، ان کیساتھ بیٹھتے اٹھتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ بھی مساکین صفہ میں داخل تھے اس لئے ان کو ان کی فیاضی کا خاص

---

1. بخاری کتاب المزارعتہ باب اذ قال اکفنی مئونۃ النخل وغیرہ
2. بخاری کتاب المناقب باب کیف آخی النبی ﷺ بین اصحابہ۔
3. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی بناء المسجد
4. مسلم کتاب الفرائض باب العمری۔
5. اصابہ تذکرہ حضرت سعد بن عبادہؓ

تجربہ تھا وہ فرماتے ہیں کہ میں صحابہ سے قرآن مجید کی وہ آیتیں پوچھا کرتا تھا جو مجھے ان سے زیادہ معلوم تھیں اور اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ کوئی کھانا کھلائے۔ چنانچہ جب حضرت جعفر بن ابی طالب سے پوچھنے کا اتفاق ہوتا تو وہ پہلے گھر لیجا کر سب کچھ کھلا دیتے یہاں تک کہ گھی کا خالی کپہ پھاڑ ڈالتے اور ہم لوگ اس کو چاٹ لیتے تھے۔ [1]

مہاجرین میں حضرت ابوبکرؓ نے آپ کے ساتھ ہجرت کی تو اپنا کل مال جس کی مقدار پانچ یا چھ ہزار تھی نیک کاموں میں صرف کرنے کے لئے ساتھ لیتے گئے ان کے والد ابوقحافہ گھر میں آئے تو کہا کہ ''تم لوگوں کو وہ مصیبت میں مبتلا کر کے چلا گیا'' حضرت اسماءؓ نے ان کی تسکین کے لئے بہت سی کنکریاں جمع کر کے طاق میں رکھیں اور ان کو ایک کپڑے سے ڈھانک کر کہا کہ ہاتھ سے ٹٹول لیجئے (وہ اندھے تھے) سب کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ [2]

مہاجرین میں حضرت عثمانؓ جس طرح بہت بڑے دولتمند تھے، بہت بڑے فیاض بھی تھے۔ عہد نبوت میں جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو آپ نے مسجد کو وسیع کرنا چاہا مسجد کے متصل ایک قطعہ زمین تھا جس کی نسبت آپ نے فرمایا کون اس کو خرید کر خدا کے حوالہ کرتا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے اس کو بیس ہزار درہم میں خرید کر مسجد پر وقف کر دیا، مسلمانوں کو پانی کی تکلیف تھی، بیر رومہ کو خرید کر وقف عام فرما دیا۔ غزوہ تبوک میں ایک متمدن سلطنت کا مقابلہ تھا اور صحابہ کرامؓ کے پاس سامانِ جہاد نہایت کم تھا۔ انہوں نے تنہا نہایت فیاضی کے ساتھ تمام سامان مہیا کیا۔ [3]

غزوۂ تبوک کے زمانہ میں آپ کی خدمت میں ہرقل کا قاصد آیا۔ چونکہ آپ عموماً قاصدوں سے لطف و مراعات کے ساتھ پیش آتے تھے، اس لئے آپ نے معذرت کی کہ ''ہم لوگ اس وقت سفر میں ہیں اگر ممکن ہوا تو ہم تمہیں صلہ دیں گے، حضرت عثمانؓ نے سنا تو پکارے کہ ''میں صلہ دوں گا'' چنانچہ اپنے توشہ دان سے ایک حلہ صفوریہ نکال کر اس کو دیا پھر آپ نے فرمایا کہ ''کون اس کو اپنا مہمان بنائے گا؟'' ایک انصاری نے کہا ''میں اس کے لئے حاضر ہوں'' [4]

---

[1] بخاری و ترمذی کتاب المناقب جعفر بن ابی طالب

[2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۵۰

[3] نسائی کتاب الجہاد فضل من جہز غازیا۔

[4] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۴۴۲

تقویت اسلام کے علاوہ ذاتی طور پر بھی صحابہ کرامؓ کی فیاضیوں کا دریا عموماً بہتا رہتا تھا، حضرت مقدامؓ ایک صحابی تھے وہ چند رفقاء کے ساتھ حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں حاضر ہوئے اورانہوں نے صرف ان کو مالی عطیہ دیا لیکن انہوں نے اپنے تمام رفقاء پر برابر تقسیم کردیا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے کہا کہ مقدام ایک فیاض شخص ہیں۔[1]

حضرت قیس بن سعدؓ نہایت فیاض اور بہادر صحابی تھے، غزوات میں انصار کا عَلَم ان ہی کے ہاتھ میں رہتا تھا اور وہ اس عزت کو اپنی فیاضی سے قائم رکھتے تھے، ایک غزوہ میں وہ قرض لے کر فوج کو کھانا کھلاتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی اس فوج میں شریک تھے دونوں بزرگوں نے مشورہ کیا کہ اگر ان کو اسی حال پر چھوڑ دیا گیا تو اپنے باپ کا تمام سرمایہ برباد کریں گے اس لئے ان کو روکنا چاہا۔ حضرت سعدؓ کو معلوم ہوا تو رسول اللہ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کر کہا کہ ''مجھ کو ابن قحافہ اور ابن خطاب سے کون بچائے گا؟ میرے بیٹے کو یہ بخیل بنانا چاہتے ہیں،''[2] ان کی فیاضی یہیں تک محدود نہ تھی، بلکہ ان کے پاس ایک پیالہ تھا وہ جہاں جاتے تھے اس میں ایک آدمی گوشت اور مالیدہ بھر کے لئے چلتا تھا اور پکارتا جاتا تھا کہ هلموا الی اللحم والثريد یعنی آؤ اور گوشت اور مالیدہ کھاؤ، ایک بار ایک بڑھیا نے ان سے کہا کہ ''میرے گھر میں چوہے نہیں رہتے'' بولے کیا خوب کنایہ ہے، اس کا گھر روٹی، گوشت، گھی اور کھجور سے بھر دو۔''[3]

حضرت عدیؓ حاتم طائی کے بیٹے تھے، ایک بار ان سے ایک شخص نے سو درہم مانگے تو بولے ''حاتم کے بیٹے سے صرف سو درہم مانگتا ہے، خدا کی قسم نہ دوں گا''[4]

حضرت عائشہ اس قدر فیاض تھیں کہ جو کچھ ہاتھ میں آجاتا اس کو صدقہ کر دیتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کو روکنا چاہا تو اس قدر برہم ہوئیں کہ ان سے بات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی۔[5] حضرت اسماءؓ بھی اسی درجہ کی فیاض تھیں لیکن دونوں بہنوں کے طرزِ عمل میں

---

[1] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی جلود والنمور۔

[2] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۱۵ تذکرہ حضرت قیس بن سعدؓ

[3] حسن المحاضرۃ جلد اول ص ۹۵

[4] مسلم کتاب الایمان باب ندر من حلف یمینا فرءالی غیرھا منہا ان یاتی الذی ھو خیر ویکفر عن یمینہ۔

[5] بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش

اختلاف تھا، حضرت عائشہ کا معمول یہ تھا کہ جمع کرتی جاتی تھیں جب معتد بہ سرمایہ جمع ہو جاتا تھا تو اس کو تقسیم کر دیتی تھیں لیکن حضرت اسماءؓ کل کے لئے کچھ نہ رکھ چھوڑتی تھیں جو کچھ ملتا تھا روز کا روز صرف کر دیا کرتی تھیں۔[1]

ایک بار حضرت منکدر بن عبداللہؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بولیں کہ ''تمھارے کوئی لڑکا ہے؟'' انہوں نے کہا نہیں فرمایا ''اگر میرے پاس دس ہزار درہم ہوتے تو میں تم کو دیدیتی۔'' حسنِ اتفاق سے شام ہی کو حضرت امیر معاویہؓ نے ان کے پاس روپے بھیجے، بولیں ''کس قدر جلدی میری آزمائش ہوئی'' فوراً ان کے پاس دس ہزار درہم بھجوا دیئے انہوں نے اس رقم سے ایک لونڈی خرید لی اور اس سے ان کے متعدد بچے پیدا ہوئے۔[2]

حضرت سعید بن عاصؓ کی فیاضی کا یہ حال تھا کہ اگر ان سے کوئی سائل سوال کرتا اور ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تو اس کو دستاویز لکھ دیتے کہ جب ہوگا تو دیا جائے گا، ہر جمعہ کو اپنے بھائی بند کو جمع کرتے ان کو کھانا کھلاتے ،خلعت پہناتے اور ان کے گھروں پر صلے بھیجتے، ہر جمعرات کو کوفہ (وہ کوفہ کے گورنر تھے) کی مسجد میں غلام کے ہاتھ اشرفیوں کے توڑے بھیجتے کہ نمازیوں کے آگے رکھ آئے اس بناء پر اس دن مسجد میں نمازیوں کا ازدحام ہو جاتا، مرتے وقت ان پر ۸۰ ہزار اشرفیوں کا قرض تھا، بیٹے نے پوچھا ''یہ قرض کیونکر ہوا'' بولے کسی شریف کی حاجت روائی کی، کسی حیادار آدمی کو اس کے سوال کرنے سے پہلے دیدیا، اسی میں یہ قرض ہوا''[3]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی فیاضی کا یہ حال تھا کہ ایک بار ان کے پاس بیس ہزار درہم سے زیادہ آئے انہوں نے اسی مجلس میں بیٹھے بیٹھے لوگوں کو دیدیا یہاں تک کہ جب کل خرچ ہو چکا تو ایک شخص کو ان ہی سے قرض لے کر دیدیا وہ اکثر روزے سے رہتے تھے لیکن جب کوئی مہمان آجاتا تھا تو وہ روزہ توڑ دیتے تھے کہ فیاضی کی وجہ سے کھانا کھلانا ان کو بہت پسند تھا، ان کے دستر خوان پر اس کثرت سے لوگ جمع ہو جاتے تھے کہ بعض لوگوں کو کھڑے کھڑے کھانا کھانے کا اتفاق

---

[1] الادب المفرد باب السخاوۃ

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ منکدر بن عبداللہ۔

[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعید بن العاصؓ

ہوتا تھا ایک بار ان کی خواہش سے مچھلی پکائی گئی۔ سامنے آئی تو ایک سائل آیا۔ انہوں نے اس کو اُٹھا کر دیدیا ایک بار بیمار پڑے لوگوں نے ان کے لئے ایک درہم پر پانچ انگور خریدے سامنے سے سائل گزرا، انہوں نے اس کو دینا چاہا، لوگوں نے کہا کہ ''ہم اس کو دیدیں گے'' لیکن نہ مانے بالآخر لوگوں نے اس کو دے کر بعد کو اس سے پھر خرید لیا۔ [1]

کفِ لسان:

حدیث شریف میں آیا ہے۔

من وقاه اللّٰه شر اثنتين دبح الجنة مابين لحيه وما بين رجليه (موطائے امام مالک)

''جس شخص کو خدا نے دو چیزوں کی برائی سے محفوظ رکھا تو وہ جنت میں داخل ہوا یعنی زبان اور شرم گاہ۔''

اس لئے صحابہ کرامؓ غیبت' بدگوئی' نکتہ چینی' فحاشی' سب وشتم اور لایعنی باتوں سے نہایت احتراز کرتے تھے۔

حضرت حارث بن ہشامؓ نہایت کم سخن تھے، ایک بار انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کوئی ایسا عمل بتایئے جس کا میں التزام کرلوں'' آپ نے زبان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ ''اس کو قابو میں رکھو'' وہ پہلے ہی سے کم سخن تھے، انہوں نے کہا کہ ''یہ تو نہایت آسان کام ہے'' لیکن ان کا بیان ہے کہ ''جب میں نے اس پر عمل کرنا چاہا تو وہ نہایت دشوار معلوم ہوا'' [2]

ایک بار حضرت عبدالرحمٰن بن حارثؓ نے حضرت عائشہؓ و حضرت اُم سلمہؓ کی سند سے مروان کے سامنے ایک حدیث بیان کی، اس سے پہلے حضرت ابوہریرہؓ اس کے مخالف روایت کرچکے تھے مروان نے اس کو قسم دلائی کہ ردوقدح کے ذریعہ سے ابوہریرہؓ کو جاکر دق کرو لیکن انہوں نے اس کو پسند نہیں کیا۔

ایک روز اتفاق سے حضرت ابوہریرہؓ مل گئے، انہوں نے نہایت نرمی سے کہا ''میں تم سے ایک بات کہتا ہوں اور اگر مروان نے قسم نہ دلائی ہوتی تو نہ کہتا'' اس کے بعد حضرت عائشہؓ اور

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

[2] استیعاب تذکرہ حضرت حارث بن ہشام بن مغیرہ

حضرت ام سلمہؓ کی روایت بیان کی۔[1]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن سلیم کو چند نصیحتیں کیں، جن میں ایک یہ تھی کہ کسی کو برا بھلا نہ کہو، وہ فرماتے ہیں کہ "اس کے بعد میں نے انسان تو انسان اونٹ اور بکری کی نسبت بھی ناملائم الفاظ استعمال نہیں کیے۔[2]

ایک بار حضرت شداد بن اوس سفر میں تھے۔ منزل پر اترے تو غلام سے کہا کہ چھری لاؤ اس سے کھیلیں۔" چونکہ یہ فعل عبث تھا، لوگوں نے اس پر نکتہ چینی کی، بولے کہ "جب سے میں اسلام لایا بجز اس کلمہ کے جو بات کہتا تھا اس کو لگام اور مہار دونوں لگالیتا تھا، سو تم لوگ میری اس بات کو نہ یاد کرو"[3]

اگر صحابہ کرامؓ کی زبان سے کوئی سخت لفظ نکل جاتا تھا تو اس پر ان کو سخت ندامت ہوتی تھی، ایک بار حضرت ابو بکرؓ نے حضرت ربیعہؓ اسلمی کو ایک سخت کلمہ کہہ دیا جس پر ان کو سخت ندامت ہوئی اور حضرت ربیعہؓ سے کہا کہ "تم بھی مجھ کو ایسا ہی کلمہ کہو تا کہ بدلہ ہو جائے" انہوں نے کہا "میں ایسا نہیں کر سکتا" بولے "تو پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت کروں گا، انہوں نے اب بھی انکار کیا، معاملہ آپ تک پہنچا تو آپؐ نے حضرت ربیعہؓ سے کہا کہ "تم نے بہت اچھا کیا۔ لیکن ابو بکرؓ کے لئے استغفار کرو" انہوں نے ان کے لئے دعائے مغفرت مانگی تو وہ روتے ہوئے واپس آئے۔[4]

ایک بار حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ میں سخت کلامی ہوگئی بعد کو حضرت ابو بکرؓ کو ندامت ہوئی اور حضرت عمرؓ سے معافی مانگی، انہوں نے معافی سے انکار کیا تو گھبرائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے تین بار فرمایا "خدا تمھاری مغفرت کرے۔" اب حضرت عمرؓ کو بھی پشیمانی ہوئی، دوڑے ہوئے حضرت ابو بکرؓ کے گھر آئے ان سے ملاقات نہ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ آپ کا چہرہ متغیر ہے اس حالت کو دیکھ کر

---

1. بخاری کتاب الصوم باب الصائم یصبح جنبا
2. استیعاب تذکرہ حضرت جابر بن سلیمؓ
3. مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۳
4. مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۵۹،۵۸

خود حضرت ابوبکرؓ کے دل میں خوف پیدا ہوا کہ مبادا حضرت عمرؓ کے خلاف کوئی ناگوار بات نہ پیش آ جائے اس لئے دوزانو ہو کر کہا ''یا رسول اللہ ﷺ میں نے بڑا ظلم کیا''۔[1]

حضرت ابوبکرؓ کو اپنی زبان پر قابو نہ تھا اس لئے وہ ہمیشہ اس پر نادم رہتے تھے اور اس کی اصلاح کرتے تھے ایک بار حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ وہ اپنی زبان کھینچ رہے ہیں بولے ''خدا آپ کی مغفرت کرے اس فعل سے باز آیئے۔'' بولے ''اسی نے تو مجھ کو تباہ کیا ہے۔[2]

عیب پوشی:

ایک شخص ایک گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، ہم لوگ اس کو افسانہ بزم وانجمن بنا لیتے ہیں لیکن صحابہ کرام لوگوں کی برائیوں کو چھپاتے تھے اور نیکیوں کو نمایاں کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے عہد میں دنیا کے سیاہ چہرے پر عیب پوشی کی نورانی چادر پڑی ہوئی تھی، ایک دن حضرت عقبہ بن عامرؓ سے ان کے میر منشی نے کہا کہ ''میرے پڑوسی شراب پیتے ہیں، میں نے ان کو منع کیا، باز نہ آئے، اب میں پولیس کو بلاتا ہوں'' انہوں نے کہا جانے دو، اس نے دوسری بار پھر یہی گزارش کی، بولے ''جانے دو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے:۔

من رای عورۃ فسترھا کان کمن احیی موءدۃ[3]

''جس نے عیوب پر پردہ ڈالا وہ اس شخص کے مثل ہے جس نے زندہ درگور لڑکی کو جلا لیا۔''

حضرت ابوبکرؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور زنا کا اقرار کیا، بولے ''اور کسی سے کہا ہے'' کہا ''نہیں'' فرمایا خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اس پر خدا کا پردہ ڈال لو کیونکہ خدا بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے'' لیکن اس کو تسکین نہ ہوئی اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔[4]

---

[1] بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکرؓ

[2] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فیما یخاف من اللسان

[3] ابوداؤد کتاب الادب باب الستر علی المسلم

[4] موطائے امام محمد ابواب الحد ودفی الزناء باب الاقرار بالزناء

حضرت ابوبکرؓ فرماتے تھے کہ اگر میں چور کو پکڑتا تو میری سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی کہ خدا اُس کے جرم پر پردہ ڈال دے“ [1]

انتقام نہ لینا :

اگر دشمن کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو ہمارے لئے انتقام لینے کا اس سے بہتر کوئی موقع نہیں مل سکتا لیکن صحابہ کرام کے دل میں خدا اور رسول کی محبت نے بغض و انتقام کی جگہ کب چھوڑی تھی؟

حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ میں باہم نوک جھونک رہتی تھی، لیکن جب حضرت عائشہ پر اتہام لگایا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب سے ان کی اخلاقی حالت دریافت فرمائی تو بجائے اس کے کہ وہ انتقام لیتیں بولیں کہ میں اپنے کان اور آنکھ کی پوری حفاظت کرتی ہوں مجھے ان کی بھلائی کے سوا کچھ معلوم نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ کو خود اعتراف ہے کہ

وھی التی تصامینی فعصمھا اللہ بالورع [2]

وہ اگرچہ میری حریف مقابل تھیں لیکن خدا نے تورع کی وجہ سے ان کو بچا لیا۔

انتقام تو بڑی چیز ہے صحابہ کرامؓ اپنے دشمنوں سے بغض رکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

حضرت معاویہ بن خدیجؓ نے حضرت عائشہ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو قتل کر دیا تھا ایک بار وہ کسی فوج کے سپہ سالار تھے، حضرت عائشہ نے ایک شخص سے پوچھا کہ اس غزوہ میں معاویہ کا سلوک کیسا رہا؟ اس نے کہا ”ان میں کوئی عیب نہ تھا، سب لوگ ان کے مداح رہے، اگر کوئی اونٹ ضائع ہو جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا اونٹ دیدیتے تھے، اگر کوئی گھوڑا مر جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا گھوڑا دیدیتے تھے، اگر کوئی غلام بھاگ جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا غلام دیتے تھے۔“ حضرت عائشہ نے یہ سن کر کہا ”استغفر اللہ! اگر میں ان سے اس بناء پر دشمنی رکھوں کہ انہوں نے میرے بھائی کو قتل کیا، میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا ہے کہ ”

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ زبیدہ بن الصلق

[2] بخاری کتاب الشہادت باب تعدیل النساء بعضھن بعضا

خداوندا جو شخص میری امت کے ساتھ نرمی کرے تو بھی اس کے ساتھ نرمی کر اور جو ان پر سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر''[1]

حلم:

فیض تربیت نبویؐ نے صحابہ کرامؓ کو نہایت نرم خو، حلیم اور بردبار بنا دیا تھا ایک بار ایک شخص نے حضرت ابوبکرؓ کو برا بھلا کہا، وہ خاموش رہے اس نے دوسری بار پھر کلمات ناشائستہ کہے وہ چپ رہے تیسری بار پھر ان کا اعادہ کیا تب اس کا جواب دیا لیکن رسول اللہ نے اس کو بھی ناپسند کیا۔[2]

حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر تھے، لیکن حلم و بردباری کا یہ حال تھا کہ ایک بار راستے میں جا رہے تھے، ایک شخص بانس کا بوجھ لئے جا رہا تھا، اس سے ان کا بدن چھل گیا اس کے پاس پھر کے آئے اور اس کا شانہ ہلا کر کہا کہ ''جب تک نوجوان کی حکومت کا زمانہ نہ دیکھ لو تمہیں موت نہ آئے۔''[3] وہ عبا اور جانگھیا پہن کر نکلتے تو لوگ ان کو دیکھ کر کہتے ''کرک آمد کرک آمد'' وہ پوچھتے کہ یہ کیا کہتے ہیں؟ لوگ کہتے کہ ''آپ کو ایک کھلونے سے تشبیہ دیتے ہیں'' لیکن وہ یہ سن کر صرف اس قدر کہتے کہ ان کا کوئی جرم نہیں، نیکی آج کے دن کے بعد ہے،،

اسی قسم کی وضع کی وجہ سے راستہ میں بچے ان کو گھیر لیتے تو بعض لوگ کہتے کہ امیر کے پاس سے ہٹ نہیں جاتے۔'' فرماتے ''ان کو جانے دو، برائی بھلائی آج کے بعد ہے،،

ایک بار وہ کسی فوج کے سپہ سالار تھے چند نوجوان سپاہیوں کے سامنے سے گزرے تو وہ سب ان کو دیکھ کر ہنس پڑے اور تمسخر آمیز لہجے میں کہا کہ ''یہی تمہارے سپہ سالار ہیں'' ایک شخص نے کہا کہ دیکھیے تو یہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ بولے، جانے بھی دو۔[4]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت معاویہ بن حدیج

[2] ابوداؤد کتاب الادب باب فی الانتصار

[3] یعنی وہ میری طرح اس کے متحمل نہ ہوں گے۔

[4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ

مہمان نوازی :

مہمان نوازی اہل عرب کے محاسنِ اخلاق کا نہایت نمایاں جز وتھی اور اسلام نے اس کو اور بھی نمایاں کر دیا تھا، اس لئے صحابہ کرامؓ کی زندگی میں مہمان نوازی کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک بار وفد بنو منتفق حاضر ہوا، سوئے اتفاق سے آپ گھر میں موجود نہ تھے لیکن حضرت عائشہؓ نے فوراً خزیرہ (عرب کا ایک کھانا تھا) تیار کرنے کا حکم دیا اور مہمانوں کے سامنے ایک طبق میں کھجوریں رکھوا دیں، آپ تشریف لائے تو حسب معمول سب سے پہلے دریافت فرمایا کہ کچھ ضیافت کا سامان ہوا یا نہیں؟ ان لوگوں نے کہا ''یہ تو ہو چکا'' [1]

ایک بار ایک شخص حضرت ابوذر غفاریؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے باصرار کھانا منگوایا اور کہا کہ ''کھاؤ میں روزہ سے ہوں'' [2]

ایک بار حضرت ابوالدرداؓ کی خدمت میں ایک شخص آیا' انہوں نے کہا کہ اگر آپ قیام کریں تو ہم آپ کے ناقہ کو چرنے کے لئے چھوڑ دیں اور اگر جانا چاہیں تو اس کو چارہ کھلا دیں' وہ بولا کہ ''میں جانا چاہتا ہوں'' فرمایا ''تو میں تم کو زادراہ دیتا ہوں، اگر اس سے بہتر کوئی زادِراہ ہوتا تو میں اس کو تمھارے ساتھ کر دیتا'' یہ کہہ کر ایک حدیث بیان کی۔ [3]

آپ کی خدمت میں وفد عبدالقیس حاضر ہوا تو آپ نے انصار کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ''اپنے بھائیوں کی خاطر مدارات کرو کیونکہ شکل میں صورت میں وضع میں اور اسلام میں وہ تم سے بہت مشابہ ہیں اور بلا جبر واکراہ اسلام لائے ہیں۔'' انصار نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لے لیا۔ صبح کے وقت وہ لوگ حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا ''تمھارے بھائیوں نے تمھاری خاطر مدارات کیسی کی؟ بولے ''بڑے اچھے لوگ ہیں، ہمارے لئے نرم بچھونے بچھائے عمدہ کھانے کھلائے اور رات بھر کتاب وسنت کی تعلیم دیتے رہے۔'' آپ نہایت خوش ہوئے اور ہر ایک نے جو کچھ

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی الاستنثار

[2] الادب المفرد باب من قدم الی ضیفہ طعاما فقام یصلی۔

[3] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۴۳۲

پڑھا تھا اس کو سنایا، [1] ایک شخص مدینہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے مہمان ہوئے اور انہوں نے جس طریقے سے ان کی مہمانداری کی وہ اس کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

فلم ار رجلا من اصحاب النبی اللہ ﷺ اشد تشمیرا ولا اقوم علی ضیف منه [2]

''میں نے صحابہ میں سے کسی کو ان سے زیادہ مستعدانہ طریقہ پر مہمانی کرنے والا اور مہمان کی خبر رکھنے والا نہیں پایا۔''

حضرت ام شریکؓ نہایت دولتمند اور نہایت فیاض صحابیہ تھیں انہوں نے اپنے مکان کو مہمان خانہ بنا دیا تھا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باہر سے جو مہمان آتے تھے وہ اکثر ان ہی کے مکان پر ٹھہرتے تھے۔ [3]

تحفظِ عزت :

حضرت محمد بن مسلمہؓ جب کعب بن اشرف کے قتل کو گئے اور اس سے قرض لینے کا بہانہ کیا تو اس نے اپنی دنائت طبعی سے ان کی آل اولاد کو گروی کروانا چاہا، لیکن وہ بولے ''سبحان اللہ لوگ ہماری اولاد کو طعنہ دیں گے کہ دو وسق غلہ پر گروی تھے۔'' [4]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جس روز شہید ہوئے اس روز اپنی والدہ حضرت اسماءؓ کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے ان کو دیکھا تو بولیں ''بیٹا قتل کے خوف سے ہرگز کوئی ایسی شرط نہ قبول کر لینا جس میں تم کو ذلت برداشت کرنا پڑے، خدا کی قسم عزت کے ساتھ تلوار کھا کر مرجانا اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کر لی جائے'' [5] شاعروں کی حوصلہ افزائی اگرچہ صحابہ کرامؓ کے تقدس کے خلاف تھی، تاہم تحفظ عزت کے لئے وہ اس فرقہ کو بھی محروم

۱۔ مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۴۳۲

۲۔ ابوداؤد کتاب النکاح باب ما یکره من ذکر الرجل ما یکون من اصابته اہلہ

۳۔ نسائی کتاب النکاح باب الخطبۃ فی النکاح

۴۔ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی العدو یوتی علی غرۃ ویشتبہ بھم۔

۵۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

نہیں کرتے تھے ایک بار حضرت عمرانؓ بن حصین کی خدمت میں ایک شاعر آیا جس کو انہوں نے صلہ دیا، لوگوں نے کہا ''آپ شاعر کو انعام دیتے ہیں'' بولے ''اپنی عزت کو قائم رکھتا ہوں،،[1]

صبر وثبات :

مردوں پر نوحہ و بکا کرنا، بال نوچنا، کپڑے پھاڑ ڈالنا، مدتوں مرثیہ خوانی کرنا عرب کا قومی شعار تھا لیکن فیض تربیت نبویؐ نے صحابہ کرامؓ کو صبر وثبات کا اس قدر خوگر بنا دیا تھا کہ حضرت ابوطلحہؓ انصاری کا لڑکا بیمار ہوا اور وہ صبح کے وقت اس کو بیمار چھوڑ کر باہر چلے گئے اور ان کی عدم موجودگی میں لڑکا جاں بحق تسلیم ہو گیا ان کی بی بی نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ ابوطلحہؓ سے نہ کہنا، وہ شام کو پلٹے تو بی بی سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ بولیں ''پہلے سے زیادہ سکون کی حالت میں ہے۔'' یہ کہہ کر سامنے کھانا لائیں اور انہوں نے کھانا کھایا اس کے بعد معمول سے زیادہ بن ٹھن کے سامنے آئیں اور ان کے ساتھ ہم بستر ہوئیں، صبح ہوئی تو استعارۃً کہا کہ ''اگر ایک قوم کسی کو کوئی چیز عاریتہً دے اور پھر اس کا مطالبہ کرے تو کیا اس کو اس کے روک رکھنے کا حق حاصل ہے؟'' بولے ''نہیں'' بولیں ''تو پھر اپنے بیٹے پر صبر کرو۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ غزوہ احد سے واپس ہوئے تو تمام صحابیات اپنے اپنے اعزہ واقارب کا حال پوچھنے آئیں انہی میں حضرت حمنہ بنتِ جحش بھی تھیں وہ آئیں تو آپ نے فرمایا کہ ''حمنہ اپنے بھائی عبداللہ بن جحشؓ پر صبر کرو'' انہوں نے انا للہ پڑھا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی پھر فرمایا کہ ''اپنے ماموں حمزہ بن عبدالمطلب پر بھی صبر کرو۔'' انہوں نے اس پر بھی انا للہ پڑھا اور دعائے مغفرت کر کے خاموش ہو رہیں۔[3]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے واقد نے انتقال کیا تو انہوں نے تجہیز و تکفین کے بعد بدوؤں کو بلایا اور ان میں دوڑ کروائی، اس پر حضرت نافعؒ نے کہا کہ ''ابھی آپ واقد کو

---

[1] الادب المفرد باب عطاء الشاعر اذا خاف شرہ

[2] مسلم کتاب الآداب باب استحباب تحنیک المولود عند ولادۃ وحملہ الی صالح یحنکہ و جواز تسمیتہ یوم ولادۃ واستحباب التسمیۃ بعبداللہ وابراہیم وسائر الانبیاء علیہم السلام وکتاب الفضائل باب من فضائل ابی طلحۃ الانصاریؓ

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حمنہؓ بنت جحش

دفن کر کے آئے ہیں اور ابھی بدوؤں میں دوڑ گروار ہے ہیں ''فرمایا'' اے نافع جب مشیت ایزدی اپنا کام کر چکی تو اس کے نتائج کو کسی نہ کسی طرح بھلا ہی دینا چاہئے،،[1]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب حجاج سے معرکہ آراء ہوئے تو ان کی والدہ حضرت اسماءؓ بیمار تھیں وہ ان کے پاس آئے اور مزاج پرسی کے بعد بولے کہ ''مرنے میں آرام ہے'' بولیں ''شاید تم کو میرے مرنے کی آرزو ہے لیکن جب تک دو باتوں میں سے ایک نہ ہو جائے میں مرنا پسند نہ کروں گی، یا تم شہید ہو جاؤ اور میں تم پر صبر کر لوں یا فتح وظفر حاصل کرو کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔'' چنانچہ جب وہ شہید ہو چکے تو حجاج نے ان کو سولی پر لٹکا دیا، حضرت اسماءؓ باوجود پیرانہ سالی کے عبرت کا یہ منظر دیکھنے آئیں اور بجائے اس کے کہ روتی پیٹتیں حجاج کی طرف مخاطب ہو کر کہا، ''کیا اس سوار کے لئے ابھی تک وقت نہیں آیا کہ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آئے۔،،[2]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک سفر میں تھے اسی حالت میں اپنے بھائی حضرت قثم بن عباسؓ کے انتقال کی خبر سنی، پہلے انا للّٰہ پڑھا پھر راستے سے ہٹ کر دو رکعت نماز ادا کی، نماز سے فارغ ہو کر اونٹ پر سوار ہوئے اور یہ آیت پڑھی۔

واستعینوا بالصبر والصلوة وانها لکبیرة الا علی الخاشعین۔[3]

(مصیبت میں) صبر اور نماز کا سہارا پکڑو، نماز بجز خشوع وخضوع کرنے والوں کے سب پر گراں ہے۔

اسی صبر وثبات کا یہ نتیجہ تھا کہ جب کفار نے حضرت خبیبؓ کو شہید کرنا چاہا تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور کہا کہ اگر تم کو یہ خیال نہ ہوتا کہ میں مرنے سے ڈرتا ہوں تو ان رکعات کو اور طویل کرتا۔'' اس کے بعد یہ اشعار پڑھے۔

ولست ابالی حین اقتل مسلما[4] علی ای شق کان للّٰہ مصرعی

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ واقد بن عبداللہؓ۔

[2] استیعاب تذکرہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت قثم بن عباسؓ۔

[4] بخاری کتاب الجہاد باب قتل الاسیر

جب میں مسلمان ہو کر مرتا ہوں۔ تو اس کی کیا پروا کہ میرا دھڑ کس بل گرے گا۔

وذلک فی ذات الاله وان یشاء یبارك على اوصال شلو ممزع

یہ مرنا تو خدا کے لئے ہے، اگر وہ چاہے۔ تو ان کٹے ہوئے جوڑوں پر برکت نازل کرسکتا ہے۔

جرأت وشجاعت :

جرأت وشجاعت کا اظہار کبھی عقائد کے اظہار میں ہوتا ہے کبھی میدان جنگ میں اور کبھی ظالم بادشاہوں کے سامنے صحابہ کرامؓ میں یہ اخلاقی جوہر موجود تھا، اس لیے اس کا اظہور ان تمام موقعوں پر ہوتا تھا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نہایت قدیم الاسلام صحابی ہیں وہ مکہ میں آ کر ایمان لائے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو ہدایت کی کہ اس وقت اپنے وطن کو واپس جاؤ اور اپنی قوم کو میری بعثت کی خبر کرو، لیکن انہوں نے نہایت پر جوش لہجے میں کہا کہ ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں کفار مکہ کے سامنے ہی کلمہ توحید کا اعلان کروں گا'' حالت یہ تھی کہ وہ غریب الوطن تھے، مکہ میں کوئی ان کا حامی و مددگار نہ تھا۔ لیکن بایں ہمہ وہ مسجد حرام میں آئے اور با آواز بلند کہا۔

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ

اس آواز کا سننا تھا کہ کفار ٹوٹ پڑے اور سخت زدوکوب کی۔ لیکن انہوں نے دوسرے دن پھر اسی جوش کے ساتھ خانہ کعبہ میں اس کلمے کا اعلان کیا اور کفار نے پھر اسی طرح یورش کی۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ چھٹے مسلمان ہیں۔ ان میں سے پہلے کوئی مسلمان مکہ میں علانیہ تلاوت قرآن کی جرات نہیں کرسکتا تھا لیکن وہ اسلام لائے تو ایک روز تمام صحابہ نے جمع ہو کر کہا کہ اب تک قریش نے قرآن مجید کو کسی کی زبان سے علانیہ نہیں سنا اس کی جرات کون کرسکتا ہے،،؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ ''میں'' صحابہ کرامؓ نے کہا کہ ''ہم کو تمھاری نسبت خوف ہے ہم ایسا آدمی چاہتے ہیں جس کا قبیلہ ہو تا کہ کفار حملہ کریں تو اس کی طرف سے مدافعت کر سکے'' بولے'' مجھے جانے دو، خدا میری حفاظت کریگا'' اٹھے اور ٹھیک دوپہر میں آئے، خانہ کعبہ

[1] بخاری کتاب المناقب باب اسلام ابی ذرؓ۔

میں قریش انجمن آراء تھے، مقام ابراہیم کے پاس پہنچ کر باآواز بلند کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم الرحمن علمہ القرآن کفار نے سنا تو کہا کہ ابن ام عبید کیا کہتا ہے؟ غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی آیتیں ہیں، دفعتہً تمام کفار ٹوٹ پڑے اور زدوکوب کرنے لگے وہ پلٹے تو چہرے پر زخموں کے نشان دیکھ کر صحابہ نے کہا کہ ''ہم کو اسی کا تو ڈر تھا'' بولے ''خدا کے دشمن آج سے زیادہ مجھے کبھی کمزور نظر نہیں آئے اگر کہو تو کل بھی اسی طرح ان کو علانیہ قرآن سنا آؤں،،[1]

حضرت عمرؓ اسلام لائے تو پہلے اپنے ماموں کے گھر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا انہوں نے دروازہ کھولا تو کہا ''تمھیں معلوم ہے کہ میں صابی ہوگیا'' وہاں سے ایک سردار قریش کے پاس آئے اور وہاں بھی یہی گفتگو ہوئی، وہاں سے نکلے تو ایک آدمی نے کہا کہ ''تم اپنے اسلام کا اعلان کرنا چاہتے ہو،،؟ بولے ''ہاں'' اس نے کہا تو اس کی صورت یہ ہے کہ جب کفار خانہ کعبہ میں حجراسود کے پاس جمع ہوں تو تم وہاں جاؤ ان میں ایک آدمی ہے جو افشائے راز میں بدنام ہے، اس کے کان میں یہ راز کہد و وہ اعلان کردے گا۔'' انہوں نے خانہ کعبہ میں جا کر اس کے کان میں کہا تو وہ باآواز بلند پکارا کہ ''عمر بن الخطاب صابی ہوگیا۔'' یہ سننا تھا کہ کفار دفعتہً ٹوٹ پڑے اور باہم زدوکوب ہونے لگی، بالآخر ان کے ماموں نے اپنی آستین سے اشارہ کیا کہ میں اپنے بھانجے کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں، اب کفار رک گئے۔[2]

غزوات میں صحابہ کرام نے جس طرح داد شجاعت دی صحابیات کے بہادرانہ کارنامے اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہیں، غزوہ حنین میں کفار نے اس زوروشور سے حملہ کیا تھا، کہ میدان جنگ لرز اٹھا تھا، لیکن حضرت ام سلیمؓ کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے منتظر تھیں کہ کوئی کافر سامنے آئے تو اس کا کام تمام کردیں، چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ نے ان کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بولیں ''چاہتی ہوں کہ کوئی کافر قریب آئے تو پیٹ میں بھونک دوں،،[3]

---

1. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن مسعود
2. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ۔
3. ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی السلب یعطی القاتل

غزوۂ خندق میں رسول اللہ ﷺ نے تمام بیبیوں کو ایک قلعہ میں جمع کر دیا تھا ایک یہودی آیا اور قلعہ کے گرد چکر لگانے لگا، حضرت صفیہ نے دیکھا تو حضرت حسانؓ سے کہا، ممکن ہے کہ یہ پلٹ کر یہودیوں سے ہماری جاسوسی کرے جاؤ اور اس کو قتل کرو' بولے ''تمھیں تو یہ معلوم ہے کہ'' میں اس میدان کا مرد نہیں'' اب حضرت صفیہؓ خود اتریں اور خیمہ کے ایک ستون سے اس کو ایسا مارا کہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔[1]

تمام عرب حجاج کے ظلم وستم سے کانپتا تھا، لیکن جب اس نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو پھانسی دی اور ان کی والدہ حضرت اسماءؓ کو بلوا بھیجا تو انہوں نے آنے سے انکار کیا، دوسری بار آدمی بھیجا کہ اگر اب کے نہ آئیں تو بال پکڑ کر گھسیٹ کر بلواؤں گا'' انہوں نے پھر انکار کیا اور کہا کہ'' ان لوگوں کو بھیج دو جو بال پکڑ کر مجھے گھسیٹ لے جائیں' مجبوراً حجاج خود آیا اور کہا کہ دیکھا میں نے خدا کے دشمن کے ساتھ کیا کیا؟ بولیں '' ہاں دیکھا تم نے اس کی دنیا خراب کی اس نے تمھاری آخرت کو برباد کیا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اس کو ابن ذوالنطاقین کہتے تھے، دو پٹکوں والی عورت کا لڑکا، خدا کی قسم؟ ذوالنطاقین میں ہی ہوں۔ ایک پٹکے میں میں نے ہجرت کے وقت رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر کا ادراہ باندھا تھا، اور دوسرا پٹکا عورت کا معمولی پٹکا ہے جس سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتی، آپ نے فرمایا ہے کہ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ہلاکو پیدا ہوگا کذاب (مسیلمہ) کو تو ہم دیکھ چکے، میرا خیال ہے کہ ہلاکو تو ہے'' حجاج اٹھ کھڑا ہوا اور کچھ جواب نہ دیا۔[2]

اعترافِ گناہ:

اگر چہ صحابہ کرامؓ چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو بھی بڑا سمجھتے تھے اور اس سے اجتناب کرتے تھے چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں۔

انکم لتعلمون اعمالا هي ادق في اعينكم من الشعر ان
كنا لنعد ها على عهد النبي ﷺ من الموبقات[3]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب
[2] مسلم کتاب الفضائل باب ذکر کذاب ثقیف وغیرھا
[3] بخاری کتاب الرقاق باب ما یتقی من محقرات الذنوب

''تم لوگ بہت سے کام کرتے ہو جو تمھیں بال سے بھی زیادہ باریک یعنی حقیر نظر آتے ہیں لیکن ہم لوگ عہد نبوت میں ان کو مہلک ترین گناہ میں شمار کرتے تھے۔''

تاہم مقتضائے بشریت ان سے کبھی کبھی گناہ سرزد ہو جایا کرتے تھے، لیکن ہم میں اور ان میں فرق یہ ہے کہ ہم گناہ کرتے ہیں تو طرح طرح کے ریاکارانہ طریقوں سے اس کو چھپاتے ہیں لیکن صحابہ کرامؓ نہایت صداقت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے تھے اور طالب مغفرت ہوتے تھے۔

ایک بار ماہِ رمضان میں حضرت سلمہ بن صخرؓ نے اپنی بی بی سے اظہار کیا، لیکن ایک روز بی بی رات کو مصروف خدمت تھیں، ان سے مقاربت کرلی، چونکہ اس حالت میں مقاربت ناجائز تھی پہلے اپنی قوم کو اس واقعہ کی خبر کی اور کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چلو ''لوگوں نے انکار کیا تو خود گئے اور آپ کو واقعہ کی اطلاع دی آپ نے فرمایا ''تم اور ایسا کام؟ بولے ''ہاں یا رسول اللہ میں خدا کے حکم پر صابر رہوں گا، جو فیصلہ ہو صادر فرمایئے''۔[1]

ایک بار روزے کے دن میں حضرت عمرؓ نے اپنی بی بی کا بوسہ لے لیا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ''میں نے بڑا قصور کیا ہے'' آپؐ نے فرمایا ''اگر تم روزے کی حالت میں کلی کرلو تو اس کی نسبت تمھارا کیا خیال ہے؟'' بولے ''اس میں کوئی حرج نہیں'' ارشاد ہوا کہ اسی طرح اس کو بھی جانے دو۔[2]

ایک بار رمضان کے دن میں رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے ایک صحابی نے آکر کہا ''یا رسول اللہ میں تو جل بھنا ''آپؐ نے پوچھا کیا حال ہے؟ بولے ''بی بی سے مقاربت کرلی''۔[3]

صداقت:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جھوٹ سے زیادہ کوئی خلق اصحاب رسول اللہ کے نزدیک مبغوض نہ تھا، اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جھوٹ بول دیتا تو آپ کے دل میں

[1] ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی الظہار

[2] ابوداؤد کتاب الصیام باب القبلۃ للصائم۔

[3] ایضاً باب کفارۃ من اتی اہلہ فی رمضان

اس وقت تک اس کی کھٹک باقی رہتی جب تک وہ توبہ نہ کر لیتا۔ [1]

مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے تمام مال غنیمت قریش کو دیدیا، انصار کو خبر ہوئی تو بولے ''یاللعجب! ہماری تلواروں سے جن کا خون ٹپک رہا ہے ہمارا مال غنیمت انھیں کو دیا جارہا ہے'' آپ ؐ کو معلوم ہوا تو تمام انصار کو جمع کر کے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ صحابہ کرامؓ آپ کے خوف وداب سے کانپتے رہتے تھے اس لئے آپ کے سامنے اس گستاخی کا اقرار ان کے لئے نہایت مشکل تھا تاہم انصار نے صاف کہہ دیا کہ ''جو کچھ آپ کو معلوم ہوا واقعہ وہی ہے'' اس حدیث کے راوی حضرت انس بن مالکؓ اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وکانو الا یکذبون [2]

''یہ اقرار اس بنا پر تھا کہ صحابہ جھوٹ نہیں بولتے تھے۔''

غزوہ تبوک کی عدم شرکت پر رسول اللہ ﷺ نے باز پرس فرمائی تو منافقین نے جھوٹی سچی معذرت کر دی اور آپؐ نے اس کو قبول کر لیا، لیکن حضرت کعب بن مالکؓ نے سچ سچ کہہ دیا کہ ''اگر میں کسی دنیادار آدمی کے پاس ہوتا تو چرب زبانی سے اس کی ناراضگی سے بچ جاتا، لیکن اگر میں کوئی جھوٹا عذر کر کے آپ کی ناراضگی سے بچ جاؤں تو ممکن ہے کہ خدا آپ کو مجھ پر ناراض کر دے (یعنی بذریعہ وحی اصل حقیقت سے خبر کر دے) لیکن اگر سچ بولوں تو گو آپ مجھ پر ناراض ہو جائیں گے، تاہم مجھ کو خدا سے عفو و مغفرت کی توقع رہے گی، خدا کی قسم! میں بالکل معذور نہ تھا خدا کی قسم میں اس زمانہ سے زیادہ کبھی متمول اور چاق و چست نہ تھا' آپ نے فرمایا ''اس نے سچ کہا'' بالآخر آپ نے ان پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا، لیکن جب خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی تو ان کو خود اس صداقت پہ ناز ہوا چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

ماانعم اللّٰہ علی من نعمۃ قط بعد ان ھد انی للاسلام اعظم
فی نفسی من صدقی لرسول اللّٰہ ان لا اکون کذبتہ
فاھلک کما ھلک الذین کذبوا [3]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۱۵۲

[2] مسلم کتاب الزکوۃ باب اعطا المولفۃ القلوبہم علی الاسلام

[3] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک۔

''اسلام لانے کے بعد خدا نے مجھ پر کوئی ایسا احسان نہیں کیا جس کی عزت میرے دل میں اس سچائی سے زیادہ ہو جس کا اظہار میں نے آپؐ کے سامنے کیا، اگر میں جھوٹ بولتا تو اسی طرح ہلاک ہو جاتا جس طرح وہ لوگ ہلاک ہوئے جو جھوٹ بولتے تھے یعنی منافقین۔''

اہل عرب خاندانی عصبیت اور شرافت کا بہت زیادہ لحاظ رکھتے تھے، لیکن ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ'' انصار کے خاندانوں میں سب سے بہتر بنونجار ہیں، پھر بنو عبدالاشہل پھر بنو حارث بن خزرج پھر بنو ساعدہ قبیلہ، بنو ساعدہ کے بعض سربرآوردہ بزرگوں کو یہ ناگوار گزرا کہ آپ نے ان کو چوتھے نمبر پر رکھا، لیکن اسی قبیلہ کے ایک بزرگ حضرت ابواسید نے جب یہ روایت کی تو فرمایا کہ اگر میں جھوٹ بولتا تو سب سے پہلے اپنے قبیلہ بنوساعدہ کا نام لیتا''[1]

صحابہ کرامؓ جھوٹ کو اپنے دامن کا اس قدر بدنما داغ سمجھتے تھے کہ اگر ان پر کبھی کذب و دروغ کا اتہام لگ جاتا تو ان کے گھر میں صف ماتم بچھ جاتی، ایک سفر میں عبداللہ بن ابی بن سلول نے اپنے رفقاء سے کہا کہ'' رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو بدو ہیں ان کو کچھ نہ دو یہاں تک کہ وہ بھاگ جائیں اب ہم اگر مدینہ کو لوٹ کر جائیں گے تو وہاں سے معزز لوگ ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے'' حضرت زید بن ارقمؓ نے سن لیا اور اپنے چچا سے اس کا ذکر کیا، انہوں نے اس واقعہ کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا، آپ نے عبداللہ بن ابی کو بلا بھیجا تو اس نے حلف اٹھایا کہ میں نے ایسا نہیں کہا آپؐ نے اس کے قول کا اعتبار کر لیا اور حضرت زید بن ارقمؓ کی تکذیب کی اس کا ان کو اس قدر صدمہ ہوا کہ عمر بھر کبھی نہ ہوا تھا، یہاں تک کہ وہ اس صدمہ میں خانہ نشین ہو گئے اور فرط غم سے گردن جھک گئی اس کے بعد جب سورۂ منافقون نازل ہوئی تو آپ نے ان کو طلب فرمایا اور کہا کہ ''خدا نے تمھاری تصدیق کی''[2]

دیانت:

ایک بار حضرت ابی بن کعب نے سو اشرفیوں کا توڑا پایا اور بکمال دیانت کے ساتھ

---

[1] مسلم کتاب فضائل باب فی خیر دور الانصار

[2] ترمذی ابواب تفسیر القرآن تفسیر سورۃ المنفقین

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان کا تذکرہ کیا، آپؐ نے فرمایا کہ "ایک سال تک مالک کی جستجو میں منادی کرتے رہو" انہوں نے تعمیل ارشاد کی، دوسرے سال پھر حاضر خدمت ہوئے آپؐ نے پھر یہی حکم دیا وہ حکم بجالائے پھر تیسرے سال آئے آپ نے پھر وہی ارشاد فرمایا جب اب کے بھی مالک نہیں ملا تو آپ نے فرمایا کہ" بحفاظت رکھ لو اگر مالک مل گیا تو خیر ورنہ خود خرچ کر ڈالو،،[1]

ایک بار حضرت مقدادؓ بضرورت بقیع غرقد میں گئے دیکھا کہ چوہا بل سے اشرفیاں نکال کر ڈھیر کر رہا ہے، انہوں نے گنا تو اٹھارہ نکلیں اٹھالائے اور آپؐ کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ" اس کا صدقہ لے لیجئے" فرمایا "خود تو بل سے نہیں نکالا تھا؟" بولے "نہیں" ارشاد ہوا" خدا تمھیں برکت دے،،[2]

ایک بار حضرت سفیانؓ بن عبداللہ ثقفی نے کسی کا توشہ دان پایا تو حضرت عمرؓ کے پاس لائے انہوں نے فرمایا کہ ایک سال تک اعلان کرو اگر مالک کا پتہ نہ چلے تو وہ تمھارا ہے سال بھر تک مالک کا پتہ نہ چلا تو وہ پھر آئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، تو وہ اب تمھارا ہے" بولے "مجھے ضرورت نہیں" آخر کار حضرت عمرؓ نے اس کو بیت المال میں داخل کر دیا۔[3]

ایک بار حضرت جریر کا چرواہا گایوں کو چرا کر لایا تو ساتھ ساتھ کسی دوسرے کی ایک گائے بھی آ گئی۔ بولے یہ کس کی ہے؟ چرواہے نے کہا "خبر نہیں گلے کے ساتھ آ کر مل گئی" فرمایا "اس کو نکال دو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بھولے بھٹکے جانور کو صرف گمراہ پناہ دیتا ہے،،[4]

ایک صحابی کی اونٹنی گم ہوگئی اور انہوں نے دوسرے صحابی سے کہہ دیا کہ ملے تو پکڑ لینا" ان کو اونٹنی مل گئی لیکن اس کا مالک کہیں چلا گیا، انہوں نے اونٹنی اپنے یہاں رکھ چھوڑی کہ مالک آئے تو حوالہ کر دیں، اسی اثناء میں اونٹنی بیمار پڑی، بی بی نے کہا "ذبح کر ڈالو" فقر و فاقہ کی یہ حالت تھی کہ مردار کھانے پر مجبور تھے، چنانچہ اونٹنی مرگئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس کے

---

[1] ابوداؤد کتاب اللقطہ۔

[2] کتاب الخراج والامارۃ باب جاء فی الرکاز

[3] مسند دارمی کتاب البیوع باب فی اللقطہ

[4] ابوداؤد کتاب اللقطہ

گوشت کھانے کی اجازت بھی دیدی۔ لیکن کمال دیانت سے ذبح کرنے پر راضی نہ ہوئے مالک آیا تو انہوں نے تمام سرگذشت کہہ سنائی اس نے کہا ''ذبح کیوں نہیں کرڈالا؟'' بولے تم سے شرم آتی تھی'' [1]

حضرت زبیرؓ کی دیانت کا یہ حال تھا کہ جب کوئی شخص ان کے پاس امانت رکھتا تو کہتے کہ ''مبادا کہیں یہ ضائع نہ ہوجائے، اس لئے ہم پر قرض رہی'' اسی طرح ان پر کئی لاکھ کا قرض ہوگیا۔

متعدد صحابہ نے ان کی حفاظت میں اپنا مال دے دیا تھا اور وہ اس دیانت سے اس کی نگہداشت کرتے تھے کہ خود اپنے مال سے ان کے اہل وعیال کے نان ونفقہ کا انتظام کرتے تھے مگر ان کا مال صرف نہیں کرتے تھے۔

ایک صحابی کے پاس کسی وراثت کا مال محفوظ تھا انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ'' میرے پاس قبیلہ ازد کے ایک شخص کی وراثت کا مال محفوظ ہے میں کسی ازدی کو نہیں پاتا کہ اس کے حوالہ کروں'' ارشاد ہوا کہ ''جاؤ ایک سال تک تلاش کرو'' ایک سال کے بعد آئے اور کہا کہ ''نہیں ملتا'' پھر یہی حکم ہوا، ایک سال کے بعد پھر آئے اور کہا کہ نہیں ملتا'' فرمایا کہ پہلے جس خزاعی کو پاؤ اس کو سونپ دو'' [2]

حضرت عقیل بن ابی طالبؓ غزوہ حنین سے پلٹے تو بی بی نے کہا کہ ''مال غنیمت میں کیا لائے؟ ''انہوں نے ان کو ایک سوئی دی کہ اس سے کپڑا سینا، اتنے میں رسول اللہ ﷺ نے منادی کروائی کہ ''دھاگا اور سوئی تک دیدو'' انہوں نے فوراً سوئی لے لی اور مال غنیمت میں داخل کردیا'' [3]

یہ دیانت صرف مال و دولت تک محدود نہ تھی بلکہ اس کا اثر صحابہ کرامؓ کی ہر چیز سے نمایاں ہوتا تھا، حضرت عمرؓ کا اخیر وقت آیا تو ایک خاص ضرورت سے حضرت عائشہؓ کے پاس ایک آدمی بھیجا اور کہا کہ'' عمر کا سلام کہو، امیر المومنین نہ کہنا، کیونکہ میں اب امیر المومنین نہیں ہوں'' [4]

---

[1] ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب فی المضطر الی المیتہ۔

[2] ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی میراث ذوی الارحام

[3] اسد الغابہ تذکرہ فاطمہ بنت شیبہ

[4] بخاری کتاب المناقب

صحابہ کرامؓ صرف خود ہی متدین نہ تھے، بلکہ متدین لوگوں کے بہت بڑے قدردان بھی تھے، ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ مدینہ کے اطراف میں نکلے، ایک خداترس چرواہا بکریاں چرارہا تھا، انہوں نے اس کو کھانے پر بلایا، لیکن اس نے عذر کیا کہ میں روزے سے ہوں اب انہوں نے اس کے ورع وتقوی کے امتحان لینے کو کہا کہ "ان بکریوں میں سے ایک بکری ہمارے ہاتھ فروخت کردو ہم تمھیں قیمت بھی دیں گے اور افطار کرنے کے لئے گوشت بھی لیکن اس نے کہا کہ "بکریاں میری نہیں ہیں میرے آقا کی ہیں" انہوں نے کہا کہ "تمھارا آقا کیا کرے گا؟" اب چرواہے نے پیٹھ پھیر لی اور آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا، تو خدا کہاں چلا جائے گا" حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس فقرے پر محو ہو گئے اور بار بار اس کو دہرانے لگے، مدینہ میں پلٹ کر آئے تو اس کو اس کے آقا سے مع بکریوں کے خرید کر آزاد کردیا اور بکریاں اس پر ہبہ کردیں۔[1]

خاکساری:

اگرچہ دنیا صحابہ کرامؓ کی خاک پا کو آنکھ کا سرمہ بناتی تھی لیکن بایں ہمہ وہ نہایت فروتن متواضع اور خاکسار تھے ایک بار محمد بن حنفیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کون شخص افضل الناس ہے؟" بولے "ابوبکرؓ" پھر پوچھا کہ "ان کے بعد" بولے "عمرؓ" اس کے بعد وہ خود کہہ اٹھے کہ ان کے بعد آپ فرمایا "میں تو مسلمانوں کا ایک معمولی فرد ہوں۔"[2]

حضرت سلمان فارسیؓ مداین کے گورنر تھے، لیکن طرز معاشرت اس قدر سادہ رکھا تھا کہ کوئی پہچان نہیں سکتا تھا، ایک بار کسی شخص نے گھاس خریدی اور ان کو بیگار پکڑ کر گٹھیا سر پہ لاددی وہ چلے تو لوگوں نے کہا "یہ امیر ہیں صاحب رسول اللہ ہیں" اس نے کہا "معاف فرمایئے میں نے آپ کو پہچانا نہیں، بوجھ سر سے رکھ دیجئے" بولے "نہیں اب تو تمھارے گھر پہنچا کر اتاروں گا۔"[3]

---

1. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
2. ابوداؤد کتاب الاعتصام بالسنۃ باب فی التفضیل
3. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نہایت خاکسارانہ زندگی بسر کرتے تھے، ایک بار ان کے پاس کسی نے ہرذی کپڑے ہدیۃً بھیجے انہوں نے واپس کر دیا اور کہا کہ ''ہم غرور کے خوف سے اس کو نہیں پہن سکتے۔ اگر کسی مجلس میں جاتے اور کوئی ان کی تعظیم کو اٹھتا تو وہاں نہ بیٹھتے۔[1]

حضرت امیر معاویہؓ کو جاہ پسند کہا جاتا ہے لیکن ایک بار ابن عامر ان کی تعظیم کے لئے اٹھے تو انہوں نے منع کیا۔[2]

عفو ودرگذر :

صحابہ کرامؓ کی زندگی اس آیت کی حقیقی تفسیر ہے۔

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس (آل عمران)

غصے کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں۔

ایک بار حضرت صفوانؓ مسجد میں کمل بچھا کر سو رہے تھے، ایک شخص آیا اور اس کو چرا کر چلتا ہوا، لیکن لوگ اس کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، حضرت صفوانؓ کو خبر ہوئی تو حاضر خدمت ہو کر عرض کیا ''کیا تین درہم (چادر کی یہی قیمت تھی) کے لیے آپ اس کا ہاتھ کاٹتے ہیں، میں یہ کمل اس کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہوں، قیمت بعد کو ادا کر دے گا'' فرمایا ''میرے پاس لانے سے پہلے ہی کیوں نہ معاف کر دیا،،[3]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر کی حفاظت حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق کی رات کو تین بار ایک چور آیا اور غلہ چرا کر لے چلا، حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کو ہر بار پکڑا لیکن اس نے منت سماجت کی تو چھوڑ دیا اخیر میں معلوم ہوا کہ وہ شیطان تھا۔[4]

حضرت عروہ بن مسعودؓ نے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارک سے مشرف باسلام ہو کر اپنے وطن طائف میں واپس آ کر اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دی تو وہ لوگ دشمن ہو گئے اور

---

1. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
2. طحاوی فی قیام الناس بعضہم بعض والادب المفرد باب قیام الرجل للرجل تعظیما۔
3. ابوداؤد کتاب الحدود باب من سرق حرز
4. بخاری کتاب الوکالہ باب اذا وکل رجلا فترک الوکیل شیئا

ان کے قتل کا تہیہ کرلیا، چنانچہ صبح کے وقت انہوں نے اذان دی تو قبیلہ، بنو مالک کے ایک شخص نے تیر مارا اور وہی زخم منجر الی الشہادۃ ہو گیا۔ ان کے خاندان والوں کو خبر ہوئی تو ہتھیار سج کے آئے اور کہا "ہم ایک ایک کر کے مر جائیں گے لیکن جب تک ان کے عوض میں بنو مالک کے دس سردار نہ قتل کرلیں گے ہم کو چین نہ آئے گا" لیکن حضرت عروہؓ نے فرمایا کہ میرے بارے میں جنگ و جدل نہ کرو میں نے باہمی اصلاح کے لیے اپنے خون کو معاف کر دیا۔"[1]

حضرت عمرؓ اگرچہ مذہبی معاملات میں نہایت سخت تھے لیکن ایک بار طائف کے دو شخصوں نے مسجد نبویؐ میں شور وغل کیا تو انہوں نے ان کو طلب کیا اور کہا کہ "مسجد نبوی ﷺ میں شور کرتے ہو اگر شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا۔"[2]

عصبیت اور قومی حمیت:

اسلام نے اگرچہ تمام صحابہ کو بھائی بھائی بنا دیا تھا تاہم ان میں عصبیت اور قومی حمیت باقی تھی اور جب موقع آ جاتا تھا تو دفعتہً یہ چنگاری سلگ اٹھتی تھی۔ حضرت محلمؓ بن جثامتہ اللیثی نے قبیلہ اشجع کے ایک شخص کو قتل کر ڈالا۔ حضرت عیینہ بن حصن قبیلہ اشجع کے سردار تھے اس لئے انہوں نے مقتول کی حمایت کی، حضرت اقرع بن حابس کا تعلق قبیلہ بنولیث سے تھا اس لئے وہ قاتل کی حمایت میں اٹھے باہم سخت شور وغل ہوا، بالآخر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "عیینہ دیت قبول کرلو، صحابہ کرام اگرچہ آپ کی اطاعت کو فرض عین سمجھتے تھے، لیکن اس موقع پر عیینہ نے کہا "خدا کی قسم جس طرح اس نے ہماری عورتوں کو سوگ میں مبتلا کیا ہے اسی طرح میں اس کے قبیلہ کی عورتوں کو سوگوار کر کے چھوڑوں گا۔" پھر باہم سخت کشمکش ہوئی آپ نے حضرت عیینہ کو پھر دیت لینے پر آمادہ کرنا چاہا لیکن انہوں نے پھر وہی پہلا جواب دیا بالآخر آپ نے خود دیت دلا دی،[3]

واقعہ افک کے متعلق جب آپ نے فرمایا من یعذرني من رجل بلغني اذاه في اهلي تو حضرت سعد بن معاذ اٹھے اور فرمایا "خدا کی قسم! اگر وہ ہمارے قبیلہ اوس کا

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عروہؓ بن مسعود

[2] بخاری کتاب الصلوۃ باب رفع الصوت فی المسجد۔

[3] ابوداؤد کتاب الدیات باب الامام یامر بالعفو بالدم

ہوگا تو ہم اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر قبیلہ خزرج کا ہوگا تو آپ جو حکم دیں گے تعمیل ارشاد کریں گے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ قبیلہ خزرج کے سردار تھے ان کی حمیت قومی نے جوش مارا اور بولے "جھوٹ بکتے ہو خدا کی قسم! تم اس کے قتل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے" حضرت اسید بن حضیر اوسی کو بھی جوش آ گیا بولے "تم جھوٹ بکتے ہو ہم خدا کی قسم! اس کو ضرور قتل کر ڈالیں گے بات اس قدر بڑھی کہ اگر آپ نہ روکتے تو دونوں قبیلوں میں مڈبھیڑ ہو جاتی۔[1]

شکر الٰہی:

ایک شخص کا بیٹا مر جاتا ہے دولت لٹ جاتی ہے جائیداد تباہ ہو جاتی ہے تو وہ ابتداء میں بدحواس ہو جاتا ہے، لیکن مایوسی مجبوراً صبر کا خوگر بنا دیتی ہے کہ الیاس احدی الراحتین لیکن جب خدا ایک لاولد شخص کو بیٹا دیتا ہے ایک مفلس کو دولت مل جاتی ہے ایک ذلیل شخص معزز ہو جاتا ہے تو دفعتہً اس قدر مغرور اور خود پسند ہو جاتا ہے کہ اس حالت میں اس کو خدا یاد نہیں آتا، اس لئے بعض صوفیہ کا قول ہے کہ "صبر آسان اور شکر مشکل ہے" لیکن اسلام کے تمام دور صحابہ کرام کے سامنے تھے وہ بھی جس میں وہ سخت مفلس اور محتاج تھے اور وہ بھی جس میں وہ دولت مند اور متمول ہو گئے تھے پہلے دور میں انہوں نے صبر کیا اور دوسرے دور میں خدا کا شکر ادا کرتے تھے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے یتیمی کی حالت میں نشوونما پائی مسکینی کی حالت میں ہجرت کی، کھانے پر ابنتہ غزواں کا ملازم تھا جب وہ لوگ منزل پر اترتے تھے تو ان کے لیے لکڑیاں چن لاتا تھا اور جب وہ اونٹ پر سوار ہوتے تھے تو ان کی حدی خوانی کرتا تھا، لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب مذہب نے قوت حاصل کر لی ہے اور ابوہریرہ امام بن گیا ہے"[2]

ایک بار مدینہ کے کچھ لوگ ان کی خدمت میں آئے تو انہوں نے ایک شخص کو بھیجا کہ جاؤ گھر سے کھانا مانگ لاؤ وہ گئے تو ان کی والدہ نے تین روٹیاں زیتون کے تیل اور نمک کے ساتھ بھیج دیں وہ سب کے سامنے رکھی گئیں تو حضرت ابوہریرہؓ نے تکبیر کا نعرہ مارا اور کہا کہ اس خدا کا شکر ہے جس نے روٹی سے ہمارا پیٹ بھرا حالانکہ اس سے پہلے ہماری غذا کھجور اور پانی کے سوا

---

[1] بخاری کتاب الشہادت باب تعدیل النساء بعضہن بعضاً

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الرہون باب اجارۃ الاجیر علی طعام بطنہ

کچھ نہ تھی۔''[1]

حضرت سلمان فارسیؓ کھانا کھاتے تھے تو کہتے تھے کہ اس خدا کا شکر ہے جو ہمارا کفیل ہوا اور ہمارے رزق میں وسعت دی۔[2]

ایک بار حضرت عمرؓ نے نیا کپڑا پہنا تو فرمایا کہ میں اس خدا کا شکر کرتا ہوں جس نے مجھ کو کپڑا پہنایا جس سے میں اپنی شرمگاہ کو چھپاتا ہوں اور زندگی میں زینت حاصل کرتا ہوں۔[3]

استغناء:

کیمیا اگر خاک کو سونا بنا دیتی ہے تو استغناء اور بے نیازی سونے کے ڈلے کو تودۂ خاک بنا دیتے ہیں صحابہ کرامؓ کو اسی کیمیا کا نسخہ ہاتھ آ گیا تھا اس لئے وہ ہوس پرست کیمیا گروں کی طرح سونے کی حرص میں خاک نہیں چھانتے بلکہ ان کے سامنے لعل و گہر بھی آ جاتے تھے تو ان کو بے پروائی کے ساتھ سنگریزوں کی طرح ٹھکرا دیتے تھے۔

مال خمس میں سے ایک حصہ اہل بیت کو ملتا تھا جس کی تقسیم کا انتظام رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کے متعلق کر دیا تھا، شیخین کے زمانہ میں بھی وہ اسی خدمت پر مامور تھے، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کہیں سے بہت سا مال آیا اور انہوں نے حسب معمول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دینا چاہا تو بولے ''اس سال ہم تو اس سے بے نیاز ہیں البتہ مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہے انہیں کو دید یجئے'' چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو بیت المال میں داخل کر دیا۔''[4]

ایک بار عبدالعزیز بن مروان نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو لکھا کہ ''میرے دربار میں اپنی ضرورتیں پیش کیجئے۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے پہلے اس شخص کو دو جس کے تم کفیل ہو، نہ میں تم سے کچھ مانگتا اور نہ اس رزق کو واپس کرتا جو خدا مجھ کو تمھارے ذریعہ سے دیتا ہے۔''[5]

---

[1] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب جامع ماجاء فی الطعام والشراب

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ

[3] ترغیب وترہیب جلد ۲ ص ۱۵۸

[4] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربیٰ۔

[5] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۴

ایک بار حضرت وائل بن حجرؓ حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آئے انہوں نے نہایت تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا اور ان کو عطیہ دینا اور وظیفہ مقرر کرنا چاہا لیکن انہوں نے کہا کہ ''ہم اس سے بے نیاز ہیں جو اس کے ہم سے زیادہ مستحق ہیں وہ اس کو قبول کریں گے۔''[1]

ایک بار حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن ارقم کو تیس ہزار درہم دینا چاہے مگر انہوں نے انکار کر دیا۔[2]

شرم وحیا:

حدیث میں آیا ہے۔

الحیاء شعبة من الایمان (بخاری کتاب الایمان)

حیا ایمان کی شاخ ہے۔

صحابہ کرام کے کشت دل میں ایمان کی یہ شاخ اس قدر سرسبز وشاداب تھی کہ بہت سے صحابہ کو بیوی کے ساتھ ہم بستر ہونے میں بھی شرم آتی تھی اور قضائے حاجت کی حالت میں بھی حیا دامن گیر ہوتی تھی چنانچہ یہ آیت انھیں لوگوں کی شان میں نازل ہوئی۔

الا انهم يثنون صدور هم ليستخفوا منه[3]

حضرت عثمان کی شرم وحیاء کا یہ حال تھا کہ دروازہ بند ہوتا تھا لیکن کپڑا اتار کر نہیں نہاتے تھے۔[4] نہانے کے بعد ان کی بی بی کی لونڈی کپڑے پہننے کے لئے لاتی تھی تو کہہ دیتے تھے کہ میری طرف نہ دیکھنا کیونکہ تمھارے لئے یہ جائز نہیں[5] خود رسول اللہ ﷺ ان کی شرم وحیا کا لحاظ رکھتے تھے ایک بار آپ کی خدمت میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آئے اس وقت آپ گھر میں لیٹے ہوئے تھے اور آپ کی ران کھلی ہوئی تھی لیکن جب حضرت عثمانؓ آئے تو آپ نے اس کو ڈھانک لیا، حضرت عائشہؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ عثمانؓ شرمیلے آدمی ہیں اگر میں

---

1. استیعاب تذکرہ وائل بن حجر
2. ایضاً تذکرہ عبداللہ بن ارقمؓ
3. بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ ہود باب تفسیر ہذہ الآیہ
4. مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۷۳ مسند عثمان۔
5. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عثمان۔

اسی حالت میں رہتا تو وہ اپنی حاجت نہ پیش کرتے''۔[1]

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اندھیرے گھر میں نہاتے تھے تاہم شرم کے مارے سیدھے نہیں کھڑے ہوتے تھے بلکہ سکڑتے رہتے تھے ایک دفعہ چند لوگوں کو دیکھا کہ پانی میں بغیر تہبند باندھے ہوئے کھڑے ہیں، بولے ''مجھے یہ پسند ہے کہ مر کر زندہ ہوں پھر مروں، پھر زندہ ہوں، پھر مروں پھر زندہ ہوں، لیکن یہ بے حیائی پسند نہیں'' ان کو ستر عورت کا اس قدر خیال تھا کہ سونے کی حالت میں خاص کپڑے پہن لیتے تھے کہ مبادا حالتِ خواب میں کشف عورت ہو جائے۔[2]

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ حمام میں گئے دیکھا کہ کچھ لوگ برہنہ نہا رہے تھے، آنکھ بند کر کے فوراً واپس آئے، حمامی کو معلوم ہوا تو اس نے سب کو نکال کر اور حمام کو خوب پاک وصاف کر کے ان کو بلوایا اور کہا کہ اب حمام میں کوئی نہیں اندر داخل ہوئے تو پانی نہایت گرم تھا، بولے ''کتنا برا گھر ہے جس سے حیا نکال دی گئی ہے اور کتنا اچھا گھر ہے جس سے آدمی چاہے تو عبرت حاصل کر سکتا ہے یعنی دوزخ کو یاد کر سکتا ہے''، دو ایک دن ان سے کسی نے کہا کہ آپ حمام کیوں نہیں کرتے؟'' بولے ''میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میری شرمگاہ پر کسی کی نگاہ پڑے'' اس نے کہا ''تو تہبند باندھ لیجئے'' بولے ''میں کسی دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔[3]

حضرت عبداللہ بن عامرؓ ایک روز غسل کر رہے تھے ان کے والد حضرت عامرؓ ایک یتیم بچے کی پرورش کرتے تھے وہ بھی ساتھ نہا رہا تھا اور دونوں ایک دوسرے کے بدن پر پانی ڈال رہے تھے، حضرت عامرؓ نے دیکھا تو کہا کہ ''ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھ رہے ہو، خدا کی قسم ہم تم کو اپنے آپ سے اچھا سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ عہد اسلام میں پیدا ہوئے ہیں جاہلیت کے زمانے میں نہیں پیدا ہوئے لیکن خدا کی قسم! تم لوگ بڑے ناخلف ہو''۔[4]

---

1. مسلم کتاب المناقب فضائل عثمانؓ
2. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ
3. ایضاً تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
4. موطائے امام محمد ابواب السیر باب الرجل ینظر الی عورۃ الرجل۔

طہارت ونظافت :

صحابہ کرام نہایت طہارت و نظافت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اہل عرب عموماً قضائے حاجت کے بعد پانی سے آبدست نہیں لیتے تھے لیکن صحابہ کرام میں اہل قباء پانی سے آبدست لیتے تھے اور عرب کی حالت کے لحاظ سے یہ ایک ایسی عظیم الشان فضیلت تھی کہ اس کے متعلق قرآن پاک میں ایک خاص آیت نازل ہوئی۔

فیه رجال یحبون ان یتطهروا واللّٰه یحب المطهرین[1]

''مسجد قبا میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو طہارت کو پسند کرتے ہیں اور خدا بھی طہارت کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔''

ان کے علاوہ اور صحابہ بھی طہارت کا نہایت خیال رکھتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو طہارت کا اس قدر خیال تھا کہ شیشے میں پیشاب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بنواسرائیل کے جسم پر اگر پیشاب کی چھینٹیں پڑ جاتی تھیں تو اس کو قینچی سے کتر دیتے تھے۔[2]

حضرت عثمانؓ کو طہارت کا اس قدر خیال تھا کہ جب سے اسلام لائے معمولاً ایک بار روزانہ غسل کرتے تھے۔[3]

حضرت صرمہ بن انسؓ کی طہارت پسندی کا یہ حال تھا کہ جس گھر میں کوئی جنب مرد یا حائضہ عورت ہوتی تھی اس کے اندر نہیں جاتے تھے۔[4]

صحابہ کرامؓ اگرچہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے تاہم غسل و طہارت کے لئے حضرت انسؓ کے گھر میں ایک حمام موجود تھا۔[5]

---

1. ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الاستنجاء بالماء، حدیث میں اس آیت کا آخری ٹکڑا نہیں ہے ہم نے بڑھا دیا ہے۔
2. مسلم کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین۔
3. مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۶۷ مسند عثمان
4. اصابہ تذکرہ حضرت صرمہ بن انسؓ
5. بخاری کتاب الصوم باب اغتسال الصائم

نجاست کی حالت میں رہنا صحابہ کرام کو اس قدر گراں تھا کہ جب یہ حالت زائل ہو جاتی تھی تو گویا ان کے سر کا بار اتر جاتا تھا۔

حضرت ابوذرؓ مقام ربذہ میں اونٹ اور بکریاں چراتے تھے، چونکہ میدان میں پانی میسر نہیں آتا تھا اور ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ حالت جنابت میں بھی تیمّم کیا جا سکتا ہے اس لئے جب ان کو غسل کی حاجت ہوتی تھی تو پانچ پانچ چھ چھ روز تک ناپاک رہ جاتے تھے لیکن ان پر نجاست کا یہ زمانہ اس قدر شاق گزرتا تھا کہ جب ان کو رسول اللہ ﷺ نے اس غلطی پر تنبیہ کی اور پانی منگوا کر نہلوایا تو ان کو محسوس ہوا کہ

فکانی القیت عنی جبلاً [1]

''گویا مجھ پر ایک پہاڑ لدا ہوا تھا جس کو اب میں نے اپنے اوپر سے پھینک دیا۔''

سخت سے سخت خود فراموشانہ مصیبت میں بھی صحابہ کرام کو طہارت و نظافت کا خیال رہتا تھا، کفار جب حضرت خبیبؓ کو گرفتار کر کے لے گئے اور قتل کرنا چاہا تو انہوں نے اس آخری وقت میں سب سے پہلے استرہ طلب کیا۔ [2]

حضرت ابوسعید خدریؓ کے نزع کا وقت آیا تو نئے کپڑے منگا کر پہنے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص جس کپڑے میں مرے گا اسی میں اس کا حشر ہوگا۔'' [3]

اگرچہ صحابہ کرام کو زیب و زینت کی پرواہ نہ تھی تاہم وہ طہارت و نظافت کی وجہ سے بالکل راہبانہ زندگی بھی بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے، حضرت ابوقتادہ انصاریؓ نے بال رکھ چھوڑے تھے، رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ''میں بالوں میں کنگھی کروں''؟ فرمایا ''ہاں کنگھی کرو اور اس کو گرد و غبار سے بچاؤ'' اس کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ وہ بسا اوقات دن میں دو بار ان میں تیل لگاتے تھے۔ [4] حضرت عمرؓ ریزہائے مشک کا استعمال کرتے تھے۔ [5]

---

1. ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الجنب تیمم
2. ابوداؤد کتاب الجنائز باب المریض یواز من الطہارۃ عانتہ۔
3. ابوداؤد کتاب الجنائز باب تطہیر ثیاب المیت
4. موطائے امام مالک کتاب الجامع باب اصلاح الشعر۔
5. موطائے امام محمد ابواب السیر باب الطیب للرجل ۔

زندہ دلی:

اسلام نے صحابہ کرام کے جذبات کو تروتازہ اور شگفتہ کر دیا تھا، اس لئے ان میں زندہ دلی پائی جاتی تھی اور وہ مختلف طریقوں سے اس کا اظہار کرتے تھے تمام صحابہ عید کے دن خوشیاں مناتے تھے' دعوتیں کرتے تھے اور ہمسایوں کو کھانا کھلاتے تھے' قربانی نماز کے بعد کی جاتی ہے لیکن ایک صحابی نے نماز سے پہلے ہی قربانی کر دی اور آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ کھانے پینے کا دن تھا اس لئے میں نے جلدی کی خود کھایا بچوں اور ہمسایوں کو کھلایا۔[1]

عید کے دن معمولاً چھوکرے اور چھوکریاں رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہو کر باجے بجاتے تھے اور مسرت کے ترانے گاتے تھے۔[2]

اخیر زمانہ میں جب اس کا رواج جاتا رہا تو حضرت قیس بن سعد نے فرمایا آپ کے عہد کی کل چیزیں مجھ کو نظر آتی ہیں بجز اس کے کہ میں عید کے دن بچوں کو گاتے بجاتے نہیں دیکھتا حضرت عیاض اشعریؓ انبار میں تھے عید کا دن آیا تو تعجب سے پوچھا کہ جس طرح آپ کے عہد میں بچے گاتے بجاتے تھے، اسی طرح تم لوگ کیوں نہیں گاتے بجاتے۔[3]

خود رسول اللہ ﷺ کے سامنے صحابہ کرام زمانہ جاہلیت کے واقعات کا ذکر کرتے تھے اشعار پڑھتے تھے اور آپ بھی ان تذکروں کو سن کر کبھی کبھی مسکرا دیتے تھے۔[4]

حضرت ریاحؓ ایک صحابی تھے جو عرب کی ایک لے کے بڑے ماہر تھے وہ ایک سفر میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے ساتھ تھے انہوں نے الاپنا شروع کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا یہ کیا؟ بولے ''کوئی حرج نہیں اس سے دل بہلاتے ہیں اور راستہ کی کلفت دور کرتے ہیں''۔[5]

---

1. ابوداؤد کتاب الاضاحی باب مایجوز من السن فی الضحایا
2. بخاری کتاب العیدین باب سنتہ العیدین اہل الاسلام۔
3. سنن ابن ماجہ کتاب الصلوۃ باب ماجاء فی التقلیس یوم العید و بخاری
4. شمائل ترمذی باب ماجاء فی صفتہ کلام رسول اللہ فی الشعر
5. اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۶۲ تذکرہ ریاحؓ بن المعترف

ایک بار حضرت عمرؓ سفر حج میں تھے قافلہ کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی تھے لوگوں نے حضرت خواتؓ سے کہا کہ ضرار بن خطاب کے اشعار گاؤ حضرت عمرؓ بولے کہ "ان کو اپنے ہی نتیجہ افکار سنانے دو" چنانچہ وہ صبح تک متصل گاتے رہے صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "اب بس کرو"[1]

کبھی کبھی یہ زندہ دلی سنجیدہ ظرافت کی صورت اختیار کر لیتی تھی۔

ایک بار حضرت صہیبؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے سامنے روٹی اور کھجور رکھی ہوئی تھی، آپ نے پاس بلا کر ان کو شریک کر لیا وہ کھجور کھانے لگے، کھجور آشوب چشم کے لئے مضر ہے اس لئے آپ نے ٹوکا کہ تمھاری آنکھوں میں آشوب ہے بولے "یارسول اللہ ﷺ آنکھ کے اس گوشہ سے کھاتا ہوں جس میں آشوب نہیں" آپ مسکرا دیئے۔[2]

غزوہ تبوک کے زمانے میں آپ ایک چمڑے کے خیمے میں مقیم تھے ایک صحابی آئے اور سلام کیا آپ نے جواب سلام کے بعد فرمایا "اندر آ جاؤ" بولے "اپنے پورے جسم کے ساتھ یارسول اللہ[3] یعنی اس میں یہ ظریفانہ تعریض تھی کہ خیمہ اس قدر تنگ ہے کہ پورا جسم بہ مشکل اس کے اندر آ سکتا ہے۔

کبھی کبھی باہم دوڑ میں مردانہ وار مسابقت کرتے تھے ایک انصاری صحابی تھے جن کا دوڑ میں کوئی مقابلہ نہ کر سکتا تھا، ایک غزوہ میں وہ فخریہ لہجے میں بار بار کہہ رہے تھے کیا کوئی مدینہ تک دوڑ میں میرا مقابلہ کرے گا؟ کیا کوئی مقابلہ کرنے والا ہے؟" حضرت سلمہؓ بن اکوعؓ کے کان میں یہ آواز پہنچی تو بولے "تم کسی معزز شخص کی عزت نہیں کرتے؟ کسی شریف آدمی سے نہیں ڈرتے؟ جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی سے نہیں۔" بالآخر حضرت سلمہ بن اکوع نے آپ سے اجازت لے کر دوڑ میں ان کا مقابلہ کیا اور بازی جیت لی۔[4]

---

[1] اصابہ تذکرہ حضرت خوات بن جبیرؓ
[2] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۶۱۔
[3] ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی المزاح
[4] مسلم کتاب الجہاد باب غزوۃ ذی قرد وغیرہا

کبھی کبھی سیر و شکار بھی کر لیتے تھے، حضرت ابوقتادہؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر حج میں تھے لیکن احرام نہیں باندھا تھا راہ میں ایک جنگلی گدھا نظر آیا، گھوڑے پر سوار ہوئے ہاتھ میں برچھا لیا اور گدھے کو جا کر ایسا برچھا مارا کہ وہ ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ [1]

حضرت صفوان بن محمدؓ نے ایک بار دو خرگوشوں کا شکار کیا اور ان کو پتھر سے ذبح کیا آپ سے دریافت فرمایا تو آپ نے ان کو حلال قرار دیا۔ [2]

صحابہ کرامؓ میں حضرت عدی بن حاتمؓ اور حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ مشہور شکاری تھے اس غرض سے باز اور کتے پال رکھے تھے اور ان کو اس فن کی تعلیم دی تھی، تیر کمان سے بھی شکار کرتے تھے اور تین تین دن تک شکار کے پیچھے پیچھے دوڑتے رہتے تھے [3] لیکن یہ زندہ دلی اسی وقت تک تھی جب تک کوئی مذہبی کام پیش نہ آتا، لیکن جب کوئی دینی کام پیش آ جاتا تو یہ تمام چیزیں خواب فراموش ہو جاتیں اور صحابہ کرام اس کی ذمہ داریوں کی گرانباری سے بدحواس ہو جاتے الادب المفرد میں ہے۔

لم یکن اصحاب رسول اللہ ﷺ متخر تین ولا متمارتین وکانو یتنا شدون الشعر فی مجالسھم ویذکرون امر جا ھلیتھم فا ذا اریدا حد منھم من شئی من امر اللہ دارت حمالیق عینیہ کانہ مجنون [4]

اصحاب رسول اللہ مردہ دل اور خشک مزاج نہ تھے اپنی صحبتوں میں اشعار پڑھتے اور جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے لیکن جب کوئی دینی کام آ پڑتا تو ان کی آنکھیں اس طرح الٹ جاتیں کہ گویا وہ پاگل ہیں۔

پابندی عہد:

معاہدہ ایک نازک رشتہ ہے جس کو صرف اخلاقی طاقت ہی مضبوط بنا سکتی ہے صحابہ

---

1. ابوداؤد کتاب المناسک باب لحم الصید للمحرم
2. ابوداؤد کتاب الاضاحی باب فی الذبیحۃ بالمروۃ
3. ابوداؤد کتاب الاضاحی باب فی الصید
4. الادب المفرد باب الکبر۔

کرام میں یہ اخلاقی طاقت موجود تھی اس لئے وہ نہایت مضبوطی کے ساتھ اس رشتہ کو قائم رکھتے تھے ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے رومیوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا، ابھی مدت معاہدہ گزرنے بھی نہ پائی تھی کہ حملہ کی تیاریاں کردیں کہ مدت گزرنے کے ساتھ ہی حملہ شروع کردیا جائے فوج روانہ ہوئی تو حضرت عمرو بن عنبسہؓ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور فرمایا ''اللہ اکبر وفا کرنی چاہیے، بے وفائی اور بدعہدی سزاوار نہیں۔،، [1]

اُمیہ بن خلف اسلام کے الدالا عدا میں تھا اس میں اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف میں تحریری معاہدہ ہوا تھا کہ وہ مکہ میں ان کی جان و مال کی حفاظت کرے گا اور وہ مدینہ میں اس کی جان و مال کی حفاظت کریں گے غزوہ بدر پیش آیا اور لوگ سو گئے تو وہ اس کی حفاظت کو نکلے حضرت بلالؓ نے امیہ کو دیکھ لیا اور انصار کی ایک مجلس میں آ کے کہا کہ اگر امیہ بچ کے نکل گیا تو میری جان کی خیر نہیں، انصار کے کچھ لوگ ان کے ساتھ ہو لئے اب حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف گھبرائے کہ کہیں وہ لوگ ہمارے پاس نہ پہنچ جائیں، مجبوراً امیہ کے بیٹے کو اس لئے پیچھے کردیا کہ وہ لوگ اسی کے قتل میں الجھے رہیں انصار نے اس کو قتل کر کے ان لوگوں کا پیچھا کیا امیہ نہایت فربہ آدمی تھا جب وہ لوگ پاس آ گئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس سے کہا کہ بیٹھ جاؤ'' وہ بیٹھ گیا تو اپنے آپ کو اس کے اوپر ڈال دیا لیکن صحابہ نے ان کو بچا کر ادھر اُدھر سے تلواریں لگائیں یہاں تک کہ اس کو قتل کردیا اور خود ان کے پاؤں میں زخم آئے۔ [2]

معاہدہ تو ایک بڑی چیز ہے صحابہ کرام معمولی وعدے کو بھی لازمی طور پر پورا کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت انسؓ سے کہا کہ ''میں فلاں دن سفر کرنے والا ہوں، میرے سفر کا سامان کردو'' انہوں نے سامان کرنا شروع کردیا جب روانگی کا وقت آیا تو بولے کہ'' ذراسی کسر رہ گئی ہے، اگر آپ ٹھہر جاتے تو میں اس کو پورا کردیتا'' بولے ''میں گھر کے لوگوں سے کہہ چکا ہوں کہ فلاں دن سفر کروں گا اب اگر ان سے جھوٹ بولتا ہوں تو وہ بھی مجھ سے جھوٹ بولیں گے ان سے خیانت کرتا ہوں تو وہ بھی مجھ سے خیانت کریں گے ان سے وعدہ خلافی کرتا

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الامام یکون بینہ وبین العدو العہد فیسیر الیہ۔

[2] بخاری کتاب الوکالۃ باب اذا وکل المسلم حربیا فی دار الحرب اوفی دار الاسلام۔

ہوں تو وہ بھی مجھ سے وعدہ خلافی کریں گے، چنانچہ وہ روانہ ہو گئے اور اس کی کچھ پروانہ کی کہ سامان سفر نامکمل ہے۔[1]

رازداری:

رازداری ایک امانت ہے اور دنیا میں بہت کم لوگ ہیں جو اس امانت کا بار اٹھا سکتے ہیں لیکن صحابہ کرام کا سینہ راز کا مدفن تھا جس سے وہ قیامت تک باہر نہیں نکل سکتا تھا ایک دن حضرت انس بن مالکؓ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے رسول اللہ ﷺ آئے اور ان کو کسی ضرورت سے بھیج دیا۔ اس کے پورا کرنے میں دیر ہوگئی گھر آئے تو ماں نے پوچھا کہاں رہ گئے تھے؟ بولے ''آپ نے ایک ضرورت سے بھیجا تھا'' بولیں ''وہ کیا؟'' انہوں نے کہا ''وہ ایک راز ہے'' بولیں ''آپؐ کا راز کسی سے نہ کہنا'' چنانچہ حضرت انس بن مالک نے اس کو اس طرح محفوظ رکھا کہ جب حضرت ثابت سے یہ واقعہ بیان کیا، تو فرمایا کہ ''میں نے اگر وہ راز کسی سے بیان کیا ہوتا تو تم سے ضرور بیان کرتا''[2]

ایک دن آپ کی خدمت میں تمام ازواج مطہرات جمع تھیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اسی حالت میں آ گئیں، آپ نے ان کو مرحبا کہا اور اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور آہستہ سے ان کے کان میں ایک بات کہی وہ چیخ کر رو پڑیں، پھر آہستہ سے ایک بات کہی جس سے وہ ہنس پڑیں آپؐ چلے گئے تو حضرت عائشہؓ نے اس کی وجہ پوچھی بولیں ''آپ کی زندگی میں آپ کا راز فاش نہیں کر سکتی۔[3]

حضرت حفصہؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے ان کی منگنی کرنی چاہی لیکن انہوں نے کہا ''میں اس سے معذور ہوں'' اب انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے درخواست کی وہ خاموش ہو رہے، حضرت عمرؓ کو پہلی ناکامی کے بعد دوسری ناکامی کا بہت رنج ہوا اس کے چند روز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خود نکاح کا پیغام بھیجا، نکاح ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ

---

1. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ
2. مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۲۵۳۔
3. مسلم کتاب الفضائل مناقب فاطمہؓ

سے اپنے رنج کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے حفصہ ؓ کا ذکر مخفی طور پر کیا تھا، لیکن میں آپ کا راز فاش کرنا پسند نہیں کرتا تھا، اگر آپ نکاح نہ کرتے تو میں ضرور نکاح کر لیتا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ میں منافقین کے نام صرف حضرت حذیفہؓ کو بتائے تھے اس لئے وہ صاحب سر رسول اللہ کے لقب سے ممتاز تھے[2] حضرت حذیفہ نے اس راز کو عمر بھر فاش نہیں کیا ایک بار حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ میرے عمال میں کوئی منافق بھی ہے'' بولے ''ایک شخص ہے لیکن نام نہ بتاؤں گا۔[3] ایک بار انہوں نے کہا کہ اب صرف چار منافق رہ گئے ہیں'' ایک بدو نے کہا، آپ لوگ اصحاب رسول اللہ ﷺ ہیں ہم کو ان کی کچھ خبر نہیں ہے، آپ ہم کو ان کے نام بتائیے آخر کون لوگ ہیں جو ہمارے گھروں میں نقب لگاتے ہیں اور اسباب چرا لے جاتے ہیں؟'' بولے ''یہ تو بدکار لوگ ہیں، منافق صرف چار ہیں، جن میں ایک اس قدر بوڑھا ہو گیا ہے کہ اگر ٹھنڈا پانی بھی پئے تب بھی اس کو اس کی ٹھنڈک کا احساس نہ ہو۔''[4]

جانوروں پر شفقت:

صحابہ کرام جس طرح انسانوں کے درد دکھ کو نہیں دیکھ سکتے تھے اسی طرح ان کو جانوروں کی اذیت و تکلیف بھی گوارہ نہ تھی، حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ جب ہم منزل پر اترتے تھے تو پہلے اونٹوں کا کجاوہ کھول لیتے تھے، پھر نماز پڑھتے تھے۔[5]

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا کہ ایک چرواہا ایک جگہ اپنی بکریاں چرا رہا ہے ان کو دوسری جگہ اس سے بہتر نظر آئی تو اس سے کہا کہ'' وہاں لے جاؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر راعی سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔''[6]

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حفصہؓ
[2] بخاری کتاب الاستذان باب من القی لہ وسادۃ۔
[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت حذیفہؓ
[4] بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ براۃ تفسیر وقاتلوا ائمۃ الکفر۔
[5] ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایومر بہ من القیام علی الدواب والبہائم
[6] الادب المفرد باب من اشار علی اخیہ وان لم یستشر

ایک دن آپ سے ایک صحابی نے کہا ”یا رسول اللہ مجھے بکری ذبح کرنے پر رحم آتا ہے فرمایا ”اگر اس پر رحم کرو گے، تو خدا تم پر بھی رحم کرے گا۔“[1]

ایک دن کچھ لوگ حضرت عبید اللہ اور حضرت عبداللہ بن بشرؓ کی خدمت میں آئے اور پوچھا کہ ”ایک شخص گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور اس کو کوڑا امارتا ہے اس کے متعلق آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی روایت سنی ہے“ بولے ”نہیں“ اندر سے ایک خاتون بولیں خدا خود کہتا ہے،

وما من دابة في الارض ولا طائر يطير بجناحيه الا امم امثالكم

”زمین کے جانور اور ہوا کی چڑیاں بھی تمھاری ہی طرح ایک امت ہیں۔“

یعنی وہ بھی قابل رحم ہیں۔

دونوں نے کہا، یہ ہماری بڑی بہن ہیں۔[2]

غیرت:

صحابہ کرامؓ اگر چہ فخر وغرور سے سخت نفور تھے تاہم انہوں نے نہایت غیور طبیعت پائی تھی۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں جلوہ افروز تھے، حضرت زینبؓ نے آپ کے لئے ایک پیالے میں کھانا بھیجا، حضرت عائشہؓ نے اس کو پٹک دیا اور وہ چور چور ہو گیا اس پر آپ نے فرمایا۔

غارت امكم

تمھاری ماں کو غیرت آ گئی۔

حضرت عمرؓ اس قدر غیور تھے کہ ایک بار آپ نے فرمایا کہ مجھے خواب میں جنت نظر آئی جس میں ایک محل کے گوشے میں ایک عورت وضو کر رہی تھی، میں نے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے؟“ جواب ملا کہ عمر کا“ میں نے اس میں داخل ہونا چاہا، لیکن عمرؓ کی غیرت کے خیال سے واپس آیا۔“[3]

---

1. مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۳۴۔
2. اصابہ تذکرہ حضرت عبید اللہ بن بشر المازنی
3. بخاری کتاب النکاح باب الغیرۃ

حضرت عمرؓ کی بیوی حضرت عاتکہؓ نماز فجر اور عشاء جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرتی تھیں اور حضرت عمرؓ کو یہ سخت ناگوار تھا تاہم چونکہ رسول اللہ نے عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دے دی تھی اس لئے منع بھی نہیں کر سکتے تھے۔[1] حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ "میں اپنے شوہر حضرت زبیرؓ کے گھر کا تمام کام خود کرتی تھی چنانچہ ایک بار وہ بڑی دور سے سر پر کھجوروں کی گٹھڑی لا رہی تھیں، راستہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوگئی اور آپ نے مجھ کو اپنے پیچھے سوار کر لینا چاہا لیکن میں حضرت زبیرؓ کی غیرت کے خیال سے سوار نہیں ہوئی۔[2]

جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا،

جو لوگ پاکدامن بیبیوں پر تہمت لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لا سکیں ان کو اسی کوڑے مارو اور (آئندہ) انکی شہادت کبھی نہ قبول کرو۔

تو حضرت سعد بن عبادہؓ نے کہا "یا رسول اللہ ﷺ اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی ہے؟ آپ نے انصار سے کہا "دیکھو تمھارے سردار کیا کہتے ہیں؟ انصار نے کہا "یا رسول اللہ ان کو ملامت نہ کیجئے وہ سخت غیور آدمی ہیں باکرہ عورت کے سوا کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا اور جب کسی عورت کو طلاق دی تو ان کی غیرت کے خیال سے ہم میں کسی نے اس سے نکاح کرنے کی جرات نہیں کی۔" حضرت سعد بن عبادہؓ بولے یا رسول اللہ بخدا مجھے یقین ہے کہ یہ آیت حق ہے اور خدا کی جانب سے نازل ہوئی ہے لیکن مجھے تعجب اس پر ہوا کہ میں ایک عورت کو دیکھوں کہ اسے ایک شخص اپنی ران پر بٹھائے ہے اور اس کو میں اس وقت تک کچھ نہ کہہ سکوں جب تک چار گواہ نہ جمع کر لوں۔[3]

---

[1] بخاری کتاب الجمعۃ باب علی من لم یشہد الجمعہ غسل من النساء والصبیان وغیرہم۔

[2] مسلم کتاب السلام باب جواز ارداف المراۃ الاجنبیۃ اذا عیت فی الطریق

[3] مسند ابی داؤد الطیالسی ص ۳۴۷۔

حسنِ معاشرت

صلۂ رحم

تمدّن کی ابتدا درحقیقت صلہ رحمی سے ہوتی ہے اگر باپ بیٹے کو، بیٹا باپ کو بھائی بھائی کو چھوڑ دے تو نوع انسان جانوروں کا ایک ریوڑ بن جائے، اس بنا پر قرآن وحدیث دونوں میں صلۂ رحمی کی نہایت فضیلت بیان کی گئی ہے اور صحابۂ کرام میں یہ فضیلت عموماً پائی جاتی تھی،

حضرت مسطحؓ حضرت ابوبکرؓ کے قرابت دار تھے اس لئے وہ ان کی کفالت کرتے تھے،[1]

حضرت حفصہؓ نے اپنا گھر حضرت زید بن خطابؓ کی بیٹی کو عمر بھر کے لئے دے دیا تھا،[2]

ایک صحابی تھے جو اپنے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور احسان کرتے تھے، اوران کے ساتھ حلم و بردباری کے ساتھ پیش آتے تھے مگر اُدھر سے تمام چیزوں کا جواب الٹا ملتا تھا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی تو فرمایا کہ "جب تک تم اس حالت کو قائم رکھو گے خدا کی جانب سے ان کے مقابل میں تمھارا ایک مددگار رہے گا۔[3]

حضرت زینبؓ اپنے اعزہ واقارب کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کرتی تھیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

ولم ارامراۃ قط خیرا فی الدین من زینب واتقی للّٰہ و اصدق حدیثا و اوصل للرحم۔[4]

"میں نے زینب سے زیادہ دیندار زیادہ پرہیز گار زیادہ سچی اور زیادہ صلہ رحمی کرنے والی عورت نہیں دیکھی۔"

ایک بار حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت میں ان کا سالانہ وظیفہ جس کی مقدار بارہ ہزار

---

[1] بخاری کتاب الشہادت باب تعدیل النساء بعضہن بعضا

[2] موطائے امام مالک کتاب الاقضیۃ باب فی القضاء فی العمری

[3] الادب المفرد باب فضل الرحم

[4] مسلم کتاب الفضائل باب فضل عائشہؓ

درہم تھی بھیجا تو انہوں نے یہ رقم اپنے اعزہ کو تقسیم کر دی۔ [1]

حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ جو فیاضیاں کیں ان کا محرک یہی صلۂ رحمی تھی جس کا اظہار انہوں نے عام طور پر کر دیا تھا۔ [2]

حضرت اسماءؓ نے ایک جائیداد حضرت عائشہؓ سے وراثۃً پائی تھی، جس کو حضرت امیر معاویہؓ نے ایک لاکھ پر خرید لیا، لیکن انہوں نے اس رقم کو حضرت قاسمؒ بن محمد اور حضرت ابن ابی عتیق پر ہبہ کر دیا۔ [3] حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ چونکہ قاسم کو حضرت عائشہؓ کی وراثت سے حصہ نہیں ملا تھا اس لئے حضرت اسماءؓ نے ان کی دل شکنی کے خیال سے یہ رقم ان کو دے دی۔

صحابۂ کرام کو صلۂ رحمی کا اس قدر خیال تھا کہ حضرت عمرؓ صبح کے وقت اپنے بچوں سے کہتے تھے کہ الگ الگ کھیلو، مل جل کر رہو گے تو تم میں جھگڑا فساد ہو گا اور قطع رحم کرو گے'' [4]

یہ حسن سلوک صرف مسلمان اعزہ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ صحابۂ کرام اپنے ان اعزہ و اقارب کے ساتھ بھی جو کافر تھے اسی قسم کا فیاضانہ برتاؤ کرتے تھے ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو ایک ریشمی جوڑا دیا تو انہوں نے اس کو اپنے ایک مشرک بھائی کے پاس بھیج دیا جو کفرزار مکہ میں اقامت گزین تھا۔ [5]

حضرت اسماءؓ ہجرت کر کے مدینہ گئیں تو انکی والدہ جو کافرہ تھیں ان کے پاس آئیں اور مالی مدد مانگی، حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا وہ ان کے ساتھ صلۂ رحمی کر سکتی ہیں''؟ آپ نے فرمایا ''ہاں'' [6]

حضرت حفصہؓ نے اپنے ایک یہودی قرابت دار کے لئے ایک جائیداد کی وصیت کی تھی۔ [7]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت زینبؓ بنت جحش

[2] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۶۲

[3] بخاری کتاب الھبہ باب ہبۃ الواحد للجماعۃ

[4] الادب المفرد باب التفرقۃ بین الاحداث

[5] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب اللبس للجمعہ

[6] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین۔

[7] مسند دارمی کتاب الوصایا باب الوصیۃ لاہل الذمۃ۔

ماں باپ کے ساتھ سلوک

صحابۂ کرام والدین کی خدمت، اطاعت، اعانت اور ادب و احترام کا نہایت لحاظ کرتے تھے، ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ "میرے پاس دولت ہے اور میرا باپ اس کا محتاج ہے" ارشاد ہوا کہ "تم اور تمھاری دولت دونوں تمھارے باپ کے ہیں"۔ [1]

ایک دوسرے صحابی نے ایک باغ کو عمر بھر کے لئے اپنی ماں پر وقف کر دیا۔ [2]

ایک بار کفار نے رسول اللہ ﷺ کی گردن میں اونٹ کی اوجھ ڈال دی، حضرت فاطمہؓ دوڑ کے آئیں اس کو آپ کے اوپر سے اتار کر پھینک دیا اور کفار کو برا بھلا کہا۔ [3]

ایک صحابی نے خانہ کعبہ تک پا پیادہ چلنے کی نذر مانی تھی لیکن بڑھاپے کی وجہ سے بغیر سہارے کے نہیں چل سکتے تھے اس لئے ان کے دونوں لڑکے ان کو ٹیک کر لائے اور حج کروایا۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ "سوار ہو جاؤ خدا کو تمھاری اور تمھاری نذر کی ضرورت نہیں۔" [4]

ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک عورت آئی اور کہا کہ "میرا شوہر میرے لڑکے کو چھین لینا چاہتا ہے، حالانکہ وہ مجھے فائدہ پہنچاتا تھا اور میرے لئے کنوئیں سے پانی بھر لاتا تھا۔" آپؐ نے حکم دیا کہ قرعہ اندازی کرلو، باپ نے کہا کہ "میرے لڑکے میں کون دعویدار ہوسکتا ہے؟" آپؐ نے لڑکے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "یہ تمھارا باپ ہے اور یہ تمھاری ماں ہے جس کا ہاتھ چاہو پکڑلو" لڑکے نے ماں کا ہاتھ پکڑلیا۔ [5]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اگر چہ جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف حصہ لینا پسند نہیں کرتے تھے۔ تاہم جب ان کے والد نے اصرار کیا تو اطاعت کے خیال سے مجبوراً شریک ہو گئے۔

---

[1] ابوداؤد کتاب البیوع باب فی الرجل یاکل من مال ولدہ

[2] ایضاً باب من قال فیہ ولعقبہ

[3] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب المراۃ تطرح عن المصلی شیا من الاذی

[4] مسلم کتاب النذر باب من نذر ان یمشی الی الکعبۃ

[5] ابوداؤد کتاب الطلاق باب من احق بالولد

ایک بار حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو بولے ''مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ روزہ رکھو، نماز پڑھو، سوؤ اور اپنے باپ کی اطاعت کرو'' تو صفین کی شرکت کے لئے میرے باپ نے مجبور کیا، اس لئے میں شریک ہوا لیکن نہ تلوار اٹھائی نہ نیزہ مارا نہ تیر چلایا۔'' [1]

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں کھجور کی قیمت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی، لیکن ایک بار حضرت اسامہ بن زیدؓ نے کھجور کے ایک درخت میں شگاف کیا اور اس سے جمار نکالا، لوگوں نے کہا ''ایسا کیوں کرتے ہو؟ کھجور کا درخت تو بہت بیش قیمت ہو گیا ہے۔'' بولے ''میری ماں نے مجھ سے اس کی فرمائش کی تھی اور جہاں تک ہو سکتا ہے ان کی فرمائشوں کی تعمیل کرتا ہوں۔'' [2]

مروان اکثر حضرت ابو ہریرہؓ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا کرتا تھا، اس تعلق سے وہ ایک بار ذی الحلیفہ میں مقیم تھے اور ان کی والدہ الگ دوسرے گھر میں تھیں جب وہ اپنے گھر سے نکلتے تو ان کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے ''السلام علیکم یا اماہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ'' وہ فرماتیں ''وعلیک یا بنی و رحمۃ اللہ و برکاتہ'' پھر وہ فرماتے، خدا تم پر اسی طرح رحم کرے جس طرح تم نے بچپن میں مجھ کو پالا، وہ جواب دیتیں کہ خدا تم پر بھی اسی طرح رحم کرے جس طرح تم نے بڑے ہو کر میرے ساتھ سلوک کیا'' جب گھر میں داخل ہوتے تب بھی اسی طرح آداب بجالاتے۔ [3]

ان کی والدہ جب تک زندہ رہیں انہوں نے ان کو چھوڑ کر حج کرنا پسند نہیں کیا۔ [4]

باپ کے تعلق سے باپ کے دوست واحباب بھی قابلِ تعظیم و مستحق خدمت ہو جاتے ہیں، اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے۔

ابرا لبران یصل الرجل و دابیه،

سب سے زیادہ حسنِ سلوک یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوست سے بھی سلوک کرے۔

صحابۂ کرام اس حدیث پر اس شدت سے عمل کرتے تھے کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ سفر میں تھے۔ راہ میں ایک بدو ملا، انہوں نے اس کو اپنا عمامہ عنایت فرمایا اور اس کو اپنے

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت اسامہ بن زیدؓ

[3] الادب المفرد باب جزاء الوالدین

[4] مسلم کتاب الایمان باب ثواب العبد اجرہ اذا نصح سیدہ واحسن عبادۃ اللہؓ۔

گدھے پر سوار کرایا، لوگوں نے کہا" یہ تو بدو ہیں، ذرا سی چیز میں راضی ہو جاتے ہیں" بولے" اس کا باپ ابن الخطاب کا دوست تھا اور حدیث میں ہے کہ باپ کے دوست کی اولاد کے ساتھ سلوک کرنا بڑی نیکی کا کام ہے" [1]

حضرت ابوالدرداءؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت یوسف بن عبداللہؓ بن سلام سفر کر کے ان کی عیادت کو گئے، انہوں نے پوچھا کہ" اس شہر میں کیوں آئے"؟ بولے صرف اس لئے کہ آپ میں اور میرے والد میں دوستانہ تعلقات تھے"۔ [2]

بھائی سے محبت:

صحابۂ کرام بھائیوں سے نہایت محبت رکھتے تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا مقام حبش میں انتقال ہوا، اور لاش مکہ میں دفن ہوئی تو حضرت عائشہؓ فرطِ محبت سے ان کی قبر کی زیادت کو آئیں اور ایک مشہور مرثیے کے اشعار پڑھے۔

وکنا کندمانی جذیمة حقبة
من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

اور ہم دونوں ایک مدت تک جذیمہ کے دونوں ہم نشینوں کی طرح ساتھ رہے
یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ ان میں کبھی جدائی نہ ہوگی۔"

فلما تفرقنا کانی وما لکا
لطول اجتماع لم تبت لیلة معا

"لیکن جب جدائی ہوئی تو ایسی کہ گویا ہم نے اور مالک نے باوجود طویل
ملاقات کے ایک رات بھی ساتھ بسر نہیں کی تھی" [3]

حضرت عمرؓ کو اپنے بھائی زید سے اس قدر محبت تھی کہ وہ غزوۂ یمامہ میں شہید ہوئے تو عمر بھر ان کا داغ دل سے نہ مٹ سکا، فرمایا کرتے تھے کہ" جب پروا ہوا چلتی ہے تو اس سے مجھے زید کی خوشبو آتی ہے" [4]

---

[1] مسلم کتاب البر والصلہ والآداب فصل اصدقاء الاب والام ونحوہما
[2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۴۵
[3] ترمذی کتاب الجنائز باب ماجاء فی الزیارة للقبور للنساء
[4] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۲۹ تذکرہ زید بن الخطابؓ

حضرت حمزہؓ غزوۂ احد میں شہید ہوئے اور ان کی بہن حضرت صفیہؓ ان کا حال معلوم کرنے آئیں تو حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ سے ملاقات ہوئی، لیکن ان لوگوں نے یہ ظاہر کیا کہ ہم کو ان کی نسبت کچھ معلوم نہیں، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تو آپؐ کو خوف پیدا ہوا کہ اس واقعہ سے کہیں ان کی عقل نہ جاتی رہے اس لئے ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا اور ان کے لئے دعا کی ،انہوں نے اناللہ پڑھا اور رونے لگیں۔ [1]

محبت اولاد

اولاد اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اس لئے صحابۂ کرام اولاد سے نہایت محبت رکھتے تھے ایک بار ایک صحابی نے بی بی کو طلاق دی اور بچے کو اس سے لینا چاہا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ ''میرا پیٹ اس کا ظرف میری چھاتی اس کا مشکیزہ اور میری گود اس کا گھروندا تھا اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دی اور اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے'' آپ نے فرمایا ''جب تک نکاح نہ کرلو تم بچے کی سب سے زیادہ مستحق ہو'' [2]

ایک بار حضرت عائشہؓ کے پاس ایک عورت آئی انہوں نے اس کو تین کھجوریں دیں اس نے ایک ایک بچوں کو دیدی اور ایک اپنے لئے رکھ چھوڑی، بچے کھجور کھا چکے تو ماں کی طرف دیکھنے لگے اس نے اپنے حصے میں سے بھی دو قاشیں کیں اور ایک ایک بچوں کو دیدی، حضرت عائشہؓ نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا تو فرمایا تمھیں تعجب کیا ہے اس کے رحم کے بدلے جو اس نے اپنے بچوں پر کیا خدا نے اس پر بھی رحم کیا'' [3]

ایک بار حضرت عائشہؓ بخار میں مبتلا ہوئیں حضرت ابوبکرؓ ان کے پاس آئے حال پوچھا اور منہ چوم لیا، [4]

ایک صحابی کا بچہ جاتا رہا ان کو سخت صدمہ ہوا، انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے کہا ''کوئی ایسی بات بتاؤ جس سے یہ غم غلط ہو جائے'' بولے'' آپ نے فرمایا ہے کہ'' بچے جنت کے کیڑے ہیں'' [5]

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حمزہؓ

[2] ابوداؤد کتاب الطلاق باب من احق بالولد

[3] ادب المفرد باب الوالدات رحیمات

[4] ابوداؤد کتاب الادب باب فی قبلة الخد

[5] ادب المفرد باب فضل من مات لہ الولد

ایک صحابی آپ کی خدمت میں اپنے بچے کو لیکر حاضر ہوئے اور اس کو چمٹانے لگے آپ نے فرمایا ''تم کو اس سے محبت ہے؟'' بولے ''ہاں'' اس سے زیادہ تم سے ارحم الراحمین کو محبت ہے''۔[1]

حضرت عثمانؓ کا عام قاعدہ یہ تھا کہ جب ان کے کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو اس کو منگاتے اور فرطِ محبت سے سونگھتے۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اپنے بیٹے سالم کے ساتھ اس قدر محبت تھی کہ لوگ ان کو اس شیفتگی پر ملامت کرتے لیکن وہ ان ملامتوں کو سن کر فرماتے:۔

يلو موننی فی سالم والو مهم[3] وجلده بين العين والا نف سالم

''مجھے لوگ سالم کے بارے میں ملامت کرتے ہیں اور میں لوگوں کو ملامت کرتا ہوں، کیونکہ سالم کا چہرہ آنکھ اور ناک کے درمیان تمام عیوب سے پاک ہے۔''

اسی محبت کی بناء پر صحابۂ کرام کو بچے کے پیدا ہونے کی بڑی تمنا رہتی تھی، حضرت سہلؓ بن حنظلیہ ایک صحابی تھے جو ترک دنیا کر کے بالکل عزلت گزین ہو گئے تھے تاہم اولاد کی اسقدر خواہش تھی کہ فرماتے تھے کہ ''اگر میرے ایک ادھورا بچہ بھی پیدا ہو جاتا تو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتا''۔[4]

اگر کوئی شخص اپنی اولاد سے محبت کا اظہار نہ کرتا تو صحابۂ کرام اس کو نہایت برا سمجھتے ایک بار حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو عامل مقرر فرمایا، اس نے کہا ''میرے متعدد لڑکے ہیں، مگر میں نے کسی کو نہیں چوما'' بولے ''خدا صرف محبت کیش آدمیوں پر رحم کرتا ہے''[5]

---

[1] ادب المفرد باب رحمۃ العیال

[2] طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت عثمانؓ

[3] طبقات ابن سعد تذکرۂ سالم بن عبداللہ۔

[4] استیعاب تذکرہ حضرت سہل بن حنظلہؓ

[5] ادب المفرد باب من لا یرحم لم یدحم

یہ محبت صرف اپنے ہی بچوں کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ صحابۂ کرام عموماً بچوں سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک بار راستے سے گزرے تو دیکھا کہ حبشی لڑکے کھیل رہے ہیں، ان کو دو درہم دیئے۔[1]

انہوں نے ایک لونڈی کو جس سے ان کو بڑی محبت تھی آزاد کر دیا تھا، لیکن جب اس کو بچہ پیدا ہوا تو اس کو گود میں لے کر چوما اور کہا کہ "واہ واہ اس سے اس لونڈی کی خوشبو آتی ہے"۔[2]

بچوں کی پرورش:

صحابۂ کرامؓ بچوں کی پرورش میں اپنے عیش و آرام کو بھی فراموش کر دیتے تھے، حضرت جابر بن عبداللہؓ کے والد نے متعدد صغیر السن لڑکیوں کو چھوڑ کر انتقال کیا تو حضرت جابرؓ نے ان کی پرورش کی غرض سے ایک ثیبہ عورت سے شادی کی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کنواری لڑکی سے کیوں نہیں شادی کی، وہ تم سے کھیلتی، تم اس سے کھیلتے" تو بولے "باپ شہید ہوا اور صغیر السن لڑکیاں چھوڑیں اگر ان ہی کی سی کمسن عورت سے شادی کرتا تو وہ نہ ان کو ادب سکھاتی، نہ ان کی خبر گیری کرتی،[3] اس لئے ایسی عورت سے نکاح کرنا پسند کیا جو ان کو اکٹھا رکھے ان کے بالوں میں کنگھی کرے ان کے سر سے جوئیں نکالے" ان کے کپڑے پھٹ جائیں تو ان کو سی دے اور ان کی اصلاح و نگرانی کرے"[4]

حضرت ام سلیمؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت انس بن مالکؓ بچے تھے، اس لئے انہوں نے یہ عزم بالجزم کرلیا کہ جب تک ان کی نشو و نما کامل طور پر ہو جائے گی وہ دوسرا نکاح نہ کریں گی۔ چنانچہ انہوں نے اس ارادہ کو پورا کیا، حضرت انسؓ خود سپاس گزارنہ لہجے میں اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میری ماں کو جزائے خیر دے کہ اس نے میری ولایت کا حق ادا کیا۔[5]

یہ وصف اگرچہ تمام صحابیات میں عموماً پایا جاتا تھا لیکن اس میں قریشی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے قریشی عورتوں کی اس فضیلت کو خاص طور پر بیان فرمایا:

---

1. الادب المفرد باب لعب الصبیان بالجوز
2. طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
3. مسلم کتاب البیوع باب بیع البعیر واستثناء رکوبہ
4. ایضاً کتاب الطلاق باب استحباب نکاح البکر و مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۳۵۸
5. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیمؓ

خیر نساء وکبن الا مثل نساء قریش احنا هن علیٰ ولد فی صغره وار عاه علیٰ الزوج [1]

عرب کی عورتوں میں قریش کی عورتیں سب سے اچھی ہیں کہ بچوں سے ان کے بچپن میں نہایت محبت رکھتی ہیں اور شوہروں کے مال واسباب کی نگہداشت کرتی ہیں۔

صحابۂ کرام نہ صرف اپنی اولاد کی بلکہ اپنے اعزہ اپنے متعلقین بلکہ غیروں کی اولاد کی پرورش بھی اسی دلسوزی سے کرتے تھے۔

حضرت سعید بن اطولؓ کے بھائی نے انتقال کیا اور تین سو دینار اور چند صغیر السن بچے چھوڑے، انہوں نے اس رقم کو ان بچوں کی پرورش میں صرف کرنا چاہا، لیکن بھائی پر لوگوں کا قرض تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے پہلے اس کو ادا کیا، [2]

حضرت حارث بن ہشامؓ نے طاعون عمواس میں انتقال کیا تو حضرت عمرؓ نے ان کی بی بی فاطمہ بنت ولیدؓ سے نکاح کر لیا اور ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن بن حارثؓ کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا اور اس لطف ومحبت کے ساتھ ان کی تربیت فرمائی کہ خود حضرت عبدالرحمٰنؓ کا بیان ہے کہ ''میں نے عمرؓ بن الخطاب سے بہتر کوئی مربی نہیں دیکھا۔ [3]

جب حضرت زید بن حارثہؓ مکہ سے حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی کو لائے تو ان کی پرورش کے متعلق حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ میں اختلاف ہوا، حضرت جعفرؓ کہتے تھے کہ ''میں اس کا مستحق ہوں، وہ میرے چچا کی لڑکی ہے اور میرے نکاح میں اس کی خالہ ہے، جو بمنزلہ ماں کے ہے۔'' حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ ''وہ میرے بھی چچا کی لڑکی ہے اور میرے نکاح میں خود رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی ہیں جو لڑکی کی سب سے زیادہ مستحق ہیں'' اب حضرت زیدؓ بھی مدعی ہو گئے اور کہا کہ ''میں اس کا مستحق ہوں، میں نے اس کے لئے سفر کیا ہے اور اس کو یہاں لایا ہوں۔'' بالآخر رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ کیا۔ [4]

---

1. بخاری کتاب النفقات باب حفظ المراۃ زوجہا فی ذات یدہ والنفقۃ علیہ
2. مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۳۶
3. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبدالرحمان بن حارثؓ
4. بخاری کتاب المغازی باب عمرۃ القضا مع فتح الباری۔

ایک عورت نے آپ کی خدمت میں زنا کا اقرار کیا اس کی گود میں بچہ تھا، آپ نے فرمایا ''بچہ دودھ چھوڑے تو آنا'' بچے نے دودھ چھوڑ دیا تو وہ آئی اور کہا کہ ''مجھ پر حد شرعی جاری فرمایئے آپ نے فرمایا ''تمھارے بچے کی پرورش کون کرے گا؟'' ایک انصاری بولے ''میں یارسول اللہ!'' اب آپ نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دیا، [1]

اگر کوئی شخص پرورش اولاد سے آزادی چاہتا تھا تو صحابہ کرام اس کو سخت لعنت و ملامت کرتے، کسی شخص کے متعدد لڑکیاں تھیں' اس نے ان کی موت کی آرزو کی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سخت برہم ہوئے اور کہا ''کیا تم ان کو روزی دیتے ہو؟'' [2]

پرورش یتامیٰ :

یتیموں کی پرورش بڑی نیکی کا کام ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

انا وكافل اليتيم كهاتين في الجنة،

''میں اور یتیموں کی پرورش کرنے والا جنت میں اس قدر قریب ہوں گے جس قدر یہ دونوں انگلیاں قریب ہیں۔''

صحابہ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ نے اس نیک کام کی توفیق دی تھی اس لئے وہ اپنے بچوں کی طرح یتیموں کی پرورش کرتے تھے۔

حضرت زینبؓ متعدد یتیموں کی پرورش کرتی تھیں، ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور حضرت بلالؓ کے ذریعہ سے دریافت کروایا کہ ''وہ اپنے شوہر اور ان یتیموں پر صدقہ کریں تو جائز ہے؟'' ایک دوسری صحابیہ بھی اسی غرض سے در دولت پر کھڑی تھیں، حضرت بلالؓ نے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ''ان کو دوہرا ثواب ملے گا، ایک قرابت کا اور دوسرا صدقہ کا'' [3]

ایک یتیم حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ شریک طعام ہوا کرتا تھا۔ ایک دن انہوں نے کھانا منگوایا تو اتفاق سے وہ موجود نہ تھا، کھانے سے فارغ ہو چکے تو وہ آیا، انہوں نے اور کھانا منگوانا چاہا مگر گھر سے جواب آیا، اب ستو اور شہد لائے اور کہا ''لو کچھ نقصان میں نہیں رہے'' [4]

---

[1] دار قطنی صفحہ ۳۴۰ کتاب الحدود
[2] الادب المفرد باب من کرہ ان تمنی موت البنات۔
[3] بخاری کتاب الزکوۃ باب الزکوۃ علی الزواج والایتام فی الحجر
[4] ادب المفرد باب فضل یتیما بین ابویہ

حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کی لڑکیاں یتیم ہوگئی تھیں اور حضرت عائشہؓ ان کی پرورش فرمائی تھیں۔ [1]

پرورش کے علاوہ صحابہ کرام اور طریقوں سے بھی یتیموں کے ساتھ سلوک کرتے تھے۔ ایک یتیم نے ایک شخص پر ایک نخلستان کے متعلق دعوی کیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کے خلاف فیصلہ کیا تو وہ رو پڑا، آپؐ کو اس پر رحم آ گیا، اور مدعا علیہ سے فرمایا کہ ''اس کو نخلستان دیدو، خدا تم کو اس کے بدلے میں جنت میں نخلستان دے گا'' لیکن اس نے انکار کر دیا، حضرت ابو الدحداحؓ بھی موجود تھے۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تم میرے باغ کے عوض اپنے باغ کو بیچتے ہو۔'' اس نے کہا ''ہاں'' وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ''جو نخلستان آپؐ یتیم کے لئے مانگتے تھے، اگر میں دیدوں تو اس کے عوض مجھے جنت میں نخلستان ملے گا؟'' ارشاد ہوا ''ہاں'' [2]

عام قاعدہ ہے کہ لوگ اپنی لڑکیوں کی شادی یتیم بچوں سے کرنا پسند نہیں کرتے، لیکن صحابہ کرام کو یتیموں سے اس قدر محبت تھی کہ وہ اس معاملہ میں انھیں ترجیح دیتے تھے، حضرت صالحؓ کی صاحبزادی سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے منگنی کی، ان کی بی بی بھی اس نسبت کو پسند کرتی تھیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور ایک یتیم بچے کے ساتھ جو ان کی تربیت میں تھا، صاحبزادی کا نکاح کر دیا۔ [3]

یتیموں کی پرورش کے ساتھ صحابہ کرامؓ نہایت دیانت کے ساتھ ان کے مال کی نگہداشت بھی کرتے تھے اور اس کو ضائع ہونے سے بچاتے تھے بلکہ اس کو ترقی دیتے تھے، حضرت عمرؓ کا عام حکم تھا،

اتجروا فی اموال الیتامیٰ لاتاکلھا الزکوٰۃ

یتیموں کے مال سے تجارت کرو کہ زکوٰۃ اسے کھا نہ جائے۔

حضرت عائشہؓ جن یتیموں کی پرورش کرتی تھیں ان کے مال لوگوں کو دے دیتی تھیں کہ تجارت کے ذریعہ سے اس کو ترقی دیں۔ [4]

[1] موطائے امام مالک باب الزکوٰۃ فیہ من الحلی والتبر والعنبر۔
[2] استیعاب تذکرۃ حضرت ابوالدحداحؓ
[3] مسند جلد ۲ ص ۹۷
[4] موطائے امام مالک کتاب الزکوٰۃ، زکوٰۃ اموال الیتمیٰ والتجارۃ لہم فیہا

شوہر کی محبت:

صحابیات اپنے شوہروں سے نہایت محبت رکھتی تھیں، حضرت زینبؓ کی شادی ابوالعاص سے ہوئی تھی وہ حالت کفر میں تھے کہ بدر کا واقعہ پیش آ گیا اور وہ گرفتار ہو گئے آپ نے اسیرانِ جنگ کو فدیہ لیکر رہا کرنا چاہا اور تمام اہل مکہ نے اپنے اپنے فدیئے بھیجے، تو حضرت زینبؓ کے پاس ایک یادگار ہار تھا جس کو حضرت خدیجہؓ نے رخصتی کے وقت دیا تھا، انہوں نے ابوالعاص کے فدیہ میں مال کے ساتھ اس ہار کو بھی بھیج دیا، آپؐ نے اس کو دیکھا تو سخت رقت طاری ہوئی اور صحابہ کے مشورہ سے ان کو آزاد کر دیا اور ہار بھی واپس دے دیا۔ [1]

حضرت حمنہ بنت جحشؓ کے شوہر شہید ہوئے اور انہیں ان کی شہادت کی خبر معلوم ہوئی تو فرطِ محبت سے چیخ اٹھیں۔ [2]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا انتقال ہوا اور حضرت امام حسن علیہ السلام خلیفہ ہوئے تو ان کی بی بی حضرت عائشہؓ الخثعمیہ نے کہا "آپ کو حکومت مبارک ہو" سخت برہم ہوئے اور کہا کہ "تم مجھے امیر المومنین کے انتقال پر مبارک باد دیتی ہو۔" اور اسی غصہ کی حالت میں طلاق بائن دیدی۔ انہوں نے منہ ڈھانک لیا اور کہا کہ "میں نے تو یہ نیک نیتی سے کہا تھا بعد کو انہوں نے مہر وغیرہ کی رقم بھیجی تو اس کو دیکھ کر وہ رو پڑیں اور کہا کہ "جدا ہونے والے دوست کے مقابل میں یہ نہایت حقیر چیز ہے۔" [3]

حضرت عمرؓ کی بی بی حضرت عاتکہؓ روزے کے دنوں میں فرط محبت سے ان کے سر کا بوسہ لیتی تھیں۔ [4]

حضرت عاتکہؓ کو اپنے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے نہایت محبت تھی چنانچہ جب وہ غزوۂ طائف میں شہید ہوئے تو حضرت عاتکہؓ نے ایک پردرد مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی فداء الاسیر بالمال

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی البکاء علی المیت

[3] دارقطنی ص ۴۳۸ کتاب الطلاق۔

[4] موطا کتاب الصیام باب ماجاء فی الرخصۃ فی القبلۃ للصائم۔

فالیت لا تنفک عینی حزینۃ علیک ولا ینفک جلدا غبرا

میں نے قسم کھالی ہے کہ تمھارے غم میں میری آنکھیں ہمیشہ پرنم اور جسم ہمیشہ غبار آلود رہے گا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے شادی کی اور دعوتِ ولیمہ میں حضرت علیؓ کو بھی شریک کیا تو انہوں نے حضرت عاتکہؓ کو یہ شعر یاد دلایا اور وہ رو پڑیں، حضرت عمرؓ کی شہادت ہوئی تو ان کا بھی نہایت پر درد مرثیہ لکھا، اس کے بعد ان سے حضرت زبیرؓ نے شادی کی اور وہ بھی شہید ہوئے تو ان کا بھی نوحہ لکھا۔ [1]

شوہر کی خدمت:

صحابیات شوہر کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتی تھیں اور نہایت پابندی کے ساتھ اس فرض کو بجالاتی تھیں، ازواج مطہرات میں حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کو نہایت محبوب تھیں، لیکن اس محبوبیت کا کوئی اثر رسول اللہ ﷺ کی خدمت پر نہیں پڑتا تھا، بلکہ سب سے زیادہ ان ہی کو آپ کا شرفِ خدمت حاصل ہوتا تھا، رسول اللہ ﷺ کمال طہارت کی وجہ سے مسواک کو پہلے دھلوالیا کرتے تھے اور اس پاک خدمت کو حضرت عائشہؓ ادا فرماتی تھیں۔ [2]

ایک بار آپ کمبل اوڑھ کر مسجد میں آئے، ایک صحابی نے کہا "یارسول اللہ ﷺ اس پر دھبہ نظر آتا ہے" آپ نے اس کو غلام کے ہاتھ حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجدیا کہ دھو کر خشک کر کے میرے پاس بھیجدیں، حضرت عائشہؓ نے کٹورے میں پانی منگایا خود اپنے ہاتھ سے دھویا خشک کیا اور اس کے بعد آپ کے پاس بھیج دیا۔ [3]

جب رسول اللہ ﷺ احرام حج باندھتے تھے اور احرام کھولتے تھے تو وہ جسم مبارک میں خوشبو لگاتی تھیں۔ [4]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عاتکہؓ

[2] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب غسل السواک

[3] ایضاً باب الاعادۃ من النجاسۃ تکون فی الثوب

[4] ایضاً کتاب المناسک باب طیب عند الاحرام

جب آپ خانۂ کعبہ کو ہدی بھیجتے تھے تو وہ ان کے گلے کا قلادہ بٹتی تھیں۔[1]

صحابۂ کرام جب تمام دنیا کی خدمت واعانت سے محروم ہو جاتے تھے تو اس بے کسیؔ کی حالت میں صرف ان کی بیبیاں ان کا ساتھ دیتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ تخلفِ غزوہ تبوک کی بنا پر حضرت ہلالؓ بن امیہ سے ناراض ہوئے اور اخیر میں تمام مسلمانوں کی طرح ان کو بی بی سے بھی تعلقات کے منقطع کر لینے کا حکم دیا۔وہ حاضر خدمت ہوئیں اور کہا کہ ”وہ بوڑھے آدمی ہیں ان کے پاس نوکر چاکر نہیں اگر میں ان کی خدمت کردوں تو آپ ناپسند فرمائیں گے“؟ارشاد ہوا ”نہیں“۔[2]

شوہر کے مال واسباب کی حفاظت:

مردوزن کے معاشرتی تعلقات پر اس کا نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے کہ بیوی نہایت دیانت کے ساتھ شوہر کے مال واسباب کی حفاظت کرے اور صحابیات میں یہ دیانت اس شدت سے پائی جاتی تھی کہ مال واسباب تو درکنار جو چیز شوہر سے تعلق رکھتی تھی اس میں بغیر اس کی اجازت کے کسی قسم کا تصرف کرنا پسند نہیں کرتی تھیں،حضرت اسماءؓ کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی،ایک بار وہ گھر میں تھیں کہ ایک غریب سوداگر آیا کہ اپنے سایۂ دیوار میں مجھ کو سودا بیچنے کی اجازت دیجئے ،وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہوئیں فیاضی اور کشادہ دلی سے اجازت دینا چاہتی تھیں لیکن شوہر کے حکم کے بغیر اجازت نہیں دے سکتی تھیں'بولیں'' اگر میں اجازت دیدوں اور زبیرؓ انکار کردیں تو بڑی مشکل پڑے گی،زبیرؓ کی موجودگی میں آؤ اور مجھ سے سوال کرو'' وہ اسی حالت میں آیا اور کہا'' یا ام عبداللہ میں محتاج آدمی ہوں،آپ کی دیوار کے سایہ میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں'' بولیں'' تم کو مدینہ میں میرا ہی گھر ملتا تھا'' حضرت زبیرؓ نے کہا'' تمھارا کیا بگڑتا ہے جو ایک محتاج کو بیع وشرا سے روکتی ہو''؟ وہ تو چاہتی ہی تھیں،اجازت دیدی۔[3] وہ نہایت فیاض تھیں اس لئے صدقہ وخیرات کرنا بہت پسند کرتی تھیں،لیکن شوہر کے مال کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا اور شوہر کے مال میں بلا

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب من بعث بہدیہ واقام

[2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ تبوک

[3] مسلم کتاب الادب باب جواز ارواف المراۃ الاجنبیۃ اذا اعیت فی الطریق

شوہر کے مال میں بلا اجازت تصرف نہیں کرسکتی تھیں مجبوراً رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ ''میں زبیرؓ کی آمدنی میں سے کچھ صدقہ کروں تو کیا کوئی گناہ کی بات ہے''؟ ارشاد ہوا کہ ''جو کچھ ہو سکے دو''۔ [1] ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بیعت لی تو ان میں سے ایک خاتون اٹھیں اور کہا کہ ''ہم اپنے باپ بیٹے اور شوہر کی محتاج ہیں۔ ان کے مال میں سے ہمارے لئے کس قدر لینا جائز ہے''؟ آپ نے فرمایا اس قدر کہ کھا پی لو اور ہدیہ دو''۔ [2]

اگر چہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا، لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ان کی اس خصوصیت کو نمایاں کیا۔

نساء قریش خیر نساء رکبن الا بل احناه على الطفل
وارعاه على الزوج في ذات يده [3]

قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں، بچوں سے محبت رکھتی ہیں اور شوہروں کے مال و اسباب کی نگرانی کرتی ہیں۔

شوہر کی خوشنودی:

صحابیات اپنے شوہروں کی رضا مندی اور خوشنودی کا نہایت خیال رکھتی تھیں، حضرت حولاءؓ عطر فروش تھیں، ایک دن حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میں ہر رات کو خوشبو لگاتی ہوں بناؤ سنگھار کر کے دلہن بن جاتی ہوں اور خالصۃً لوجہ اللہ اپنے شوہر کے پاس جا کر سو رہتی ہوں، لیکن پھر بھی وہ متوجہ نہیں ہوتے اور منہ پھیر لیتے ہیں، پھر ان کو متوجہ کرتی ہوں اور وہ اعراض کرتے ہیں'' رسول اللہ ﷺ آئے تو آپ سے بھی اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا ''جاؤ اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہو''۔ [4]

ایک روز آپ نے حضرت عائشہؓ کے ہاتھ میں چاندی کے چھلے دیکھے فرمایا ''عائشہ یہ کیا ہے؟'' بولیں ''میں نے اس کو اس لئے بنایا ہے کہ آپ کے لئے بناؤ سنگھار کروں''۔ [5]

---

[1] مسلم کتاب الزکوۃ باب الحث علی الصدقۃ ولو بالقلیل

[2] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب المراۃ تصدق من بیت زوجہا۔

[3] مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل نساء قریش

[4] اسد الغابہ تذکرہ حضرت حولاءؓ

[5] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب الکنز ماہو وزکوۃ الحلی

ایک صحابیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے، آپ نے ان کے پہننے سے منع فرمایا، بولیں "اگر عورت شوہر کے لئے بناؤ سنگھار نہ کرے گی تو اس کی نگاہ سے گر جائے گی"۔ [1]

بی بی کی محبت:

جس طرح صحابیات اپنے شوہروں سے بے حد محبت رکھتی تھیں، اسی طرح صحابۂ کرام بھی بیویوں سے نہایت محبت رکھتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی بی بی کو اس قدر چاہتے تھے کہ جب حضرت عمرؓ نے ان کو طلاق دینے پر مجبور کیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا، معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے اطاعتِ والدین کے خیال سے ان کو طلاق دینے کا حکم دیا۔ [2]

ایک بار وہ سفر میں تھے معلوم ہوا کہ ان کی بی بی سخت بیمار ہیں ان کے پاس آنے کے لئے نہایت تیز رفتاری سے کام لیا اور عشاء و مغرب کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔ [3]

ایک بار حضرت امام حسنؓ نے اپنی بی بی حضرت عائشہؓ بنت الخلیفۃ الحشمیہ کو غصہ کی حالت میں طلاق بائن دے دی، بعد کو مہر کی رقم بھیجی تو وہ اس کو دیکھ کر رو پڑیں اور کہا کہ "جدا ہونے والے دوست کے مقابل میں یہ نہایت حقیر چیز ہے"۔ قاصد نے حضرت امام حسنؓ کو اس کی خبر دی تو بے اختیار رو پڑے اور فرمایا کہ "اگر طلاق بائن نہ دے چکا ہوتا تو رجعت کر لیتا"۔ [4]

حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ کو اپنی بی بی عاتکہؓ سے اس قدر محبت تھی کہ ان کے عشق میں جہاد تک کو ترک کر دیا تھا اس خیال سے حضرت ابوبکرؓ نے ان کو طلاق دینے پر مجبور کیا پہلے تو انہوں نے ٹالا، لیکن جب ان کی طرف سے سخت اصرار ہوا تو اطاعت والدین کے خیال سے طلاق

---

[1] نسائی کتاب الزینۃ ص ۷۶۵

[2] ابوداؤد کتاب الادب باب فی برالوالدین

[3] دارقطنی ص ۴۳۸ کتاب الطلاق

[4] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عاتکہؓ بنت زید۔

دی اور یہ اشعار کہے۔

اعاتک لا انساك مادر شارق   وما ناح قمری الحمام المطوق

''اے عاتکہ جب تک سورج چمکتا اور قمری بولتی رہے گی میں تجھے نہ بھولوں گا۔''

اعاتک قلبی کل یوم ولیلة   الیک بما تخفی النفوس معلق

''اے عاتکہ میرا دل ہر دن اور ہر رات بصد ہزار تمنا و شوق تجھ سے لگا ہوا ہے۔''

ولم ار مثلی طلق الیوم مثلها   ولا مثلها فی غیر جرم تطلق

''مجھ جیسے شخص نے اس جیسی عورت کو کبھی طلاق نہ دی ہوگی اور نہ ایسی عورت کو بغیر گناہ طلاق دیجاتی۔''

حضرت ابوبکرؓ پر ان اشعار کا سخت اثر ہوا اور انہوں نے رجعت کرنے کی اجازت دے دی۔ [1]

حضرت مغیثؓ ایک غلام تھے، ان کی شادی حضرت بریرہؓ سے ہوئی تھی، حضرت بریرہؓ آزاد ہوگئیں تو حضرت مغیثؓ سے قطع تعلق کرنا چاہا، رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس ارادہ سے روکا لیکن بولیں ''کیا یہ آپ کا حکم ہے؟'' فرمایا نہیں میں سفارش کرتا ہوں وہ راضی نہ ہوئیں حضرت مغیثؓ ان کے فراق سے بدحواس ہو گئے ان کے رخساروں پر آنسوؤں کی چادر دیکھ کر آپ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا ''مغیث کی محبت اور بریرہ کا بغض تم کو عجیب نہیں معلوم ہوتا'' [2]

ایک بار صحابۂ کرام حج سے واپس آرہے تھے، ذوالحلیفہ کے پاس پہنچے تو انصار کے لڑکے استقبال کے لئے نکلے ان ہی صحابہ میں حضرت اسید بن حضیرؓ بھی تھے ان کے خاندان کے بچوں نے ان کو بی بی کے انتقال کی خبر سنائی تو وہ منہ ڈھانک کر رونے لگے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا ''آپ قدیم الاسلام صحابی ہو کر ایک عورت کے لئے اس طرح روتے ہیں''۔ بولے ''سچ ہے

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عاتکہؓ بنت زید

[2] ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی المملوکہ تعتق مرحی تحت مراد عبد

سعد بن معاذ کے بعد مجھے کسی پر یوں رونا نہیں چاہیے“ [1]

اس محبت کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابۂ کرام عورت کے حق صحبت کا اس قدر لحاظ رکھتے تھے کہ عورت کی درشت خوئی بھی اس کو فراموش نہیں کرا سکتی تھی، حضرت لقیط بن صبرہؓ وفد بنو منتفق کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بی بی کی بدزبانی کی شکایت کی آپ نے فرمایا تو پھر طلاق دے دو“ انہوں نے کہا ”یا رسول اللہ ﷺ مدت کا ساتھ ہے اور اس سے ایک بچہ بھی ہے ”فرمایا کہ ”اس کو نصیحت کرو، اگر راہ راست پر آ جائے تو بہتر ہے ورنہ اس کو لونڈی کی طرح نہ مارو“ [2]

ہمسایوں کے ساتھ سلوک:

صحابۂ کرام ہمسایوں کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کرتے تھے اور اس میں کافر و مسلم کی تفریق روا نہیں رکھتے تھے، ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک بکری ذبح کی، پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا گھر والوں سے پوچھا کہ ”تم نے ہمارے یہودی ہمسایہ کے پاس گوشت بھیجا یا نہیں ؟رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جبرائیل نے مجھ کو ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس شدت سے وصیت کی کہ میں سمجھا کہ اس کو شریک وراثت بنا دیں گے۔ [3]

صحابۂ کرام خود بھوکے رہتے تھے اور اپنے ہمسایوں کو کھلاتے تھے، ایک بار حضرت عمرؓ نے حضرت جابرؓ کے پاس گوشت کی گٹھری دیکھی تو بولے ”کیا تم لوگ اپنی بھوک کو اپنے ہمسائے اور چچازاد بھائی کے لئے نہیں مارنا چاہتے“ [4]

اگر کوئی شخص ہمسایوں کے ساتھ برا سلوک کرتا تو صحابۂ کرام اس کو نہایت برا سمجھتے، ایک بار ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ ”میرا پڑوسی مجھے ستاتا ہے“ آپؐ نے فرمایا ”جاؤ اور گھر سے اپنا تمام مال و اسباب نکال کر باہر ڈال دو، اس نے تعمیل ارشاد کی لوگوں نے دیکھا تو پوچھا ”کیا معاملہ ہے؟ بولے ”میرے پڑوسی نے مجھے ستایا ہے“ تمام صحابہ نے کہا ”اس پر خدا کی لعنت ہو، اس نے سنا تو کہا ”گھر میں چلو اب نہ ستاؤں گا“۔ [5]

[1] مسند جلد ۴ صہ ۳۵۲
[2] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی الاستنثار
[3] ابوداؤد کتاب الادب باب فی حق الجوار۔
[4] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی اکل اللحم
[5] ادب المفرد باب شکایۃ الجار

غلاموں کے ساتھ سلوک:

صحابۂ کرام غلاموں کے ساتھ بالکل مساویانہ برتاؤ کرتے تھے اور جو خود پہنتے تھے وہی ان کو بھی پہناتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی لڑکیوں کی طرح اپنی لونڈیوں کو بھی سنہرے زیورات پہناتے تھے،[1] ایک بار کچھ لوگ ان سے ملنے کو آئے، دیکھا کہ ان کے غلام کے گلے میں سونے کا طوق پڑا ہوا ہے، ہر ایک دوسرے کی طرف تعجب سے دیکھنے لگا، بولے ''تمھاری نگاہ برائیوں پر ہی پڑتی ہے۔''[2]

ایک بار حضرت ابوذر غفاریؓ ایک حلہ پہنے ہوئے تھے اور غلام کو بھی ویسا ہی پہنایا ہوا تھا اس کا سبب دریافت کیا گیا تو بولے ''میں نے ایک غلام کو ایک دفعہ برا بھلا کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابوذر! تم میں اب تک جاہلیت کا اثر باقی ہے، یہ لوگ تمھارے بھائی ہیں، خدا نے ان کو تمھارے ہاتھ میں دے دیا ہے تو جس کا بھائی اس کے ہاتھ میں ہو وہ اس کو وہی کھلائے پلائے جو خود کھاتا پیتا ہے''۔[3]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک غلام دیا اور یہی نصیحت کی تو انہوں نے اپنا کپڑا پھاڑ کر آدھا غلام کو دے دیا۔[4]

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے گاڑھے کی دو قمیصیں خریدیں، ساتھ میں ان کا غلام بھی تھا، بولے ''اس میں جو تمھیں پسند ہو لے لو، اس نے ایک لے لی۔[5]

ایک بار حضرت ابوالیسیرؓ کے جسم پر دو مختلف قسم کے کپڑے تھے اور ان کے غلام کے بدن پر بھی اسی قسم کے مختلف کپڑے تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر آپ لوگ ایک ایک کپڑا دوسرے سے بدل لیتے تو ہم رنگ ہو کر پورا حلہ یعنی جوڑا ہو جاتا، بولے ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ غلاموں کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو، یعنی اس طریقہ سے دونوں کپڑے ہم رنگ تو ہو جاتے لیکن اس سے کپڑوں میں اختلاف ہو جاتا اور مساوات زائل ہو

---

1. موطائے امام مالک کتاب الزکوۃ باب مالا زکوۃ فیہ من الحلی التبر والعنبر
2. الادب المفرد باب فضول النظر
3. بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاہلیۃ
4. فتح الباری جلد ۱ صہ ۸۱۔
5. اسد الغابہ تذکرہ حضرت علیؓ

جاتی۔[1] صحابۂ کرام غلاموں کی زدوکوب کو نہایت برا سمجھتے تھے ایک بار ایک شخص نے اپنے غلام کے منہ پر طمانچہ مارا، حضرت سویدؓ بن مقرن نے فرمایا ''طمانچہ کے لئے تم کو صرف اس کا چہرہ ہی ملتا تھا؟ ہمارے بھائیوں میں ایک نے غلام کو مارا تھا تو آنحضرت ﷺ نے اس کے آزاد کرنے کا حکم دیا تھا''۔[2]

زدوکوب تو بڑی بات ہے صحابۂ کرام لونڈیوں اور غلاموں کو آدھی بات کہنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک بار رات کو عبدالملک اٹھا اور اپنے خادم کو آواز دی، اس نے آنے میں تھوڑی دیر لگائی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی، حضرت ام الدرداء اس کے محل میں تھیں، صبح ہوئی تو کہا کہ ''تم نے رات اپنے خادم پر لعنت بھیجی، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لعنت بھیجنے والے قیامت کے دن شفعاء یا شہدا نہ ہوں گے''[3]

ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے ایک دوست سے ملنے آئے، وہ موجود نہ تھے ان کی بی بی سے پانی مانگا، اس نے لونڈی کو ہمسایہ کے گھر بھیجا کہ دودھ مانگ لائے، لونڈی نے آنے میں دیر لگائی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ گھر سے نکل آئے ان کے دوست آئے تو کہا ''آپ سے کیا پردہ تھا، گھر میں آکر بیٹھے ہوتے، کھایا پیا ہوتا''۔ بولے سب کچھ کرلیا، لیکن آپ کی بی بی نے لونڈی پر لعنت بھیجی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''اگر لعنت بے محل ہوتی ہے تو خود لعنت بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے'' اس لئے مجھے خوف پیدا ہوا کہ شاید لونڈی معذور ہو اور وہ لعنت آپ کی بی بی پر لوٹ آئے اور میں اس کا سبب بنوں اس خیال سے گھر سے باہر نکل آیا''۔[4]

صحابہ کرامؓ غلاموں کے آرام و آسائش کا نہایت خیال رکھتے تھے ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے گھر منتظم آیا تو انہوں نے پوچھا ''غلاموں کو کھانا دیا یا نہیں'' بولا ''نہیں'' فرمایا ''جاؤ اور دو'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ تو بڑے گناہ کی بات ہے کہ آدمی غلاموں کی روزی کو روک رکھے''۔[5]

---

1. الادب المفرد باب اکسوہم مما تلبسون
2. مسلم کتاب النذر باب صحبۃ الممالیک وکفارۃ من لطم عبدہ
3. مسلم کتاب البر والصلہ والاداب باب النہی عن لعن لدواب وغیرہا۔
4. مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۴۰۸ مسند عبداللہ ابن مسعودؓ
5. مسلم کتاب الزکوۃ باب فضل النفقۃ علی العیال والمملوک

صحابۂ کرام غلاموں سے کبھی سخت کام نہیں لیتے تھے ایک بار ایک شخص حضرت سلمان فارسیؓ کے یہاں آیا دیکھا کہ بیٹھے ہوئے آٹا گوندھ رہے ہیں، اس نے کہا کہ "غلام کہاں ہے؟ بولے" ہم نے اس کو ایک کام کے لئے بھیجا ہے، اس لئے یہ پسند نہیں کیا کہ اس سے دو دو کام لیں"۔ [1]

حضرت عثمانؓ رات کو اٹھ کر خود وضو کا پانی لے لیا کرتے تھے، لوگوں نے کہا "اگر آپ کسی خادم سے کہہ دیتے تو وہ یہ کام کر دیتا" بولے نہیں رات ان کے آرام کے لئے ہے"۔ [2]

اسی حسن سلوک کا یہ نتیجہ تھا کہ غلام صحابۂ کرام پر جان دیتے تھے، اور ان کے ارشادات کی بطیب خاطر تعمیل کرتے تھے، افلح نامی حضرت ابوایوب انصاریؓ کا غلام تھا، انہوں نے اس کو مکاتب بنا کر آزاد کرنا چاہا تو تمام لوگوں نے اس کو مبارک باد دی، لیکن بعد میں حضرت ابوایوب انصاریؓ نے معاہدۂ کتابت کو فسخ کرنا چاہا اور اس کے یہاں کہلا بھیجا کہ تمھیں مثل سابق کے غلامی کی حالت میں رہنا ہوگا، افلح کے اہل وعیال نے کہا کہ تم پھر غلام بننا پسند کرو گے؟ حالانکہ خدا نے تم کو آزاد کر دیا تھا" لیکن اس نے کہا کہ "میں ان کی کسی بات کا انکار نہیں کر سکتا" چنانچہ خود اس معاہدہ کو فسخ کر دیا اس کے بعد چند ہی دنوں کے بعد حضرت ابوایوبؓ نے اس کو آزاد کر دیا اور کہا کہ "جو مال تمھارے پاس ہو [3] وہ کل تمھارا ہے"۔

باہمی محبت:

صحابۂ کرام باہم نہایت الفت ومحبت رکھتے تھے، اس لئے جب کسی صحابی کو کسی قسم کا دکھ درد پہنچتا تھا تو دوسرے صحابہ کے دل بھر آتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو جب ابن لولو نے زخمی کیا تو تمام صحابہ کو اس قدر رنج ہوا کہ گویا ان پر کبھی ایسی مصیبت نہیں آئی تھی، حضرت عائشہؓ الگ رو رہی تھیں، [4] حضرت صہیبؓ پاس آئے اور واہ اخیاہ، واہ اخیاہ" کہہ کر رونے لگے۔ [5]

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عثمانؓ

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ افلح

[4] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان بن عفان

[5] نسائی کتاب الجنائز باب النیاحۃ علی المیت

حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو تمام صحابہ نے ان کے تابوت کو گھیر لیا اور دعائیں کرنے لگے۔[1] حضرت علیؓ نے پاس پہنچ کر کہا ''خدا تم پر رحم کرے، مجھے توقع ہے کہ خدا تم کو تمھارے دونوں رفقاء (حضرت ابوبکرؓ و رسول اللہؐ) کی معیت عطا کرے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اکثر کہا کرتے تھے کہ ''میں ابوبکرؓ اور عمرؓ تھے'' ''میں نے ابوبکرؓ اور عمرؓ نے یہ کام کیا تھا''۔[2]

صحابۂ کرام حضرت عمرؓ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو سب کے سامنے دستر خوان بچھایا گیا، لیکن رنج و غم کی وجہ سے کسی نے کھانے کو ہاتھ لگانا پسند نہیں کیا، بالآخر حضرت عباسؓ کے سمجھانے سے سب نے کھانا کھایا۔[3]

ایک بار صحابۂ کرام رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شہداء کے مزار کی زیارت کو نکلے، پہاڑ پر چڑھے تو قبریں نظر آئیں، محبت کے لہجے میں بولے ''یا رسول اللہ ﷺ! یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں۔[4]

ایک بار واقد بن عمروؓ بن سعد بن معاذ، حضرت انس بنؓ مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے نام پوچھا اور سلسلۂ نسب میں حضرت سعد بنؓ معاذ کا نام آیا تو فرمایا، تمھاری صورت سعد سے مشابہ ہے، وہ سب میں بڑے اور لمبے تھے'' یہ کہہ کر رو پڑے۔[5]

ایک دن حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے سامنے آیا، ان کو ابتدائے اسلام کا افلاس یاد آ گیا، بولے ''مصعب بنؓ عمیر مجھ سے بہتر تھے وہ شہید ہوئے اور ایک چادر کے سوا ان کو کفن میسر نہ ہوا حمزہؓ یا کوئی اور صحابی جو مجھ سے بہتر تھے شہید ہوئے اور ایک چادر کے سوا ان کو کفن نہ ملا، شاید دنیا ہی میں ہم کو ہمارے طیبات مل گئے'' یہ کہہ کر رونے لگے اور کھانا چھوڑ دیا۔[6]

---

1. سنن ابن ماجہ باب فضل ابی بکر الصدیقؓ
2. بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکرؓ
3. طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت عباسؓ
4. ابو داؤد کتاب المناسک باب زیارۃ القبور
5. نسائی کتاب الزینۃ باب لبس الدیباج المنسوج بالذہب و ترمذی کتاب اللباس باب لبس الحریر فی الحرب
6. بخاری کتاب الجنائز باب الکفن من جمیع المال مع فتح الباری

باہمی اعانت:

صحابۂ کرام مصیبت میں، آفت میں کشمکش میں ایک دوسرے کی اعانت فرماتے تھے، جنگ کی حالت میں ہر شخص کو اپنی ہی جان کی فکر رہتی ہے لیکن صحابۂ کرام اس موقع پر بھی دوسروں کی اعانت کے لئے اپنی جان تک کو خطرہ میں ڈال دیتے تھے، حضرت ابوقتادہؓ کا بیان ہے کہ ''میں نے حنین میں دیکھا کہ ایک کافر ایک مسلمان پر غالب آنا چاہتا ہے میں چکر دے کر آیا اور اس کی پشت کی جانب سے گردن پر ایک تلوار ماری وہ میری طرف بڑھا اور مجھ کو اس طرح دبوچ لیا کہ مجھے موت کی خوشبو آنے لگی اور پھر مر ہی کے چھوڑا''[1]

قبیلہ اشعری کے لوگ مدینہ میں ہجرت کر کے آ گئے تھے ان لوگوں میں باہم اس قدر تعاضد وتعاون تھا کہ جب غزوات میں ان کا زادراہ ختم ہو جاتا تھا یا خود مدینہ میں مبتلائے فقر وفاقہ ہو جاتے تھے تو ہر شخص کے گھر میں جو کچھ ہوتا تھا، وہ لا کر سب کے سامنے رکھ دیتا تھا، اور یہ سب لوگ اس کو برابر تقسیم کر لیتے تھے۔[2]

ہمسایہ عورتیں اپنی پڑوسنوں کو ہر قسم کی مدد دیتی تھیں، حضرت اسماءؓ کو روٹی پکانا نہیں آتی تھی، لیکن ان کی پڑوسنیں ان کی روٹی پکا دیا کرتی تھیں۔[3]

ایک دن کچھ مفلوک الحال لوگ حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ''خدا کی قسم! نہ ہم کو نفقہ ملتا نہ سواری ملتی نہ اسباب ملتا'' بولے ''اگر چاہو تو خدا جو توفیق دے ہم دیں ورنہ بادشاہ کے دربار میں تمھاری سفارش کر دیں اور اگر جی میں آئے تو صبر کرو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فقراء ومہاجرین امراء سے چالیس سال پیشتر جنت میں داخل ہوں گے'' ان لوگوں نے کہا ''ہم صبر کرتے ہیں اور کچھ نہیں مانگتے''۔[4]

حضرت زبیرؓ نے لاکھوں روپے قرض چھوڑ کر انتقال فرمایا تھا اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اس کو ادا کرنا چاہتے تھے ایک بار حضرت حکیم بن حزامؓ سے ملاقات ہوگئی تو انہوں نے کہا ''قرض کیونکر ادا کرو گے؟ اگر مجبور ہو جانا تو مجھ سے اعانت کی درخواست کرنا میں اعانت کروں گا'' یہ

---

1. ابوداؤد کتاب الجہاد باب السلب یعطی القاتل
2. مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل الاشعریین
3. مسلم کتاب السلام باب ارداف المراۃ الاجنبیہ اذا اعیت فی الطریق۔
4. مسلم کتاب الزہد

صرف زبانی دعویٰ نہ تھا بلکہ انہوں نے چار لاکھ سے ان کی اعانت بھی کرنا چاہی، لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔[1]

جب عورتوں کو شکایت پیدا ہوتی تو وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا درد دکھ کہتی تھیں وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نہایت پر زور طریقہ سے ان کی سفارش کرتی تھیں، ایک بار ان کی خدمت میں ایک عورت سبز دوپٹہ اوڑھ کر آئی اور جسم کھول کر دکھایا کہ شوہر نے اس قدر مارا ہے کہ بدن پر نیل پڑ گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ مسلمان عورتیں جو مصیبت برداشت کر رہی ہیں، ہم نے ویسی مصیبت نہیں دیکھی، دیکھئے اس کا چمڑا اس کے دوپٹے سے زیادہ سبز ہو گیا ہے۔

بخاری کی روایت میں ہے،

والنساء ینصر بعضهن بعضا[2]

عورتوں کی یہ فطرت ہے کہ ایک دوسرے کی اعانت کرتی ہیں۔

ایک شخص کی بی بی بیمار تھیں وہ حضرت ام الدرداؓ کے پاس آئے۔ انہوں نے حال پوچھا تو انہوں نے کہا "بیمار ہے" انہوں نے ان کو بٹھلا کر کھانا کھلایا اور جب تک ان کی بی بی بیمار رہیں حال پوچھتی اور کھانا کھلاتی رہیں۔[3]

حضرت ربیعہ اسلمیؓ نہایت مفلس صحابی تھے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے شادی کرنا چاہی لیکن خود ان کے پاس مہر اور دعوتِ ولیمہ کا کوئی سامان نہ تھا، اس لئے ان کے قبیلہ کے لوگوں نے اعانت کی اور تمام سامان ہو گیا۔[4]

ایک کے رنج و مسرّت میں دوسرے کی شرکت :

تالف و اتحاد نے صحابۂ کرام کو ایک جان دو قالب بنا دیا تھا، اس لئے وہ ایک کے رنج کو اپنا رنج اور ایک کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتے تھے اور اس میں شریک ہوتے تھے ایک بار حضرت زید بن ارقمؓ نے ایک واقعہ بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصدیق نہیں فرمائی اس لئے ان کو

---

[1] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ حیاً و میتا مع فتح الباری۔

[2] بخاری کتاب اللباس باب الثیاب الخضر

[3] الادب المفرد باب صہ ۷۴

[4] مسند ابن حنبل جلد ۴ صہ ۵۸

سخت صدمہ ہوا اس کے بعد قرآن مجید نے ان کی تصدیق کی جس پر ان کو نہایت مسرت ہوئی اس لئے حضرت ابو بکرؓ ان سے ملے تو ان کو مبارک باد دی [1] غزوۂ تبوک کی عدم شرکت کے جرم میں جب حضرت کعب بن مالکؓ ،حضرت ہلال بن امیہؓ ،حضرت مرارہ بن ربیعؓ کی توبہ مقبول ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کا خاتمہ ہوا تو اس بارے میں جو آیت نازل ہوئی ،حضرت ام سلمہؓ نے رات ہی کو حضرت کعب بن مالکؓ کو اطلاع دینی چاہی ،لیکن آپ نے فرمایا ''اگر تم نے ایسا کیا تو لوگ ٹوٹ پڑیں گے اور سونا دشوار ہو جائے گا''۔ [2] اس لئے آپ نے نماز فجر کے بعد اس کا اعلان کیا اس وقت حضرت کعب بن مالکؓ کوٹھے کی چھت پر سخت پریشانی کی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دفعتہً آواز آئی کہ ''زندہ باد'' دیکھا کہ لوگ جوق در جوق مبارک باد دینے کے لئے چلے آ رہے ہیں ،ایک صحابی گھوڑا اڑاتے ہوئے آئے ایک اور صحابی دوڑتے ہوئے پہنچے اور پہاڑ پر چڑھ کر بشارت دی ،لوگ گروہ در گروہ آتے تھے اور کہتے تھے کہ ''کعب توبہ مبارک'' مسجد نبوی میں توبہ کا اعلان ہوا تھا اور وہ داخل مسجد ہوئے تو حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ نے دوڑ کر مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔ [3]

حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا گیا اور وہ اس رنج وغم میں رات دن مصروف گریہ و بکا رہنے لگیں تو ایک صحابیہ آئیں اور ان کی حالت دیکھ کر بے اختیار رو پڑیں۔ [4]

حسنِ رفاقت :

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی شان میں فرمایا ہے۔

وحسن أولئک رفیقا،

''یہ لوگ کیا ہی اچھے رفیق ہیں''

صحابۂ کرام بھی اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے تھے اس لئے انہوں نے عملاً دنیا ہی میں

---

1. ترمذی تفسیر القرآن تفسیر سورۃ المنفقین
2. بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ توبہ باب قولہ وعلی الثلثۃ الذین خلفا الخ
3. بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ تبوک
4. بخاری کتاب الشہادات باب تعدیل النساء بعضھن بعضاء

اپنے اوپر اس آیت کو منطبق کر لیا تھا۔

حضرت رافع بن عمروؓ نے ایک غزوہ میں رفیق صالح کی تلاش کی حسن اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ کا شرف رفاقت حاصل ہو گیا، ان کا بیان ہے کہ "وہ مجھے اپنے بستر پر سلاتے تھے، اپنی چادر اڑھاتے تھے، میں نے کہا کہ "مجھے کوئی ایسی بات سکھایئے جو مجھے فائدہ دے" بولے" خدا کو پوجو کسی کو اس کو شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، اگر مال ہو تو صدقہ دو، دارالکفر سے ہجرت کرو اور دو شخصوں کے بھی حاکم نہ بنو" [1]

بزرگوں کا ادب:

حدیث شریف میں آیا ہے۔

من لم یرحم صغیر نا و یعرف حق کبیر نا فلیس منا۔

"جو لوگ ہمارے چھوٹوں پر رحم اور ہمارے بزرگوں کا ادب نہیں کرتے وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔"

اس لئے صحابۂ کرام بزرگوں کا نہایت ادب کرتے تھے، ایک بار مجلس نبوی میں حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا کہ "مجھ کو اس درخت کا نام بتاؤ جو مسلمانوں سے مشابہ ہے ہر سال پھلتا ہے اور کبھی اس پر خزاں نہیں آتی" حضرت عبداللہؓ بن عمر کے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، لیکن ان دونوں بزرگوں کے ادب سے نہ بول سکے، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو کہا کہ "تم نے کیوں نہیں بتایا اگر تم بتا دیتے تو وہ مجھ کو فلاں فلاں چیزوں سے بھی زیادہ محبوب ہوتا" بولے "جب آپ اور حضرت ابوبکرؓ نہیں بولے تو میں نے بولنا پسند نہیں کیا" [2]

ایک دن وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چلے کسی طرف سے حضرت ابوبکرؓ بھی آ گئے وہ دائیں طرف سے ہٹ کر آپ کے بائیں جانب آ گئے۔ تھوڑی دیر میں حضرت عمرؓ نے بھی شرف رفاقت حاصل کیا اب وہ بالکل کنارے ہو گئے۔ [3]

ایک بار حضرت عبداللہ بن قیسؓ بن مخرمہ، [4] مسجد قباء میں نماز پڑھ کر خچر پر سوار ہو کر

---

[1] اصابہ تذکرہ رافع بن عمرو بن جابر

[2] بخاری کتاب الادب باب اکرام الکبیر

[3] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۱

[4] ان کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے

نکلے راہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ مل گئے، انہوں نے دیکھا تو فوراً اتر پڑے اور کہا کہ "چچا جان اس پر سوار ہو لیجئے"۔[1]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عمرؓ کے خاص تربیت یافتہ تھے وہ ایک سال سے اُن سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتے تھے مگر ہمت نہیں پڑتی تھی، ایک موقع پر وہ مسئلہ پوچھا تو کہا "خدا کی قسم! سال بھر سے پوچھنا چاہتا تھا مگر آپ کے خوف سے ہمت نہیں پڑتی تھی" یہ حسن ادب تھا لیکن حضرت عمرؓ نے بھی بہ شفقت آمیز جواب دیا کہ "ایسا نہ کرو اگر تمھارا یہ خیال ہو کہ میرے پاس کسی چیز کا علم ہے تو پوچھ لیا کرو" اگر میں جانتا ہوں گا تو ضرور بتا دوں گا۔[2]

دوستوں سے ملاقات:

ازدیادِ محبت کا نہایت موثر ذریعہ ہے صحابہ میں باہم محبت تھی اور وہ اس محبت کو ترقی دینا چاہتے تھے، اس لئے دوستوں سے اکثر ملاقات کرتے تھے، حضرت ام الدرداءؓ شام میں رہتی تھی لیکن ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسیؓ پاپیادہ مدائن سے ان کے ملنے کو آئے۔[3]

ایک دن بہت سے صحابہ حضرت جابرؓ سے ملنے آئے، انہوں نے روٹی اور سرکا سامنے رکھ دیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "سرکہ بہترین سالن ہے وہ شخص ہلاک ہو جائے گا جس کے پاس اس کے احباب آئیں اور وہ اس چیز کو حقیر سمجھ کر ان کے سامنے پیش نہ کرے جو اس کے گھر میں موجود ہو اور وہ احباب بھی ہلاک ہو جائیں گے جو اس کو حقیر خیال کریں"۔[4]

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے ایک دوست (غالباً صحابی ہو نگے) سے ملنے آئے وہ گھر میں موجود نہ تھے آئے تو ان کو گھر کے باہر دیکھ کر بولے "آپ سے کیا پردہ تھا گھر میں آکر بیٹھے ہوتے کھایا پیا ہوتا"۔[5]

ہدیہ دینا:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہدیہ ازدیادِ محبت کا ذریعہ ہے، اس لئے صحابۂ کرام رسول

---

1. مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۱۱۹
2. مسلم کتاب الطلاق باب فی الایلاء واعتزال النساء وتخییر ہن وقولہ تعالیٰ وان تظاہرا علیہ
3. الادب المفرد باب الزیارۃ
4. مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۳۵۰
5. مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۴۰۸

اللہ ﷺ کی خدمت میں اکثر ہدیہ بھیجا کرتے تھے، حضرت نسیبہؓ انصاریہ اس قدر مفلس تھیں کہ ان پر صدقہ کا مال حلال تھا۔ تاہم اس حالت میں بھی وہ ازواج مطہرات کی خدمت میں ہدیہ بھیجتی تھیں، ایک بار ان کے پاس صدقہ کی ایک بکری آئی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہؓ کے پاس ہدیۃً بھیجا۔[1] حضرت بریرہؓ کے پاس بھی جو کچھ صدقہ میں آتا تھا وہ ازواج مطہرات کو ہدیۃً دیا کرتی تھیں۔[2]

عیادت:

صحابۂ کرام مریضوں کی عیادت کو اپنا فرض خیال کرتے تھے، ایک بار حضرت سعد ابن عبادہؓ بیمار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم میں کون ان کی عیادت کرتا ہے''؟ باوجود یکہ غربت و افلاس سے صحابۂ کرام کے پاؤں میں جوتے نہ تھے، موزے نہ تھے، سر پر ٹوپی نہ تھی بدن پر کپڑا نہ تھا، لیکن بااین ہمہ دس پندرہ بزرگ پتھریلی زمین پر ننگے پاؤں اور کھلے سر گئے اور ان کی عیادت کی۔[3]

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم میں آج کون روزے سے ہے؟ تم میں آج کس نے جنازے کی مشائعت کی ہے؟ تم میں آج کس نے مسکین کو کھلایا ہے؟ تم میں آج کس نے مریض کی عیادت کی ہے؟ حضرت ابوبکرؓ کی زبان سے ہر سوال کے جواب میں ہاں نکلی تو آپ نے فرمایا ''جس شخص میں یہ تمام چیزیں جمع ہو جائیں وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا''[4]

ایک بار ایک صحابی بیمار تھے، حضرت ام الدرداءؓ اونٹ پر سوار ہو کر آئیں اور ان کی عیادت کی۔[5]

ایک بار حضرت شداد بن اوسؓ شام کے وقت کہیں جا رہے تھے، کسی نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ بولے ''یہیں ایک مریض بھائی کی عیادت کو جاتا ہوں۔''[6]

---

[1] بخاری کتاب الزکوۃ و باب اذا تحولت الصدقۃ

[2] مسلم کتاب الزکوۃ باب اباحۃ الہدیۃ للنبیؐ و بنی ہاشم و بنی عبدالمطلب وان کان الھدی ملکھا بطریق الصدقۃ

[3] مسلم کتاب الجنائز باب فی عیادۃ المرضیٰ۔

[4] مسلم کتاب الزکوۃ باب من جمع الصدقۃ واعمال البر مسند جلد ۳ ص ۱۸ میں یہ واقعہ حضرت عمرؓ کی طرف منسوب ہے۔

[5] الادب المفرد باب عیادۃ النساء الرجل المریض

[6] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۳

تیمارداری:

صحابہ کرامؓ نہایت دلسوزی سے مریضوں کی تیمارداری کرتے تھے، مہاجرین کے قیام کے متعلق جب قرعہ کے ذریعہ فیصلہ کیا گیا تو حضرت عبداللہ بن مظعونؓ حضرت ام العلاءؓ کے حصے میں آئے وہ بیمار ہوئے تو ان کے تمام خاندان نے نہایت دلسوزی سے تیمارداری کی۔ ان کا انتقال ہوا تو کفن پہنانے کے بعد حضرت ام العلاءؓ نے محبت کے لہجے میں کہا ''تم پر خدا کی رحمت ہو میں شہادت دیتی ہوں کہ خدا نے تمھاری عزت کی۔''[1]

حضرت زینبؓ مرض الموت میں بیمار ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات سے پچھوایا کہ کون ان کی تیمارداری کرے گا؟ تمام بیویوں نے کہا ہم، ان کا انتقال ہوا تو پھر دریافت کیا کہ ان کو کون غسل وکفن دے گا؟ تمام بیویوں نے کہا ہم''[2]

عزاداری:

صحابہ کرام رنج وغم میں ایک دوسرے کے شریک تھے اس لئے عزاداری کو اپنا فرض بنالیا تھا، ایک بار رسول اللہ ﷺ ایک صحابی کو دفن کر کے آرہے تھے، راہ میں دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ جارہی ہیں، پوچھا ''گھر سے کیوں نکلیں؟'' بولیں ''اسی گھر میں عزاداری کے لئے گئی تھی۔[3]

حضرت انس بن مالکؓ کی متعدد اولاد غزوۂ حرہ میں شہید ہوئی، تو حضرت زید بن ارقمؓ نے خط کے ذریعہ سے رسم تعزیت ادا کی۔[4]

عرب میں ایک طریقۂ عزاداری یہ تھا کہ عورتیں برادری میں جا کر مردوں پر نوحہ کرتی تھیں یہ جاہلیت کی رسم تھی، لیکن اسلام نے اس کو مٹا دیا چنانچہ جب عورتیں اسلام لاتی تھیں تو ان سے اس کا بھی معاہدہ لیا جاتا تھا۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت اُم عطیہؓ سے یہ معاہدہ لینا چاہا تو بولیں ''فلاں فلاں خاندان نے زمانۂ جاہلیت میں ہمارے مردے پر نوحہ کیا ہے، مجھے اس کا معاوضہ ادا کرنا ضروری ہے چنانچہ آپ نے ان کو اس کی اجازت دی۔[5]

---

1. بخاری کتاب الشہادت باب القرعہ فی المشکلات
2. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت زینب بنت جحشؓ
3. ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی التعزیہ
4. ترمذی کتاب الفضائل فضل الانصار وقریش۔
5. مسلم کتاب الجنائز باب التشدید فی النیاحۃ

سلام کرنا :

''السلام علیکم'' اگرچہ نہایت مختصر اور سادہ فقرہ ہے لیکن جلب محبت کے لئے عمل تسخیر کا حکم رکھتا ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

واذا حييتم بتحية فحيو ابا حسن منها،

جب تم کو سلام کیا جائے تو اس سے بہتر طریقہ سے اس کا جواب دو۔

یا ایها الذین اٰمنو الا تد خلوا بیوتا غیر بیو تکم حتی تستا نسوا و تسلموا علیٰ اهلها.

مسلمانوں! اپنے گھر کے سوا کسی دوسرے کے گھر میں اس وقت تک نہ داخل ہو جب تک تم ان سے مانوس نہ ہو جاؤ اوران کو سلام نہ کرلو

اور اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ جب اول اول مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو سب سے پہلے یہ تعلیم دی۔

یا ایها الناس افشوا السلام واطعمو اا لطعام تد خلوا الجنة بسلام [1]

لوگو! باہم سلام کرو اور کھانا کھلاؤ اور جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھو تا کہ اس کے بدلہ میں جنت میں اطمینان سے داخل ہو جاؤ۔

اس لئے صحابۂ کرام ہر کہ ومہ کو سلام کرتے تھے، ایک بار حضرت ابوبکرؓ اونٹ پر سوار جارہے تھے جو لوگ راہ میں ملتے اور وہ ان کو سلام کرتے تو صرف ''السلام علیکم'' کہتے لیکن وہ جواب میں ''السلام علیکم'' ورحمتہ اللہ کہتے، اب وہ بھی اسی کا اعادہ کرتے، وہ لوگ اور اضافے کے ساتھ ''السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'' کہتے، بالآخر فرمایا کہ ''یہ لوگ ہم سے بہت بڑھ کے رہے'' [2]

---

[1] ترمذی ص ۴۰۹

[2] الادب المفرد باب فضل السلام۔

حضرت انسؓ بن مالک بصرہ میں نکلتے تو راستے میں ہر شخص کو ہاتھ کے اشارے سے سلام کرتے۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا معمول تھا کہ بازار جاتے اور ہر دکان دار ہر مسکین اور ہر مسافر، غرض ہر شخص کو سلام کرتے ایک شخص نے پوچھا کہ "بازار میں آپ نہ بھاؤ تاؤ کرتے نہ سودا سلف خریدتے، نہ کہیں بیٹھتے پھر کس کام سے آتے ہیں؟" بولے "صرف سلام کرنے کے لیے"۔ [2] جب وہ سلام کا جواب دیتے تو سلام کرنے والے کے جواب میں بعض فقرے کا اضافہ کر دیتے، ایک بار ایک شخص نے بار باران ہی کے اضافہ کے ساتھ سلام کیا تو اخیر میں انہوں نے جو جواب دیا وہ بہت طویل تھا یعنی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وطیب صلوۃ۔

اگر صحابہ کے درمیان ایک درخت بھی حائل ہو جاتا تو اس کی آڑ سے نکلنے کے بعد جب دوبارہ سامنا ہوتا تو باہم سلام کرتے۔ [3]

مصافحہ :

سب سے پہلے اہل یمن جو نہایت محبت کیش، رقیق القلب اور مخلص لوگ تھے مصافہ کا تحفہ دربار رسالت میں لیکر حاضر ہوئے۔ [4] اور صحابہ کرام نے اس پر شدت سے عمل کیا کہ حضرت انسؓ بن مالک صرف دوستوں سے مصافہ کرنے کے لئے روزانہ ہاتھوں میں خوشبو دار تیل ملا کرتے تھے۔ [5]

معاوضہ احسان:

هل جزاء الاحسان الا الاحسان

احسان کا بدلہ صرف احسان ہے۔

صحابہ کرامؓ کی زندگی اس آیت کی عملی تفسیر تھی، ایک غزوہ میں صحابہ کرام سخت تشنہ لب

---

[1] باب من سلم اشارة

[2] الادب المفرد من خرج یسلم ویسلم علیہ۔

[3] ایضاً باب حق من سلم اذا قام

[4] ابوداؤد کتاب الادب باب فی المصافحۃ

[5] الادب المفرد باب من دہن یدہ للمصالحۃ

ہوکر پانی کی جستجو میں نکلے تو ایک عورت ملی جس کے ساتھ پانی تھا،صحابہ کرام اس کو استعمال میں لائے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو معاوضہ دلوایا،لیکن باوجود معاوضہ دینے کے صحابہ کرامؓ نے ہمیشہ اس کے احسان کو یاد رکھا، چنانچہ جب اس کے گاؤں کے پاس حملہ کرتے تھے تو اس کے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے۔ [1]

سپاس گذاری:

حدیث شریف میں آیا ہے۔

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔

''جو لوگ انسانوں کا شکریہ نہیں ادا کرتے وہ خدا کے بھی شکر گزار نہیں ہوتے۔''

اس بناء پر صحابہ کرام اپنے محسنوں کے نہایت سپاس گذار رہتے تھے،رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کرنے سے پہلے بہت سے صحابہ مدینہ پہنچ گئے۔آپ تشریف لائے تو انہوں نے عرض کی۔'' یارسول اللہ ! ہم نے انصار سے زیادہ فیاض اور غمگسار قوم نہیں دیکھی،انہوں نے ہمارا بار اٹھالیا ہم کو اپنا شریک بنالیا ایسا نہ ہو کہ کل ثواب وہی لوٹ لیں ارشاد ہوا کہ'' جب تک ان کے لئے خدا سے دعا کرتے رہو گے ان کی تعریف میں تر زبان رہو گے ایسا نہ ہوگا۔ [2]

حسن ظن:

صحابہ کرام ایک دوسرے کی نسبت ہمیشہ نیک گمان رکھتے تھے،ایک دفعہ کوفہ والوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی شکایت کی کہ وہ نماز صحیح طریقہ سے نہیں پڑھاتے۔انہوں نے ان سے دریافت کیا تو بولے ''میں بالکل رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتا ہوں'' انہوں نے کہا ''تمھاری نسبت یہی گمان تھا'' [3]

ایک شخص جس کے ہاتھ پاؤں چوری کے جرم میں کاٹ ڈالے گئے تھے،حضرت ابو بکرؓ کا مہمان ہوا،انہوں نے دیکھا کہ وہ رات کو اٹھ کے نماز پڑھتا ہے،تو بولے'' کہ تمھاری ذات تو چوروں کی سی نہیں معلوم ہوتی،تمھارے ہاتھ پاؤں کس نے کاٹے؟'' اس نے کہا ''یعلی بن

---

[1] بخاری کتاب التیمیم باب الصعید الطیب وضوء المسلم یکفیہ عن الماء

[2] ترمذی ابواب الزہد

[3] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب تخفیف الاخرین۔

منیہ نے یہ ظلم کیا ہے" فرمایا "میں اس کی نسبت ان کو لکھوں گا" اس کے چند ہی دنوں بعد حضرت اسماء بنت عمیس ؓ کا ایک زیور غائب ہو گیا، اس کی تحقیقات کی گئی تو ایک سنار کے پاس ملا وہ حاضر کیا گیا تو اس نے کہا کہ "اسی دست و پا بریدہ شخص نے مجھ کو یہ زیور دیا" حضرت ابوبکرؓ نے کہا "یہ چوری کوئی بڑی چیز نہیں، البتہ اس نے مجھ کو اپنے مذہبی تقدس کی بناء پر جو فریب دیا وہ بہت بڑی چیز ہے۔ اس کے پاؤں کاٹ ڈالو" [1]

واقعہ افک کو منافقین نے اگرچہ بے حد شہرت دی، تاہم صحابہ کرام کو ازواجِ مطہرات کے ساتھ جو حسن ظن تھا اس کی بناء پر متعدد صحابہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ

سبحانک مایکون لنا ان نتکلم بهذا سبحانک هذا بهتان عظیم [2]

"سبحان اللہ! ہمارے لئے اس کا ذکر جائز نہیں، سبحان اللہ یہ تو بہت بڑا بہتان ہیں"

بخاری میں ہے کہ اس جملہ کو ایک انصاری نے کہا تھا لیکن فتح الباری میں اور صحابہ کے نام بھی گنوائے ہیں۔

مصالحت وصفائی :

بہ مقتضائے فطرت انسانی اگر صحابہ کرام میں باہم شکر رنجی ہو جاتی تھی تو وہ نہایت خلوص کے ساتھ باہم صفائی کر لیتے تھے اور چند روزہ ناگواری پر ان کو اس قدر افسوس ہوتا تھا کہ جب اس ناگوار حالت کا تذکرہ یا اس کا خیال آتا تھا تو آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے تھے ایک معاملہ میں حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ سے اس قدر ناراض ہو گئیں کہ بول چال تک کی قسم کھالی۔ لیکن عفو تقصیر کے بعد جب ان کو یہ قسم یاد آتی تھی تو اس قدر روتی تھیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا تھا۔ [3]

ابتداء میں اگرچہ حضرت علی ؓ نے حضرت ابوبکر ؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، لیکن بعد کو انہوں نے خود حضرت ابوبکرؓ کو اس غرض سے بلایا اور کہا کہ "اے ابوبکر ہم کو تمھاری فضیلت کا

---

1. دار قطنی کتاب الحدود ص ۳۶۵،
2. بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب قول اللہ وامرھم شوریٰ بینھم
3. بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ۔

اعتراف ہے اور اگر خدا نے تم پر یہ احسان (خلافت) کر دیا ہے تو ہم کو اس پر رشک نہیں'' ان کی اس مخلصانہ تقریر کا حضرت ابوبکرؓ پر یہ اثر ہوا کہ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے رسول اللہ ﷺ کی قرابت مجھ کو خود اپنی قرابت سے زیادہ عزیز ہے، ہمارے اور تمھارے درمیان جن معاملات میں اختلاف ہو گیا تھا ان میں حق سے سرمو تجاوز نہ کروں گا، رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ کیا ہے، اسی کے مطابق عمل کروں گا'' باہمی صفائی کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کے لئے سہ پہر کا وقت مقرر فرمایا ظہر کی نماز ہو چکی تو حضرت ابوبکرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر ان کے تمام عذرات جو عدم بیعت کا سبب تھے بیان کئے اس کے بعد حضرت علیؓ نے تقریر کی جس میں حضرت ابوبکرؓ کے تمام فضائل وحقوق خلافت کا اعترف کیا اور کہا کہ ''میں نے جو کچھ کیا وہ اس بناء پر نہ تھا۔ کہ مجھ کو حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ رشک وحسد تھا، یا میں ان کے فضائل کا منکر تھا۔ لیکن ہم اپنے آپ کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے اس لئے ہم کو اس پر رنج ہوا'' اس اعلان سے تمام مسلمان خوشی کے مارے کھل گئے اور حضرت علیؓ سے جو عام ناراضگی پیدا ہوئی تھی وہ یک لخت زائل ہو گئی۔ [1]

معاصرین کی فضیلت کا اعتراف:

رشک وحسد علماء کا مایہ خمیر ہے اس لئے وہ معاصرین کی فضیلت کا بہت کم اعتراف کرتے ہیں، محدثین اسلامی اخلاق کا بہترین نمونہ تھے لیکن بایں ہمہ اصول حدیث کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک محدث کی جرح دوسرے معاصر محدث پر قابل اعتبار نہیں کیونکہ ان میں باہم رشک وحسد اور بغض وعناد ہوتا ہے لیکن صحابہ کرامؓ نہایت کشادہ دلی کے ساتھ معاصرین کی فضیلت کا اعتراف کرتے تھے، حضرت معاذؓ بن جبل کا انتقال ہونے لگا تو لوگوں نے کہا'' کچھ وصیت فرمایئے'' بولے'' چار آدمیوں سے علم حاصل کرو، عویمر ابی الدرداؓ، سلمان فارسیؓ، عبداللہؓ بن مسعودؓ، عبداللہ بن سلامؓ'' [2]

ایک بار حضرت ابوہریرہؓ کے پاس کوفہ سے ایک بزرگ آئے اور کہا کہ'' علم حاصل کرنے کے لئے آیا ہوں'' بولے'' کیا تمھارے یہاں سعد بن مالک، ابنؓ مسعود، حذیفہؓ

[1] مسلم کتاب الجہاد قول النبی ﷺ لا نورث ما ترکنا فہو صدقہ

[2] ترمذی کتاب المناقب مناقب عبداللہ بن سلامؓ۔

عمارؓ اور سلمانؓ نہیں ہیں، ساتھ ساتھ ان کی وجوہ فضیلت بیان کیں۔[1]

ایک دفعہ کوفہ میں ایک شخص نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے ایک فتویٰ پوچھا انہوں نے جو جواب دیا اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود نے اعتراض کیا، اگر اس زمانہ کے علماء ہوتے تو باہم لڑ بیٹھتے لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعری نے کہا کہ اہل کوفہ جب تک یہ چیز (عبداللہ بن مسعودؓ) تم میں موجود ہے مجھ سے فتویٰ نہ پوچھو"[2]

مساوات :

صحابۂ کرام ہر کہ ومہ سے مساویانہ برتاؤ کرتے تھے اور ان کے ساتھ مساویانہ معاشرت رکھتے تھے، ایک بار حضرت صفوان بن امیہؓ ایک بڑے پیالہ میں کھانا لائے اور حضرت عمرؓ کے سامنے رکھ دیا انہوں نے فقیروں اور غلاموں کو بلایا اور سب کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا اس کے بعد فرمایا "خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار آتا ہے"[3]

ایک بار حضرت عمرؓ گھی میں چورا کر کے روٹی کھا رہے تھے، ایک بدو کو بلایا اور اپنے ساتھ شریک طعام کیا، وہ لقمہ اٹھاتا تھا تو پیالے کی تلچھٹ تک سمیٹ لیتا تھا، فرمایا" تم بہت ہی مفلس معلوم ہوتے ہو" بولا مدتوں سے نہ گھی دیکھا نہ کوئی گھی کا کھانے والا نظر آیا۔ قحط کا زمانہ تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا" جب تک بارش نہ ہوگی گھی نہ کھاؤں گا"[4]

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ مدینہ کے اطراف میں نکلے ساتھ ساتھ بہت سے احباب تھے، دسترخوان بچھایا گیا تو ایک چرواہا آ نکلا، اس نے سلام کیا تو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اس کو شریک طعام کرنا چاہا اس نے عذر کیا کہ میں روزے سے ہوں بولے" ایسے گرم دن میں روزے رکھتے ہو؟ اور پھر بکریاں چراتے ہو"[5]

زمانۂ جاہلیت میں حضرت خبابؓ اور حضرت بلالؓ دونوں غلام رہ چکے تھے لیکن ایک بار حضرت خبابؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو انہوں نے ان کو اپنے گدے پر بٹھایا اور کہا کہ"

---

1. ترمذی کتاب المناقب مناقب عبداللہ بن مسعودؓ
2. موطائے امام مالک کتاب الرضاء باب ماجاء فی الرضاعۃ بعد الکبر۔
3. الادب المفرد باب ہل یجلس خادمہ معہ اذا اکل
4. موطائے امام محمد ابواب السیر باب الزہد والتواضع۔
5. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

ایک شخص کے سوا کوئی ان سے زیادہ اس جگہ کا مستحق نہیں'' انہوں نے پوچھا وہ کون یا امیرالمومنین، فرمایا'' بلالؓ ''[1]

ایک دن سرداران قریش میں حضرت ابوسفیانؓ بن حرب اور حضرت حارث بن ہشامؓ وغیرہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، استیذان کے بعد انہوں نے سب سے پہلے اہل بدر کو جن میں حضرت صہیبؓ حضرت بلالؓ، اور حضرت عمار بھی تھے شرف باریابی بخشا، حضرت ابو سفیان کے دماغ میں اب تک زمانۂ جاہلیت کا غرور باقی تھا، اس لئے انہوں نے سخت ناگواری کے ساتھ کہا'' کیا قیامت ہے کہ ان غلاموں کو تو اذن ملتا ہے اور ہم لوگ بیٹھے ہوئے منہ تکتے ہیں۔'' حضرت سہیل بن عمروؓ بھی ساتھ تھے بولے'' تمھارے چہروں سے غصے کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں لیکن تم کو خود اپنے اوپر غصہ کرنا چاہیے، اسلام نے سب کے ساتھ تم کو بھی بلایا لیکن یہ لوگ آگے بڑھ گئے اور تم پیچھے رہ گئے۔[2] یہ لوگ فتح مکہ میں اسلام لائے تھے اور حضرت صہیبؓ وغیرہ سابقین اسلام میں سے تھے یہ اسی کی طرف اشارہ تھا۔

اگر کوئی شخص ایسا طرز عمل اختیار کرتا جو اخلاقی حیثیت سے مساوات کے خلاف ہوتا تو صحابہ کرام اس کو سخت ناپسند فرماتے ایک بار حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نکلے تو ایک شخص نے کہا'' السلام علیکم ایھا الامیر ورحمۃ اللہ'' اس کے بعد تمام لوگوں کی طرف خطاب کر کے کہا'' السلام علیکم'' بولے'' صرف السلام علیکم کافی تھا میں بھی تو ان ہی میں سے ہوں''

حضرت رویفع الطابلس کے گورنر تھے، ایک شخص نے آ کر ان کو اس طرح سلام کیا،'' السلام علیک ایھا الامیر'' انہوں نے کہا'' اگر تم ہمیں سلام کرتے تو ہم سب تمہارا جواب دیتے، تم نے گویا مسلمہ گورنر مصر کو سلام کیا، جاؤ وہی جواب بھی دیں گے''[3]

حضرت سہیل بن عمرو سرداران قریش میں سے تھے اور زمانہ جاہلیت میں انصار کو اپنے سے کم رتبہ سمجھتے تھے۔ لیکن وہ برابر حضرت معاذ بنؓ جبل کے پاس قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے جاتے تھے ایک دن کسی نے کہا کہ'' آپ اس خزرجی کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ اپنے قبیلہ کے کسی آدمی سے قرآن پاک کی تعلیم کیوں نہیں حاصل کرتے'' بولے کہ'' اسی فخر و غرور نے تو ہم کو سب سے پیچھے رکھا''[4]

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت خباب بن الارتؓ۔
[2] اسدالغابہ تذکرہ حضرت سہیل بن عمروؓ۔
[3] الادب المفرد باب التسلیم علی الامیر
[4] اسدالغابہ تذکرہ حضرت سہیل بن عمروؓ

فرق مراتب کا لحاظ:

صحابہ کرامؓ اگر چہ آزادی اور مساوات کے پیکر مجسم تھے۔ تاہم انہوں نے ان تمام امتیازات کو مٹا نہیں دیا تھا جن کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں قائم کیا ہے۔

وفضلنا بعضهم علی بعض

اور ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

اس لئے وہ ہر شخص سے اس کی حیثیت کے موافق برتاؤ کرتے تھے۔ ایک بار حضرت عائشہ کی خدمت میں ایک فقیر آیا انہوں نے اس کو روٹی کا ایک ٹکڑا دیکر ٹال دیا۔ پھر ایک خوش پوشاک آدمی آیا تو انہوں نے اس کو بٹھا کر کھانا کھلایا، لوگوں نے اس تفریق کی وجہ پوچھی تو بولیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

انزلوا الناس علی منازلهم [1]

ہر شخص کو اس کے درجہ پر رکھو۔

ایک بار حضرت ام سلمہؓ کو اون صاف کروانے کی ضرورت ہوئی تو ایک مکتب کے مدرس کے پاس آدمی بھیجا کہ غلاموں کو بھیجد ولیکن آزاد لڑکے کو نہ بھیجنا، فتح الباری میں ہے کہ اس سے آزاد کا اعزاز مقصود تھا۔ [2]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک لونڈی نے آزاد عورتوں کی سی وضع اختیار کی تھی، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو ان کو ناگوار ہوا، حضرت حفصہؓ کے پاس گئے اور کہا کہ ''میں نے تمہارے بھائی کی لونڈی کو دیکھا کہ آزاد عورتوں کی وضع میں ادھر اُدھر پھر رہی تھی''۔ [3]

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی تنزیل الناس منازلہم۔

[2] بخاری کتاب الدیات باب من استعان عبدا وصبیا۔

[3] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی المملوک وہبتہ۔

حسنِ معاملت

ادائے قرض کا خیال:

حدیث شریف میں آیا ہے۔

خیارکم ، احاسنکم ، قضاء

تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض ادا کرنے میں بہتر ہیں۔

یہ حدیث عملی حیثیت سے صرف صحابہ کرامؓ پر صادق آتی ہے۔ حضرت زبیرؓ جب معرکہ جمل میں شریک ہوئے تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بلا کر کہا کہ ''آج صرف ظالم یا مظلوم قتل ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ میں بھی مظلومانہ شہید ہوں گا، مجھ کو سب سے زیادہ اپنے قرض کی فکر ہے، ہماری جائیداد فروخت کر کے سب سے پہلے قرض ادا کرنا اور اگر تم مجبور ہو جانا تو ہمارے مولا (خدا) سے مدد چاہنا۔''[1]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے نہایت دیانت کے ساتھ اس کی تعمیل کی، چنانچہ جب باپ کا کل قرض ادا کر چکے تو ان کے بھائیوں نے کہا ''اب ہماری میراث تقسیم کرو،، لیکن انہوں نے کہا کہ جب تک چار سال تک موسم حج میں یہ اعلان نہ کرلوں گا کہ زبیرؓ پر جس کا قرض آتا ہو وہ ہم سے آکر لے لے، وراثت تقسیم نہ کروں گا چنانچہ چار سال تک برابر منادی کرتے رہے۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن حرام غزوہ احد کے لئے نکلے تو اپنے بیٹے حضرت جابرؓ کو بلا کر کہا کہ ''میں ضرور شہید ہوں گا، مجھ پر جو قرض ہے اس کو ادا کرنا اور اپنی بہنوں کے ساتھ سلوک کرنا''[3] چنانچہ حضرت عبداللہؓ نے چھ لڑکیاں چھوڑی تھیں جن کی کفالت کا بار حضرت جابرؓ پر تھا، لیکن جب فصل خرما تیار ہوئی تو انہوں نے سب سے پہلے اپنے باپ کا قرض ادا کیا اور اس

---

1. بخاری کتاب الجہاد باب برکتہ الغازی فی مالہ حیا ومیتاً مع النبی ﷺ۔

2. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت زبیرؓ

3. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ

دیانت کیساتھ ادا کیا کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں اس پر راضی تھا کہ میرے باپ کی امانت ادا ہو جائے اور میں اپنی بہنوں کے پاس ایک کھجور لیکر بھی نہ پلٹوں۔'' [1]

ایک بار حضرت ابوملیح بن عروہؓ بن مسعودؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ''میں اپنے باپ عروہ کا قرض ادا کرسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ''ہاں،، حضرت قارب بن اسودؓ نے کہا ''تو اسود کا قرض بھی ادا کیجئے،، آپ نے فرمایا ''لیکن اسود نے شرک کی حالت میں انتقال کیا تھا،، حضرت قاربؓ نے کہا ''ان کا بیٹا یعنی میں تو مسلمان ہوں، ان کے قرض کا بار مجھ پر ہے اور مجھ ہی سے اس کا تقاضہ کیا جائے۔ [2]

جب حضرت عمرؓ کو زخم لگا اور ان کو زندگی سے مایوسی ہوئی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بلا کر پوچھا کہ دیکھو مجھ پر کس قدر قرض ہے،،؟ حساب لگایا گیا تو چھیاسی ہزار نکلا، فرمایا کہ اگر آلِ عمرؓ کے مال سے ادا ہو جائے تو خیر ورنہ بنو عدی بن کعب سے درخواست اعانت کرنا، ان کی اعانت سے بھی کام نہ چلے تو قریش سے درخواست کرنا، لیکن ان کے علاوہ کسی سے نہ مانگنا،، [3]

حضرت ابن حدردؓ پر ایک یہودی کے چار درہم قرض تھے اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں استغاثہ کیا تو آپ نے تین بار فرمایا کہ ''اس کا حق دیدو،، انہوں نے کہا ''میرے پاس کچھ نہیں،، آپ خاموش ہوگئے تو وہ خود اٹھے اور بازار گئے، سر سے اتار کر عمامہ کا تہ بند بنایا اور اپنے تہ بند کو چار درہم پر فروخت کر کے اس کا قرض ادا کیا'' [4]

حضرت عائشہؓ اکثر قرض لیا کرتی تھیں، ان سے پوچھا گیا کہ آپ قرض کیوں لیتی ہیں؟ بولیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو بندہ اپنے قرض کے ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے، خدا اپنی جانب سے اس کا مددگار مقرر کر دیتا ہے، تو میں اسی مددگار کی جستجو کرتی ہوں'' [5]

رسول اللہ ﷺ جب قرض ادا فرماتے تھے تو بہترین مال دیتے تھے، ایک بار آپؐ نے کسی سے اونٹ لیا تھا، صدقہ کے اونٹ آئے تو اس کو اس سے بہتر اونٹ دیا اور فرمایا۔

---

1. بخاری ذکر غزوہ احد باب اذھمت طائفتان منکم ان تفشلا واللہ ولیھما الآیہ
2. اسد الغابہ تذکرہ حضرت قارب بن اسودؓ
3. بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ۔
4. اصابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن ابی حدردؓ
5. مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۹۹۔

خیار الناس احسنهم قضاء[1]

بہترین لوگ وہ ہیں جو قرض اچھے طریقے سے ادا کرتے ہیں۔

صحابہ کرام کا عمل بھی اسی حدیث پر تھا، ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کسی سے چند درہم قرض لئے، قرض ادا کیا تو اس سے بہتر درہم دیئے اس نے کہا ''آپ کے درہم تو میرے درہم سے اچھے ہیں،، بولے مجھے معلوم ہے، لیکن میں نے بخوشی دیئے ہیں۔''[2]

ایک بار انہوں نے کسی سے دو ہزار درہم قرض لئے، ادا کیا تو دو سو درہم زیادہ دیئے، اس نے کہا کہ ''آپ کے دو سو درہم زیادہ ہیں،، بولے ''وہ تمہارے ہیں''[3]

قرض داروں کو مہلت دینا:

قرض داروں کو قرض ادا کرنے کے لئے مہلت دینا بڑے ثواب کا کام ہے اور خود قرآن مجید نے اس کی ہدایت کی ہے۔

تنظره الی میسرة

اگر قرض دار تنگدست ہو تو اس قدر مہلت دو کہ وہ فراخ دست ہو جائے۔

لیکن اس کی توفیق ان ہی لوگوں کو ہوتی ہے جن کے دلوں میں لطف و محبت اور رحم و شفقت کا مادہ ہوتا ہے، اللہ تعالی نے صحابہ کرامؓ کے قلوب کو ان جذبات سے معمور کر کے ان کو اس کار خیر کی توفیق عطا فرمائی تھی، ایک شخص پر حضرت ابوقتادہؓ کا قرض آتا تھا وہ تقاضے کو آتے تھے تو غریب گھر میں چھپ جاتا تھا، حسن اتفاق سے ایک دن آئے اور اس کے بچے سے پوچھا کہ ''وہ کہاں ہے،،؟ اس نے کہا کہ گھر میں کھانا کھا رہے ہیں،، بلا کر پوچھا ''مجھ سے کیوں چھپتے تھے،،؟ بولا سخت تنگدست ہوں میرے پاس کچھ نہیں ہے،، حضرت قتادہؓ آبدیدہ ہو گئے اور کہا کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے قرض دار کو مہلت دیتا ہے یا قرض معاف کر دیتا ہے وہ قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ہوگا۔''[4]

---

1. ابوداؤد کتاب البیوع باب فی حسن القضاء
2. موطائے امام محمد کتاب الصرف وابواب الربوا باب الرجل یکون علیہ الدین فیقضی افضل مما اخذ
3. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
4. مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۳۰۸

حضرت ابوالیسرؓ پر حضرت سمرہؓ کا قرض تھا وہ تقاضے کو آئے تو وہ چھپ گئے، حضرت سمرہؓ تیزی کے ساتھ واپس ہوئے تو حضرت ابوالیسرؓ سمجھے کہ وہ نکل گئے جھانک کر دیکھا تو ان سے آنکھیں چار ہوگئیں، بولے "کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا ہے کہ جو شخص تنگدست کو مہلت دیگا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سایہ میں لے گا؟"، حضرت سمرہؓ نے فرمایا "میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپؐ سے یہ سنا ہے"[1]

وضع دین :

صحابہ کرامؓ نہایت فیاض، نرم خو اور رحمدل تھے اس لئے قرض کو معاف فرمادیتے تھے، ایک بار حضرت کعب بن مالکؓ نے مسجد نبویؐ میں ایک صحابی پر قرض کا تقاضا کیا شور وغل ہوا تو کاشانہ نبوت میں آواز پہنچی، آپ نے پردہ اٹھا کر فرمایا "کعب آدھا قرض معاف کردو"، بولے "معاف ہے"[2]

حضرت زبیرؓ پر حضرت عبداللہ بنؓ جعفر کا چار لاکھ قرض تھا، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ادا کرنا چاہا تو بولے کہ "اگر کہو تو معاف کردوں"[3]

"حضرت ام سلمہؓ نے ایک غلام کو مکاتب بنایا، اس نے جب بدل کتابت ادا کرنا چاہا تو کہا کہ "اس میں کچھ کمی کردیجئے"، انہوں نے کم کردیا"[4]

ایک شخص پر حضرت ابوالیسرؓ کا قرض آتا تھا وہ تقاضے کو آئے تو اس نے لونڈی سے کہلوایا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ انہوں نے آواز سن لی اور کہا کہ "گھر سے نکلو میں نے تمھاری آواز سن لی"، وہ گھر سے نکلا تو بولے کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا کہ تنگدستی نے مجبور کیا"، بولے "اللہ! اللہ! جاؤ تمھارا قرض معاف ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے تنگدست کو مہلت دی یا قرض معاف کردیا وہ قیامت کے دن خدا کے سایہ میں ہوگا"[5]

---

[1] اصابہ تذکرہ سمرہ بن ربیعہ۔

[2] ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب فی الصلح

[3] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ حیا ومیتا

[4] طبقات ابن سعد تذکرہ نصاح بن سرجس

[5] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوالیسرؓ

ایک شخص پر حضرت امام حسن علیہ السلام کا قرض آتا تھا، انہوں نے کل قرض اس پر ہبہ کردیا، [1]

دوسرے کی جانب سے قرض ادا کرنا :

صحابہ کرامؓ اپنے قرض دار بھائیوں کو قرض کی مصیبت اور قرض خواہوں کے تشدد سے نجات دلایا کرتے تھے۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "فلاں قبیلہ کا کوئی شخص ہے؟" ایک صحابی نے کہا "یارسول اللہ! میں ہوں" ارشاد ہوا کہ تمھارا بھائی قرض میں ماخوذ ہے انہوں نے اس کا کل قرض ادا کردیا۔ [2]

ایک دفعہ ایک شخص کا جنازہ آیا جس پر تین دینار قرض تھا، آپ نے نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کردیا تو حضرت ابوقتادہ انصاریؓ نے کہا "یارسول اللہ ﷺ میں اس کا قرض ادا کردوں گا" اب آپؐ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ [3]

ایک صحابی نے باغ خریدا، کوئی آفت آئی اور تمام پھل ضائع ہوگیا، اب قیمت کیونکر ادا کرتے، رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ قرض سے گرانبار ہورہے ہیں، تمام صحابہ کو حکم دیا کہ سب لوگ اعانت کرو تمام صحابہ نے کچھ نہ کچھ اس میں حصہ لیا۔ [4]

وصیت کا پورا کرنا :

وصیت چونکہ وراثت سے پوری کی جاتی ہے، اس لئے اکثر ورثاء اس کو پورا نہیں کرتے کہ مالِ وراثت میں کمی نہ آنے پائے۔ لیکن صحابہ کرامؓ نہایت دیانت کے ساتھ وصیت کو پورا کرتے تھے، عاص بن وائل نے وصیت کی تھی کہ اس کے مرنے کے بعد سو غلام آزاد کئے جائیں، اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کردیئے ان کے دوسرے بیٹے حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنے حصہ کے بقیہ پچاس غلام آزاد کرنا چاہے تو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، آپ نے فرمایا "اگر وہ مسلمان ہوتا اور تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے، صدقہ کرتے، حج کرتے تو اس کا ثواب ملتا"۔ [5]

---

1. بخاری کتاب الہبہ باب اذا وہب دینا علی الرجل
2. ابوداؤد کتاب البیوع باب فی التشدید فی الدین
3. بخاری کتاب الحوالۃ باب اذا احال دین المیت علی رجل جاز۔
4. ابوداؤد کتاب البیوع باب فی وضع الجائحۃ
5. ابوداؤد کتاب الوصایا باب فی وصیۃ الحربی یسلم ولیہ ایلزمہ ان ینفذ ہا۔

عورتوں کا مہر ادا کرنا

ہم نے عورتوں کے تمام حقوق سلب کر لئے ہیں، بالخصوص مہر تو بالکل نسیاً منسیاً ہو گیا ہے، لیکن صحابۂ کرام نہایت دیانتداری کے ساتھ عورتوں کا مہر ادا کرتے تھے اور اسی طرح ادا کرتے تھے جس طرح قرض ادا کیا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کی شادی کر دی، مہر معین تھ اور اب تک عورت کو کچھ نہیں دیا تھا کہ موت کا پیغام آ پہنچا موت کے وقت وصیت کی کہ خیبر میں جو ہمارا حصہ ہے وہ عورت کو مہر میں دے دیا جائے۔ عورت نے اس کو فروخت کیا تو ایک لاکھ درہم قیمت ملی۔ [1]

بی بیوں کے درمیان عدل کرنا

متعدد بیویوں کے درمیان عدل کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ خود اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء

اور تم لوگ متعدد عورتوں کے درمیان عدل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے،

لیکن بعض صحابہ نے اس مشکل کو نہایت آسان کر دیا تھا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کی دو بیویاں تھیں وہ ان دونوں کے درمیان اس شدت کے ساتھ عدل کرتے تھے کہ جب ایک کی باری ہوتی تو اس دن نہ دوسری کے گھر کا پانی پیتے تھے نہ اس کے گھر کے پانی سے وضو کرتے تھے۔ [2]

بیع وشراء میں مسامحت

صحابۂ کرام بیع وشراء میں نہایت انسانیت، مروت اور مسامحت سے کام لیتے تھے، حضرت عثمانؓ نے ایک صحابی سے ایک قطعۂ زمین خریدا لیکن قبضہ کرنے میں دیر لگائی، انہوں نے وجہ پوچھی تو بولے ''لوگ مجھ کو ملامت کر رہے ہیں کہ ٹھگ گئے،، بولے ''اگر یہی بات ہے تو قیمت واپس کر لیجئے،، اس کے بعد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا اس بندے کو جنت میں داخل کرے گا جو خرید وفروخت اور داد وستد میں نرم خو ہو۔ [3]

---

[1] ابوداؤد کتاب النکاح باب فیمن تزوج ولم یسم صداقاً حتی مات۔

[2] نزہتہ الابرار فی الاسامی ومناقب الاخیار تذکرہ حضرت معاذ بن جبلؓ

[3] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۵۸ مسند عثمان بن عفانؓ

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک قمیص خرید کر واپس کرنا چاہی لیکن دیکھا تو اس میں خضاب کا رنگ لگ گیا تھا، اس لئے اس کو واپس نہیں کیا۔[1]

تقسیم وراثت میں دیانت

جو لوگ اپنی اولاد میں کسی کو زیادہ عزیز رکھتے ہیں، اس کو زیادہ حقوق عطا کرتے ہیں، صحابۂ کرام بھی اپنی بعض اولاد کو زیادہ محبوب رکھتے تھے، لیکن یہ محبت ان کو مساوات فی الحقوق سے باز نہیں رکھ سکتی تھی، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عائشہؓ کو کچھ مال دیا تھا، لیکن اب تک ان کا قبضہ نہیں ہوا تھا اس لئے ہبہ نامکمل تھا، جب انتقال کرنے لگے تو کہا کہ ''مجھے اپنے بعد تمھارے تمول سے زیادہ کوئی چیز عزیز، اور تمھارے افلاس سے زیادہ کوئی چیز ناگوار نہیں' میں نے تم پر جو مال ہبہ کیا تھا اگر تمہارا اس پر قبضہ ہو جاتا تو وہ تمھارا ہو جاتا' لیکن آج وہ مال وراثت میں داخل ہے جس کے وارث تمھارے دو بھائی اور دو بہن ہیں اس لئے کتاب اللہ کے موافق باہم تقسیم کرلو،، بولیں ''اگر اس سے زیادہ مال ہوتا تو میں چھوڑ دیتی''[2]

ظلم وغصب سے اجتناب:

صحابۂ کرام دوسروں کے حق سے ذرہ بھی لینا گوارا نہیں کرتے تھے ایک بار ایک عورت نے حضرت سعید بنؓ زید بن عمروؓ بن نفیل پر ایک گھر کے بارے میں دعویٰ کیا بولے کہ ''گھر اس کو لے لینے دو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص بلا استحقاق کسی کی بالشت بھر زمین بھی لے لیگا، قیامت کے دن خدا زمین کے ساتوں طبقوں کو اس کے گلے کا طوق بنائے گا، خدایا اگر وہ جھوٹی ہے تو اس کو اندھا کردے اور اسی گھر میں اس کی قبر بنا،، راوی کا بیان ہے کہ میں نے اس کو دیکھا کہ اندھی ہوگئی، دیوار پکڑ کر چلتی تھی اور کہتی تھی کہ مجھ پر سعید بن زیدؓ کی بددعا پڑ گئی، ایک دن وہ اٹھی، گھر میں کنواں تھا، اس میں گر پڑی اور وہی اس کی قبر بنا۔[3]

---

1. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
2. موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب مالا یجوز من النحل
3. مسلم کتاب البیوع باب غرز الخشب فی جدار الجاری و بخاری کتاب الغصب مختصرا

قسم کھانے سے اجتناب

جو لوگ خائن یا خداع ہوتے ہیں ان کو معاملات میں قسم کھانے سے کوئی اجتناب نہیں ہوتا، اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا،

لا تطع کل حلاف مهين

''بات بات پر قسم کھانے والے ذلیل شخص کی بات نہ مان''

یہی وجہ ہے کہ محتاط لوگ سچی قسم کھانے سے بھی احتراز کرتے ہیں، صحابۂ کرام بھی زہد وتورع کی بناء پر قسم کھانے سے اجتناب فرماتے تھے،

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک غلام آٹھ سو درہم پر اس شرط کے ساتھ کہ اس میں کوئی عیب نہیں فروخت کیا، بعد کو مشتری نے دعویٰ کیا کہ اس غلام میں ایک بیماری ہے، حضرت عثمانؓ کی خدمت میں مقدمہ پیش ہوا اور انہوں نے قسم لینا چاہی لیکن انہوں نے قسم کھانے سے انکار کر دیا اور غلام کو واپس لے لیا جب وہ اچھا ہو گیا تو پھر پندرہ سو درہم پر فروخت کر دیا، اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ اس بات کا معاوضہ تھا کہ انہوں نے باوجود سچے ہونے کے قسم کھانا ایک بڑی بات سمجھا۔[1]

مروان نے ایک مقدمہ میں حضرت زید بن ثابتؓ سے منبر مسجد نبویؐ پر قسم لینا چاہی انہوں نے اس کے سامنے تو قسم کھالی لیکن منبر شریف پر قسم کھانے سے انکار کیا۔[2]

[1] موطائے امام مالک کتاب البیوع باب العیب فی الرقیق مع زرقانی

[2] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب ماجاء فی الیمین علی المنبر۔

طرزِ معاشرت

غربت وافلاس:

صحابۂ کرام نہایت فقر و فاقہ اور غربت وافلاس کی زندگی بسر کرتے تھے، ایک صحابی نے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کچھ مہر کے لئے بھی ہے"، بولے "صرف یہ تہ بند ہے"، آپ نے فرمایا "اگر تم نے یہ تہ بند اس کو دے دیا تو پھر تمھاری پردہ پوشی کیونکر ہوگی؟ کچھ اور تلاش کرو" واپس آئے تو کہا "کچھ نہیں ملا"، فرمایا کچھ نہیں تو لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کہیں سے لاؤ"، بولے "وہ بھی نہیں ملتی"، یہ سب کچھ تو نہ تھا لیکن روحانیت کا خزانہ ساتھ تھا، آپ نے قرآن مجید کی چند سورتوں پر نکاح پڑھا دیا۔ [1]

حضرت عبدالمطلب بن ربیعہؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ خاندان نبوت سے تھے لیکن نکاح کا کوئی سامان نہ تھا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ صدقہ وصول کرنے کی خدمت تفویض ہو جائے تو اس کے معاوضہ سے مہر وغیرہ کا سامان کریں آپ نے یہ خدمت تو تفویض نہیں کی، لیکن شادی کا دوسرا سامان کر دیا۔ [2]

حضرت فاطمہؓ کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نکاح ہوا تو ایک زرہ کے سوا مہر کے لئے کچھ نہ تھا اس لئے اسی کو مہر میں دے دیا۔ [3]

ان کی دعوتِ ولیمہ کی داستان نہایت دردانگیز ہے ان کے پاس صرف دو اونٹنیاں تھیں، ایک بدر کے مال غنیمت کے حصہ میں ملی تھی، دوسری خمس میں سے رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائی تھی، دعوت کا سامان کرنے کے لئے چاہا کہ ان اونٹنیوں پر اذخر (ایک قسم کی گھاس جس کو سنار جلاتے ہیں) لاد کے لے آئیں اور سناروں کے ہاتھ فروخت کر کے کچھ روپیہ پیدا کریں، وہ اسی سامان میں مصروف تھے کہ حضرت حمزہؓ شراب کے نشہ میں چور ہوئے اور اونٹنیوں کو ذبح کر ڈالا،

---

1. ابوداؤد کتاب النکاح باب فی التزویج علی العمل بعمل
2. ابوداؤد کتاب الخراج والامارہ باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربی
3. ابوداؤد کتاب النکاح باب فی الرجل یدخل بامرأتہ قبل ان ینقد ہا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ [1]

حضرت سلمہ بن صخرؓ کو ایک بار کفارہ دینے کی ضرورت پیش آئی، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ایک غلام کے آزاد کرنے کا حکم دیا، بولے کہ ”میں تو صرف اپنی ذات کا مالک ہوں،، اب آپ نے ساٹھ مسکینوں کو صدقہ دینے کو کہا، بولے ”رات فاقہ مستی سے ساتھ بسر کی ہے، گھر میں ایک دانہ بھی نہیں،،۔

اسی طرح ایک اور صحابی کو کفارے میں صدقہ دینا پڑا لیکن ان کے پاس کچھ نہ تھا خود رسول اللہ ﷺ نے کھجوریں عطا فرمائیں کہ جا کر فقراء کو دیدو بولے ”کیا مجھ سے اور میرے اہل وعیال سے بھی زیادہ کوئی فقیر ہے؟،، آپ نے فرمایا ”تو اس کو تمھیں لوگ کھا جاؤ۔،، [2]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سرورکونینؐ کے داماد تھے لیکن فقر و فاقہ کا یہ حال تھا کہ ایک بار گھر میں آئے تو دیکھا، حضرت حسین اور حضرت حسن علیہما السلام رو رہے ہیں، حضرت فاطمہؓ سے پوچھ ”یہ کیوں رو رہے ہیں،،؟ بولیں ”بھوک سے بیتاب ہیں،، گھر سے نکلے تو بازار میں ایک پڑا ہوا دینار پایا، اس کا آٹا اور گوشت خریدا لیکن محبت رسول کا یہ عالم تھا کہ اس حالت میں بھی رسول اللہ ﷺ کو مدعو کئے ہوئے بغیر کھانا نہ کھایا،، [3]

اصحابِ صفہ کے تمام فضائل ومناقبت میں سب سے زیادہ نمایاں فضیلت ان کا فقرو فاقہ ہے ان کی یہ حالت تھی کہ جب آپ کے ساتھ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو ضعف سے گر پڑتے تھے، بدو دیکھتے تو کہتے تھے کہ یہ پاگل ہیں۔ [4]

حضرت معصب بن عمیرؓ غزوہ احد میں شہید ہوئے تو کفن تک میسر نہ تھا، بدن پر صرف ایک چادر تھی اسی کا کفن بنایا گیا، لیکن وہ اس قدر مختصر تھی کہ سر ڈھکتے تھے تو پاؤں کھل جاتا تھا، پاؤں چھپاتے تھے تو سر پر کچھ نہیں رہتا تھا، بالآخر آپ نے فرمایا کہ چادر سے سر کو اور پاؤں کو گھاس سے چھپادو۔ [5] لیکن اور شہدائے احد کو یہ بھی نصیب نہ تھا اس لئے ایک چادر میں متعدد صحابہ دفن کئے گئے۔ [6]

---

1. ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس
2. ایضا کتاب الطلاق باب فی الظہار۔
3. ابوداؤد کتاب اللقطہ
4. ترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی معیشۃ اصحاب النبیؐ
5. بخاری کتاب المغازی باب غزوہ احد
6. ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی الشہید یغسل

لباس:

ابتدائے اسلام میں صحابۂ کرام کو کپڑوں کی نہایت تکلیف تھی، حضرت عتبہ بن غزوانؓ کہتے ہیں کہ ”میں ساتواں مسلمان ہوں، اس وقت یہ حالت تھی کہ میں نے ایک چادر پائی تو تقسیم کر کے آدھی خود لی اور آدھی سعد کو دی، لیکن آج ہم ساتواں میں ہر شخص کسی نہ کسی شہر کا امیر ہے۔“ [1]

اکثر صحابہ کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا تھا جس کو گلے باندھ لیتے تھے کہ تہ بند اور کرتہ دونوں کا کام دے، ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ ارشاد ہوا۔

اولکلکم ثوبان [2]

”کیا تم میں ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہیں“

حضرت عمرو بن سلمہؓ نہایت صغیر السن صحابی تھے جن کو حفظ قرآن کی بناء پر ان کے قبیلہ کے لوگوں نے اپنا امام بنایا تھا لیکن ان کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ جب سجدے میں جاتے تھے تو کشف عورت ہو جاتا تھا۔ ایک صحابیہ نے یہ حالت دیکھی تو کہا کہ

وارواعنا عورة قارئکم

اپنے قاری کی ستر عورت کرو۔

اس پر لوگوں نے ان کو ایک قمیص خرید دی، قمیص کون سی بڑی چیز تھی؟ لیکن ان کو اس پر اس قدر مسرت ہوئی کہ اسلام لانے کے بعد پھر انہیں کبھی ایسی مسرت حاصل نہیں ہوئی۔ [3]

مہاجرین کو کپڑے کی اس قدر تکلیف تھی کہ جب قرآن مجید کے حلقہء درس میں شامل ہوتے تھے تو باہم مل جل کے بیٹھتے تھے کہ ایک کا جسم دوسرے کے جسم کی پردہ پوشی کر سکے۔ [4]

---

1. شمائل ترمذی باب ماجاء فی عیش النبیؐ
2. ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب جمع اثواب مایصلی فیہ
3. ابوداؤد باب من احق بالامامۃ
4. کتاب العلم باب فی القصص۔

ان بزرگوں کے پاؤں میں جوتے نہ تھے، موزے نہ تھے، سر پر ٹوپی نہ تھی، بدن پر کرتہ نہ تھا چنانچہ ایک بار حضرت سعد بن عبادہؓ بیمار ہوئے تو تمام صحابہ اسی حالت میں ان کی عیادت کو گئے۔ [1]

حضرت مصعب بن عمیرؓ جب تک اسلام نہیں لائے تھے نہایت ناز ونعم کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اور نہایت عمدہ جوڑے پہنتے تھے۔ [2] لیکن ہجرت کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ ایک روز جب رسول اللہ ﷺ نے ان کے بدن پر صرف ایک چادر دیکھی جسمیں پوستین کے پیوند لگے ہوئے تھے تو آپ کو ان کی قدیم حالت یاد آ گئی اور چشم عبرت سے آنسو نکل آئے۔ [3]

عورتوں کو زیادہ ستر پوشی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن حضرت فاطمہؓ جگر گوشۂ رسولؐ کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ ایک بار انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ادب وحیا سے جسم کے ہر حصے کو چھپانا چاہا لیکن ناکامیابی ہوئی۔ سر ڈھکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتا تھا، پاؤں ڈھکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا، آپ نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا ''کوئی حرج نہیں یہاں تو صرف تمھارا باپ اور تمھارا غلام ہے''۔ [4]

بعض عورتوں کو چادر بھی میسر نہیں تھی، رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو عیدگاہ میں جانے کی اجازت دی تو ایک صحابیہ نے کہا کہ ''اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے ارشاد ہوا ''اس کو دوسری عورت اپنی چادر اڑھا لے''۔ [5]

شادی بیاہ میں دلہن کے لئے غریب سے غریب آدمی بھی اچھا جوڑا بنواتا ہے لیکن اس زمانے میں دلہن کو معمولی جوڑا بھی میسر نہیں ہوتا تھا، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ''میرے پاس گاڑھے کی ایک کرتی تھی، شادی بیاہ میں جب کوئی عورت سنواری جاتی تھی تو وہ مجھ سے اس کو مستعار منگوالیتی تھی''۔ [6] حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت

---

١ مسلم کتاب الجنائز باب فی عیادۃ المرضی

٢ اصابہ تذکرہ حضرت مصعب بن عمیرؓ

٣ ترمذی ابواب الزہد، اصابہ میں ہے کہ یہ روایت کسی قدر ضعیف ہے لیکن بخاری کی روایتوں میں بھی ان کی غربت وافلاس کا پتہ چلتا ہے۔

٤ ابوداؤد کتاب اللباس باب فی العبد شعر مولاتہ

٥ سنن ابن ماجہ کتاب الصلوۃ باب ماجاء فی خروج النساء فی العیدین

٦ بخاری کتاب الہبہ باب الاستعار للعروس عند البناء۔

عائشہؓ کا مقصد یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام نہایت تنگدست تھے، اس لئے معمولی چیزوں کو بھی بڑی چیز سمجھتے تھے،

رومال نہایت معمولی درجے کی چیز ہے لیکن صحابہ کرام کو وہ بھی میسر نہ تھا، کھانا کھاتے تو تلوؤں سے ہاتھ پونچھ لیتے تھے۔[1]

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اگرچہ مال و دولت کی کثرت ہوئی اور متمدن قوموں سے اختلاط ہوا، تاہم انہوں نے اسلام کی اس پرعظمت سادگی کو قائم رکھا، فتوحاتِ ایران کے زمانے میں عام حکم دیا کہ لوگ ایرانیوں کی وضع نہ اختیار کریں اور حریر نہ پہنیں، لیکن بعد میں حالت اس قدر بدل گئی اور وضع و لباس میں ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا ہوگیا کہ ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ نے کتان کے دو رنگین کپڑے زیب تن کئے تو ایک سے ناک صاف کر کے کہا کہ ''واہ واہ ابو ہریرہ آج کتان کے کپڑے سے ناک پونچھتے ہو، حالانکہ ایک دن وہ تھا کہ بھوک کے مارے رسول اللہ ﷺ کے منبر اور حضرت عائشہؓ کے حجرے کے سامنے بیہوش ہو کر گرتے تھے لوگ آتے تھے تو گردن پر پاؤں رکھ کر کہتے تھے کہ ابو ہریرہؓ کو جنون ہوگیا ہے حالانکہ یہ سب بھوک کی وجہ[2] سے تھا''

یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ کی جو کرتی دلہن کے لئے عاریۃً جایا کرتی تھی، اس کی نسبت انہوں نے ایک صحابی سے کہا کہ اب میری لونڈی بھی اس کو پہنتے ہوئے شرمائے گی۔

حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں اور بھی ترقی ہوئی اور حضرت عمرؓ نے جس عجمیت سے روکا تھا ان کے گھر میں اس کے منظر نظر آنے لگے، ایک بار حضرت مقدامؓ ان کے دربار میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حریر اور سونے کے استعمال کی ممانعت فرمائی ہے؟ اور جانوروں کی کھال سے روکا ہے؟ انہوں نے کہا ''ہاں،، بولے ''لیکن میں یہ تمام چیزیں آپ کے گھر میں دیکھتا ہوں''[3]

غذا:

غربت وافلاس کی وجہ سے صحابہ کرام نہایت سادہ اور معمولی غذا پر زندگی بسر کرتے تھے ابتدائے اسلام میں تو گویا صحابہ کرام کو بالکل فاقہ کشی کرنی پڑتی تھی، حضرت عتبہ بن غزوانؓ کا

---

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب مسح الید بعد الطعام

[2] ترمذی ابواب الزہد و بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

[3] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی جلود النمور۔

بیان ہے کہ میں سات واں مسلمان ہوں، اس وقت یہ حالت تھی کہ ہم لوگ درخت کے پتے کھا کھا کر گزر اوقات کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہمارے جبڑے پھٹ پھٹ گئے تھے۔ [1]

اسلام نے قوت حاصل کی تو یہ تکلیفیں اگرچہ کم ہو گئیں تاہم پھر بھی عرب کی قدیم سادگی قائم رہی، تمام اہل مدینہ کی عام غذا کھجور اور جو تھی اور جو لوگ دولت مند ہوتے تھے وہ شام کے غلہ فروشوں سے خاص طور پر اپنے لئے میدہ خرید لیتے تھے۔ باقی تمام گھر جو اور کھجور پر زندگی بسر کرتا تھا۔ [2] جو کا آٹا بھی چھنا ہوا نہیں ہوتا تھا۔ بخاری کتاب الاطعمہ میں ہے کہ صحابہ کے گھروں میں چھلنی نہیں ہوتی تھی۔ جو کا آٹا پیس کر منہ سے پھونک دیتے تھے، بھوسی اڑنے کے بعد جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو کھا لیتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت تک یہ سادگی قائم رہی لیکن جب فتوحات کو وسعت ہوئی متمدن قوموں سے اختلاط ہوا اور صحابہ نے عیش وطرب کے سامان دیکھے تو حضرت عمرؓ کو یہ خوف ہوا کہ دنیا کی تروتازگی صحابہ کو اپنا فریفتہ نہ بنا لے اس لئے تمام عمال کو ہدایت کی کہ ایرانیوں کی وضع نہ اختیار کریں، حریر نہ پہنیں، چھنا ہوا آٹا نہ کھائیں اس لئے ان کے عہد خلافت میں عموماً یہی سادگی قائم رہی، چنانچہ فتوحات ایران کے زمانے میں صحابۂ کرام نے میدے کی چپاتیاں دیکھیں تو پہچان نہ سکے اور تعجب کے لہجے میں کہا،

ما هذه الرقاع البيض،

"یہ سفید ٹکڑے کیسے ہیں" [3]

لیکن بعد کو یہ سادگی فنا ہو گئی اور لطیف غذاؤں کا رواج ہو گیا چنانچہ ایک بار حضرت حسنؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفرؓ ایک صحابیہ کے پاس جو رسول اللہ ﷺ کا کھانا پکاتی تھیں آئے اور کہا کہ ہمارے لئے وہ کھانا پکاؤ جو رسول اللہ ﷺ کو پسند تھا، بولیں "اب وہ تمھیں پسند نہیں آ سکتا" [4]

---

[1] شمائل ترمذی باب ماجاء فی عیش النبیؐ

[2] ترمذی تفسیر سورہ نساء

[3] طبری صفحہ ۲۰۳۵۔

[4] شمائل ترمذی مع شرح باب ماجاء فی صفۃ ادام رسول اللہ ﷺ

اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔

ای لسعة العیش و ذهاب ضیقة الذی کان اولا وقد اعتاد الناس الاطعمة اللذیذة

یعنی اس لئے کہ اب عیش کے وافر سامان پیدا ہو گئے ہیں اور پہلی تنگدستی زائل ہو گئی ہے اور لوگ عمدہ غذاؤں کے خوگر ہو چکے ہیں۔

مکان:

غربت و افلاس کی وجہ سے صحابۂ کرام کے مکانات نہایت مختصر، پست اور کم حیثیت ہوتے تھے، ان میں جائے ضرورتک کا وجود نہ تھا۔ [1] دروازوں پر پردے نہ تھے [2] راتوں کو گھروں میں چراغ تک نہیں جلائے جاتے تھے۔ [3] بعد میں اگرچہ اس قدر ترقی ہوئی کہ دروازوں پر پردے لٹکائے [4] گئے، لیکن حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ تک عام طور پر عرب کی قدیم سادگی قائم رہی، حضرت عمرؓ نے بھی اگرچہ عرب کی اس سادگی کو اس شدت کے ساتھ قائم رکھنا چاہا کہ جب بصرہ کو آباد کرایا تو عام حکم دیا۔

لا یزیدن احد کم علیٰ ثلثة ابیات و لا تطاولوا فی البنیان والزموا السنة تلزمکم الدوله [5]

کوئی شخص تین کمرے سے زیادہ نہ بنائے اور مکان کو بلند نہ بناؤ اور سنت پر قائم رہو تو تمہاری سلطنت بھی قائم رہے گی۔

تاہم لوگوں نے ان کے زمانے میں بلند مکانات بنانے شروع کئے اور یہ پہلا دن تھا کہ عرب میں بلند عمارتوں کے کنگرے نظر آئے، چنانچہ مسند دارمی میں ہے۔

تطاول الناس فی البناء فی زمن عمر [6]

---

1. صحیح بخاری کتاب المغازی قصہ الافک
2. ابوداؤد الادب باب الاستیذان فی العورات الثلاث
3. صحیح بخاری کتاب الصلوۃ باب التطوع خلف المراۃ
4. ابوداؤد کتاب الادب باب الاستیذان فی العورات الثلاث
5. طبری صفحہ ۲۴۸۸
6. مسند دارمی - باب فی ذہاب العلم صفحہ ۴۴

لوگوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں بلند عمارتیں بنائیں۔

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں تمدن نے اور ترقی کی اس لئے صحابہ کرامؓ نے عظیم الشان مکانات بنوائے، حضرت زبیرؓ نے بصرہ، مصر، کوفہ اور اسکندریہ میں عمدہ مکانات تعمیر کرائے، حضرت طلحہؓ نے مدینہ میں اینٹ اور چونا سے پختہ مکان بنوایا اور اس میں ساکھو کی لکڑیاں لگوائیں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے مقام عقیق میں ایک نہایت بلند وسیع اور پرفضا مکان تعمیر کروایا اور اس کے اوپر کنگرے بنوائے۔ حضرت مقدادؓ نے مدینہ میں ایک مکان بنوایا جس کی دیواریں بالکل پختہ تھیں۔ [1]

حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں اور بھی ترقی ہوئی۔ انہوں نے ایک عظیم الشان محل بنوایا، جس کا نام قصر بنی حدیلہ تھا اور جو قلعہ کا بھی کام دے سکتا تھا۔ [2]

سامان آرائش:

صحابیات نہایت معمولی لباس اور سادہ زیورات استعمال کرتی تھیں، احادیث کی کتابوں کے تتبع واستقراء سے صرف بازو بند، کڑے، بالی، ہار، انگوٹھی اور چھلے کا پتہ چلتا ہے۔ لونگ کا ہار پہنتی تھیں جس کو عربی میں سخاب کہتے ہیں، حضرت عائشہؓ کا جو ہار ایک سفر میں گم ہو گیا تھا وہ مہرہ یمانی کا تھا، [3]

صحابیات سرمہ اور مہندی کا استعمال بھی کرتی تھیں، زچہ خانہ سے نکلتی تھیں تو منہ پر ورس (ایک قسم کی سرخ گھاس کا نام ہے) کا غازہ ملتی تھیں کہ چہرے کے داغ مٹ جائیں۔ [4] خوشبو میں (سک ایک قسم کی خوشبو ہے جو ماتھے پر لگائی جاتی ہے۔) [5] پیشانی پر لگاتی تھیں۔

زہد وتقشف:

فتوحات کی وسعت اور مال ودولت کی کثرت نے اگرچہ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، صحابۂ کرام کی قدیم طرز معاشرت میں بہت کچھ تغیر پیدا کر دیا تھا، تاہم اکثر صحابہ نہایت زاہدانہ اور

1۔ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۲۵۔

2۔ بخاری کتاب الوصایا باب من تصدق الی وکیلہ مع فتح الباری

3۔ ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب التیمم

4۔ ایضاً باب ماجاء فی وقت النفہ

5۔ ایضاً کتاب المناسک باب یلبس المحرام

تقشفانہ زندگی بسر کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ امارت پسندی سے اس قدر احتراز کرتے تھے کہ ایک بار انہوں نے کسی سے پانی مانگا اور وہ شیشے کے پیالے میں لایا تو پینے سے انکار کر دیا پھر لکڑی کے پیالے میں لایا تو پیا، اس کے بعد وضو کے لئے پانی طلب کیا وہ طشت میں لایا تو وضو کرنے سے انکار کر دیا دوبارہ مشکیزے میں لایا تو وضو کیا وہ زہد و قناعت کی وجہ سے کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ ایک بار ان کو کسی نے جوارش دی اور کہا کہ ''یہ کھانا ہضم کرتی ہے،، بولے میں تو مہینوں پیٹ بھر کے کھانا نہیں کھاتا مجھے اس کی کیا ضرورت ہے۔،، حمام بھی اس لئے نہیں جاتے تھے کہ وہ عیش پسندی کی ایک صورت ہے۔ [1]

ایک بار حضرت ابوجحیفہؓ عرب کی ایک لطیف غذا کھا کر آئے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے ڈکار لی، آپ نے فرمایا۔

اکثر هم شبعا فی الدنيا اکثرهم جوعا يوم القيامة

جن لوگوں کا پیٹ دنیا میں جس قدر زیادہ بھرے گا، اسی قدر وہ قیامت کے دن بھوکے رہیں گے۔

اس کے بعد انہوں نے کبھی پیٹ بھر کے کھانا نہیں کھایا رات کو کھاتے تھے تو دن کو بھوکے رہتے تھے اور دن کو کھاتے تھے تو رات کو فاقہ کرتے تھے۔ [2]

زہد و تقشّف کی وجہ سے بعض صحابہ گھر تک بنانا پسند نہیں کرتے تھے، حضرت سلمان فارسیؓ نے اپنے لئے گھر نہیں بنایا تھا، بلکہ دیواروں اور درختوں کے سائے میں پڑ رہتے تھے، ایک بار ایک شخص نے گھر بنانے پر اصرار کیا تو پہلے راضی نہ ہوئے، راضی بھی ہوئے تو ایسے تنگ اور پست گھر پر کہ جب کھڑے ہوں تو چھت سے سر لگ جائے اور پاؤں پھیلائیں تو انگلیاں دیوار تک پہنچ جائیں۔ [3] گھر میں سامان نہایت مختصر رکھتے تھے، یعنی صرف ایک پیالہ اور ایک لوٹا لیکن اس کو بھی زہد و تقشّف کے خلاف سمجھتے تھے، چنانچہ ایک بار بیمار ہوئے تو ان چیزوں کو دیکھ کر رونے لگے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سبھوں کو وصیت فرمائی تھی کہ دنیا سے صرف اس قدر لینا جتنا ایک مسافر زاد راہ کے لئے لیتا ہے حالانکہ ہمارے پاس یہ سامان ہیں۔ [4] حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

[2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوجحیفہؓ

[3] طبقاب ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ

[4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ

گھر کے کل سامان کی قیمت سو درہم سے بھی کم تھی۔[1] حضرت ابوذرؓ کے گھر کا سامان دو درہم سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔[2] ایک روز کچھ لوگ حضرت ابولبابہؓ کے ساتھ ہو لئے اندر جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ گھر نہایت بوسیدہ ہے اور خود ان کا اوڑھنا بچھونا پھٹا پڑا ہے۔[3]

صحابۂ کرام باوجود استطاعت کے وضع ولباس نہایت زاہدانہ رکھتے تھے، ایک بار ایک شخص حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، بولیں ''ذرا ٹھہر جاؤ میں اپنا کپڑا سی لوں،، اس نے کہا ''اگر میں لوگوں کو اس کی خبر کر دوں تو لوگ آپ کو بخیل سمجھیں گے،، بولیں ''جو لوگ پرانا دھرانا نہیں پہنتے ان کو نیا کپڑا نصیب نہ ہوگا''[4] ایک بار حضرت سلمان فارسیؓ حضرت ام الدرداءؓ کی ملاقات کو آئے بدن پر صرف ایک کمبل اور اونچا پاجامہ تھا، لوگوں نے کہا ''آپ نے صورت کیوں بگاڑ رکھی ہے،، بولے ''نیکی صرف آخرت کی نیکی ہے''[5] ان کے پاس صرف ایک عبا تھی جس کا ایک حصہ بچھاتے تھے اور ایک حصہ پہنتے تھے۔[6] ایک بار کسی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ایک چادر اڑھادی، سو کر اٹھے اور اس کے ریشمی بیل بوٹے دیکھے تو کہا کہ ''اگر یہ نہ ہوتے تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔[7] حضرت فضالہ بن عبیدؓ اگرچہ مصر کے گورنر تھے لیکن پریشان مو اور برہنہ پا رہتے تھے، ایک دن کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ پریشان کیوں ہیں؟ بولے ''ہم کو رسول اللہ ﷺ نے زیادہ ناز ونعم کی زندگی بسر کرنے سے منع فرمایا ہے،، پاؤں پر نگاہ پڑی تو بولا ''آپ برہنہ پا کیوں ہیں،،؟ بولے ''آپؐ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ کبھی کبھی برہنہ پا رہیں،،۔[8]

مال و دولت دنیا کی سب سے زیادہ دلفریب چیز ہے، اخیر میں صحابۂ کرام کے آگے اگرچہ دنیا نے اپنا خزانہ اگل دیا، لیکن انہوں نے اس آبِ رواں سے اپنا دامن تر نہیں کیا، حضرت

---

1. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
2. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابوذر غفاریؓ
3. ابوداؤد ابواب تفریع شہر رمضان باب استحباب الترتیل فی القراءۃ
4. الادب المفرد باب الرفق فی المعیشہ۔
5. الادب المفرد باب الزیارۃ
6. استیعاب تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ
7. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
8. ابوداؤد کتاب الرجل۔

سعید بنؓ عامر حمص کے گورنر تھے، لیکن جو کچھ وظیفہ ملتا تھا سب صرف کر دیتے تھے اور خود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک بار حضرت عمرؓ حمص میں آئے اور حکم دیا کہ یہاں کے محتاجوں کا نام لکھا جائے، فہرست پیش ہوئی تو اس میں حضرت سعید بن عامرؓ کا نام بھی شامل تھا نام دیکھ کر تعجب سے پوچھا ''کون سعید بن عامر،،؟ لوگوں نے کہا کہ '' ہمارے گورنر،، بولے ''تمھارا گورنر کیونکر محتاج ہو سکتا ہے، ان کا وظیفہ کیا ہوتا ہے،،؟ لوگوں نے کہا ''سب صرف کر دیتے ہیں،، حضرت عمرؓ نے ان کی یہ حالت سنی تو رو پڑے اور ان کے پاس ہزار اشرفیوں کا توڑا بھجوا دیا۔ انہوں نے اشرفیاں دیکھیں تو انا للہ پڑھنے لگے، بی بی نے سنا تو کہا ''کیا امیر المومنین کی شہادت ہوئی؟ کیا قیامت کی کوئی نشانی ظاہر ہوئی،،؟ بولے ''اس سے بھی بڑھ کر واقعہ پیش آیا، میرے پاس دنیا آئی، میرے پاس فتنہ آیا،، بی بی نے کہا ''تو اس کو صرف میں لایئے،، انہوں نے اشرفیوں کو اٹھا کر ایک توبڑے میں رکھ دیا، اور صبح کو ایک فوج کو دے ڈالا، بی بی نے کہا '' کچھ تو اپنی ضروریات کے لئے رکھ لیتے،، بولے ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اگر جنت کی ایک حور بھی دنیا میں آ جائے تو زمین مشک کی خوشبو سے معطر ہو جائے اور میں اس پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا،،۔[1]

جو صحابہ مال و دولت جمع کر لیتے تھے ان کو بھی اس پر افسوس ہوتا تھا، حضرت ابو ہاشم بنؓ عتبہ مبتلائے طاعون ہوئے تو حضرت امیر معاویہؓ عیادت کو آئے، وہ ان کو دیکھ کر رونے لگے بولے ''کیا مرض کی تکلیف ہے یا دنیا کے چھوڑنے کا قلق ہے،،؟ فرمایا '' کچھ نہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک وصیت فرمائی تھی، کاش میں اس پر عمل کرتا آپ نے فرمایا تھا کہ شاید تم کو اس قدر مال ہاتھ آئے جو ایک قوم پر تقسیم کیا جائے، لیکن تم اس میں سے صرف ایک خادم اور ایک سواری پر قناعت کرنا، مجھے وہ مال ملا اور میں نے اس کو جمع کیا،،[2]

بعض صحابہ امراء وعمال کے تعلقات کو زہد وتقشف کے خلاف سمجھتے تھے اور ان سے نہایت بے نیازی کے ساتھ ملتے تھے، ایک بار حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ آئے اور حضرت ابوذر غفاریؓ سے بھائی بھائی کہہ کر لپٹ گئے وہ جس قدر لپٹتے تھے حضرت ابوذرؓ ان کو اپنے پاس سے ہٹاتے تھے اور کہتے تھے کہ میں تمھارا بھائی نہیں ہوں، بھائی اس وقت تھا جب تم عامل نہیں ہوئے تھے،،[3]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعید بن عامرؓ اسد الغابہ میں ان کے زہد کے اور بھی بعض واقعات لکھ کر لکھا ہے کہ ''اخبار عجیبۃ فی زہدہ لانطول بذکرہا''

[2] نسائی کتاب الزینۃ باب اتخاذ الخاتم والمرکب

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابوذرؓ

حضرت نبیط بن شریطؓ ایک صحابی تھے، ایک بار ان سے ان کے بیٹے نے کہا اگر آپ بادشاہ وقت کے پاس جاتے تو آپ کو بھی فائدہ پہنچتا اور آپ کی بدولت آپ کی قوم بھی فائدہ اٹھاتی،، بولے ''لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں ان کی صحبت مجھے دوزخ میں نہ دھکیل دے''![1]

اپنا کام خود کرنا:

صحابۂ کرام اپنا کام کاج خود کرتے تھے اور اس کو کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں۔

> کنا مع رسول اللّٰہ ﷺ خدام انفسنا نتناوب و الرعایۃ رعایۃ ابلنا[2]

> ہم سب رسول اللہ کے ساتھ خود اپنے خادم تھے اور باری باری اپنے اونٹ چراتے تھے۔

حضرت عمرؓ خود اپنے اونٹوں کی جوئیں نکالتے تھے۔[3]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی اونٹنیوں کو چارہ کھلاتے تھے اور آٹا گھول کر پلاتے تھے[4]

ایک بار حضرت عثمانؓ کے لئے کھانا تیار کیا گیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی مدعو کئے گئے ان کے پاس آدمی آیا تو دیکھا کہ خود اپنے ہاتھ سے اونٹوں کے لئے پتیاں جھاڑ رہے ہیں،،[5]

ایک بار ایک شخص حضرت ابوذر غفاریؓ کے مکان پر آئے اور ان کی بی بی سے پوچھا'' وہ کہاں ہیں،، بولیں'' کام دھندے پر گئے ہیں،، تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ اونٹ پر مشک لادے ہوئے آرہے ہیں،[6] ایک بار مشک لئے آرہے تھے، ایک شخص نے پوچھا آپ کے کوئی

---

1. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت نبیط بن شریطؓ
2. ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب مایقول الرجل اذا توضا
3. موطائے امام مالک کتاب الحج باب مایجوز للمحرم ان یفعلہ
4. ایضاً کتاب الحج باب القرآن فی الحج
5. ابوداؤد کتاب المناسک باب لحم الصید للمحرم
6. الادب المفرد باب من قدم الی ضیفہ طعاما فقام یصلی

اولاد نہیں ہے؟ بولے ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس مسلمان کے تین لڑکے مرجاتے ہیں ،خدا اس کو جنت دیتا ہے''[1]

ایک بار رسول اللہ ﷺ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گئے ،حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا تو ایک یہودی کے باغ میں آئے اور سترہ ڈول پانی کے کھینچے اور ہر ڈول کا معاوضہ ایک کھجور قرار پایا تھا۔ یہودی نے سترہ کھجوریں دیں ان کو لیکر خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور ایک صحابی اسی طرح تقریباً دو صاع کھجور کما کر لائے اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سفر میں ہوتے تو جو کام خود کر سکتے تھے اس کو کسی دوسرے سے متعلق نہیں کرتے تھے۔[3]

حرمتِ خمر کے بعد بعض صحابہ نے جو سرد ملک کے رہنے والے تھے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ ''یارسول اللہ ہم سرد ملک کے رہنے والے ہیں اور سخت مشقت طلب کام کرتے ہیں اس لئے گیہوں کی شراب استعمال کرتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا ''کیا وہ نشہ آور بھی ہے؟'' بولے ''ہاں'' فرمایا ''اس کو چھوڑ دو''[4]

غسل جمعہ کے وجوب کا سبب صرف یہ ہے کہ

کان الناس مجھو دین یلبسو ن الصوف ویعملون علی ظھورھم وکان مسجدھم ضیقامقارب السقف انماھوعریش فخرج رسول اللہ ﷺ فی یوم حار و عرق الناس فی ذلک الصوف حتی ثارت منھم ریاح اذی ذلک بعضھم بعضا فلما و جد رسول اللہ ﷺ تلک الریح قال ایھا الناس اذا کان ھذا الیوم فا غتسلو اولیمس احد کم افضل ما یجدمن دھنه وطیبه[5]

---

[1] الادب المفرد باب فضل من مات له الولد

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الرھون باب الرجل یستقی کل دلو بتمرۃ یشترط جلدۃ

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابن عمرؓ

[4] ابوداؤد کتاب الاشربہ باب النھی عن المسکر

[5] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعہ۔

صحابۂ کرام سخت تنگدست تھے،کمبل کے کپڑے پہنتے تھے اپنی پیٹھ پر بوجھ لادتے تھے ان کی مسجد نہایت تنگ تھی چھت پست تھی یعنی اوپر صرف چھپر تھی، ایک روز آنحضرت ﷺ نماز جمعہ کے لئے برآمد ہوئے دن نہایت گرم تھا لوگوں کو کمبل کے کپڑوں میں پسینہ آیا اور اس قدر بو پھیلی کہ سب کو تکلیف ہوئی آپ کو بدبو کا احساس ہوا تو فرمایا کہ جب یہ دن آئے تو غسل کر لیا کرو اور جہاں تک ممکن ہو عمدہ تیل اور عمدہ خوشبو لگاؤ۔

صحابیات خانہ داری کے کاموں کو خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں اور اس میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرتی تھیں، حضرت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کی محبوب ترین صاحبزادی تھیں لیکن چکی پیتے پیتے ہاتھ میں چھالے پڑ گئے تھے مشکیزوں میں پانی لاتے لاتے سینہ داغدار ہو گیا تھا، جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چکٹ ہو جاتے تھے۔ [1]

حضرت اسماءؓ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھیں اور ان کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی۔ وہ اس قدر مفلس تھے کہ ایک گھوڑے کے سوا گھر میں کچھ نہ تھا، حضرت اسماءؓ خود اس گھوڑے کے لئے گھاس لاتی تھیں، حضرت ابوبکرؓ نے گھوڑے کی سائیسی کے لئے ایک غلام بھیجا تو انہوں نے اس خدمت سے نجات پائی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو ایک قطعہ زمین بطور جاگیر کے دیا تھا جو مدینہ سے تین فرسخ دور تھا، حضرت اسماءؓ وہاں جاتیں اور وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں اپنے سر پر لاتیں اور ان کو کوٹ کر ان کی پانی کھینچنے والی اونٹنی کو کھلاتیں۔ گھر کے معمولی کاروبار ان کے علاوہ تھے خود پانی لاتیں مشک پھٹ جاتی تو اس کو سیتیں، آٹا گوندھتیں۔ [2]

ازواج مطہرات گھر کا کام دھندا خود کرتی تھیں ایک دن حضرت عائشہؓ کی باری تھی، جو پیسے اس کی روٹی پکائی اور رسول اللہ ﷺ کا انتظار شروع کیا، آپ کے آنے میں دیر ہوگئی تو سو گئیں آپ آئے تو جگایا۔ [3]

---

[1] ایضاً کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربیٰ۔

[2] مسلم کتاب السلام باب جواز ءدات المراۃ الاجنبیۃ اذاعیت فی الطریق

[3] الادب المفرد باب لایوذی جارہ

ذرائع معاش:

مورخین یورپ کا خیال ہے کہ اسلام کے بعد صحابۂ کرام کی معاش کا تمام تر دارو مدار صرف مالِ غنیمت پر رہ گیا تھا۔ لیکن درحقیقت یہ ایک عظیم الشان تاریخی غلطی ہے۔

مہاجرین و انصار اسلام کے نظامِ ترکیبی کے اصلی عنصر تھے اور ان دونوں نے ابتدا ہی سے الگ الگ ذریعہ معاش اختیار کر لیا تھا۔ مہاجرین تجارت اور انصار کھیتی باڑی کرتے تھے چنانچہ جب حضرت ابو ہریرہؓ پر کثرتِ روایت کا الزام لگایا تو انہوں نے اس کی یہی وجہ بتائی۔

ان اخوتی من المهاجرین كان يشغلهم الصفق بالا سواق و كنت الزم رسول الله ﷺ علىٰ ملاء بطنى فا شهد اذا غابوا واحفظ اذا نسوا كان يشغل اخوتى من الا نصار عمل امو الهم وكنت امرءً مسكينا من مساكين الصفة اعى حين ينسون (بخاری کتاب البیوع)

میرے بھائی مہاجرین تجارتی کاروبار میں مصروف رہتے تھے اور میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہمہ وقت موجود رہتا تھا اس لئے جب وہ غائب ہوتے تھے تو میں حاضر ہوتا تھا جب وہ بھول جاتے تھے تو میں یاد کرتا تھا اور میرے بھائی انصار کھیتی باڑی کے کام میں مشغول رہتے تھے اور میں مسکین تھا اس لئے جب وہ لوگ بھول جاتے تھے تو میں آپ کے اقوال کو یاد کر لیتا تھا۔

ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا حوالہ دیا اور حضرت عمرؓ نے اس کی تصدیق کرنا چاہی اور حضرت ابو سعید خدریؓ نے اس کی تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے خود معذرت کی۔

اخفى علىٰ هذا من امر رسول الله ﷺ الهانى الصفق بالا سواق[1]

مجھ پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اس لئے مخفی رہا کہ تجارتی کاروبار نے مجھ کو مشغول کر لیا تھا۔

---

[1] بخاری کتاب البیوع باب الخروج فی التجارۃ

حضرت ابو بکرؓ نے جب بیت المال سے وظیفہ لینا چاہا تو اس کی وجہ یہ بیان کی۔

لقد علم قومی ان حرفتی لم تکن تعجز عن مؤنۃ اھلی واشتغلت بامر المسلمین فسیاکل اٰل ابی بکر من ھذا المال [1]

میری قوم جانتی ہے کہ میرا پیشہ میرے اہل وعیال کی معاش کے لئے کافی تھا لیکن اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا ہوں اس لئے میرے اہل وعیال بیت المال سے وجہ معاش لیں گے۔

حضرت عثمانؓ حضرت ربیعہ بن حارثؓ کی شرکت میں تجارت کرتے تھے۔ [2]

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف ہجرت کر کے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعدؓ بن الربیع کے ساتھ ان کی مواخات کر دی، اس بنا پر حضرت سعدؓ نے اپنے مال میں سے ان کو نصف دینا چاہا لیکن انہوں نے کہا" یہ مال تم کو مبارک مجھے کوئی تجارتی بازار بتاؤ"۔ انہوں نے سوق قینقاع کا راستہ بتا دیا وہاں جا کر انہوں نے پنیر اور گھی کی تجارت شروع کر دی اور چند ہی دنوں میں اس قدر رفائدہ ہوا کہ شادی کرنے کے قابل ہو گئے۔ [3]

اسلام سے پہلے عرب میں جو بازار قائم تھے، مثلاً عکاظ، ذوالمجنہ، ذوالمجاز، حباشہ، اسلام کے بعد بھی ان کی رونق تقریباً ایک صدی تک قائم رہی۔ لیکن یہ بازار چونکہ عموماً زمانۂ حج میں لگتے تھے اس لئے اوّل اوّل صحابۂ کرام نے ان میں تجارت کرنا حرمت حج کے خلاف سمجھا، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اپنے فضل و برکت سے کیونکر محروم کر سکتا تھا، چنانچہ وحی آسمانی نے صحابۂ کرام کو ان بازاروں میں تجارت کی عام اجازت عطا فرمائی۔ [4]

لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم [5]

زمانۂ حج میں تجارت کرنا تمھارے لئے کوئی گناہ کا کام نہیں،

---

1. بخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل وعملہ بیدہ
2. اسد الغابہ تذکرہ حضرت ربیعہؓ بن حارث
3. بخاری کتاب البیوع باب قول اللہ تبارک وتعالیٰ فاذا قضیت الصلوٰۃ الخ
4. فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۲۷۳، ۲۷۴ میں ان بازاروں کے تاریخی حالات بہ تفصیل مذکور ہیں۔
5. بخاری کتاب البیوع باب ماجاء فی قول اللہ تبارک وتعالیٰ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض الخ

ان بازاروں کے علاوہ خود عہد اسلام میں بعض نئے بازار قائم ہوئے چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک جدید بازار قائم کیا جس میں کوئی تجارتی محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ [1]

حضرت صخرؓ بہت بڑے تاجر تھے اور چونکہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی تھی

اللھم بارك لا متی فی بکورھا

خداوندا میری امت کو صبح کے تڑکے میں برکت دے

اس لئے وہ ہمیشہ اپنے سامان تجارت کو صبح کے سویرے روانہ فرماتے تھے اور معقول نفع اٹھاتے تھے۔ [2]

حضرت ابو بکرؓ اکثر اپنا مال تجارت لے کر بصرہ جایا کرتے تھے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے ایک سال پیشتر مال تجارت لے کر بصرے کو گئے تھے۔ [3]

حضرت عمرؓ نے ایران سے تجارتی تعلقات قائم کئے تھے چنانچہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک ریشمی جبہ عنایت کیا اور انہوں نے لینے سے انکار کیا تو فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ اس کو پہنو اس کو ارض فارس میں بھیج دو تمہیں مالی فائدہ حاصل ہوگا۔ [4]

حضرت عطارد تمیمیؓ ایک صحابی تھے جو عموماً سلاطین کے دربار میں (غالباً تجارتی تعلقات سے) حاضر ہوتے تھے اور فائدہ اٹھاتے تھے ایک بار وہ ایک ریشمی جوڑا لائے اور حضرت عمرؓ نے اس کو بازار میں دیکھا تو فرمایا ''یارسول اللہ ﷺ آپ اس کو خرید لیجئے اور جب وفود عرب آئیں تو اسی کو پہن کر ان کے سامنے بیٹھئے''۔ [5]

غرض صحابۂ کرام کا تجارتی ذوق اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ وہ اس کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ معاش پسند ہی نہیں کر سکتے تھے حکومت کی وظیفہ خواری ایک ایسا لقمۂ تر ہے جس کے تصور سے بھی ایشیائی مذاق کے منہ میں پانی بھر آتا ہے لیکن صحابۂ کرام میں جو لوگ تجارت کی برکات سے

---

1. فتوح البلدان صفحہ ۲۱
2. ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الابکار فی السفر
3. سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب المزاح
4. مسند جلد ۳ ص ۴۷ لیکن اس حدیث سے قطعی طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایران سے ان کے تجارتی تعلقات تھے کیونکہ دوسرے تاجروں کے ذریعہ سے بھی یہ مقصد حاصل ہو سکتا تھا۔
5. مسلم کتاب اللباس باب تحریم استعمال اناء الذہب والفضہ

واقف تھے وہ عرب کو اس کا خوگر بنانا پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے بیت المال سے تمام مسلمانوں کا وظیفہ مقرر کرنا چاہا تو حضرت ابوسفیان بن حربؓ نے فرمایا۔

ادیوان مثل دیوان بنی الا صفر انک فرضت للناس اتکلوا علی الدیوان و ترکوا التجارة[1]

کیا رومیوں کی طرح ان کے نام بھی درج رجسٹر ہوں گے، اگر آپ نے لوگوں کے وظائف مقرر کیے تو وہ اس پر اعتماد کرلیں گے اور تجارت کو چھوڑ دیں گے۔

مہاجرین کا مخصوص پیشہ اگرچہ تجارت تھا تاہم مدینہ میں آکر وہ بھی رفتہ رفتہ کھیتی باڑی میں مصروف ہو گئے، چنانچہ جب اوّل اوّل مہاجرین مدینہ میں آئے تو انصار نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست کی کہ ہمارے نخلستان ہمارے بھائی مہاجرین کے درمیان تقسیم فرمادیجئے لیکن آپؐ نے انکار فرمایا پھر انہوں نے کہا کہ وہ محنت مزدوری میں حصہ لیں، ہم ان کو پیداوار میں شریک کرلیں گے تمام مہاجرین نے اس کو بخوشی منظور کرلیا۔[2] بعد میں انصار نے اپنے کھیت بٹائی پر دینا شروع کردیئے تو عموماً مہاجرین نے زراعت کو اپنا پیشہ بنالیا۔ صحیح بخاری میں ہے۔

مابالمدینة اهل بیت هجرة الا یزرعون علی الثلث والربع

مدینہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جو تہائی یا چوتھائی پیداوار پر کھیتی نہ کرتا ہو۔

حضرت علیؓ، حضرت سعد بن مالکؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ اسی طرح کھیتی کرتے تھے۔[3] لیکن صحابہ کرامؓ کی معاش صرف زراعت وتجارت ہی پر موقوف نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو کسب حلال کی توفیق عطا فرمائی تھی، اس لئے جس پیشے سے رزقِ طیب حاصل ہوسکتا تھا، اس کے اختیار کرلینے میں ان کو کسی قسم کا ننگ وعار نہ تھا، خود حضرت سودہؓ طائف کا ادیم بناتی تھیں اور اسکی وجہ سے ان کی مالی حالت تمام ازواجِ مطہرات سے بہتر تھی۔[4]

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۶۳

[2] بخاری ابواب الحرث والمزارعة باب اذا قال، کفنی مؤنتة النخل

[3] صحیح بخاری ابواب الحرث والمزارعہ بالشطر ونحوہ

[4] اسد الغابہ تذکرہ خلیسہ

حضرت سلمان فارسیؓ اگرچہ مدائن کے گورنر تھے۔ تاہم چٹائی بُن کر وجہ معاش پیدا کرتے تھے۔ [1] بعض صحابہ محنت مزدوری پر اپنی اوقات بسر کرتے تھے، ایک صحابی نے آپ سے مصافحہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ تمھارے ہاتھ میں نشانات کیسے ہیں" بولے پتھر پر پھاوڑا چلاتا ہوں اور اس سے اپنے اہل وعیال کے لئے روزی پیدا کرتا ہوں" آپؐ نے ان کے ہاتھ چوم لئے۔ [2]

بعض صحابہ شہد کی مکھیوں کی نگہداشت کرتے تھے اور ان سے شہد پیدا کرتے تھے چنانچہ ایک صحابی نے ایک جنگل رسول اللہ ﷺ سے اپنے لئے مخصوص کرالیا تھا اس سے شہد پیدا کرتے تھے اور اس کی زکوٰۃ ادا کرتے تھے، یہ جنگل حضرت عمرؓ کے عہد خلافت تک ان کے قبضے میں رہا۔ ایک قبیلے کے لئے آپ نے اسی قسم کے دو جنگل مخصوص کر دیئے تھے اور وہ اس کی زکوٰۃ دیتے تھے۔ [3]

---

[1] استیعاب تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔

[2] اسد الغابہ تذکرہ سعد الانصاریؓ

[3] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ العسل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

دارالمصنفین نے سیر الصحابہ کا جو سلسلہ لکھا ہے شائع کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں میں اس کو مقبولیت بخشی اور بہت سے سعادت مندوں کو اس سے علمی و عملی فائدے پہنچائے اس سے امید ہے کہ اس سلسلہ میں لکھنے والوں کو انشاءاللہ تعالیٰ اجر آخرت بھی ملے گا۔

اس سلسلہ کو دارالمصنفین کے حسب ذیل رفقاء نے لکھ کر پورا کیا ہے۔

۱۔ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی

۲۔ مولانا حاجی معین الدین صاحب ندوی مرحوم سابق صدر مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ

۳۔ مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی

مولانا سعید انصاری صاحب

یہ سیر صحابیاتؓ آخر الذکر رفیق کے قلم سے نکلی ہے۔ اور یہ پہلی دفعہ آج سے ۲۳ برس پہلے ۱۳۴۱ھ میں چھپی تھی اور اب وہ دوبارہ شائع کی جارہی ہے اس دوسرے ایڈیشن پر ہمارے ایک اور رفیق مولانا محمد اویس صاحب نگرامی ندوی نے نظر ثانی کی ہے حوالوں کی تصحیح بعض غلطیوں کی اصلاح اور بعض مطالب میں مناسب ترمیم بھی انہوں نے کی ہے جس کے لیے وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ امید ہے کہ یہ کتاب اس کے بعد اپنی افادیت میں پہلے سے بہتر اور انشاءاللہ مولف اور مصحح دونوں کے لیے خیر جاری ثابت ہوگی۔

مسلمان عورتیں زمانہ کے نئے حالات سے بدل رہی ہیں ان کے سامنے سعادت مند خواتین کا

کوئی اسوہ موجود نہیں اس لئے ان کا راہ سے ہٹنا دور از عقل نہیں لیکن اگر ہماری بہنیں اور بیٹیاں اس کتاب کو اپنی زندگی کا نمونہ بنائیں تو انھیں معلوم ہوگا کہ دینداری اور خدا ترسی" پاکیزگی عفت اور صلاح و تقوی کے ساتھ وہ دنیا کو کیونکر نباہ سکتی ہیں اور دنیا اور آخرت دونوں کی نیکیوں کو اپنے آنچل میں کیسے سمیٹ سکتی ہیں

والسلام

سید سلیمان ندوی

ناظم دار المصنفین اعظم گڑھ

۴ شعبان ۱۳۶۳ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوۃ علی رسولہ محمد و الہ و اصحابہ اجمعین

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک، مذہب، اخلاق، سیاست اور علم معرفت کا ایک مکمل مجموعہ تھی جن کے اصول وقواعد قرآن پاک اور احادیثِ صحیحہ میں بہ تفصیل مذکور ہیں اس لیے آپ کے وصال کے بعد ان عناصرِ اربعہ کا تحفظ و بقاء صحابہ کرام کا سب سے اہم فرض تھا اور انہوں نے اس فرض کو جس دیانت اور سرگرمی کے ساتھ ادا کیا کتاب کے اس حصہ میں اسی کی تفصیل ہے اگر چہ بحیثیت جانشین رسولؐ کے خلفاء راشدین کو اس فرض کے ادا کرنے کا موقعہ اور تمام صحابہ سے زیادہ ملا اور اس لئے کتاب کا یہ حصہ زیادہ تر خلفاء راشدین ہی کے مذہبی اخلاقی سیاسی اور علمی کارناموں پر مشتمل ہے۔ لیکن ان تمام کارناموں کے انجام دینے میں دیگر صحابہ بھی ان کے شریک تھے مثلاً وہی مسجدوں کے امام، درسگاہوں کے معلم، صوبوں کے حاکم، عدالتوں کے قاضی، فوجوں کے افسر اور مسلمانوں کے مفتی تھے اور اس حیثیت سے ان کے عملی مظاہر مساجد سے لے کر ایوان حکومت اور میدان جنگ تک میں یکساں نظر آتے تھے اس بنا پر خلفائے راشدین کے کارناموں کے ساتھ اور صحابہ کے کارنامے بھی اس حصے میں آ گئے ہیں اور اس طرح یہ حصہ صحابہؓ کے کارناموں کا ایک مکمل مجموعہ بن گیا ہے۔

جو لوگ اس کتاب کے پہلے حصے میں خود صحابہ کرام کے مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی فضائل ومناقب پڑھ چکے ہیں۔ ان کو اس حصے میں یہ نظر آئے گا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تربیت سے کیوں کر صحابہ کرام کو تدبیر وسیاست اور علم ومعرفت میں بھی دنیا کے لیے ایک

مکمل نمونہ بنا کر چھوڑ گئے اور ان تمام نے اپنے زمانے میں کیونکر تمام دنیا کو آپ کی تمام تعلیمات و تلقینات کے مطابق مذہب، اخلاق اور سیاست کی صراط المستقیم پر قائم رکھا۔

خدا کے پیغمبروں نے بھی اپنے اصحاب کو ان تمام چیزوں کی تعلیم و تلقین کی ہے لیکن اصحابِ رسول اللہ نے جس طرح ان کی حفاظت کی اور جس طرح ان کو قائم و برقرار رکھا اس کی نظیر سے تمام دنیا کی مذہبی تاریخ خالی ہے اور درحقیقت ایک ابدی مذہب کے قیام و بقا کے لیے اسی قسم کے برگزیدہ ومتدین محافظ درکار تھے۔

عبدالسلام ندوی

شبلی منزل اعظم گڑھ

۱۱ جولائی ۱۹۲۲ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سیاسی خدمات

خلافتِ الٰہی

وعداللہ الذین امنوا منکم و عملواالصالحات
لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من
قبلھم و لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم
ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا (نور)

خلافت الٰہی ایک مقدس مذہبی امانت ہے اس لیے اس کا استحقاق صرف ایمان وعمل ہی کی بنا پر پیدا ہوسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اول اول جب آسمان پر اس کا اعلان ہوا تو مقربان بارگاہ الٰہی نے اپنے استحقاق کا اظہار ان الفاظ میں کیا'

واذقال ربک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ
قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء
و نحن نسبح بحمدك و نقدس لک(بقرہ)

"جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ مقرر کرنا چاہتا ہوں تو ان سب نے کہا کیا تو زمین میں اپنا خلیفہ اس شخص کو مقرر کرتا ہے جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزی کرے گا حالانکہ ہم تیری تسبیح وتقدیس کرتے ہیں۔

صحابہ کرام کے عقائد واعمال کی جو تفصیل پہلے حصے میں گزر چکی ہے ان کو پڑھ کر اگرچہ ہر شخص تسلیم کرے گا کہ انہوں نے مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے اپنے آپ کو خلافت الٰہی کا حقیقی مستحق بنا لیا تھا لیکن اس حصے میں ہم ان اخلاقی خصوصیات کو دکھانا چاہتے ہیں جن سے نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت ہوگا کہ صحابہ کرام میں حاکم ومحکوم اور راعی ومرعی دونوں کے مشترکہ اخلاقی

اوصاف نے خلافت کو کس صحیح اصول پر قائم کیا اور کس صحیح طریقے پر اس کو قائم رکھا۔

صحابہ کو خلافت کی خواہش نہ تھی:

امارت وحکومت اگر امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا ذریعہ ہے تو وہ ایک مقدس فریضہ دینی ہے لیکن اگر اس کو ذاتی اغراض کی شکارگاہ بنالیا جائے تو اس سے بدتر کوئی چیز نہیں اس بنا پر ہر نظام حکومت کے متعلق سب سے پہلے یہ پتہ لگانا چاہیے کہ اس کی بنیاد کس سطح پر رکھی گئی ہے؟ صحابہ کرام کے دور کی اصلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ لوگ ذاتی حیثیت سے امارت وحکومت کی خواہش نہیں رکھتے تھے البتہ جن مواقع پر وہ دینی خدمات اور دینی اعزاز کا ذریعہ ہوسکتی تھی وہاں تمام صحابہ اس کو محبوب سمجھنے لگتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر میں اعلان فرمایا کہ میں آج یہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اللہ کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اسی کے ہاتھ پر فتح نصیب کرے گا، تو اس مذہبی شرف کے شوق سے تمام صحابہ کے دل لبریز ہوگئے، لیکن ان مواقع کے علاوہ ان کے پاک دل کو کبھی اس ہوس نے آلودہ نہیں کیا، خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔

ما احببت الامارة الا یومئذ[1]

''غزوہ خیبر کے سوا میں نے کبھی امارت کی خواہش نہیں کی۔''

سقیفہ بنو ساعدہ میں خلافت کا مسئلہ پیش ہوا تو مہاجرین وانصار میں اگرچہ ایک طرح کی کشمکش پیدا ہوگئی تاہم اس وقت بھی دور صحابہ کی یہ خصوصیات نمایاں رہیں اس وقت انصار مہاجرین کے حریف مقابل تھے لیکن ان ہی انصار میں حضرت زید بن ثابت بھی تھے جنہوں نے نہایت ایثار کے ساتھ کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجر تھے اس لئے خلیفہ بھی مہاجر ہی ہوگا ہم جس طرح آپ کے انصار تھے آپ کے خلیفہ کے بھی انصار رہیں گے۔[2]

یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کے زمانہ تک ذاتی تفوق وامتیاز کی بنا پر صحابہ کرام میں باہم کوئی نزاع نہیں قائم ہوئی۔

---

1. مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل علیؓ بن ابی طالب
2. مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۸۲۔

خلافت کی ذمہ داریوں کا احساس

حکومت یا امارت اگر ذاتی اغراض کا ذریعہ ہیں تو ان کی ذمہ داری اس سے زیادہ نہیں جتنا ایک جانور اپنی بھوک پیاس کا ذمہ دار ہے۔ لیکن اگر ان کے ذریعہ سے دنیا میں نیکیوں کا پھیلانا اور برائیوں کا استیصال کرنا مقصود ہے تو وہ ایک ایسا بار امانت ہے جس کے بوجھ سے آسمان وزمین تک کانپ اٹھتے ہیں۔ صحابہ کرام کے سر پر یہی بار امانت ڈالا گیا تھا، اس لیے اس بوجھ سے ان کے اعصاب ہمیشہ متزلزل رہتے تھے۔ حضرت ابوبکر خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے پہلا خطبہ جو دیا وہ صرف خلافت کی ذمہ داریوں پر مشتمل تھا، چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

یا ایھاالناس لو ودت ان ھذا اکفانیہ غیری ولئن اخذتمونی سنۃ نبیکم ما اطیقھا ان کان لمعصومامن الشیطان و ان کان لینزل علیہ الوحی من السماء [1]

''لوگو میری خواہش یہ تھی کہ اس بوجھ کو کوئی دوسرا شخص اٹھاتا اور اگر تم مجھ سے اپنے پیغمبر کا اتباع چاہو گے تو میں اس کا متحمل نہ ہوسکوں گا کیونکہ وہ شیطان سے محفوظ و مامون تھے اور ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی۔''

حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی دوسرا شخص اس بار کو اٹھانے کی قوت رکھتا تو مجھ پر یہ بہت زیادہ آسان تھا کہ میں آگے بڑھ جاؤں اور میری گردن اڑادی جائے۔ [2]

ایک بار حج سے واپس آرہے تھے راہ میں ایک مقام پر ٹھہر گئے اور بہت سی کنکریاں جمع کر کے چادر بچھائی اور اس پر چت لیٹ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی۔

اللھم کبرت سنیّ وضعفت قوتی و انتشرت رعیتی فاقضنی الیک غیر مضیع ولا مفرط [3]

''خداوندا اب میرا سن زیادہ ہوا میرے قویٰ ضعیف ہو گئے میری رعایا ہر جگہ پھیل گئی پس مجھکو اس حالت میں اٹھالے کہ میرے اعمال برباد نہ ہوں اور میں حد اعتدال سے آگے نہ بڑھوں۔''

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۲۰
[2] موطائے امام محمدؒ باب النوادر
[3] موطائے امام محمد باب الرجیم

ان کے مرض الموت میں جب لوگوں نے درخواست کی کہ اپنا جانشین مقرر کرتے جایئے تو بولے کیا میں یہ بوجھ موت اور زندگی دونوں حالتوں میں اٹھاؤں میری صرف یہ آرزو ہے کہ میں اس سے اس طرح الگ ہو جاؤں کہ عذاب وثواب برابر سرابر ہو جائیں۔

خلافت کی ذمہ داریوں کا یہی احساس تھا جس کی بنا پر انہوں نے حالت نزع میں ہر گروہ کی حفاظت حقوق کے لیے وصیت کی۔ مہاجرین وانصار سے لے کر بدو اور ذمی تک کے حقوق کی طرف اپنے جانشین کو توجہ دلائی چنانچہ بخاری باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان میں یہ وصیت بہ تفصیل مذکور ہے۔

فرائض خلافت:

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو اپنے فضل واحسان سے اپنا سب سے بڑا عطیہ عطا فرمایا تو ساتھ ساتھ اس کے فرائض بھی بتادیئے۔

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر و للہ عاقبۃ الامور (حج)

''وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین میں متمکن کردینگے تو وہ نماز کو قائم کریں گے زکوۃ دینگے نیکی کا حکم کریں گے اور بدی سے روکیں گے اور ہر کام کا انجام صرف خدا کے لئے ہے''

یہ فرائض جلیلہ اصولاً تین قسموں میں منقسم کئے جاسکتے ہیں، مذہب، اخلاق اور سیاست۔ صحابہ کرامؓ نے اپنے عہد میں جس طرح یہ فرائض انجام دیئے ان کی تفصیل اس حصہ کے مختلف ابواب وفصول میں آئے گی اس موقع پر صرف ان موثر مثالوں کا جمع کرنا مقصود ہے جن سے اس جوش اس خلوص، اس مستعدی اور اس سرگرمی کا اظہار ہوگا جو ان فرائض کے انجام دینے میں صحابہ کرام نے ظاہر فرمائی۔

ہمارے زمانہ میں بادشاہ کا رات کو تنہا نکلنا ایک غیر معمولی واقعہ سمجھا جاتا ہے لیکن حضرت ابوبکر صدیق جب خلیفہ ہوئے تو سات مہینے تک مقام سنح میں قیام فرمایا جو مدینہ کی اصل آبادی سے دور تھا لیکن روزانہ وہاں سے کبھی پا پیادہ اور کبھی سواری پر مسجد نبوی میں آتے تھے اور

عشاء کی نماز پڑھا کر واپس جاتے تھے۔ [1]

حضرت عمرؓ صبح تڑکے اٹھتے تو پہلا کام یہ انجام دیتے کہ جو لوگ تہجد پڑھ کر سو جاتے تھے ان کو نماز صبح کے لئے جگاتے [2] عشاء کے بعد ان کا سب سے آخری فرض یہ تھا کہ مسجد کی دیکھ بھال فرماتے جو لوگ عبادت الٰہی میں مصروف ہوتے ان کے سوا دوسرے بیکار آدمیوں کو نہ رہنے دیتے۔ [3]

لیکن ابھی ان کے فرائض خلافت ختم نہ ہوتے بلکہ راتوں کو اٹھ اٹھ کے مدینہ کا پہرا دیتے ایک دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے ساتھ رات کو نکلے دفعتاً ایک گھر میں چراغ کی روشنی نظر آئی قریب آئے تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور کچھ لوگ شور وشغب کر رہے ہیں حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے فرمایا تمہیں معلوم ہے یہ گھر کس کا ہے یہ ربیعہ بن امیہ کا گھر ہے اور وہ لوگ اس وقت شراب پی رہے ہیں تمہاری کیا رائے ہے؟ بولے کہ خدا نے ہم کو تجسس کی ممانعت فرمائی ہے اس لئے واپس آئے۔ [4]

مدینہ میں ایک عام لنگر خانہ قائم کیا تھا۔ وہاں جاتے تھے اور مسلمانوں کو خود اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتے تھے ایک قاصد دربار خلافت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ امیر المومنین، ہاتھ میں عصا لے کر مسلمانوں کو خود کھانا کھلا رہے ہیں [5] عشاء کے بعد پھر پھر کے مسجد میں ہر شخص کا چہرہ دیکھتے اور اس سے پوچھتے کہ کھانا کھایا ہے یا نہیں، اگر کوئی شخص بھوکا ہوتا تو اس کو لیجا کر کھانا کھلاتے۔ [6]

فوجوں کو روانہ فرماتے تو ہر وقت اس کے خیال میں مصروف رہتے فرمایا کرتے تھے کہ میں نماز پڑہتا ہوں اور فوج کے بھیجنے کا سامان کرتا ہوں۔ نہاوند کے معرکہ کا دن آیا تو رات کروٹیں بدل بدل کر کاٹی [7] قادسیہ میں ایرانیوں سے جنگ ہوئی تو صبح سے لے کر دوپہر تک کا

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوبکر صدیقؓ
[2] فتوح البلدان صفحہ ۴۲۸
[3] خلاصۃ الوفاء باخبار المصطفٰے صفحہ ۱۷۵
[4] اصابہ تذکرہ ربیعہ بن امیہ اس قسم کی متعدد مثالیں تاریخوں میں مذکور ہیں۔
[5] طبری صفحہ ۲۷۰۲
[6] طبقات ابن سعد تذکرہ ام حبیبہ خولہ
[7] طبری صفحہ ۲۶۲۸

صرف یہ مشغلہ تھا کہ جو شتر سوار ادھر سے آتے ہیں' حالات دریافت فرماتے۔ [1]

رعایا کی خبر گیری کا نہایت خیال رکھتے تھے عمال کے یہاں سے جو قاصد آتے ان سے رعایا کا حال پوچھتے ایک دن حضرت ابوموسیٰ اشعری کے یہاں سے ایک آدمی آیا تو اس سے رعایا کے حالات پوچھے [2] اخیر میں تمام ملک کے دورے کا بھی ارادہ کیا تھا اور فرماتے تھے کہ ایک سال متصل دورہ کروں گا رعایا خود مجھ تک پہونچ نہیں سکتی اور عمال ان کی ضروریات کو مجھ تک نہیں پہونچاتے، دو مہینہ شام میں، دو مہینہ مصر میں، دو مہینہ بحرین میں، دو مہینہ کوفہ میں اور دو مہینہ بصرہ میں قیام کروں گا لیکن ان میں صرف شام کے دورہ کی نوبت آئی۔ [3]

صدقہ میں جو جانور آتے تھے ان کی نگرانی اور حفاظت خود فرماتے تھے ایک دن سخت لوچل رہی تھی اور زمین پر انگارے بچھے ہوئے تھے اسی حال میں حضرت عثمان نے دیکھا کہ وہ دو اونٹوں کو ہانکے ہوئے لے جارہے تھے پوچھا کہ آپ اس وقت گھر سے کیوں نکلے بولے صدقہ کے دو اُونٹ چھوٹ گئے تھے میں نے خیال کیا کہ ان کو چراگاہ میں پہنچا آوں ایک روز صدقے کے اونٹ آئے تو سر پر چادر ڈال لی اور تپتی ہوئی زمین پر کھڑے ہوکر حضرت علی کرم اللہ وجہ سے ان کا حلیہ قلم بند کروایا، حضرت عثمان بھی موجود تھے حضرت علی کرم اللہ وجہ نے ان کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا" حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہا تھا۔

ان خير من استاجرت القوى الامين

''جس کو تم نے ملازم رکھا ہے وہ قومی اور امین ہے۔''

لیکن وہ قوی امین یہ ہیں۔ [4]

ایک دن صدقہ کے اونٹوں کے بدن پر تیل لگا رہے تھے ایک شخص نے کہا اے امیر المومنین کسی غلام کے متعلق یہ کام کر دیا ہوتا" بولے مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہوسکتا ہے؟ جو شخص مسلمانوں کا والی ہے وہ مسلمانوں کا غلام ہے۔ [5]

---

[1] طبری صفحہ ۲۳۶۷

[2] موطائے امام مالک کتاب الاقضیۃ القضاء فیمن ارتد

[3] طبری صفحہ ۲۷۳۸

[4] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ

[5] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۶۴

بازار کی نگرانی کا خاص اہتمام رکھتے تھے اگرچہ اس کام کے لئے حضرت عبداللہ اور حضرت سائب ابن زید کو خاص طور پر مقرر کر دیا تھا۔[1] لیکن خود بھی بازار کا گشت لگایا کرتے تھے ایک دن بازار سے گزرے تو دیکھا کہ ایک نئی دکان کھلی ہے اس کو توڑ ڈالا اگر تاجر ایک جگہ جمع ہو جاتے تو ان کو کوڑا مارتے اور کہتے کہ راستہ نہ بند کرو۔[2]

ایک دن بازار سے گزرے حضرت حاطب بن بلتعہ کو دیکھا کہ منقی بیچ رہے ہیں بولے یا بھاؤ بڑھاؤ یا اس کو اُٹھا کر بازار سے لے جاؤ۔[3]

بیت المال سے مسلمانوں کے جو وظائف مقرر تھے ان کے گھروں پر جا جا کر تقسیم کرتے تھے ہشام کعبی کا بیان ہے کہ وہ ہاتھ میں قبیلہ خزاعہ کا رجسٹر لے لیتے تھے پھر وہاں سے مقام عسنان میں آ کر وظائف تقسیم فرماتے تھے۔[4]

حضرت عثمان نے بھی اس سنت کو قائم رکھا تھا مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ وہ منبر پر تھے اور موذن اقامت کہہ رہا تھا لیکن وہ اس حالت میں بھی لوگوں کے حالات اور بازار کا نرخ پوچھ رہے تھے۔[5]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اسی جوش وخلوص کے ساتھ فرائض خلافت ادا فرماتے تھے استیعاب میں ہے کہ وہ ہاتھ میں درہ لئے ہوئے بازاروں میں گھومتے رہتے تھے اور لوگوں کو پرہیز گاری، سچائی، حسن معاملت اور پورے پورے ناپ جوکھ کی ترغیب دیتے تھے۔[6] ایک دن بازار میں گئے دیکھا کہ ایک لونڈی ایک خرمہ فروش کی دوکان پر رو رہی ہے بولے کیا حال ہے بولی اس نے ایک درہم پر میرے ہاتھ کھجور فروخت کی لیکن میرے آقا نے اس کو واپس کر دیا۔ اب وہ پھیرنے پر راضی نہیں ہوتا انہوں نے سفارش کی کہ کھجور لے لو اور اس کو دام واپس دیدو۔ اس نے اس کو دھکیل دیا۔ لوگوں نے کہا کچھ خبر ہے؟ یہ امیر المومنین ہیں اب اس نے کھجور واپس کر دی اور کہا

---

1. موطائے امام مالک کتاب البیوع،
2. کنز العمال صفحہ ۱۷۶۔
3. مسند جلد نمبر ا صفحہ ۱۲۱
4. فتوح البلدان صفحہ ۴۵۷
5. مسند جلد ا صفحہ ۳۷۳
6. استیعاب تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کہ مجھ سے راضی ہو جایئے بولے اگر لوگوں کا حق پورا پورا کر دو گے تو مجھ سے زیادہ تم سے کون راضی ہوگا۔ [1]

ایک دن بازار سے گزرے دیکھا کہ لوگ اپنی اپنی جگہ چھوڑ کے آگے بڑھ گئے ہیں بولے کسی کو یہ اختیار نہیں ہے مسلمانوں کے بازار نمازیوں کے مصلے کی طرح ہیں جو لوگ آج آگے بڑھ گئے ہیں وہ کل اس کو چھوڑ دیں [2] خلفاء کی حفاظت میں سب سے زیادہ گراں قیمت چیز بیت المال تھا دنیوی بادشاہ سلطنت کا مال اپنے اوپر بے دریغ صرف کرتے ہیں لیکن صحابہ کرام نے اس خزانہ الٰہی کی اس دیانت کے ساتھ حفاظت کی کہ اپنے مصارف سے زیادہ اس میں سے کبھی ایک حبہ نہیں لیا۔

حضرت ابوبکر نے فرائض خلافت کی مصروفیت کی بنا پر بیت المال سے وظیفہ لیا تو اس کے ساتھ یہ تصریح کردی کہ اس کے بعد ان کی تجارت کی آمدنی بیت المال میں منتقل ہو جائیگی۔

فسیاکل ال ابی بکر من هذالمال و یحترف المسلمین [3]

اب آل ابوبکر اس مال سے وجہ معاش لے گی اور مسلمانوں کے لئے کام کرے گی،

لیکن انتقال کے وقت وظیفہ کی رقم بھی واپس کردی۔ [4]

حضرت عمر کی حیثیت اس سے زیادہ نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے ایک مزدور تھے اس لیے بیت المال سے صرف اسی قدر لیتے تھے جتنا ایک مزدور کو لینا چاہیے۔ اسد الغابہ میں ہے،

و نزل نفسه بمنزلة الاجیر وکاحاد المسلمین فی بیت المال [5]

''انہوں نے اپنا حق بیت المال سے صرف اسی قدر لیا جس قدر ایک مزدور اور مسلمانوں کے عام افراد کا حق تھا۔''

---

1. الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ صفحہ ۲۳۱
2. کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۶
3. بخاری کتاب البیوع
4. طبری صفحہ ۲۱۴۴
5. اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۷۱

انہوں نے اپنے طرز عمل سے ہر موقع پر ثابت کیا کہ بیت المال مسلمانوں کا مشترکہ خزانہ ہے خود ان کا اس میں کچھ حق نہیں ہے چنانچہ انہوں نے ایک بار حضرت حذیفہ کو لکھا کہ مسلمانوں کے وظیفے تقسیم کر دو انہوں نے جواب دیا کہ وظیفے تقسیم ہو چکے، لیکن بہت سا مال بچ گیا ہے حضرت عمر نے ان کو دوبارہ لکھا کہ یہ بھی مسلمانوں میں تقسیم کر دو یہ عمر اور آل عمر کا مال نہیں ہے۔ [1]

ایک بار حج کو گئے تو آمد و رفت میں ۸۰ درہم صرف ہو گئے ان کو اس پر اس قدر افسوس ہوا کہ ہاتھ پر ہاتھ مارتے تھے اور کہتے تھے۔

ما اخلقنا ان تکون قد اسرفنا فی مال اللّٰہ تعالی [2]

یہ کس قدر نامناسب بات ہے کہ ہم نے اللہ تعالی کے مال میں فضول خرچی کی

ایک بار بیمار ہوئے اور دوا کے لئے شہد کی ضرورت پیش آئی بیت المال میں شہد کا پیپا تھا مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر تمام مسلمانوں کی طرف خطاب کر کے کہا،، اگر آپ لوگ اجازت دیں تو یہ شہد لے لوں ورنہ وہ مجھ پر حرام ہے [3]

ایک بار تمام مصارف کے بعد کچھ مال بچ گیا تو لوگوں سے مشورہ کیا کہ اب یہ کہاں خرچ کیا جائے لوگوں نے کہا یا امیر المومنین ہم نے آپ کو زراعت و تجارت کے کاروبار سے روک دیا ہے، اب وہ آپ کا مال ہے،، انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا،، لوگوں نے آپ کا نام لیا ہے،، بولے تمہیں کہو،، انہوں نے کہا،، ایک دن آپ میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے تو ہم نے آپ کو افسردہ پایا دوسرے روز گئے تو آپ خوش تھے ہم نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ پہلے دن میرے پاس صدقے کے دو دینار رہ گئے تھے اس لیے میں رنجیدہ تھا اور آج میں نے ان کو تقسیم کر دیا، اس لئے خوش ہوں۔ حضرت عمر نے فرمایا تم نے سچ کہا میں دنیا و آخرت دونوں میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ [4]

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۵۸

[2] اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۷۲

[3] نزہت الابرار فی الاسامی و مناقب الاخیار تذکرہ حضرت عمرؓ

[4] مسند جلد ۱ صفحہ ۹۴

خلافت کے بعد وہ خود مسلمانوں کے ہو گئے تھے اور اپنی ذاتی حیثیت فنا کر دی تھی اس لئے ان کو جو کچھ ملتا تھا اس کو یا تو بیت المال میں داخل کر دیتے تھے یا اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔

ایک بار شاہ روم کا قاصد آیا تو ان کی بی بی نے ایک اشرفی کا عطر خریدا اور اس کو شیشی میں بھر کر شاہ روم کی بی بی کے پاس ہدیۃً بھیجا اس نے ان شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر واپس کر دیا۔ حضرت عمر نے جب یہ جواہرات دیکھے تو ان کو فروخت کر کے ایک دینار اپنی بی بی کو واپس کر دیا بقیہ رقم بیت المال میں داخل کر دی۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر نے چراہ گاہ میں اونٹوں کو چرا کو خوب فربہ کیا اور بازار میں بیچنے کے لئے لائے حضرت عمر نے دیکھا تو کہا کہ ''اے امیر المومنین کے بیٹے یہاں آ ودہ آئے تو کہا کہ امیر المومنین کا بیٹا سمجھ کر لوگوں نے تمہارے اونٹوں کو خوب کھلایا پلایا ہے راس المال لے لو بقیہ اونٹوں کو بیت المال میں داخل کر دو''

ایک بار حضرت ابوموسی اشعریؓ نے ان کی بی بی عاتکہ کے پاس ہدیۃً ایک چادر بھیجی، انہوں نے ان کو بلا کر سخت تہتک کیا اور چادر کوان کے اوپر پھینک دیا کہ ہم کو اس کی ضرورت نہیں![1]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دیانت کا یہ حال تھا کہ ایک بار ان کے پاس اصبہان سے کچھ مال آیا جس میں ایک روٹی بھی تھی انہوں نے مال کے ساتھ روٹی کے بھی سات ٹکڑے کئے اور ہر حصہ پر ایک روٹی کا ٹکڑا رکھا پھر قرعہ ڈالا کہ پہلے کس کو دیا جائے۔

ایک دن بیت المال کا کل مال تقسیم کر کے اس میں جھاڑو دلوائی پھر اس میں نماز پڑھی تا کہ قیامت کے دن لوگ ان کی دیانت کی شہادت دیں۔

ان کو جو چیزیں ہدیۃً ملتی تھیں وہ ان کو بھی بیت المال میں داخل کر دیتے تھے ایک دن انہوں نے ایک عطر کی شیشی دکھا کر کہا کہ یہ مجھے ایک دہقان نے ہدیۃً دی ہے،، پھر بیت المال میں آئے اور اس میں جو کچھ عطر تھا اونڈیل دیا اور فرمایا کامیاب ہے وہ شخص جس کے پاس ایک قوصرہ ہو اور وہ روز اس کو کھائے''[2]

[1] نزہتہ الابرار تذکرہ حضرت عمرؓ

[2] استیعاب تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

ایک بار کسی رئیس نے حضرت حسن وحضرت حسین علیہما السلام کو دو چادریں ہدیۃً دیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے چادروں پر نظر پڑ گئی تو پوچھا کہ یہ کہاں سے ملیں؟ انہوں نے واقعہ بتایا تو ان کو بیت المال میں داخل کر دیا۔ ایک بار اصبہان سے ان کے پاس بہت سا مال اور سامان آیا انہوں نے اس کو چند دیانت دار لوگوں کی حفاظت میں رکھوا دیا اس میں سے حضرت ام کلثوم نے مشکیزہ شہد اور ایک مشکیزہ گھی کا منگوا لیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آ کر گنا تو دو مشکیزوں کی کمی معلوم ہوئی انہوں نے پوچھا تو حفاظت کرنے والوں نے کہا ان کا حال نہ پوچھیے ہم ان کو لا دیتے ہیں،، بولے تم کو اصل واقعہ بیان کرنا پڑے گا انہوں نے کہا ہم نے حضرت اُم کلثوم کے پاس بھیج دیا" فرمایا میں نے یہ حکم دیا تھا کہ مسلمانوں میں تقسیم کر دو اور تم نے ام کلثوم کو دیدیا'' چنانچہ اسی وقت وہ مشکیزے اٹھوا منگوائے اور ان میں سے جو کچھ صرف ہو چکا تھا اس کی قیمت لگوائی تو معلوم ہوا کہ ۳ درہم کی کمی آئی ہے حضرت ام کلثوم کے یہاں سے ۳ درہم منگوائے اور مشکیزوں کو تمام مسلمانوں پر تقسیم کرا دیا۔[1]

یہی دیانت تھی جس نے صحابہ کے دور خلافت میں جمہوری روح پھونکدی تھی شخصیت پرستی درحقیقت بد دیانتی، خودغرضی اور عیش پرستی کا نتیجہ ہے خودغرض لوگ صرف اس بنا پر شخصیت کی حمایت کرتے ہیں کہ سلطنت کے تمام اختیارات، سلطنت کی تمام دولت اور سلطنت کے تمام مداخل ومخارج ان کے ہاتھ میں آ جائیں اور وہ مطلق العنانی کے ساتھ مزے اڑائیں۔ لیکن جو لوگ دیانت کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے ہیں وہ تمام دنیا کو خود امور سلطنت میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں تا کہ ان کے سر کا بوجھ ہلکا ہو جائے اور ان کی ذمہ داریاں بہت سے لوگوں پر تقسیم ہو جائیں۔ صحابہ کرامؓ اسی اصول پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ خود تمام مسلمانوں کو امور خلافت میں شرکت کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت عمر نے خراج کے تعین کے متعلق تمام صحابہ کو مشورہ کے لیے بلایا تو یہ الفاظ فرمائے۔

انی لم از عجکم الا ان تشترکوا فی امانتی[2]

''میں نے آپ لوگوں کو صرف اس لئے تکلیف دی ہے کہ آپ میری امانت میں شریک ہوں۔''

---

[1] نزہۃ الابرار تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

[2] کتاب الخراج صفحہ ۱۴

مساوات:

جب کہ تمام عرب وعجم نے سیادت وحکومت کے ذریعہ سے دنیا کو اپنا غلام بنالیا تھا۔ اسلام نے صرف تقوی وطہارت کو انسان کا اصلی شرف قرار دیا اور قرآن مجید نے تمام دنیا کے خلاف یہ صدا بلند کی۔

ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقکم

''تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے''

صحابہ کرام کو اگرچہ خلافت الٰہی نے اس شرف سے بھی ممتاز کیا جو روم وایران کا سب سے بڑا ذریعہ تفوق وامتیاز تھا تاہم انہوں نے صرف مذہب واخلاق ہی کو اپنا اصلی شرف خیال کیا، حضرت عمر بن الخطابؓ کا قول ہے،

کرم المومن تقواہ و دینہ وحسبہ و مروتہ و خلقہ [1]

''مسلمان کا اصل مایہ شرف اس کا تقویٰ ہے اس کا دین ہے اس کا حسب ہے اس کی مروت ہے اور اس کا خلق ہے''

اس خیال کا یہ نتیجہ تھا کہ سیاسی حیثیت سے خلیفہ وقت خود اپنے آپ کو تمام لوگوں کے برابر سمجھتا ہے اور ہر شخص کے ساتھ مساویانہ برتاو کرتا تھا۔

ایک دن حضرت عمر امورِ خلافت میں مشغول تھے کہ اسی حالت میں ایک آدمی آیا اور کہا کہ "اے امیر المومنین مجھ پر فلاں شخص نے ظلم کیا ہے انہوں نے اس پر کوڑا اٹھایا اور کہا کہ جب میں فصل مقدمات کے لئے بیٹھتا ہوں تو تم لوگ نہیں آتے اور جب خلافت کے دوسرے کاموں میں مشغول ہوتا ہوں تو دادرسی کے لئے آتے ہو'' وہ ناراض ہو کر چلا تو خود اسے بلایا اور اس کے سامنے اپنا کوڑا ڈال دیا اور کہا کہ مجھ سے قصاص لو'' اس نے کہا نہیں میں خدا کے لئے معاف کرتا ہوں بولے اگر خدا کے لئے معاف کرتے ہو تو خیر ورنہ اگر میرے لئے درگزر کرتے ہو تو مجھے بتاؤ ''اس نے کہا نہیں خدا کے لئے'' [2]

---

[1] موطائے امام مالک کتاب الجہاد باب الشہداء فی سبیل اللہ

[2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ

اگر کبھی امراء وعمال ان کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ کرتے جو ان میں اور عام مسلمانوں میں تفریق اور امتیاز پیدا کرتا تو سخت برہم ہوتے اور ان کو تہدید فرماتے ایک بار حضرت عتبہ بن فرقدؓ نے ان کی خدمت میں نہایت تکلف کے ساتھ ایک لذیذ غذا بھیجی فرمایا کل مسلمان یہی کھاتے ہیں؟ جواب ملا نہیں بولے تو پھر مجھے بھی نہیں چاہیے اس کے بعد ان کو لکھا کہ یہ تمہاری اور تمہارے باپ کی کمائی نہیں ہے تمام مسلمانوں کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور عیش پرستی سے بچو[1]

ایک بار حضرت عبداللہ اور حضرت عبیداللہ بن عمرؓ عراق کی کسی مہم میں شریک ہوئے پلٹ کر بصرہ آئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جو وہاں کے گورنر تھے نہایت جوش کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ ''اگر میں آپ دونوں صاحبان کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہوتا تو ضرور پہنچاتا، یہاں میرے پاس تھوڑا سا صدقہ کا مال ہے جس کو امیر المومنین کی خدمت میں بھیجنا چاہتا ہوں آپ لوگ یہاں اس روپیہ سے اسباب تجارت خرید لیں اور مدینہ جا کر اس کو فروخت کریں جو نفع حاصل ہو اس کو خود لے لیں اور اصل مال امیر المومنین کے حوالے کر دیں'' یہ کہہ کر روپیہ ان کے حوالے کر دیا اور حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دیدی، ان دونوں صاحبوں نے اس پر عمل کیا لیکن جب روپیہ لے کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے پوچھا کیا ابوموسیٰ نے کل فوج کے ساتھ یہی معاملہ کیا ہے؟ بولے نہیں فرمایا میرے لڑکے سمجھ کر تمہارے ساتھ یہ رعایت کی ہے اصل اور نفع دونوں دے دو''

ایک بار انہوں نے اپنے غلام کو مکاتب بنایا اس نے کہا کہ ''اگر اجازت ہو تو میں عراق کو جاؤں بولے'' مکاتب ہونے کے بعد جہاں چاہو جا سکتے ہو وہ روانہ ہوا تو اور چند غلاموں نے اس کی رفاقت کرنا چاہی اور کہا کہ امیر المومنین سے ایک خط لے لو کہ تمام مسلمان ہمارے ساتھ عزت سے پیش آئیں اس کو اگرچہ معلوم تھا کہ یہ درخواست ان کو ناگوار ہوگی تاہم اس نے یہ گزارش کی، ڈانٹ کر فرمایا تم لوگوں پر ظلم کرنا چاہتے ہو تم تمام مسلمانوں کے برابر ہو[2]

اس طرز عمل نے تمام قوم میں مساوات کی روح پھونک دی تھی اس لیے اگر کوئی شخص خلفاء کے ساتھ کسی قسم کا غیر مساویانہ برتاؤ کرتا تھا تو تمام لوگ برہم ہو جاتے تھے، حضرت

---

[1] مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب تحریم استعمال اناء الذہب والفضۃ

[2] طحاوی کتاب المکاتب فی الوضع عن المکاتب وبیعہ

امیر معاویہؓ پہلی بار شام سے حج کو آئے تو ایک شخص نے کہا کہ السلام علیک ایھا الامیر ورحمتہ اللہ تمام اہل شام بگڑ گئے اور کہا کہ یہ منافق کون ہے جو صرف امیر المومنین کو سلام کرتا ہے۔[1]

زہد و تواضع:

سلاطین و امراء کے جاہ و جلال سے اگر چہ انسان دفعتاً مرعوب ہو جاتا ہے لیکن حقیقی اطاعت اور اصلی محبت صرف زہد و تواضع سے پیدا ہو سکتی ہے صحابہ کرام کے دور خلافت میں اگر چہ دنیا نے ان کے سامنے اپنے خزانے اگل دیئے، تاہم انہوں نے اپنی قدیم سادگی اور خاکساری کو ہمیشہ قائم رکھا اس لئے عرب کی غیور طبیعتوں کو ان کی اطاعت اور فرمابنرداری سے کبھی عار و استنکاف نہیں ہوا۔

حضرت ابوبکرؓ خلافت سے پہلے بکریاں دوہا کرتے تھے منصب خلافت سے ممتاز ہوئے تو ایک چھوکری نے کہا ''اب وہ ہماری بکریاں نہ دوہیں گے'' انہوں نے سنا تو بولے ''خدا کی قسم ضرور دوہوں گا، خدا نے چاہا تو خلافت میری قدیم حالت میں تغیر نہ پیدا کرے گی چنانچہ امور خلافت کو بھی انجام دیتے تھے اور ان کی بکریاں بھی دوہتے تھے، بلکہ اگر ضرورت ہوتی تو ان کو چرا بھی لاتے تھے۔

ایک دن انہوں نے پینے کا پانی مانگا تو لوگ شہد کا شربت لائے پیالے کو منہ سے لگا کر ہٹا دیا اور رونے لگے جو لوگ پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی رو پڑے تھوڑی دیر کے لئے چپ ہو گئے پھر دوبارہ رونا شروع کیا، لوگوں نے پوچھا آخر آپ کیوں روئے فرمایا میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا میں نے دیکھا کہ آپ کسی آدمی کو دھکیل رہے ہیں حالانکہ کوئی شخص آپ ﷺ کے پاس نہ تھا میں نے پوچھا یہ آپ کس کو دھکیل رہے ہیں؟ فرمایا دنیا میرے سامنے مجسم ہو کر آئی ہے میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس سے ہٹ جا وہ ہٹ گئی پھر دوبارہ آئی اور کہا کہ آپ مجھ سے بچ کر نکل جائیں تو نکل جائیں لیکن آپ کے بعد کے لوگ مجھ سے نہیں بچ سکتے،، مجھے یہی واقعہ یاد آ گیا اور مجھے خوف پیدا ہوا کہ وہ کہیں مجھ سے چمٹ نہ جائے[2]

---

1. الادب المفرد باب التسلیم علی الامیر
2. اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوبکر صدیقؓ

حضرت عمر کسریٰ وقیصر کے خزانے کے کلید بردار تھے لیکن زہد وتواضع کا یہ حال تھا کہ ایک دن انہوں نے پینے کا پانی مانگا لوگ شہد کا شربت لائے پیالے کو ہاتھ پر رکھ کر تین بار فرمایا کہ اگر پی لوں تو اس کی مٹھاس چلی جائے گی اور تلخی (عذاب) باقی رہ جائے گی' یہ کہہ کر ایک آدمی کو دے دیا اور وہ اس کو پی گیا،

ایک بار ان کے پاس حضرت عتبہ بن فرقدؓ آئے دیکھا کہ زیتون کے تیل کے ساتھ روٹی کھا رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے ان کو بھی شریک طعام کر لیا لیکن یہ لقمہ ہائے خشک ان کے گلے سے نہ اترے وہ عیش وطرب کے ساز و برگ دیکھ چکے تھے بولے "یا امیر المومنین آپ کو میرے سے رغبت ہے؟" فرمایا کل مسلمانوں کو مل سکتا ہے' انھوں نے کہا نہیں بولے کیا تم چاہتے ہو کہ میں دنیا ہی میں کھانے پینے کا مزہ اڑا لوں؟

ایک دن حضرت حفصہؓ کے یہاں آئے انہوں نے سالن میں زیتون کا تیل ڈال کر سامنے رکھ دیا، بولے ایک برتن میں دو دو سالن تادم مرگ نہ کھاؤں گا [1]۔

عین زمانہ خلافت میں ان کے سامنے کھجوریں رکھدیں جاتی ہیں اور وہ سڑی گلی کھجوریں تک اٹھا کر کھا جاتے تھے۔ [2]

لباس اس سے بھی زیادہ سادہ تھا حضرت انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ میں نے زمانہ خلافت میں دیکھا کہ ان کے کرتے کے مونڈھے پر تہ بہ تہ پیوند لگے ہوئے ہیں۔ [3]

جاہ وجلال کے موقعوں پر بھی یہی سادگی قائم رہتی تھی، شام کے دورے کو گئے تو شہر کے قریب پہونچ کر اپنے اونٹ پر غلام کو سوار کرا دیا اور خود غلام کے اونٹ پر سوار ہو لئے۔ لوگ استقبال کے لئے چشم براہ تھے قریب پہونچے تو حضرت سالمؓ نے لوگوں کو اشارے سے بتایا کہ امیر المومنین یہ ہیں۔ لوگ تعجب سے باہم کانا پھوسی کرنے لگے فرمایا ان کی نگاہیں اہل عجم کے جاہ و حشم کو ڈھونڈ رہی ہیں۔ [4]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ

[2] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب جامع ماجاء فی الطعام والشراب

[3] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی لبس الثیاب

[4] موطائے امام محمد باب الزہد والتواضع

ایلہ کو گئے تو اونٹ پر بیٹھے بیٹھے گاڑھے کی قمیض پھٹ گئی اس لئے وہاں کے پادری کو دے دیا کہ اس کو دھو کر پیوند لگا دے وہ قمیص میں پیوند لگا کر لایا تو اس کے سامنے خود اپنی طرف سے ایک نئی قمیض بھی دی، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دی کہ "میری قمیض پسینہ خوب جذب کرتی ہے۔ [1]

ایک دن منبر پر چڑھ کے فرمایا کہ ایک دن وہ تھا کہ میں اپنی خالہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا اور وہ اس کے عوض میں مٹھی بھر کھجور دے دیا کرتی تھیں آج میرا زمانہ ہے یہ کہہ کر منبر سے اترے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا یہ تو آپ نے اپنی تنقیص کی" بولے تنہائی میں میرے دل نے کہا کہ تم امیر المومنین ہو تم سے افضل کون ہو سکتا ہے؟ اس لئے میں نے چاہا کہ اس کو اپنی حقیقت بتا دوں۔ [2]

ان کے دروازے پر دربان اور پہرے دار نہ تھے وہ خود چپراسی تھے جہاں ضرورت ہوتی تھی خود چلے جاتے تھے اور کام انجام دے کر چلے آتے تھے ایک دن حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس آئے لونڈی ان کے بالوں سے جوئیں نکال رہی تھی انہوں نے اس کو ہٹانا چاہا بولے "رہنے دو ابھی" انہوں نے کہا "یا امیر المومنین اگر آپ بلوا بھیجتے تو میں خود حاضر ہوتا" بولے ضرورت تو مجھ کو تھی۔ [3]

حضرت عثمانؓ اگرچہ بذات خود دولت مند تھے لیکن زمانہ خلافت میں نہایت سادہ زندگی بسر فرماتے تھے مسجد میں سرہانے چادر رکھ کر لیٹ جاتے تھے اٹھتے تو بدن میں کنکریوں کے چبھنے کے نشان نظر آتے تھے لوگ دیکھتے تھے تو کہتے تھے امیر المومنین ہیں۔ [4]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوتراب کا خطاب عطا فرمایا تھا اور خاکساری نے ان کو اس لقب کا صحیح مصداق بنا دیا تھا۔ تمام لوگ ان کی خدمت و اطاعت کو اپنا فخر سمجھتے تھے لیکن وہ خود بازار سے اپنا سودا سلف خرید کر لاتے تھے ایک دن بازار میں کھجوریں

---

[1] نزہتہ الابرار تذکرہ حضرت عمرؓ

[2] طبری صفحہ ۲۷۵۸

[3] الادب المفرد باب من کانت لہ حاجت فھو احق ان یذھب الیہ

[4] الریاض النضرۃ صفحہ ۱۱۱

خریدیں اور خود اٹھا کر لے چلے ایک آدمی نے کہا یا امیر المومنین میں پہونچا دوں بولے بچوں کا باپ ہی اس کا زیادہ مستحق ہے۔[1]

زہد و تورع کا یہ حال تھا کہ اپنے لئے کبھی اینٹ پر اینٹ اور شہتیر پر شہتیر نہیں رکھی یعنی گھر نہیں بنایا[2]، بیت المال میں جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیتے اور کہتے کہ اے دنیا مجھے فریفتہ نہ کر۔[3]

لباس نہایت سادہ پہنتے تھے ایک شخص نے دیکھا تو ان کے بدن پر ایک پھٹی پرانی قمیض ہے جب آستین کھینچی جاتی ہے تو ناخن تک پہونچ جاتی ہے اور چھوڑ دی جاتی ہے تو سکڑ کر نصف کلائی تک جاتی ہے اسی سادہ لباس میں فرائض خلافت ادا کرنے کے لیے بازاروں میں پھرا کرتے تھے۔[4]

ایک شخص کا بیان ہے کہ "میں نے دیکھا کہ گاڑھے کا تہ بند باندھے ہوئے اور گاڑھے کا چادر اوڑھے ہوئے بازار میں پھر رہے ہیں ہاتھ میں درہ ہے اور لوگوں کو سچائی اور حسن معاملہ کا حکم دے رہے ہیں۔ لیکن بعض اوقات یہ سادہ لباس بھی بہ مشکل میسر ہوتا تھا ایک دن منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ میری تلوار کون خریدتا ہے؟ اگر میرے پاس تہ بند کے دام ہوتے تو میں اس کو فروخت نہ کرتا" ایک شخص نے اٹھ کر کہا "ہم آپ کو تہ بند کی قیمت قرض دیتے ہیں،

دربان اور پہریدار کا جھگڑا نہیں رکھا تھا تنہا اٹھتے اور مسجد کو چلے جاتے۔[5]

ایثار:

خلافت الٰہی ایک خوان نعمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ خود اپنے ہاتھ سے دنیا کے سامنے چن دیتا ہے لیکن بد بخت لوگ تمام دنیا کو بھوکا رکھتے ہیں اور خود اپنا پیٹ بھرتے ہیں مگر خدا کے برگزیدہ بندے پہلے تمام دنیا کو کھلاتے ہیں، پھر جو کچھ بچ رہتا ہے خود کھاتے ہیں صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے اس لئے انہوں نے اس خوان نعمت کو تمام دنیا کے لئے وسیع اور اپنے لئے تنگ کر دیا تھا۔

---

1. الادب المفرد باب الکبر
2. اسد الغابہ تذکرہ حضرت علیؓ
3. استیعاب تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
4. استیعاب تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
5. ایضاً

ایک بار حضرت عمرؓ نے مدینہ کی عورتوں میں چادریں تقسیم فرمائیں ایک عمدہ چادر بچ گئی تو کسی نے کہا کہ "اپنی بی بی اُم کلثوم کو دیدیجئے" بولے ام سلیط اس کی زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ غزوہ احد میں مشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں اور ہم کو پلاتی تھیں۔ [1]

ایک دن مسلمانوں کو حلے تقسیم فرما رہے تھے ایک نہایت عمدہ حلہ نکلا تو لوگوں نے کہا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیدیجئے بولے نہیں مہاجر بن سعید ابن عتاب یا سلیط بن سلیط کو دوں گا۔ [2]

انہوں نے اپنے عہد خلافت میں ازواج مطہرات کی تعداد کے لحاظ سے نو پیالے تیار کرائے تھے اور جب میوہ یا کھانے کی کوئی عمدہ چیز آتی تو ان میں بھر کے ازواج مطہرات کی خدمت میں بھیجتے لیکن سب سے آخری پیالہ حضرت حفصہؓ کے پاس بھجواتے تھے تا کہ جو کمی ہو وہ ان کے حصہ میں آئے۔ [3]

لوگوں کے وظیفے مقرر فرمائے تو لوگوں نے کہا کہ رجسٹر میں پہلے اپنا نام درج فرمایئے بولے نہیں اپنے آپ کو میں رکھوں گا جہاں مجھ کو خدا نے رکھا ہے'' چنانچہ رسولؐ کے قرابت داروں کے نام پہلے لکھوائے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا وظیفہ حضرت اسامہ بن زیدؓ سے کم مقرر فرمایا تو انہوں نے کہا کہ، وہ مجھ سے کسی چیز میں آگے نہیں رہے بولے'' ان کے باپ تمہارے باپ سے اور وہ تم سے رسول اللہ ﷺ کو محبوب تھے۔ [4]

امراء و عمال مقرر فرمائے تو اپنے خاندان کے کسی شخص کو کوئی عہدہ نہیں دیا ان کے خاندان میں صرف نعمان بن عدی ایک ایسے بزرگ ہیں جن کو میسان کا عامل مقرر فرمایا تھا لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان کو ایک جرم پر موقوف کر دیا۔ [5]

اس سے بڑھ کر کیا ایثار نفسی ہو سکتی ہے کہ اپنے بعد جن لوگوں کو خلافت کے لیے منتخب فرمایا ان میں اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی نسبت صاف تصریح کر دی کہ خلافت میں ان کا کوئی حصہ نہیں چنانچہ بخاری میں یہ واقعہ بہ تصریح مذکور ہے۔

---

1. بخاری کتاب الجہاد باب حمل النساء القرب الی الناس فی الغزو
2. اصابہ تذکرہ عتاب
3. موطائے امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب جزیۃ اہل الکتاب والمجوس
4. فتوح البلدان ص ۴۶۲
5. اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۷ تذکرہ نعمان بن عدی

حق پسندی:

اگر خود امراء وسلاطین میں حق پسندی کا مادہ موجود نہ ہو تو رعایا کی آزادی' نکتہ چینی اور حقوق طلبی بالکل بیکار ہے لیکن صحابہ کرام کے دور میں خود خلفاء میں حق پسندی کا اس قدر مادہ موجود تھا کہ ہر جائز نکتہ چینی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے تھے اس لیے ایک طرف تو ان نکتہ چینیوں کے عملی نتائج نکلتے تھے دوسری طرف قوم میں جائز آزادی کا مادہ پیدا ہوتا تھا جو خلافت کے استحکام کا سب سے قوی سبب تھا۔

ایک بار حضرت عمرؓ نے خزائن کعبہ کو تقسیم کرنا چاہا' لیکن حضرت شیبہؓ نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے' رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ آپ سے زیادہ محتاج تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا' حضرت عمرؓ نے تقسیم سے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔[1]

ایک بار حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بی بی کو شوہر کی دیت میں وراثت نہیں ملتی حضرت ضحاکؓ ابن سفیان نے کہا نہیں اشیم انصابی کی بی بی کو رسول اللہ ﷺ نے تحریری فرمان کے ذریعہ سے اس کے شوہر کی دیت دلوائی تھی حضرت عمرؓ نے فوراً اپنی رائے بدل دی۔[2]

ایک پاگل عورت مرتکب زنا ہوئی، لوگوں نے اس کو حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا انہوں نے صحابہ کرام کے مشورے سے رجم کا حکم دیا لوگ اس کو سنگسار کرنے کے لئے لے جارہے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آ گئے اور واقعہ معلوم ہونے پر کہا کہ اس کو واپس لے چلو حضرت عمرؓ کی خدمت میں آئے تو کہا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ پاگل مرفوع القلم ہے پھر اس کو کیوں سنگسار کرتے ہیں؟ انہوں نے اس کو رہا کر دیا اور غلغلہ تکبیر بلند کیا۔[3]

ایک بار حضرت ابومریمؓ ازدی حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں آئے ان کو ان کا آنا ناگوار ہوا اور بولے کہ ہم تمہارے آنے سے خوش نہیں ہوئے'' انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا جس کو مسلمانوں کا والی بنائے اگر وہ ان کی حاجتوں سے آنکھ بند کر کے پردہ میں

---

1. ابوداؤد کتاب المناسک باب فی مال الکعبۃ
2. ابوداؤد وفی المراۃ ترث من دیۃ زوجہا۔
3. ابوداؤد دو کتاب الحدود باب فی المجنون یسرق اویصیب

بیٹھ جائے تو خدا بھی قیامت کے دن اس کی حاجتوں کے سامنے پردہ ڈال دے گا حضرت معاویہؓ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں کی حاجت براری کے لیے ایک مستقل شخص مقرر کر دیا۔[1]

رحم وشفقت:

اخلاقی کتابوں میں بادشاہ کو رعایا کا باپ کہا گیا ہے لیکن دنیائے قدیم میں کتنے مسند آرائے سریر سلطنت گزرے ہیں اور دنیائے جدید میں کتنے مدعیان تخت وتاج ہیں جنہوں نے اپنے بچوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا ہے۔ لیکن صحابہ کرام نہ صرف مجازاً بلکہ حقیقتاً ان بچوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرتے تھے[2] اور ان سے دائمی اطاعت کا خاموش معاہدہ لیتے تھے حضرت ابوبکرؓ کو بچے دیکھتے تو دوڑ کر کہتے اے باپ وہ محبت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے چھوکریاں کہتیں کہ آپ ہماری بکریوں کا دودھ کیوں نہیں دوہتے؟ وہ دودھ دوہ دیتے اور کہتے کہ اگر ضرورت ہوتو چرا بھی لاؤں مدینہ کے کسی گوشہ میں ایک بڑھیا رہتی تھی وہ رات کو جاتے اس کی ضروریات انجام دے آتے۔[3] جاڑوں کے دن میں چادریں خرید کر مدینہ کی بیواؤں میں تقسیم فرماتے۔[4]

حضرت عمرؓ کا دور خلافت آیا تو ان کی قدیم شدت وجلالت کے تصور سے تمام صحابہ کانپ اٹھے اور کہنے لگے کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے؟ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو ایک عام مجمع کیا اور منبر پر چڑھ کر فرمایا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگ میری سختیوں سے گھبراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خود رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عمر ہم پر سختی کرتے تھے پھر حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو اس وقت بھی عمر ہمارے ساتھ سختی سے پیش آئے اب جب کہ وہ خود خلیفہ ہوئے ہیں تو خدا جانے کیا غضب ہوگا؟ لوگوں نے یہ بالکل سچ کہا ہے میں رسول اللہ ﷺ کا ایک خادم تھا اور آپ کی رحمت وشفقت کا درجہ کون حاصل کر سکتا ہے؟ خدا نے خود آپ کو رؤف الرحیم کہا ہے جو خود خدا کا نام ہے، پھر ابوبکرؓ

---

1. ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ
2. الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ جلد ۲ صفحہ ۲
3. اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوبکرؓ
4. کنز العمال جلد ۳ ص ۱۳۱

خلیفہ ہوئے اور ان کے رفق و ملاطفت کا بھی آپ لوگوں کو انکار نہیں ہے ان کا بھی ایک خادم اور مددگار تھا اس لئے ان کی نرمی کے ساتھ اپنی سختی کو ملا دیتا تھا، اور تیغ بے نیام ہو جاتا تھا وہ چاہتے تھے تو اس سے وار کرتے تھے ورنہ میان میں ڈال دیتے تھے لیکن اب جب کہ میں خود خلیفہ ہو گیا ہوں تو یقین کرو کہ وہ سختی دو گنا ہو گئی ہے لیکن صرف ان لوگوں کے لیے جو مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں رہے نیک اور دیندار لوگ تو میں ان کے لیے اس سے زیادہ نرم ہوں جسقدر وہ باہم نرم خو ہیں۔ [1]

حدیث رجال اور تاریخ کی کتابوں میں حضرت عمرؓ کی زندگی کا ایک ایک پہلو محفوظ ہے ان سب پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس خطبہ کا ایک ایک لفظ کس قدر سچائی کس قدر صداقت اور کس قدر راستبازی سے لبریز تھا انہوں نے کہا تھا کہ وہ دین دار لوگوں کے لیے سب سے زیادہ نرم ہوں گے، واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت ایسے ہی تھے حضرت سعید بن یربوعؓ ایک صحابی تھے جو ان کے عہد خلافت میں اندھے ہو گئے تھے حضرت عمرؓ ان کے پاس تعزیت کو آئے اور کہا کہ کوئی جمعہ ناغہ نہ کرنا اور مسجد نبوی میں برابر شریک جماعت ہونا بولے ''مجھے کون لے جائے گا'' پلٹے تو اس کام کے لیے ان کے پاس ایک غلام بھیج دیا۔ [2]

ایک بار حضرت احنف بن قیسؓ بصرہ کے وفد کے ساتھ آئے اور کہا کہ ''ہم ایک بنجر زمین میں آباد ہیں، اس کے مشرقی جانب کھاری سمندر ہے اور مغربی جانب چٹیل میدان، نہ ہمارے پاس کھیت ہیں نہ مویشی دو کوس سے ضعیف لوگ پانی لاتے ہیں، عورتیں پانی بھرنے جاتی ہیں تو بچوں کو بکری کی طرح باندھ دیتی ہیں کہ کہیں درندے نہ اٹھا لے جائیں تو کیا آپ ہماری ضرورت پوری نہ کریں گے؟ حضرت عمرؓ نے فوراً بصرہ کے بچوں کے وظیفے مقرر کر دیئے اور حضرت ابوموسی اشعریؓ کو لکھ بھیجا کہ ان کے لیے ایک نہر کھدوا دیں۔ [3]

جن عورتوں کے شوہر سفر میں ہوتے ان کے گھر خود تشریف لے جاتے دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کرتے اور کہتے تمہیں کوئی ضرورت ہے؟ تمہیں کسی نے ستایا تو نہیں؟ اگر تمہیں سودے سلف کی ضرورت ہو تو میں خرید دوں، مجھے خوف ہے کہ بیع و شراء میں تم لوگ دھوکا نہ کھا جاؤ۔ وہ

---

[1] الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ جلد۲ ص۴

[2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعید بن یربوعؓ

[3] فتوح البلدان ص ۳۶۴

اپنی لونڈیاں ساتھ کر دیتیں بازار میں جاتے تو ان لونڈیوں اور غلاموں کا جھرمٹ ساتھ ہوتا ان کا سودا سلف خرید دیتے جن کے پاس دام نہ ہوتے خود اپنی گرہ سے دیتے مجاہدین کے خطوط آتے تو خود ان کی بیبیوں کے پاس لے کر جاتے اور کہتے کہ اگر کوئی پڑھنے والا نہ ہو تو دروازہ کے قریب آ جاؤ میں پڑھ دوں قاصد فلاں دن جائے گا جواب لکھوا رکھو کہ بھیجوں پھر خود ہی کاغذ دوات لے کر جاتے جن عورتوں کے خطوط تیار ہوتے ان کو لے لیتے ورنہ کہتے کہ دروازے کے پاس آ جاؤ میں خود لکھ دوں سفر میں ہوتے تو اپنے اونٹ پر ستو کھجور مشک اور پیالے ساتھ رکھتے جو لوگ کسی ضرورت سے پاس آتے ان سے کہتے کہ لو کھاؤ جب کوچ کر چکتے تو منزل کی دیکھ بھال فرماتے اگر کوئی چیز گری ہوتی تو اٹھا لیتے اگر کوئی شخص لنگڑا لولا ہوتا یا اس کا اونٹ بیمار ہوتا تو اس کے لئے کرایہ کا اونٹ کر دیتے قافلہ روانہ ہوتا تو پیچھے پیچھے چلتے کوئی چیز گر پڑتی تو اٹھا لیتے لوگ منزل پر اترتے تو گم شدہ چیزوں کی تلاش میں خود امیر المومنین کے پاس آتے۔[1]

ایک بار بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک نوجوان عورت آئی اور کہا کہ ''یا امیر المومنین میرا شوہر مر گیا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں نہ وہ کوئی کام کر سکتے ہیں نہ ان کے پاس کھیتی ہے نہ مویشی مجھے خوف ہے کہ ان کو درندے نہ کھا جائیں میں خفاف بن ایما الغفاری کی لڑکی ہوں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے'' حضرت عمرؓ فوراً ٹھہر گئے وہاں سے پلٹے تو ایک اونٹ پر غلہ اور کپڑا لاد کر اس کے پاس لائے اور ہاتھ میں اونٹ کی مہار دے کر کہا کہ ''اس کو ہانک لے جاؤ'' جب یہ ختم ہو جائے گا تو پھر خدا دے گا ایک شخص نے کہا اے امیر المومنین آپ نے اسے بہت دے دیا بولے ارے کم بخت اس کے باپ اور بھائی دونوں نے میرے سامنے ایک قلعہ کا مدتوں محاصرہ کیا اور اس کو فتح کیا۔[2]

ایک بار سفر حج کو جا رہے تھے، راہ میں ایک بڈھا ملا اور اس نے قافلہ کو روک کر پوچھا کہ تم میں رسول اللہ ﷺ ہیں؟ جب معلوم ہوا کہ آپ کا وصال ہو چکا تو اس نے شدت سے گریہ وبکا کیا پھر پوچھا کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوا؟ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کا نام بتایا بولا وہ تم میں ہیں؟ جب اس کو ان کی وفات کی خبر ہوئی پھر اسی طرح گریہ وبکا کی۔ پھر پوچھا کہ ان

[1] الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ جلد۲ ص ۴۰۵ بروایت ابوحنیفہ

[2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیہ

کے بعد کس نے زمام خلافت ہاتھ میں لی؟ بولے عمر بن الخطاب اس نے پوچھا وہ تم میں ہے؟ جواب دیا کہ تم سے وہی گفتگو کر رہے ہیں اس نے کہا تو میری فریادرسی کیجئے مجھے کوئی فریادرس نہیں ملتا حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم کون ہو؟ تمہاری فریاد سن لی گئی" بولا میرا نام ابوعقیل ہے رسول اللہ ﷺ نے مجھے دعوت اسلام دی، میں آپ پر ایمان لایا آپ نے مجھے ستو پلایا اور میں اب تک اس کی سیری و سیرابی کو محسوس کرتا ہوں، میں نے بکری کا ایک گلہ خریدا اور اب تک ان کو چراتا ہوں نماز پڑھتا ہوں اور روزہ رکھتا ہوں لیکن اس سال بدبختی نے ایک بکری کے سوا کچھ نہ چھوڑا تھا اس کو بھی بھیڑیا اٹھالے گیا اب آپ میری دستگیری فرمایئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم سے چشمہ پر ملو منزل پر پہنچے تو اونٹنی کی لگام پکڑے بھوکے پیاسے بڈھے کا انتظار کرتے رہے لوگ آ چکے تو صاحب حوض کو بلا کر کہا کہ فلاں بڈھا آئے گا تو اس کو اور اس کے اہل وعیال کو کھلاتے پلاتے رہو یہاں تک کہ میں حج سے واپس آ جاؤں حج سے پلٹے تو صاحب حوض سے اس کے متعلق دریافت فرمایا اس نے کہا کہ وہ مبتلائے بخار آیا تھا اور تین دن کے بعد مر گیا میں نے اس کو دفن کر دیا اور یہ اس کی قبر ہے حضرت عمرؓ نے فوراً اس کی قبر پر نماز پڑھی اور اس سے لپٹ کر روئے اس کے اہل وعیال کو ساتھ لے گئے اور تادم مرگ ان کی وجہ معاش کے متکفل رہے۔[1]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بازاروں میں جاتے تو بھولے بھٹکے لوگوں کو راستہ دکھاتے حمالوں کے سر پر بوجھ اٹھا دیتے اگر کسی کے جوتے کا تسمہ گر جاتا تو اسے اٹھا کر دے دیتے اور یہ آیت پڑھتے:

تلك الدار الاخرة نجعلها للذين لا يريدون علوا في الارض
ولا فسادا والعاقبة للمتقين[2]

"ہم نے دار آخرت کو ان لوگوں کے لیے بنایا ہے جو زمین میں فساد اور غلبہ حاصل کرنا نہیں چاہتے اور عاقبت صرف پرہیزگاروں کے لئے ہے۔"

---

1. اسد الغابہ تذکرہ ابوعقیل
2. الریاض النضرۃ جلد ۲ صفحہ ۲۳۴

حلم وعفو:

حلم وعفو سیادت کا ایک ایسا ضروری عنصر ہے کہ عرب کے ان پڑھ بدو بھی اس سے واقف تھے چنانچہ ایک جاہلی شاعر کہتا ہے۔

اذاشئت یوما ان تسود عشیرۃ　　فبالحلم سدلا بالتزع و الشتم

اگر تم کسی قبیلے کے سردار بننا چاہتے ہو۔　تو حلم وبردباری کے ساتھ سرداری کرو نہ کہ اشتعال وشتم کے ساتھ

بالخصوص عرب کی مشتعل طبیعتوں پر تو صرف یہی ایک ایسی چیز تھی جو چھینٹا ڈال سکتی تھی اگر ان کے ساتھ سخت برتاؤ کیا جاتا تو روز بغاوت کے شعلے بلند ہوتے۔ اس لئے صحابہ کرام نے نہایت معتدل اصول سیاست اختیار فرمایا تھا۔

کان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یقول لا یصلح هذا الامر الا بشدة فی غیر تجبرولین فی غیر دهن[1]

''حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ خلافت اس وقت تک صحیح اصول پر قائم نہیں رہ سکتی جب تک ایسی سختی نہ کی جائے جو ظلم کی حد تک نہ پہونچے اور ایسی نرمی نہ اختیار کی جائے جو کمزوری پر مبنی ہو۔''

لیکن یہ سختی بھی حقوق العباد اور حقوق اللہ تک محدود تھی ورنہ ذاتی معاملات میں وہ روئی کے گالے کی طرح نرم ہو جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی کا اعلان کیا تو ایک شخص نے کہا۔

ما عدلت یا عمر لقد نزعت عاملا استعمله رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و غمدت سیفاسله رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وو ضعت لواء نصبه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ولقد قطعت الرحم و حسدت ابن العم۔

''عمر تم نے انصاف نہیں کیا اور ایک ایسے عامل کو معزول کیا جس کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا تھا اور اپنی تلوار کو میان میں کر دیا تھا جس کو آنحضرت ﷺ نے کھینچا تھا

---

[1] کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف

ایک ایسے جھنڈے کو پست کر دیا جس کو آنحضرت ﷺ نے قائم کیا تھا تم نے قطع رحم کیا اور اپنے چچا جان بھائی پر حسد کیا۔"

یہ الفاظ مجمع عام میں کہے گئے تاہم حضرت عمرؓ نے ان کو سن کر صرف اس قدر کہا کہ تم کو کم سنی اور قرابت مندی کی بنا پر اپنے چچازاد بھائی کی حمایت میں غصہ آ گیا۔ [1]

ایک دفعہ وہ مسجد سے آ رہے تھے راہ میں ایک صحابیہ سے ملاقات ہوگئی اور انہوں نے ان کو سلام کیا بولیں اے عمر میں نے تمہارا وہ زمانہ دیکھا ہے جب تم کو لوگ عکاظ میں عمرؓ کہتے تھے اور اب تو تمہارا لقب امیر المومنین ہے پس رعیت کے معاملہ میں خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ جو شخص عذاب خداوندی سے ڈرے گا اس پر بعید قریب ہو جائے گا۔ اور جو موت سے ڈرے گا اس کو فوت ہو جانے کا خوف لگا رہے گا، ایک شخص جو ساتھ میں تھے بولے بی بی تم نے تو امیر المومنین کو بہت کچھ کہہ ڈالا لیکن حضرت عمرؓ نے کہا جانے دو یہ خولہ بنت حکیم ہیں اور عبادہ بنت صامت کی بی بی ہیں اللہ تعالی نے سات آسمان کے اوپر سے ان کی بات سن لی تھی پھر عمرؓ کو تو اور سننا چاہیے۔ [2]

مساوات فی الحقوق:

رعایا اگرچہ بادشاہ کے تفوق و امتیاز کو گوارا کر لیتی ہے لیکن وہ باہمی تفریق و امتیاز کو کبھی گوارا نہیں کرتی، اس لئے اگر کوئی بادشاہ تمام رعایا کو اپنا گرویدہ بنانا چاہتا ہے تو اس کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ ان کے حقوق میں ہمواری اور مساوات پیدا کرے، صحابہ کرام کے دور خلافت کے ابتدائی زمانہ میں جو اتفاق و اتحاد قائم رہا اس کا سنگ بنیاد خلیفہ کا یہی مساویانہ طرز عمل تھا اول اول حضرت ابوبکرؓ کے سامنے جب خراج و زکواۃ کا مال آیا تو انہوں نے سب پر برابر تقسیم کر دیا اور چھوٹے بڑے آزاد غلام، مرد اور عورت سب نے سات سات درہم سے کچھ زیادہ پایا دوسرے سال اس سے زیادہ مال آیا اور ہر شخص کو بیس بیس درہم ملے اللہ تعالی کے اس فضل و برکت کو دیکھ کر بعض لوگوں نے کہا کہ آپ نے تمام لوگوں کو برابر کر دیا حالانکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے

---

1. اسد الغابہ تذکرہ احمد بن حفص مخزومی
2. اصابہ تذکرہ خولہ بنت مالکؓ قرآن مجید کی یہ آیت قد سمع الله قول التی تجادلک الخ انہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور حضرت عمرؓ کا اشارہ اسی آیت کی طرف ہے۔

مسائل ان کی ترجیح کی سفارش کرتے ہیں لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ فضائل کا تو لب خدا دیگا یہ معاش کا معاملہ ہے اس میں مساوات ہی بہتر ہے [1]

حضرت عمرؓ نے اگرچہ فضائل کے لحاظ سے وظائف کے مختلف مدارج قائم کئے تھے تاہم ان کے دل میں بھی یہ ناہمواری ہمیشہ کھٹکتی رہتی تھی چنانچہ اپنی خلافت کے اخیر زمانے میں خود یہ الفاظ فرمائے۔

انی کنت تالفت الناس بما صنعت فی تفضیل بعض علی بعض وان عشت هذه السنة ساویت بین الناس فلم افضل احمر علی اسود و لا عربیا علی عجمی و صنعت کما صنع رسول اللّٰه و ابوبکر۔ [2]

''میں نے بعض لوگوں کو بعض لوگوں پر جو ترجیح دی تھی اس کا مقصد صرف تالیف قلوب تھا لیکن اگر اس سال زندہ رہا تو سب کے حقوق برابر کردوں گا اور سرخ کو سیاہ پر عرب کو عجمی پر کوئی ترجیح نہ دوں گا اور وہی طرز عمل اختیار کروں گا جو رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر نے کیا تھا۔''

رعایا کے حقوق کا اعلان:

رعایا اور بادشاہ کے تعلقات اس قدر نازک مشتبہ اور پیچیدہ ہوتے ہیں کہ اگر وضاحت کے ساتھ ان کا اعلان نہ کردیا جائے تو رعایا کے تمام حقوق و مطالبات پامال ہو جائیں یہی وجہ ہے کہ ظالم سلطنتیں ان حقوق سے رعایا کو عموماً ناواقف رکھنا چاہتی ہیں اور ان کا تفصیلی اعلان تو عادل سے عادل سلطنت بھی نہیں کرتی لیکن صحابہ کرام دنیا میں معیار عدل کے قائم کرنے کے لئے آئے تھے اس لئے انہوں نے اپنے دور خلافت میں نہایت بلند آہنگی کے ساتھ ان حقوق کا اعلان کیا چنانچہ حضرت عمرؓ نے خاص اس موضوع پر ایک خطبہ دیا جس میں نہایت تفصیل کے ساتھ خلیفہ رعایا کے حقوق واختیارات بتائے انہوں نے فرمایا۔

''صاحبو کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ معصیت الٰہی میں اس کی اطاعت کی

[1] کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف ص ۲۴۔

[2] یعقوبی مطبوعہ یورپ ج ۲ ص ۱۷۶

جائے صرف تین طریقے ہیں جن کے اختیار کرنے سے یہ مال مال صالح ہوسکتا ہے یہ کہ حق کے ساتھ وصول کیا جائے حق میں صرف کیا جائے اور ناجائز طریقے سے اس کو نہ خرچ کیا جائے میری اور تمہارے مال کی مثال یتیم کے ولی کی مثال ہے اگر میں متمول ہوں گا تو اس کے لینے سے احتراز کروں گا میں کسی کو یہ موقع نہ دوں گا کہ وہ کسی پر ظلم کرے اگر کسی نے ایسا کیا تو میں اس کے چہرے کو اپنے پاؤں سے مسل دوں گا کہ راہ حق پر آ جائے۔"

"مجھ پر تمہارے چند حقوق ہیں جن کو میں اس لئے بیان کرتا ہوں کہ تم مجھ سے ان کا مطالبہ کر سکو میرا فرض ہے کہ میں خراج اور خمس کا مال جائز طریقے سے وصول کروں میرا فرض ہے کہ تمہارے وظائف کو بڑھاؤں اور سرحد کی حفاظت کروں اور میرا فرض ہے کہ تم کو خطرے میں نہ ڈالوں۔"

لیکن ان حقوق کی عملی تشکیل زیادہ تر امراء وعمال کے ہاتھ میں تھی اس لیے ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اچھی طرح سن لو میں نے تم کو ظالم وجبار بنا کر نہیں بھیجا ہے میں نے تم کو ائمہ ہدی بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہارے ذریعہ سے سیدھی راہ پائیں پس فیاضی کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق دو نہ ان کو مارو کہ وہ ذلیل ہو جائیں نہ ان کی مدح وستائش کرو کہ ان کو تمہارے ساتھ گرویدگی پیدا ہو نہ ان کے سامنے اپنے دروازے بند رکھو کہ قوی ضعیف کو نگل جائے اپنے آپ کو ان پر ترجیح دے کر ان پر ظلم نہ کرو ان کے ساتھ جہالت سے نہ پیش آؤ ان کے ذریعہ سے کفار کے ساتھ جہاد کرو لیکن اس معاملہ میں ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو اگر وہ تھک جائیں تو رک جاؤ لوگو تم گواہ رہنا کہ میں نے ان امراء کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں ان میں مال غنیمت تقسیم کریں ان کے مقدمات کے فیصلے کریں اور اگر کوئی مشکل مسئلہ پیش آ جائے تو اس کو میرے سامنے پیش کریں۔" [1]

[1] کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف ص ۳۲۔۳۴

مشورہ:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یہ خصوصیت بتائی ہے،

امرھم شوریٰ بینھم

ان کے تمام کام مشورے سے چلتے ہیں

اور صحابہ کرام کا دور خلافت اس آیت کی عملی تفسیر تھا حضرت ابوبکرؓ سیاست کے مہمات مسائل کے علاوہ مقدمات کا فیصلہ بھی مشورہ کے بغیر نہیں کرتے تھے مسند دارمی میں ہے۔

کان ابوبکر اذا ورد علیه الخصم نظر فی کتاب اللّٰه ثم فی السنة ثم استشار المومنین[1]

حضرت ابوبکرؓ کے پاس جب کوئی فریق مقدمہ لے کر آتا تو پہلے کتاب وسنت پر نظر ڈالتے پھر تمام مسلمانوں سے مشورہ لیتے۔

انہوں نے مہاجرین و انصار کی ایک مجلس شوریٰ قائم کی تھی جس میں حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت زید بن ثابتؓ لازمی طور پر شریک کئے جاتے تھے۔[2] یہی مجلس شوریٰ تھی جس کو حضرت عمرؓ نے دور خلافت میں نہایت وسیع نہایت باضابطہ اور نہایت مکمل کر دیا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتوحات کی کثرت اور ملک کی وسعت کی بناء پر اس قدر کثرت سے بحث طلب مسائل پیدا ہوئے کہ ان کے لیے ایک دوسری مجلس کی ضرورت پیش آئی اس لیے انہوں نے مسجد نبوی میں ایک دوسری مجلس شوریٰ قائم کی جس میں صرف مہاجرین شریک ہوتے تھے۔

چنانچہ علامہ بلاذری فتوح البلدان میں لکھتے ہیں:

کان للمھاجرین مجلس فی المسجد فکان عمر یجلس معھم فیه و یحدثھم عماینتھی الیه من امر الا فاق

---

[1] کنز العمال جلد ۳ ص ۱۳۴ بحوالہ طبقات ابن سعد

[2] فتوح البلدان صفحہ ۲۷۶

مسجد نبوی میں مہاجرین کی ایک مجلس قائم تھی جس میں حضرت عمر ان معاملات کے متعلق گفتگو کرتے تھے جو ان کی خدمت میں اطراف ملک سے پیش ہوتے تھے۔

ان مجالس کے ذریعہ سے جو امور طے ہوئے وہ بہ تفصیل حدیث و تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

نبوت وخلافت میں تفریق وامتیاز:

جس طرح عدم تفریق و امتیاز نے نبوت والوہیت کے ڈانڈے ملا دیئے تھے، اور دنیا نے انبیا کو صفات الٰہی کا مظہر قرار دے لیا تھا اسی طرح اگر نبوت وخلافت میں تفریق و امتیاز قائم نہ کی جائے تو دونوں کے حدود باہم مل جائیں خلیفہ پیغمبر کا قائم مقام ہوتا ہے پیغمبر ہی کی طرح اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے خدا خود فرماتا ہے:

اطیعوااللّٰہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم

خدا کی خدا کے رسول اور امراء کی اطاعت کرو۔

اس بناء پر اگر خلیفہ کی حیثیتیں الگ الگ نہ قائم کی جائیں تو کچھ دنوں میں دونوں ایک ہو جائیں اور شرک فی النبوۃ کی ایک جدید قسم پیدا ہو جائے صحابہ کرام نے خلافت الٰہی کو قائم کیا تو سب سے پہلے نبوت وخلافت میں تفریق و امتیاز قائم کر کے دنیا کو ایک عام غلط فہمی سے محفوظ رکھا اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کو مورد الزام وشتم بنائے تو اس کی سزا موت ہے اور خود آپ کے عہد مبارک میں اس کی نظیر قائم ہو چکی ہے خلیفہ کے ادب و احترام کا قائم رکھنا بھی اگرچہ امت کا فرض ہے تاہم اس کو اس معاملہ میں وہ درجہ نہیں حاصل ہو سکتا جو رسول اللہ ﷺ کو حاصل تھا حضرت ابوبکرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس نکتہ کو سمجھا اور نبوت وخلافت میں فرق و امتیاز قائم کیا۔ ایک بار وہ کسی شخص پر سخت برہم ہوئے سامنے ایک دوسرے صحابہ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے تیور دیکھ کر کہا ارشاد ہو تو اس کی گردن اڑا دوں غصہ فرو ہوا تو ان کو بلا کر پوچھا اگر میں حکم دیتا تو تم واقعی اس کو قتل کر ڈالتے؟ بولے ہاں فرمایا خدا کی قسم! محمد ﷺ کے بعد کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔[1]

ایک بار کسی نے ان کو خلیفۃ اللہ کہا بولے میں خلیفۃ اللہ نہیں ہوں خلیفۃ الرسول ہوں۔[2]

---

1. ابوداود کتاب الحدود باب الحکم فی من سب النبی ﷺ
2. استیعاب تذکرہ حضرت ابوبکرؓ

خانہ جنگی سے اجتناب:

اخیر زمانے میں اگرچہ مسلمانوں کی تلواریں خود مسلمانوں کے خون سے سیراب ہونے لگیں لیکن متعدد تربیت یافتگان عہد نبوت نے اپنے دامن کو اس کی چھینٹو سے محفوظ رکھا، سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکی لیکن جب لوگوں نے ان کو معرکہ آرا ہونے کا مشورہ دیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ مجھ سے یہ نہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ بنوں اور خود آپؐ ہی کی امت کا خون بہاؤں۔ [1]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں یہ شعلے بلند ہوئے تو حضرت احنف بن قیسؓ ان کی حمایت کے لئے اٹھے اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات ہوگی انہوں نے ان کو روکا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر دو مسلمان باہم جنگ کریں تو دونوں جہنمی ہیں۔ [2]

جنگ صفین میں حامیان علیؓ نے جب حضرت سہل بن حنیفؓ پر الزام لگایا کہ وہ جنگ کرنے میں لیت و لعل کرتے ہیں تو بولے ''ہم نے جب کسی مہم کے لئے کندھے پر تلوار رکھی تو خدا نے اس مشکل کو آسان کر دیا البتہ یہ جنگ ایسی ہے کہ ہم مشک کا ایک منہ بند کرتے ہیں تو دوسرا کھل جاتا ہے (یعنی ایک کے طرفدار ہو کر لڑتے ہیں تو فریق مخالف بھی مسلمان ہی ہوتا ہے جس سے جنگ کرنا ناجائز ہے) کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیوں کر شریک ہوں۔'' [3]

حجاج و حضرت زبیرؓ کے زمانے میں خانہ جنگی ہوئی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس دو شخص آئے اور کہا کہ لوگ تباہ ہو گئے آپ حضرت عمرؓ کے بیٹے اور رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں آپ کیوں نہیں اٹھتے؟ بولے ''اس لئے کہ خدا نے میرے بھائی کا خون حرام کر دیا ہے''

دونوں نے کہا خدا تو خود کہتا ہے۔

فقاتلو هم حتى لا تكون فتنة

''جہاد کرو تا کہ فتنہ و فساد نہ ہونے پائے۔''

---

1. مسند ابن حنبل جلد ا ص ۶۷ مسند عثمان
2. بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاہلیۃ
3. بخاری المغازی باب غزوۃ الحدیبیہ

بولے اتنا تو ہم لڑ چکے کہ فتنہ دب گیا اور دین خدا کا ہو گیا اور اب تم لوگ اس سے لڑنا چاہتے ہو کہ اور بھی فتنہ وفساد ہو اور دین خدا کے سوا دوسرے کا ہو جائے۔[1]

متعدد صحابہ ایسے تھے جو نہ صرف خود الگ رہتے تھے بلکہ دوسرں کو بھی اس خانہ جنگی سے الگ رکھنا چاہتے تھے، چنانچہ حجاج اور حضرت ابن زبیرؓ میں جنگ ہوئی تو حضرت جندب بن عبداللہ بجلیؓ نے عسعس بن سلامہ کے پاس قاصد بھیجا کہ تم لوگوں کو جمع کرو میں ان کے سامنے ایک حدیث بیان کروں گا لوگ جمع ہوئے تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ بھیجا مقابلہ ہوا تو حضرت اسامہ بن زیدؓ نے ایک کافر پر تلوار ماری اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا لیکن انہوں نے اس کا کام تمام کر دیا آپ کو معلوم ہوا تو وہ ہزار عذر کرتے رہے لیکن آپ یہی کہتے رہے کہ قیامت کے دن تم اس کے لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دو گے۔[2]

عمرو بن سعید یزید کی جانب سے مدینہ کا گورنر تھا حجاج اور عبداللہ بن زبیرؓ کے درمیان جنگ ہوئی تو اس نے مکہ کو فوج بھیجنا چاہی لیکن حضرت ابوشریح انصاریؓ نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو وہ حدیث بیان کروں جس کا آپ نے فتح مکہ کے دن اعلان کیا تھا آپ نے فرمایا تھا کہ مکہ کو خدا نے حرم بنایا ہے۔ نہ کہ آدمیوں نے' اس لیے کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس میں خون بہائے اگر عمرو بن سعید نے اس حدیث پر عمل کیا ہوتا تو اس آگ کے ایندھن میں کم از کم بہت کچھ کمی آ جاتی لیکن اس نے کہا مجھے تم سے زیادہ اس کا علم ہے مکہ کے نافرمانوں اور خونیوں کو اپنے دامن میں پناہ نہیں دے سکتا۔[3]

جب ابن زیاد اور مروان نے شام میں اور حضرت ابن زبیرؓ نے مکہ میں اور قراء نے بصرہ میں یہ طوفان اٹھایا تو بعض لوگ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کے پاس آئے اور اس پر افسوس ظاہر کیا بولے مجھے قریش پر سخت غصہ آتا ہے اے گروہ عرب تم جس ذلت جس گمراہی اور جس افلاس میں مبتلا تھے وہ تم کو معلوم ہے پھر خدا نے تم کو اسلام اور محمد ﷺ کے ذریعہ سے نجات دلائی یہاں تک کہ اس درجہ کو پہونچے اب دنیا نے پھر تم کو برباد کر دیا یہ جو کچھ شام میں ہو رہا ہے خدا کی قسم وہ

---

1. بخاری کتاب التفسیر باب قولہ قاتلوہم حتی لاتکون فتنۃ
2. مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی ان من مات الایشرک باللہ شیأ دخل الجنۃ وان من مات مشرکا دخل النار
3. بخاری کتاب العلم لیبلغ العلم الشاھد الغائب

صرف دنیا کے لئے ہے۔[1]

اگر رعایا میں کسی کی بے چینی اور اضطراب کے آثار نمایاں ہوتے تو قبل اس کے کہ یہ چنگاریاں بھڑکیں صحابہ کرام پند ونصیحت کے چھینٹوں سے ان کو بجھانے کی کوشش کرتے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ حضرت امیر معاویہؓ کی جانب سے کوفہ کے گورنر تھے ان کا انتقال ہوا تو رعایا میں بے چینی کے آثار نمودار ہوئے حضرت جریر بن عبداللہؓ نے اسی وقت ایک خطبہ دیا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

علیکم باتقاء اللہ و حدہ لاشریک لہ و الوقار و السکینۃ حتی یاتیکم امیر فانما یا تیکم الآ ن ثم قال استعفوا لامیر کم فانہ کان یحب العفو۔[2]

تمہارے لئے اس حالت میں تقویٰ وقار اور سکون لازم ہے یہاں تک کہ دوسرا امیر آئے اور وہ آنے والا ہے اپنے امیر کو معاف کرو کیونکہ وہ معافی کو دوست رکھتا تھا۔

متعدد صحابہؓ نے اس کشمکش سے الگ ہو کر عزلت گزینی اختیار کر لی تھی، حضرت ابن الحنظلیہ دنیا سے قطع تعلق کر کے دمشق میں گوشہ نشین ہو گئے تھے اور شب و روز نماز اور تسبیح وتہلیل میں مصروف رہتے تھے۔[3]

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت سلمہ بن اکوعؓ ربذہ میں چلے گئے اور عمر بھر وہیں مقیم رہے صرف وفات سے درچار روز پیشتر مدینہ میں آ گئے تھے وہاں انہوں نے شادی بھی کر لی تھی اور اولاد بھی ہوئی تھی ایک بار حجاج نے ان سے کہا کہ گوشہ گیری نے تم کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا۔ بولے نہیں مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت دی تھی۔[4]

حضرت سعید بن وقاصؓ نے اگرچہ عمر بھر فوجی زندگی بسر کی تھی تاہم حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب خانہ جنگی ہوئی تو اس میں بالکل حصہ نہیں لیا اور خانہ نشین ہو گئے، ان کے لڑکے اور بھائی نے ترغیب دی کہ خود دعوائے خلافت کریں حضرت امیر معاویہؓ نے اعانت کی

---

1. کتاب بخاری الفتن
2. بخاری کتاب الایمان باب قول النبی ﷺ الدین النصیحۃ
3. ابوداود کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الا زار،
4. بخاری کتاب الفتن باب التعرب فی الفتنۃ

خواہش کی لیکن وہ اپنے گوشہ عزلت سے نہیں نکلے۔ [1]

حضرت سعید بن عاصؓ نے بھی فتنہ کے خوف سے بالکل عزلت گزینی اختیار کر لی اور جنگ صفین وجمل کسی میں شریک نہیں ہوئے۔ [2]

حضرت ہیبؓ اس زمانہ میں مصر کی ایک وادی میں گوشہ نشین ہو گئے اور وہیں وفات پائی چنانچہ ان کے انتساب سے اس کا نام وادی ہیب پڑ گیا۔ [3]

یزید بن معاویہؓ نے حضرت ابواشعث صنعانیؒ کو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ کے لئے بھیجا تو وہ مدینہ میں ایک صحابی کے یہاں اترے اور ان سے کہا کہ اس فتنہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ بولے میرے دوست ابوالقاسم ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ اگر اس قسم کے واقعات پیش آئیں تو احد پر جا کر اپنی تلوار توڑ ڈالو اور خانہ نشین ہو جاؤ اگر کوئی جنگ جو تمہارے گھر میں گھس آئے تو بستر پر چلے جاؤ اگر بستر کی طرف بھی بڑھے تو گھٹنوں بل بیٹھ جاؤ اور کہو کہ اپنے اور میرے دونوں کے گناہوں کا بار اپنے سر پر لو اور دوزخ میں چلے جاؤ اس لئے میں نے تلوار توڑ ڈالی ہے اور خانہ نشین ہو گیا ہوں۔ [4]

اطاعت خلفاء:

معصیت الٰہی کے سوا ہر موقع پر صحابہ کرامؓ کی گردنیں خلفاء کے سامنے جھک جاتی ہیں صحابہ کرام کے لیے روایت حدیث سے زیادہ محبوب اور واجب العمل کوئی کام نہ تھا تاہم جب حضرت عمارؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے ایک حدیث بیان کی اور انہوں نے اس پر ٹوک دیا تو کمال اطاعت گزاری کے لہجے میں بولے کہ "اے امیر المومنین اگر آپ فرمائیں تو میں کبھی اس حدیث کو روایت نہ کروں۔" [5]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن وقاصؓ

[2] اسد الغابہ تذکرہ سعید بن عاصؓ

[3] حسن المحاضرہ جلد ا ص ۱۰۰

[4] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۲۲۶

[5] ابوداود کتاب الطہارۃ باب التیمم

ایک بار حضرت ابو بکرؓ ایک شخص پر سخت برہم ہوئے سامنے ایک صحابی بیٹھے تھے بولے ارشاد ہو تو اس کی گردن اڑا دوں غصہ فرو ہوا تو پوچھا کہ اگر میں حکم دیتا تو تم واقعی اس کو قتل کر ڈالتے بولے ہاں۔[1]

ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حج کے متعلق لوگوں کو فتویٰ دیا کہ، لیکن ایک آدمی نے کہا ابھی آپ ٹھہر جایئے کیونکہ امیر المومنین (حضرت عمرؓ) نے دوسرا تغیر کیا ہے انہوں نے فوراً لوگوں سے کہا کہ میں نے فتویٰ دیا ہے جس پر عمل نہ کرو امیر المومنین آرہے ہیں ان کی اقتدا کرو۔[2]

حضرت ابو ذرؓ اور امیر معاویہؓ میں ایک آیت کے متعلق اختلاف ہوا اور یہ اختلاف اس قدر بڑھا کہ امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں ان کی شکایت کی انہوں نے ان کو بلوا بھیجا اور کہا کہ اگر آپ دمشق سے منتقل ہو کر ربذہ میں آجاتے تو ہم سب قریب ہو جاتے انہوں نے بخوشی ان کی اطاعت کی اور ربذہ میں آکر مقیم ہو گئے وہ خود فرماتے ہیں

ولو امر و اعلی حبشیا سمعت و اطعت۔[3]

"اگر لوگ مجھ پر حبشی کو بھی امیر بناتے تو میں اس کی اطاعت کرتا"

حضرت عمرؓ نے ایک انصاریہ سے نکاح کیا اس سے بچہ پیدا ہوا اس کے بعد طلاق دیدی ایک دن قبا میں آئے تو دیکھا کہ بچہ کھیل رہا ہے اٹھا کر اپنے سامنے اونٹ پر بٹھا لیا لڑکے کی نانی آئی اور بچے کو چھیننا چاہا، معاملہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا بچے کو عورت کے حوالے کر دو، حضرت عمرؓ چپ چاپ چلے گئے اور کچھ جواب نہ دیا۔[4]

بنو امیہ نے اسلام کے نظام سلطنت کو بہت کچھ بدل دیا تھا تاہم حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عبدالملک بن مروانؒ کو ایک خط میں لکھا کہ جہاں تک ممکن ہو گا میں تمہاری اطاعت سے دریغ نہ کروں گا۔[5]

---

[1] ابوداود کتاب الحدود باب الحکم فی من سب النبی

[2] نسائی کتاب الحج باب ترک التسمیۃ عند الاہلال

[3] بخاری کتاب الزکوۃ باب ما ادی زکوتہ

[4] موطا امام مالک کتاب الاقضیہ باب ماجاء فی المونث من الرجال و من احق بالولد

[5] موطا امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی البیعۃ۔

یہ اطاعت صرف خلفاء کی زندگی ہی تک محدود نہ تھی بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا تھا۔

ایک جذامی عورت (غالباً صحابیہ ہوگی) خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھی حضرت عمرؓ بن الخطاب کا گزر ہوا تو فرمایا لوگوں کو اذیت نہ دو گھر میں جا کے بیٹھو وہ جا کر خانہ نشین ہوگئی۔ حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے جا کر کہا تمہارا روکنے والا تو مر گیا اب گھر سے باہر نکلو، بولی میں ایسی نہیں ہوں کہ زندگی میں ان کی اطاعت اور مرنے کے بعد ان کی نافرمانی کروں۔[1]

جب تمام اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت کو فسخ کر دیا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے اہل وعیال اور نوکر چاکر سب کو جمع کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ غدر کرنے والوں کے لئے قیامت کے دن جھنڈا قائم کیا جائے گا ہم نے اس شخص کے ہاتھ پر اللہ اور رسول ﷺ کے لئے بیعت کی ہے اور میرے خیال میں اس سے بڑھ کر غدر نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص کے ہاتھ پر اللہ اور رسول ﷺ کے لیے بیعت کی جائے اور پھر اس سے جنگ کی جائے جس شخص نے اس کی بیعت کو فسخ کیا ہے میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق نہیں۔[2]

لا طاعۃ فی معصیۃ اللہ:

رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا مقصد چونکہ خلافت الٰہی کو دنیا کے لئے منبع خیر و برکات بنانا تھا اس لئے آپ نے اطاعت امراء کی ایک خاص حد مقرر فرمادی تھی اور معاصی و منکرات کو اطاعت کے دائرہ سے الگ رکھا تھا اور ایک موقع پر صاف صاف فرمادیا تھا کہ اطاعت کا تعلق صرف نیک کاموں سے تھا۔[3]

صحابہ کرامؓ نے اطاعت خلفاء کے متعلق ہمیشہ اسی اصول پر عمل کیا یہی وجہ ہے کہ ان کے عہد میں خلفاء جادہ اعتدال سے سر موتجاوز نہ کر سکے ایک بار حضرت عمرؓ نے منبر پر چڑھ کر کہا کہ صاحبو۔ اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہوگیا اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا تمہارا سر اڑا دیں گے، حضرت عمرؓ نے اس کے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا تو

[1] موطا امام مالک کتاب الحج باب جامع الحج

[2] بخاری کتاب العین باب اذا قال عند قوم شیاء خرج فقال بخلافہ

[3] بخاری کتاب المغازی

میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے اس نے کہا ہاں تمہاری شان میں بولے الحمد اللہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہونگا تو مجھے سیدھا کر دیں گے''

خلفائے راشدینؓ کے بعد جب خلافت نے سلطنت کا قالب اختیار کر لیا تو اس وقت بھی صحابہ کرام نے اس اصول کو محفوظ رکھا اور امراء کے ناجائز احکام کے سامنے اپنی گردن خم نہ کی۔

ایک بار مدینہ کے ایک مروانی گورنر نے حضرت سہل بن سعدؓ کی زبان سے حضرت علیؓ کو برا بھلا کہلوانا چاہا لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔[1]

ایک بار حضرت عبادہ بن الصامتؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کی علانیہ مخالفت شروع کی انہوں نے حضرت عثمان کو لکھ کر بھیجا کہ عبادہ نے شام میں سخت فتنہ وفساد پھیلا رکھا ہے آپ ان کو بلا لیجئے ورنہ میں ان کو جلاوطن کر دوں گا۔ انہوں نے ان کو مدینہ میں بلا لیا اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ بولے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد کچھ امراء ہوں گے جو بدی کو نیکی اور نیکی کو بدی بنائیں گے اس لئے جو لوگ خدا اور خدا کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں ان کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔[2]

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ مسجد میں حدیث بیان کر رہے تھے حضرت عبدالرحمٰنؒ ابن عبدالرب الکعبہ آئے اور حلقہ میں شامل ہو گئے جب وہ روایت کر چکے تو بولے کہ آپ کا بھتیجا معاویہ ہم کو حکم دیتا ہے کہ باہم ناجائز طور پر اپنا مال کھائیں اور اپنے بھائیوں کو قتل کریں حالانکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

یا ایھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل
الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم
ان اللہ کان بکم رحیما

''مسلمانو! اپنے مال باہم ناجائز طور پر نہ کھاؤ بجز اس صورت کے جب تم میں باہم رضامندی کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم ہوں اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو خدا تم پر مہربان ہے۔''

---

[1] مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل علی ابن ابی طالبؓ

[2] مسند احمد بن حنبل جلد۵ ص ۳۲۵

بولے خدا کی اطاعت میں ان کی اطاعت اور خدا کی نافرمانی میں ان کی نافرمانی کرو۔[1]

حضرت معاویہؓ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت لینا چاہی تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے سخت مخالفت کی اور کہا کیا ہرقل کی سنت جاری کی جائے گی۔ کہ جب ایک قیصر مرے گا تو دوسرا قیصر اس کا جانشین ہوگا خدا کی قسم! ہم ایسا نہیں کریں گے امیر معاویہؓ نے ان کو دولت و مال دے کر ہموار کرنا چاہا اور اس غرض سے ان کی خدمت میں لاکھ روپے بھیجے لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں دین کو دنیا کے بدلے میں نہیں بیچ سکتا۔[2]

سلاطین وامرا کی عملی مخالفت:

صحابہ کرام کے دل میں خدا اور رسول کے سوا کسی کا خوف نہ تھا اس لئے وہ امراء وسلاطین کی دلیرانہ مخالفت کرتے تھے اور جو چیز اصول اسلام اور سنت نبوی کے خلاف ہوتی تھی اس سے ان کو روکتے رہتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے مسجد نبوی کا قدیم نقشہ بدلنا چاہا تو تمام صحابہ نے عام مخالفت کی یہاں تک کہ ان کو ایک عام مجمع میں تمام صحابہ کو ہموار کرنا پڑا۔[3]

اخیر زمانہ میں جب خلافت نے حکومت کی شکل اختیار کر لی اس وقت بھی صحابہ کرام نے اس جوہر کو محفوظ رکھا۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے عرفات میں کہا کہ لوگ تلبیہ کیوں نہیں کہتے؟ حضرت سعید بن جبیرؒ ساتھ تھے بولے کہ معاویہ کا خوف مانع ہے یہ سننے کے ساتھ ہی خیمے سے نکلے اور تین بار لبیک کہا اور فرمایا کہ علی کے بغض سے انہوں نے سنت کو چھوڑ دیا ہے۔[4]

مروان مدینہ کا گورنر تھا، ایک بار حضرت ابوسعید خدریؓ نماز پڑھ رہے تھے مروان کا لڑکا سامنے سے گزرا اور انہوں نے پہلے اس کو ہٹایا وہ نہ ہٹا مارا وہ روتا ہوا مروان کے پاس گیا مروان نے کہا اپنے بھتیجے کو کیوں مارا بولے میں نے اس کو نہیں شیطان کو مارا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر کوئی شخص حالت نماز میں کسی کے سامنے سے گزرے تو پہلے اس کو ہٹائے اگر نہ ہٹے تو اس

[1] مسلم کتاب الامارۃ باب الامر بالوفاء بیع الخلفا الاول فالاول

[2] اصابہ تذکرہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ

[3] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب فضل بنا المسجد

[4] نسائی کتاب الحج باب التلبیہ بعرفۃ

سے مقابلہ کرے کیونکہ وہ شیطان ہے۔[1]

ایک دن جمعہ کے روز مروان خطبہ دے رہا تھا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ آئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے پولیس نے بٹھانا چاہا لیکن وہ نہ بیٹھے لوگوں نے کہا خدا نے رحم کیا ورنہ وہ آپ کے ساتھ سختی سے پیش آنے والے تھے۔ انہوں نے کہا جب میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایسا کرتے ہوئے دیکھ چکا ہوں تو ان دو رکعتوں کو نہیں چھوڑ سکتا آپ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی آیا آپ نے اسی حالت میں دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔[2]

تشتت واختلاف سے اجتناب:

صحابہ کرام اگرچہ آزادی کی بناء پر خلفاء سے مناظرہ کرتے تھے' مباحثہ کرتے تھے' ردو قدح کرتے تھے، اختلاف کرتے تھے، لیکن اختلافات کو قائم نہیں رکھتے تھے ایک بار حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اختلاف کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی حضرت عمرؓ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی، اس کے بعد تم نے اور راستے اختیار کر لئے ہیں میں تو چار رکعت پر دو ہی رکعت کو ترجیح دیتا ہوں لیکن اس کے بعد خود چار رکعت ادا کی، لوگوں نے کہا یہ کیا؟ ابھی تو آپ نے حضرت عثمانؓ پر ردو قدح کی اور پھر چار رکعت نماز پڑھتے ہیں بولے اختلاف بری چیز ہے۔[3]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اگرچہ بے حد متبع سنت تھے اور اس وجہ سے جب منی میں تنہا نماز پڑھتے تھے تو قصر کرتے تھے لیکن جب امام کے ساتھ نماز کا اتفاق ہوتا تو اختلاف کے خوف سے چار ہی رکعت ادا فرماتے تھے۔[4]

صحابہ کرامؓ اختلاف وتشتت سے اس قدر ڈرتے تھے کہ جن احادیث سے مسلمانوں

---

1. نسائی کتاب الدیات والقصاص باب من اقتص حقہ دون السلطان و بخاری کتاب الصلوٰۃ بخاری میں ہے تاب من بنی ابی معیط۔
2. ترمذی ابواب الجمعہ باب فی الرکعتین اذا جاء الرجل والامام یخطب
3. ابوداود کتاب المناسک باب الصلوٰۃ بمنیٰ
4. مسلم کتاب الصلاۃ باب قصر الصلاۃ بمنیٰ

میں اختلاف پیدا ہوسکتا تھا اس کی روایت سے بھی احتراز فرماتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے جن صحابہ کی نسبت ناراضی کے کلمات فرمائے تھے ان کو حضرت حذیفہ مدائن میں بعض لوگوں سے بیان کرتے تھے تو وہ لوگ حضرت سلمانؓ کے پاس آ کر ان کی تصدیق کرنا چاہتے تھے لیکن وہ یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ حذیفہؓ ہی کو ان کا علم ہے حضرت حذیفہ کو معلوم ہوا تو وہ ان کے پاس آئے اور کہا آپ میری روایتوں کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ بولے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی خفا ہو جاتے تھے اور ناراضی کی حالت میں اپنے اصحاب کو کچھ کہہ دیا کرتے تھے تو آپ ان کے ذریعے سے دلوں میں بعض اصحاب کا بغض اور بعض اصحاب کی محبت پیدا کرتے ہیں اور اختلاف وتفریق کا سبب بنتے ہیں اگر آپ ان کی روایت سے باز نہ آئیں گے تو میں حضرت عمرؓ کو لکھوں گا۔[1]

حقوق طلبی:

جس طرح سلطنت کا فرض حقوق کا دینا ہے اسی طرح رعایا کا فرض حقوق کا لینا ہے جب کسی نظام حکومت میں یہ دونوں عنصر شامل ہو جاتے ہیں تو میزان عدل کے پلے برابر ہو جاتے ہیں صحابہ کرام کے عہد میں خلافت جن عادلانہ اصول پر قائم رہی اس کا سبب انہی دونوں عناصر کا اجتماع تھا صحابہ کرام اگرچہ نہایت بے نیاز تھے تاہم سلطنت سے اپنے پورے حقوق کے لینے میں دریغ نہیں کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے مال خمس میں سے اہل بیت کا حق دیا لیکن ان کو کمی معلوم ہوئی تو سب نے لینے سے انکار کر دیا۔[2]

صحابہ کرامؓ نہ صرف اپنے حقوق لیتے تھے بلکہ جو گروہ ضعیف ہوتا تھا اس کے حقوق بھی طلب کرتے تھے، عہد نبوت میں آزاد شدہ غلاموں کا ایک لاوارث اور بے کس گروہ تھا اس لئے جب کہیں سے مال آتا تو آپ سب سے پہلے اسی کسمپرس گروہ کو حصہ دیتے تھے۔ آپ کے بعد جب دفتر قائم ہوا اور تمام وظیفہ خواروں کے نام لکھے گئے تو یہ گروہ بالکل نظر انداز کر دیا گیا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کے حقوق کا مطالبہ کیا اور خود حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں جا کر ان کے وظیفے طلب کئے۔[3]

---

[1] ابوداؤد کتاب السنۃ باب فی النہی عن سب اصحاب رسول اللہ ﷺ۔

[2] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربی

[3] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی قسم الفی۔

امراء وعمال

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں صرف دو قسم کے عمال کا تقرر ہوا حکام وولاۃ اور محصلین زکوۃ جو صحابہ محصل زکوۃ بنا کر روانہ کئے جاتے تھے ان کو

۱۔ ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں بہ تصریح بتایا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں کتنی زکوۃ لینی چاہیے، انتخاب کر کے یا حق سے زیادہ مال لینے کی اجازت نہ تھی۔

۲۔ یہ لوگ زکوۃ وصول کر کے لاتے تھے تو آپ ان کا محاسبہ فرماتے تھے کہیں کوئی ناجائز رقم تو نہیں وصول کی ہے۔

۳۔ تمام عمال کو بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا اور مقدار ضرورت کی تصریح آپ نے خود فرمائی تھی

من کان لنا عاملا فلیکتسب زوجة فان لم یکن له خادم فلیکتسب خادما وان لم یکن له مسکن فلیکتسب مسکنا ومن اتخذ غیر ذالک فهم غال۔[1]

''جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بی بی کر لینا چاہیے اگر اس کے پاس ملازم نہ ہو تو ایک ملازم رکھ لینا چاہیے اگر گھر نہ ہو تو ایک گھر بنا لینا چاہیے لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہوگا۔''

صحابہ کرام نے جس صداقت، راستبازی، دیانت، اور ایثار نفسی کے ساتھ ان احکام کی پابندی کی وہ ان کے محاسن اخلاق کا طرہ امتیاز ہے محصلین زکوۃ کو لوگ بہترین منتخب بلکہ بعض حالتوں میں اپنا کل مال دیدیتے تھے لیکن وہ لوگ صرف وہی مال لیتے تھے اور اسی قدر لیتے تھے جس کی رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی تھی۔ چنانچہ زکوۃ کے عنوان میں اس کی متعدد مثالیں پہلے حصے میں گزر چکی ہیں۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی ارزاق العمال

خیانت کا ارتکاب تو ایک طرف بعض صحابہ خیانت کے خوف سے اس خدمت ہی کو قبول کرنا پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو مسعود انصاریؓ کو مصدق بنا کر بھیجنا چاہا تو فرمایا کہ ایسا نہ کرنا کہ قیامت میں تمہاری پشت پر کوئی صدقہ کا اونٹ بلبلاتا ہوا نظر آئے (یعنی خیانت نہ کرنا) بولے کہ میں اب نہیں جاتا، ارشاد ہوا میں تمہیں مجبور بھی نہیں کرتا۔[1]

ایک بار آپ نے ارشاد فرمایا۔

یاایھا الناس من عمل منکم لنا علی عمل فکتمنا منه مخیطا فما فوقه فهو غل یاتی به یوم القیامة

''لوگو جو شخص ہمارا عامل ہو وہ اگر ایک دھاگا یا اس سے بھی کم ہم سے چھپالے تو یہ خیانت کا مال ہے اس کو قیامت میں حاضر کرنا پڑے گا۔''

ایک صحابی جو عامل تھے یہ سن کر بولے یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو اس خدمت سے سبکدوش فرمائیے۔[2]

صحابہ کرامؓ کو رشوت خوری سے اس قدر اجتناب تھا کہ جب حضرت عبداللہ بن رواحہؓ حسب معاہدہ یہود خیبر کے یہاں نصف پیداوار تقسیم کرنے کے لئے گئے اور یہودیوں نے رعایت کی غرض سے عورتوں کے زیور جمع کر کے ان کو رشوت میں دینا چاہا تو بولے یہ حرام ہے اور ہم حرام مال نہیں کھا سکتے۔[3]

معاوضہ خدمت اگرچہ خود رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرما دیا تھا اور بہت سے صحابہ اس کو لیتے تھے تاہم بعض اکابر صحابہ اپنی خدمت کا صلہ صرف خدا سے چاہتے تھے چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ نے یہ خدمت انجام دی اور معاوضہ لینے سے انکار کر دیا لیکن خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر بغیر سوال کے کچھ مل جائے تو اس کو لے لو کھاؤ پیو صدقہ کر دو۔[4]

حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں فتوحات کو وسعت ہوئی اور سلطنت کے کاروبار پھیلے تو

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی غلول الصدقة

[2] ابوداؤد کتاب الاقضیة باب فی ہدایا العمال

[3] موطائے امام مالک کتاب المساقات باب ماجاء فی المساقاة

[4] ابوداؤد کتاب الزکوٰة باب فی الاستعفف

انہوں نے صیغہ مال کو صیغہ فوج سے علیحدہ کر لیا اور ہر ایک کے لئے الگ الگ عمال مقرر فرمائے جو امیر الخراج اور امیر الثغور کے لقب سے ممتاز تھے۔[1]

ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک ایک ضلع مخصوص کر دیا، چنانچہ ابو عبیدہ بن عبداللہ بن جراحؓ کو حمص میں یزید بن ابی سفیان کو دمشق میں شرحبیل بن حسنہ کو اردن میں عمرو بن عاصؓ اور علقمہ بن حجرز کو فلسطین میں متعین کیا۔[2]

حضرت ابوبکرؓ نے عمال کے تقرر میں حسب ذیل اصول ملحوظ رکھے۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو لوگ عامل مقرر ہوئے تھے ان کو اپنے عہدہ پر قائم رکھا چنانچہ آپ کی وفات کے بعد جب متعدد صحابہ اپنے اپنے عہدے چھوڑ کر چلے آئے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تم لوگ کیوں چلے آئے عمال رسول اللہ ﷺ سے زیادہ ملکی خدمت کا کون مستحق ہو سکتا ہے۔[3]

۲۔ وہ عمال کے تقرر میں کسی قسم کی رو رعایت پسند نہیں کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ اس معاملہ میں رشتہ داری کا لحاظ و مروت نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت یزید بن ابوسفیانؓ کو شام کا عامل مقرر کر کے بھیجا تو فرمایا کہ وہاں تمہاری قرابتیں ہیں شائد امارت کے لیے تم ان کو ترجیح دو، تمہاری نسبت مجھے یہی خوف ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کا والی ہو اور وہ رعایت سے ان پر امراء مقرر کرے تو اس پر خدا کی لعنت ہوگی۔[4]

۳۔ اہل بدر کے متعلق حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل بالکل متضاد تھا۔ حضرت عمرؓ ان سے ملکی اور مذہبی خدمت لیتے تھے، لیکن حضرت ابوبکرؓ فرماتے تھے کہ میں کسی بدری صحابی کو عامل نہ بناؤں گا اور ان کو موقع دوں گا کہ اپنے بہترین اعمال کے ساتھ خدا سے ملاقی ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے اور صلحا کے ذریعے سے امتوں کی مصیبت اور عذاب کو اس سے زیادہ دفع کرتا ہے جتنی ان سے مدد حاصل ہو سکتی ہے۔[5]

---

۱ طبری ص۲۰۵۲

۲ طبری ص۲۹۰

۳ مسند جلد ۱ ص۶

۴ طبری ص۱۹۳۱

۵ طبری صفحہ ۱۹۳۱

۴۔ عمال کی تمام تر کامیابی کا دار و مدار اس پر ہے کہ ان کے رعب وداب اور اثر واقتدار کو ہر ممکن طریقے سے قائم رکھا جائے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ امراء وعمال سے قصاص نہیں لیتے تھے، بلکہ دیت دلواتے تھے، حضرت ابوبکرؓ کا بھی یہی دستور تھا، ایک بار حضرت خالدؓ نے غلطی سے بہت سے لوگوں کو قتل کروا دیا، حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو قصاص لینے پر آمادہ کیا، لیکن انہوں نے کہا جانے دو اور خاموش رہو۔[۱]

حضرت عمرؓ کے زمانے میں عہدوں کی ترتیب وتقسیم میں اور بھی وسعت پیدا ہوئی، صوبوں کی تقسیم جو پہلے ہو چکی تھی اس کے علاوہ انہوں نے ملک کی جدید تقسیم کی اور اس تقسیم کی رو سے مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین کو الگ الگ صوبہ قرار دیا اور ان میں حسب ذیل عمال مقرر فرمائے۔

والی	یعنی حاکم صوبہ
کاتب	یعنی میر منشی
کاتبِ دیوان	یعنی دفتر فوج کا میر منشی
صاحبِ الخراج	یعنی کلکٹر
صاحبِ احداث	یعنی افسر پولیس
صاحبِ بیت المال	یعنی افسر خزانہ
قاضی	یعنی صدر الصدور اور منصف

والی کا اسٹاف نہایت وسیع ہوتا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو کوفہ کا والی بنا کر روانہ فرمایا تو دس آدمی ان کے اسٹاف میں دیئے۔[۲]

(۱) ان عمال کے تقرر میں حضرت عمرؓ اکثر موقعوں پر اپنی فطری جوہر شناسی سے کام لیتے تھے عرب میں جو لوگ کسی خاص وصف میں عام طور پر مشہور تھے، مثلاً حضرت امیر معاویہؓ حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہ اپنی سیاست دانی کی وجہ سے دہاۃ العرب کہے جاتے تھے، یا حضرت عمرو معدی کربؓ اور حضرت طلحہؓ بن خالد کہ فن حرب میں بے نظیر خیال کئے

۱ طبری ص ۱۵۲۶

۲ اسد الغابہ تذکرہ قرظہ

جاتے تھے ان لوگوں کو ملکی یا فوجی عہدوں کے دینے میں بہت زیادہ نکتہ شناسی کی ضرورت نہ تھی بلکہ ان کی شہرت نے خود ان کو ان عہدوں کا مستحق بنا دیا تھا، لیکن ان کے علاوہ جن لوگوں میں ان کو کوئی خاص قابلیت نظر آئی ان کو اس قابلیت کے لحاظ سے مناسب عہدے عطا فرمائے۔

حضرت عبداللہ بن ارقم ایک صحابی تھے جو رسول اللہ ﷺ کے کاتب تھے اور آپ کو ان کی دیانت پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب وہ خط لکھ کر لاتے تھے تو آپ اس کو پڑھوا کے سنتے بھی نہیں تھے، ایک بار آپ کی خدمت میں کہیں سے خط آیا آپ نے فرمایا اس کا جواب کون لکھے گا ،حضرت عبداللہ بن ارقمؓ نے فرمایا کہ میں۔ چنانچہ خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے اور وہ آپ کو نہایت پسند آیا، حضرت عمرؓ بھی موجود تھے ان کو اس پر حیرت ہوئی اور جب خلیفہ ہوئے تو ان سے میر منشی کا کام لیا اور تدین کے لحاظ سے بیت المال کا افسر بھی مقرر فرمایا۔[1]

ایک بار حضرت عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے ایک عورت آئی اور کہا کہ میرے شوہر سے زیادہ افضل کون ہیں؟ رات بھر شب بیداری کرتا ہے، گرمیوں کے دن میں برابر روزے رکھتا ہے، حضرت عمرؓ نے بھی اس کی تعریف کی اور وہ شرما کر چلی گئی حسن اتفاق سے حضرت کعبؓ ابن سور بھی موجود تھے بولے یا امیر المومنین آپ نے عورت کا انصاف شوہر سے نہیں دلوایا، وہ شکایت کرتی ہے کہ میرا شوہر مجھ سے راہ و رسم نہیں رکھتا، حضرت عمرؓ نے عورت کو واپس بلایا اور اس نے اب صاف صاف اس کا اقرار کیا، حضرت عمرؓ نے کعب ہی سے اس کا فیصلہ کرا دیا اور ان کو اسی وقت بصرہ کا قاضی مقرر کر کے بھیجدیا۔[2]

تمام عمال فاروقی میں صرف حضرت عمار بن یاسرؓ ایک ایسے بزرگ تھے جو فن سیاست سے بالکل نا آشنا تھے اور بایں ہمہ نہایت معزز ملکی عہدے پر ممتاز تھے لیکن خود حضرت عمرؓ نے جب ان کو معزول کیا تو صاف صاف فرما دیا۔

لقد علمت ما انت بصاحب عمل ولكنى تاولت و نريدان نمن على الذين استضعفوا فى الارض و نجعلهم آئمة و نجعلهم الوارثين۔[3]

---

۱ اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن ارقمؓ

۲ اسد الغابہ تذکرہ کعب بن سورؓ

۳ طبری ص ۲۶۷۸

''میں خود جانتا تھا کہ تم ملکی خدمات کے اہل نہیں ہو لیکن میں نے اس آیت کے معنی کی عملی تشریح کی ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں کمزور تھے اور ان لوگوں کو امام اور وارث بنائیں۔''

ذاتی قابلیت کے علاوہ خارجی اوصاف کے لحاظ سے بدوں پر ہمیشہ شہریوں کو ترجیح دیتے تھے۔[1]

اور اپنے قبیلے کے کسی شخص کو کوئی ملکی عہدہ نہیں دیتے تھے، اپنے خاندان میں صرف نعمان بن عدی کو میسان کا عامل مقرر فرمایا لیکن ان کو بھی چند دنوں کے بعد ایک حیلہ سے معزول کر دیا۔[2]

ملکی عہدوں پر ہمیشہ صحیح اور تندرست لوگوں کو مامور فرماتے تھے، حضرت سعید بن عامرؓ کی نسبت معلوم ہوا کہ ان پر کبھی کبھی غشی طاری ہو جایا کرتی ہے تو ان کو طلب فرمایا اور جب انہوں نے اس کی معقول وجہ بیان کی تو پھر ان کو خدمت مفوضہ پر واپس کر دیا۔[3]

غیر مذاہب کے لوگوں میں صرف ابوزید کی نسبت اصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو عامل مقرر کیا اور اس کے سوا کسی عیسائی کو عامل نہیں بنایا۔

عمال کے انتخاب کی مختلف صورتیں تھیں۔

۱۔ کبھی حضرت عمرؓ خود صحابہ کرام کو جمع فرماتے اور ان سے طالب اعانت ہوتے چنانچہ ایک بار تمام صحابہ کو جمع کر کے کہا کہ'' اگر آپ لوگ میری مدد نہ کریں گے تو دوسرا کون کرے گا؟ تمام صحابہ نے بخوشی آمادگی ظاہر فرمائی اور حضرت عمرؓ نے اسی وقت حضرت ابوہریرہؓ کو بحرین اور ہجر کا کلکٹر مقرر کر کے روانہ فرمایا با ایں ہمہ اس وقت ملکی خدمت زہد و تقدس کے خلاف سمجھی جاتی تھی اس لیے حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے کہا کہ عمرؓ تم نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کو آلودہ دنیا کر دیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا آخر میں ان کے سوا کس سے مدد لوں؟ بولے اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہ اس قدر مقرر کرو کہ خیانت کی طرف مائل نہ ہونے پائیں''

۱۔ فتوح البلدان ص ۳۵۱

۲۔ اسد الغابہ تذکرہ نعمان بن عدیؓ

۳۔ استیعاب تذکرہ حضرت سعید بن عامرؓ

۲۔ بعض اوقات صوبوں یا ضلعوں کی طرف سے منتخب اشخاص کو طلب کرتے تھے اور ان کو وہاں کا عامل مقرر فرماتے تھے چنانچہ اسی طریقے کے مطابق حضرت عثمان بن فرقدؓ کوفہ کے اور حضرت معین الدین بن یزید شام کے اور حجاج بن علاطہ بصرہ کے کلکٹر مقرر ہوئے۔[1]

۳۔ حضرت عمرؓ کو عمال کے انتخاب میں ایک بڑی دشواری یہ پیش آئی کہ لوگ حق الخدمت لینا زہد و تقدس کے خلاف سمجھتے تھے لیکن اگر اس ایثار پر سلطنت کے کاروبار کی بنیاد رکھی جاتی تو آئندہ چل کر مختلف دشواریاں پیش آتیں، اس لیے حضرت عمرؓ نے اس غلطی کو ہر ممکن طریقے سے مٹانا چاہا، ایک بار حضرت عبداللہ بن سعدی ان کی خدمت مین حاضر ہوئے تو فرمایا کیا مجھے یہ خبر نہیں کہ تم بعض ملکی خدمتیں انجام دیتے ہوئے اور جب تم کو معاوضہ دیا جاتا تو ناپسند کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ''ہاں'' میرے پاس گھوڑے ہیں اور میری حالت اچھی ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کی خدمت حسبۃ للہ انجام دوں بولے ایسا ہرگز نہ کرو میں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسا کیا تھا لیکن آپ نے فرمایا کہ اس مال کو لے کر دولت مند بنو اور صدقہ کرو، جو مال بغیر حرص وسوال کے مل جائے اس کو لے لو اور جو نہ ملے اس کے پیچھے نہ پڑو۔[2]

۴۔ ان کے زمانہ میں جب عمال کا تقرر ہوتا تھا تو ان کو متعدد صحابہ کے سامنے ایک فرمان عطا ہوتا تھا۔ جس میں ان کی تقرری اور فرائض کی تصریح ہوتی تھی، یہ عامل جس مقام پر پہنچتا تھا تمام رعایا کے سامنے اس فرمان کو پڑھ کر سناتا تھا، چنانچہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو جب مدائن کا عامل مقرر کر کے بھیجا تو فرمان میں یہ الفاظ تھے۔

اسمعوا لہ و اطیعوہ واعطو ما سئالکم

''ان کی سنو ان کی اطاعت کرو اور جو کچھ وہ مانگیں ان کو دو''

انہوں نے یہاں آکر یہ فرمان پڑھا تو لوگوں نے کہا آپ جو چاہیں مانگیں، بولے جب تک تمہارے یہاں رہوں اپنا کھانا اور اپنے گدھے کا چارہ چاہتا ہوں۔[3]

۵۔ حضرت عمرؓ کو اس پر سخت اصرار تھا کہ امراء و عمال عیش و تنعم میں مبتلا نہ ہونے پائیں حاکم و محکوم میں مساوات قائم رہے غیر قوموں کی عادتیں ان میں سرایت نہ کرنے پائیں، حاکم

---

[1] کتاب الخراج ص ۶۴۔۶۵

[2] مسند ابن حنبل جلد اص ۷ ابوداؤد کتاب الخراج باب ارزاق العمال

[3] اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن الیمانؓ و کتاب الخراج ص ۶۰

تک ہر شخص بلا روک وٹوک پہونچ سکے چنانچہ حضرت عتبہ بن فرقدؓ کو بہ تصریح لکھا۔

و ایاکم والتنعم وزی اھل الشرک و لبوس الحریر

''عیش وتنعم اہل شرک کی وضع اور حریر سے اجتناب کرو۔''

اس بناء پر جب کسی شخص کو عامل مقرر فرماتے تھے تو اس سے یہ معاہدہ لے لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ باریک کپڑے نہ پہنے گا، دراز ے پر دربان نہ رکھے گا، اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔[1] اور جو عمال ان شرائط کی خلاف ورزی کرتے تھے ان کو فوراً معزول کردیتے تھے، ایک دفعہ راستے میں جا رہے تھے دفعتہً آواز آئی اے عمرؓ کیا یہ معاہدے تمہیں نجات دلا سکتے ہیں حالانکہ تمہارا عامل عیاض بن غنم باریک کپڑے پہنتا ہے اور دربان رکھتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو بھیجا کہ جس حال میں پاؤ ان کو پکڑ لاؤ وہ آئے تو دیکھا کہ دروازے پر واقعی دربان ہے اندر گھس گئے تو دیکھا جسم پر باریک قمیض ہے انہوں نے کہا امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو، بولے بدن پر قبا ڈال لوں بولے نہیں وہ اسی حال میں حضرت عمرؓ کے سامنے آئے تو انہوں نے قمیض اتر والی، اس کے بعد ان کا ایک کرتہ اور ایک عصا اور بکریوں کا ایک ریوڑ منگایا اور کہا کہ کرتا پہنو یہ عصا لو اور یہ بکریاں چراؤ انہوں نے کہا اس سے تو موت بہتر ہے[2] بولے گھبرانے کی بات نہیں تمہارے باپ کا نام غنم اسی لئے رکھا گیا تھا کہ وہ بکریاں چرایا کرتا تھا۔[3] عربی میں غنم بکری کو کہتے ہیں۔

حضرت سعدؓ نے جب کوفہ میں ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا اور حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ اس کی وجہ سے ان تک فریادیوں کی آواز نہیں پہنچ سکتی تو محمد بن مسلمہ کو بھیج کر اس میں آگ لگوا دی۔[4]

مصر میں حضرت خارجہ بن حذافہ نے ایک بالا خانہ تیار کروایا اور حضرت عمر کو خبر ہوئی تو حضرت عمرو بن العاصؓ کو لکھ بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا کہ خارجہ نے ایک بالا خانہ تیار کروایا ہے اور

---

[1] مسند جلد اصفحہ ۱۶ مسلم کتاب اللباس والزینۃ

[2] مشکوۃ صفحہ ۲۵۸ بروایت بیہقی

[3] کتاب الخراج ص ۶۶

[4] مسند ابن حنبل جلد اص ۵۴

اس کے ذریعہ سے اپنے ہمسایوں کی پردہ دری کرنا چاہتا ہے، میرا خط جس وقت پہنچے اس کو فوراً منہدم کردو۔ ؎۱

ایک بار حضرت بلالؓ نے شکایت کی کہ امرائے شام پرند کے گوشت اور میدے کی روٹی کے سوا اور کچھ کھانا ہی نہیں جانتے حالانکہ عام لوگوں کو یہ کھانا میسر نہیں ہوتا، اس پر حضرت عمرؓ نے سخت گرفت کی اور تمام عمال سے اقرار لیا کہ روزانہ فی کس دو روٹی اور زیتون کا تیل تقسیم کرنا ہوگی، اور مال غنیمت کی تقسیم بھی مساویانہ طور پر ہوگی۔ ؎۲

ان کو اس پر اس قدر اصرار تھا کہ حضرت عتبہ بن فرقدؓ نے ان کے پاس کھانے کی کوئی عمدہ چیز ہدیۃً بھیجی تو انہوں نے پوچھا کیا کل مسلمان یہی کھاتے ہیں بولے نہیں اسی وقت ان کو لکھا کہ یہ تمہاری ہے یا تمہارے باپ کی کمائی نہیں جو خود کھاؤ وہی تمام مسلمانوں کو کھلاو۔ ؎۳

اس داروگیر کا یہ نتیجہ تھا کہ عمال نہایت سادہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرتے تھے چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ نے ایک عامل کو طلب فرمایا وہ آئے تو ساتھ میں صرف ایک توشہ دان ایک عصا اور ایک پیالہ تھا، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو بولے کہ تمہارے پاس بس اسی قدر اثاثہ ہے بولے اس سے زیادہ اور کیا ہوگا؟ عصا پر توشہ دان ٹانگ لیتا ہوں اور پیالے میں کھالیتا ہوں۔ ؎۴

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ مدائن کے عامل مقرر ہوکر آئے تو لوگوں نے کہا جو جی چاہے طلب فرمایئے۔ بولے صرف اپنا کھانا اور اپنے گدھے کا چارہ چاہتا ہوں وہاں سے پلٹے تو جس حالت میں گئے تھے اس میں سرمو فرق نہ آیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو لپٹ گئے کہ تم میرے بھائی اور میں تمہارا بھائی ہوں۔ ؎۵

حضرت عمرؓ شام میں آئے اور حضرت ابوعبیدہؓ کا زہد و تقشف دیکھا تو فرمایا ابوعبیدہؓ

؎۱ حسن المحاضرہ جلد اص ۵۹

؎۲ یعقوبی جلد ۲ص ۱۶۸

؎۳ فتح الباری جلد اص ۲۴۴ ومسلم کتاب اللباس والزینۃ

؎۴ استیعاب تذکرہ حضرت سعید ابن عامرؓ

؎۵ اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن الیمان

تمہارے سوا ہم میں سے ہر ایک کو دنیا نے بدل دیا۔ [1]

۶۔ جب کوئی عامل مقرر ہوتا اس کے تمام مال و اسباب کی فہرست تیار کرالی جاتی تھی اور اس کی مالی حالت میں اس سے زیادہ جس قدر اضافہ ہوتا تھا وہ تقسیم کر دیا جاتا تھا، چنانچہ اس قاعدے کی رو سے بہ کثرت عمال کے مال کی تقسیم کی گئی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ گورنر مصر کو لکھا کہ اب تمہارے پاس بکثرت اسباب، غلام، برتن اور مویشی ہو گئے ہیں حالانکہ میں نے جس وقت تمہیں مصر کا گورنر مقرر کیا تھا، تمہارے پاس یہ سامان موجود نہ تھے۔ انہوں نے عذر کیا کہ مصر میں زراعت اور تجارت دونوں سے پیداوار ہوتی ہے اس لیے ہمارے پاس بہت سی رقم پس انداز ہو جاتی ہے لیکن حضرت عمرؓ نے ان کی دولت تقسیم کرادی۔ [2]

حضرت ابوہریرہ بحرین سے واپس آئے تو اپنے ساتھ بارہ ہزار روپیہ لائے اور حضرت عمرؓ نے یہ کل رقم لے لی اور کہا کہ تم نے خدا کا مال چرایا ہے۔ [3]

ایک بار ایک شخص نے ایک قصیدے میں بہت سے عمال کے نام گنائے اور لکھا کہ ان لوگوں کے مال و دولت کا حساب ہونا چاہیے، حضرت عمرؓ نے سب کی دولت تقسیم کروائی یہاں تک کہ ان کے پاس صرف ایک جوتا رہنے دیا اور ایک خود لے لیا۔ [4]

طبری اور یعقوبی نے اس قسم کے متعدد واقعات نقل کئے ہیں اور یعقوبی نے ان عمال کے نام بھی ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں جن کے مال تقسیم کر لیئے گئے، اسد الغابہ تذکرہ محمد بن مسلمہ میں بھی اجمالاً اس قدر لکھا ہے۔

وهو الذی ارسله عمر الی عماله لیا خذشطر اموالهم لثقته به

''حضرت عمرؓ نے انہی کو اس لیے بھیجا تھا کہ عمال کا آدھا مال تقسیم کرلائیں کیونکہ ان کے نزدیک وہ بہت زیادہ قابل اعتماد تھے۔''

۷۔ عمال کی شکایتوں کی تحقیقات کے لیے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو مامور فرمایا جب کسی حال کی

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ ابوعبیدہ بن جراح

[2] فتوح البلدان ص ۳۲۶

[3] فتوح البلدان ص ۹۰

[4] فتوح البلدان ص ۳۹۲

شکایت پیش ہوتی تھی تو وہی تحقیقات کیلئے مامور کئے جاتے تھے ایک بار کوفہ والوں نے حضرت سعدؓ کی شکایت کی کہ وہ ٹھیک طور پر نماز نہیں پڑھتے تو حضرت عمرؓ نے پہلے خود طلب فرما کر ان کا اظہار لیا، اس کے بعد ان کے ساتھ حضرت محمد بن مسلمہؓ کو بھیجا اور انہوں نے جا کر ایک ایک مسجد میں اس کی تحقیقات کی۔[1]

۸۔ اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو تمام عمال کو حکم دیا کہ حج کے زمانے میں حاضر ہوں تا کہ مجمع عام میں ان کی شکایتیں پیش ہوسکیں، چنانچہ معمولی سے معمولی شکاتیں پیش ہوتی تھیں اور ان پر گرفت کی جاتی تھی ایک بار حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں خطبہ دیا جس میں فرمایا،

انی لم البعث عمالی لیضربوا ابشارکم ولالیا خذوا اموالکم فمن فعل به ذالک فلیر فعه الی اقصه منه

''میں نے عمال کو اس لیے نہیں بھیجا ہے کہ تمہارے منہ پر طمانچے ماریں نہ اس لیے کہ تمہارا مال چھین لیں جس شخص کے ساتھ ایسا کیا گیا ہے اس کو اپنا معاملہ میرے سامنے پیش کرنا چاہیے تا کہ میں اس سے قصاص لوں۔''

اس پر حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی عامل رعایا کو تادیباً سزا دے تب بھی آپ اس سے قصاص لیںؓ گے بولے ''ہاں'' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کیوں نہ قصاص لونگا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ سے خود قصاص لیا گیا ہے۔[2]

یہ محض الفاظ ہی الفاظ نہ تھے بلکہ عین حج کے مجمع میں اس پر عمل بھی ہوا ایک بار انہوں نے حسب معمول تمام عمال کو طلب کیا اور ایک خطبہ میں کہا کہ جس شخص کو عمال سے کوئی شکایت ہو وہ کھڑا ہو کر پیش کرے، ایک شخص اٹھا اور کہا کہ آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا تم بھی سو کوڑے مارنا چاہتے ہو، اٹھو حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ یہ امر عمال پر گراں ہوگا، آئندہ کے لیے ایک نظیر قائم ہوجائے گی، لیکن حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا، خود رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا بالآخر حضرت عمرو بن العاصؓ نے مستغیث کو اس شرط پر

[1] صحیح بخاری باب وجوب القراۃ للامام والماموم بخاری مین محمد بن مسلمہ کا نام مذکور نہیں ہے مگر فتح الباری میں ان کا نام لیا ہے۔

[2] ابوداؤد کتاب الحدود باب القود بغیر حدید

راضی کیا کہ فی تازیانہ دو اشرفیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے۔[1]

۹۔ اس کے علاوہ عمال کے حالات دریافت کرنے کے مختلف طریقے اختیار کئے جب عمال کے پاس سے کوئی شخص آتا تو اس سے اس کا حال دریافت کرتے، ایک بار حضرت جریرؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے یہاں سے آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کا حال پوچھا انہوں نے نہایت انشا پردازانہ الفاظ میں ان کی تعریف کی۔[2]

عمال جب واپس آتے تو حضرت عمرؓ آگے بڑھ کر چھپ جاتے اور خفیہ طور پر ان کا معائنہ کرتے۔ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ مدائن سے واپس آئے تو حضرت عمرؓ آگے بڑھ کر راہ میں چھپ گئے اور جب ان کی قدیم حالت میں تغیر نہیں پایا تو ان سے بے اختیار لپٹ گئے، حضرت حذیفہ اعلم بالمنافقین تھے یعنی ان کو تمام منافقین کے نام معلوم تھے، اس لیے حضرت عمرؓ ان سے اپنے عمال کی نسبت بعض باتیں دریافت فرمایا کرتے تھے۔

ایک بار انہوں نے فرمایا کہ میرے عمال میں کوئی منافق بھی ہے؟ بولے ہاں ایک ہے مگر نام نہ بتاؤں گا بالآخر حضرت عمرؓ نے اس کا خود پتہ لگا لیا اور اس کو معزول کر دیا۔[3]

عمال کی معزولی:

حضرت عمرؓ ہمیشہ ملکی عہدے ان لوگوں کو دیتے تھے جو ایک طرف تو اس خدمت کے انجام دینے کی قابلیت رکھتے تھے دوسری طرف ان کا دامن اخلاق بالکل بے داغ ہوتا تھا اس لئے ان کو جس عامل میں ان اوصاف کی کچھ بھی کمی نظر آتی تھی اس کو فوراً معزول کر دیتے تھے۔

ایک بار حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے میر منشی نے حضرت عمرؓ کے نام ایک خط لکھا جس کی ابتداء عربی طریقے کے موافق ان الفاظ میں کی، من ابوموسیٰ چونکہ عربی قاعدے کی رو سے من ابی موسیٰ لکھنا چاہیے تھا اس لیے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ جس وقت میرا خط پہونچے اپنے میر منشی کو ایک کوڑا مارو اور علیحدہ کر دو۔[4]

---

[1] کتاب الخراج ص ۶۶

[2] استیعاب تذکرہ جریر بن عبداللہؓ

[3] اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن الیمانؓ۔

[4] فتوح البلدان ص ۳۵۴

حضرت عمارؓ کو والی مقرر کیا تو ایک شخص نے کہا کہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ نے ان کو کہاں کا عامل مقرر فرمایا ہے حضرت عمرؓ نے ان سے اس قسم کے چند سوالات کئے تو معلوم ہوا کہ واقعی یہ خیال صحیح تھا، اس لئے ان کو معزول کر دیا۔ [۱]

اس کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا تقرر فرمایا لیکن کوفہ والوں نے ان کی شکایت کی کہ ان کا غلام تجارت کرتا ہے تو ان کو بھی وہاں سے ہٹا لیا۔ [۲]

حضرت نعمان بن عدیؓ کو میسان کا عامل بنا کر بھیجا تو انہوں نے بی بی کو بھی ساتھ لیجانا چاہا لیکن اس نے انکار کر دیا، وہاں پہونچے تو بی بی کے نام ایک خط میں حسب ذیل اشعار لکھ بھیجے۔

فمن مبلغ حسناء ان حليلها	عيسان يعقى فى زجاج و حنتم
میری طرف سے اس پیکر حسن کو کون پیغام پہونچائیگا	کہ اس کا شوہر میسان میں شیشے اور خم کے خم لنڈھا رہا ہے
اذا شئت غنتنى وهاقين قرية	وصناجة تحدو على كل ميهم
جب میں چاہتا ہوں تو دیہاتی لوگ میرے لیے گیت گاتے ہیں	اور ستار ہر قسم کا سر بجاتا ہے۔
اذا كنت ندمانى فبالا كبرا سنفنى	ولا يسقنى با لا صغر المتثلم
اور تو میری ہم نشین ہو تو بڑے پیالے سے پلا	نہ کہ چھوٹے اور ٹوٹے ہوئے پیالے سے
لعل امير المومنين يسئوه	تناد منا فى الجوسق المتهدم
شائد امیر المومنین کو	ہماری مصاحبت ناگوار ہو۔

حضرت عمرؓ کو اس خط و کتابت کا حال معلوم ہوا تو ان کو لکھا کہ میں نے تمہارا آخری شعر سنا درحقیقت مجھے اس قسم کی صحبت ناگوار ہے، اس کے بعد اس کو معزول کر دیا، وہ آئے تو کہا کہ خدا کی قسم یہ کچھ نہ تھا صرف چند اشعار میری زبان پر جاری ہو گئے تھے، ورنہ میں نے کبھی

۱ طبری ص ۲۶۷۷

۲ طبری ص ۲۶۷۸

شراب نہیں پی، حضرت عمرؓ نے کہا میرا بھی یہی خیال ہے لیکن بایں ہمہ اب تم کبھی میرے عامل نہیں ہو سکتے۔[1]

جو عمال غلاموں کی عیادت نہیں کرتے تھے یا ان تک کمزور لوگوں کا گزر نہیں ہو سکتا تھا وہ معزول کر دیئے جاتے تھے۔[2]

تنخواہ:

تنخواہ کا کوئی خاص معیار نہ تھا بلکہ حالات کے لحاظ سے تنخواہیں مختلف ہوتی تھیں مثلاً حضرت عیاذ بن غنمؓ حمص کے والی تھے اور ان کو روزانہ ایک اشرفی اور ایک بکری ملتی[3] تھی لیکن حضرت امیر معاویہؓ اسی عہدے پر مامور تھے اور ان کو اس کے صلہ میں ہزار دینار ماہوار ملتے تھے۔[4] تاہم جو تنخواہ تھی وہ ہر شخص کے لیے کافی ہوتی تھی۔

حضرت عثمانؓ نے اگرچہ اس نظام میں اس قدر تغیر کیا کہ تمام بڑے بڑے عہدے بنو امیہ کو دیدیئے تاہم انہوں نے بلا وجہ کسی قدیم حامل کو معزول نہیں کیا، طبری میں ہے کہ وہ بلا شکایت یا بغیر استعفاء کے کسی عامل کو معزول نہیں کرتے تھے۔[5]

شام میں حضرت عمرؓ کے معزول کردہ جو عامل پہلے سے موجود تھے ان کو اپنے اپنے عہدوں پر قائم رہنے دیا۔[6] باقی اس نظام میں اور کسی قسم کا ردو بدل نہیں ہوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں اس معاملہ میں دو عظیم الشان انقلاب پیدا ہوئے ایک تو یہ کہ انہوں نے حضرت ابو موسی اشعری کے سوا تمام عمال عثانی کو یک قلم موقوف کر دیا۔[7] دوسرے یہ کہ انہوں نے تمام عمال کے طرز عمل کی عام تحقیقات کرائی۔[8] اور غالباً یہ ایسی ترقی تھی جو خود حضرت عمر کے دورِ خلافت میں بھی نہیں ہوئی تھی۔

1. اسد الغابہ تذکرہ نعمان بن عدیؓ
2. کتاب الخراج ص ٦٦
3. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عیاض بن غنم
4. استیعاب تذکرہ حضرت امیر معاویہؓ
5. طبری صفحہ ٢٨١٤
6. طبری ص ٢٨٦٧
7. یعقوبی صفحہ ٢٠٨
8. کتاب الخراج ص ٦٧

صیغۂ عدالت

اسلام میں صیغۂ قضا اگرچہ عہد نبوت ہی میں قائم ہو گیا تھا لیکن ابتداء میں یہ صیغہ اور صیغوں کے ساتھ مخلوط تھا چنانچہ آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا عامل مقرر فرما کر بھیجا تو یہ خدمت بھی ان کے متعلق کی [1] اور اس کے آئین و اصول بتائے، حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی مدتوں یہ خلط مبحث رہا لیکن انہوں نے اپنے وسط خلافت میں اس صیغہ کو اور صیغوں سے الگ کر دیا اور مستقل طور پر قضاۃ مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔ [2]

اُصول وآئینِ عدالت:

اس باب میں سب سے مقدم چیز اصول و آئین عدالت کا منضبط کرنا تھا، حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک یہ قاعدہ تھا کہ جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے قرآن مجید کی طرف پھر حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے اور سب سے آخر میں مسلمانوں سے مشورہ لیتے تھے، اجتہاد اور قیاس کو بالکل دخل نہیں دیتے تھے۔ [3]

لیکن حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب تمدن کو زیادہ وسعت ہوئی تو انہوں نے قضاۃ کو اجماع اور قیاس سے بھی مدد لینے کی ہدایت کی لیکن قیاس کو سب سے موخر رکھا۔ [4] اس کے ساتھ حضرت ابوموسی اشعریؓ کے نام آداب قضاۃ کے متعلق ایک مفصل فرمان لکھا۔ جو کنز العمال اور دار قطنی میں۔ [5] بلفظہ منقول ہے، اس فرمان میں قضاۃ کے متعلق جو احکام مذکور ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

---

1. ابوداؤد کتاب القضاء
2. کنزل العمال جلد ۳ ص ۱۷۵، ۱۷۶
3. مسند دارمی ص ۳۲، ۳۳
4. مسند دارمی ص ۳۴
5. کنز العمال جلد ۳ ص ۱۷۴ دار قطنی ص ۵۱۲

۱۔ قاضی کو تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیے

۲۔ بارثبوت صرف مدعی پر ہے،

۳۔ مدعاعلیہ کے پاس اگر ثبوت یا شہادت نہیں ہے تو اس سے قسم لی جائیگی

۴۔ فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں لیکن جو امر خلاف قانون ہے اس میں صلح نہیں ہو سکتی

۵۔ قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصل کرنے کے بعد اس پر نظر ثانی کر سکتا ہے،

۶۔ مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ مقرر ہونی چاہیے،

۷۔ اگر مدعاعلیہ تاریخ معینہ پر حاضر نہ ہو تو مقدمہ کا اس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا،

۸۔ ہر مسلمان قابل ادائے شہادت ہے، لیکن جو سزا یافتہ ہو یا جس کی جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابل شہادت نہیں،

۹۔ اخلاقی حیثیت سے قاضی کو غصہ کرنا اور گھبرانا نہیں چاہیے۔

آج اس تمدنی زمانے میں بھی عدالت کے اساسی قوانین یہی ہیں۔

قضأت کا انتخاب

قضاءت کے متعلق سب اہم کام قابل اور متدین حکام کا انتخاب تھا، صحابہ میں جو لوگ علم و فضل میں مسلم تھے، مثلاً حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبادہ بن الصامتؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان کے انتخاب کے لئے صرف یہی کافی تھا کہ وہ خود منتخب روزگار تھے، لیکن حضرت عمرؓ اور لوگوں کو عملی تجربہ اور ذاتی امتحان کے بعد منتخب کرتے تھے، چنانچہ حضرت کعب بن سوار ازدیؓ جو بصرہ کے قاضی تھے ان کی تقرری کا شان نزول یہ ہے کہ وہ ایک بار حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک عورت آئی اور کہا کہ میں نے اپنے شوہر سے بہتر آدمی نہیں دیکھا وہ رات بھر نماز پڑھتا ہے اور دن بھر روزے رکھتا ہے حضرت عمرؓ نے عورت کی تعریف کی اور اس کے لئے استغفار کیا، وہ شرمندہ ہو کر چلی گئی، تو حضرت کعبؓ نے کہا کہ اے امیر المومنین آپ نے عورت کا انصاف اس کے شوہر سے نہیں دلوایا، وہ مستغیث ہو کر آئی تھی اب حضرت عمرؓ نے اس کو بلوا بھیجا اور کہا کہ یہ کہتے ہیں کہ تم کو یہ شکایت ہے کہ تمہارا شوہر تم سے تعلق نہیں رکھتا اس نے کہا سچ ہے، حضرت عمرؓ نے اس کے شوہر کو بلوا بھیجا اور حضرت کعبؓ سے اصرار کیا کہ تمہیں نے اس مقدمہ کو سمجھا ہے اور تمہیں اس کا فیصلہ کرو انہوں نے فیصلہ کیا تو اس قدر خوش ہوئے کہ بصرہ کا قاضی مقرر کر دیا۔[۱]

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت کعب بن سورؓ

قضاءت کی ذمہ داریوں کا احساس:

حدیث شریف میں آیا ہے۔

من ولی القضاء فقد ذبح بغیر سکین

جو شخص قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔ ابوداؤد کتاب القضاء

اس حدیث کی بناء پر بعض صحابہ جو بہت زیادہ محتاط تھے، وہ سرے سے عہدہ قضا ہی کو قبول نہیں کرتے تھے چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو قاضی مقرر کرنا چاہا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ [1] لیکن جن صحابہ کو اس عہدے کے قبول کرنے سے انکار نہ تھا وہ بھی شدت کے ساتھ اس کی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے تھے حضرت ابوالدردا بیت المقدس کے قاضی تھے ایک بار انہوں نے حضرت سلمان فارسیؓ کو لکھا کہ بیت المقدس میں تشریف لایئے لیکن انہوں نے لکھا کہ زمین کسی کو مقدس نہیں بنا سکتی، انسان کو صرف اس کا عمل مقدس بناتا ہے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم طبیب (قاضی) مقرر کیے گئے ہو اگر تم سے لوگ شفایاب ہوں تو کیا کہنا ورنہ اگر جعلی طبیب ہو تو کسی انسان کو مار کر دوزخ میں نہ داخل ہو، حضرت ابوالدرداؓ پر اس خط کا یہ اثر پڑا کہ مقدمہ فیصل ہونے کے بعد فریقن واپس جاتے تھے تو احتیاطاً بلا کر دوبارہ اظہار لیتے تھے۔ [2]

عدل وانصاف:

خلفاء مقدمات کے فیصل کرنے میں کسی قسم کی رعایت کو جائز نہیں رکھتے تھے، ایک بار حضرت عمرؓ حضرت زید بن ثابتؓ کے یہاں خود فریق مقدمہ بن کر آئے تو انہوں نے ان کو اپنے پاس بٹھانا چاہا لیکن انہوں نے کہا کہ یہ پہلا ظلم ہے جو تم نے کیا ہے میں اپنے فریق کے ساتھ بیٹھوں گا۔ [3]

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں ایک مہمان آیا انہوں نے اس کو کئی دن تک مہمان رکھا لیکن ایک دن جب وہ فریق مقدمہ ہو کر ان کے سامنے حاضر ہوا تو بولے اب آپ

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۶۶

[2] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب جامع القضاء

[3] کنز العمال جلد ۳ ص ۱۷۴

تشریف لیجائیے ہم فریق کو صرف فریق کے سامنے ٹھہرا سکتے ہیں [1]

ایک بار ایک یہودی اور ایک مسلمان کا مقدمہ پیش ہوا، حضرت عمرؓ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کیا وہ بے ساختہ بول اٹھا، آپ نے انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا۔ [2]

رشوت ستانی کی روک ٹوک:

حضرت عمرؓ نے صیغۂ عدالت قائم کیا تو رشوت ستانی کے انسداد کے لیے سخت بندشیں قائم کیں اور عام طور پر تمام حکام کو لکھ بھیجا۔

اجعلوا الناس عندكم في الحق سواء قريبهم كبعيدهم و بعيدهم كقريبهم و اياكم والرشى۔ [3]

انصاف میں تمام لوگوں کو برابر سمجھو، قریب و بعید میں فرق و امتیاز نہ کرو اور رشوت سے بچو

اس کے ساتھ قضاۃ کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں اور قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص معزز اور دولت مند نہ ہو قاضی نہ مقرر کیا جائے اس کی وجہ یہ لکھی کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب و داب کا اثر نہ پڑے گا۔

علانیہ رشوت خواری کے علاوہ بہت سے مخفی طریقے ہیں جن کے ذریعہ سے رشوت دیجا سکتی ہے مثلاً حکام کو اگر تجارت کی اجازت دیجائے تو وہ اس کے ذریعے سے بہت کچھ ذاتی فوائد حاصل کر سکتے ہیں ہدیہ بھی رشوت خواری کا ایک مہذب ذریعہ بن سکتا ہے اور بنتا ہے حضرت عمرؓ نے ان تمام طریقوں کا سد باب کیا چنانچہ قاضی شریح کو جب قضاءت کے عہدے پر مامور کیا تو فرمایا۔

لا تشتر و لا تبع و لا ترتش۔ [4]

''نہ کچھ خریدو نہ کچھ بیچو اور نہ رشوت لو۔''

ہدیہ کی طرف ایک واقعہ کے اثر سے ان کی توجہ مبذول ہوئی ایک شخص معمولاً ہر سال

---

[1] کنز العمال جلد ۳ ص ۱۷۲

[2] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب الترغیب فی القضاء بالحق

[3] کنزل العمال جلد ۳ ص ۱۷۴

[4] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۵

ان کی خدمت میں اونٹ کی ایک ران ہدیۃً بھیجا کرتا تھا ایک بار وہ فریق مقدمہ ہو کر دربار خلافت میں حاضر ہوا تو کہا کہ امیر المومنین ہمارے مقدمہ کا ایسا دوٹوک فیصلہ کیجئے جس طرح اونٹ کی ران کی بوٹیاں ایک دوسرے سے جدا کی جاتی ہیں۔ حضرت عمرؓ اس ناجائز اشارے کو سمجھ گئے اور اسی وقت تمام عمال کو لکھ بھیجا کہ ہدیہ قبول نہ کرو کیونکہ وہ رشوت ہے۔ [1]

ماہرین فن کی شہادت:

مقدمات میں شہادت کی توثیق واعتبار کا ایک بڑا ذریعہ یہ ہے کہ ماہرین فن کی شہادت لی جائے یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا ہے اس کے متعلق اس فن کے ماہرین کا اظہار لے کر فیصلہ کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اس اصول پر نہایت کثرت سے عمل کیا، ایک بار حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو کہی اور اس نے دربار خلافت میں مقدمہ دائر کیا تو حضرت عمرؓ نے پہلے حسان بن ثابت سے مشورہ لیا، اس کے بعد حطیہ کو سزا دی۔ [2]

ایک بار ایک بیوہ عورت نے عدت کے دن گزار کے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا لیکن وہ پہلے سے حاملہ تھی، اس لئے دوسرے شوہر کے پاس ساڑھے چار مہینے کے بعد اس کے بچہ پیدا ہوا، حضرت عمرؓ کی خدمت میں معاملہ پیش ہوا تو انہوں نے زمانہ جاہلیت کی پرانی عورتوں کا اظہار لیا۔ [3]

تحریری فیصلے:

اس زمانے کے تمدن کے لحاظ سے اگرچہ مقدمات کا فیصلہ نہایت سادہ طور پر کیا جاتا تھا، اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تمام مقدمات کے فیصلے لکھے جاتے تھے جو آئندہ چل کر فریق مقدمہ کے کام آتے تھے۔

چنانچہ ایک دفعہ حضرت رباب بن حذیفہؓ نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کے بطن سے تین اولاد پیدا ہوئی۔ ان کے مرنے کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے جو ان کے عصبہ تھے

---

1. کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۷
2. اسد الغابہ تذکرہ زبرقان بن بدر
3. موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب الشہادات

ان تمام بچوں کو شام بھیج دیا اور وہ وہاں جا کر مر گئے ان کے بعد وراثت کے متعلق نزاع ہوئی تو حضرت عمرؓ نے عصبہ کو وراثت دلوائی اور ایک تحریر لکھوا دی جس میں تین شخص یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت زید بن ثابتؓ اور ایک اور شخص کے دستخط بطور شاہد کے ثبت تھے، چنانچہ ایک موقع پر جب ان لوگوں میں نزاع ہوئی تو عبدالملک نے اسی تحریر کے مطابق فیصلہ کیا۔ [1]

حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے مقابلہ میں صفایائے نبوی کی نسبت جو فیصلہ کیا تھا وہ بھی ایک شخص کے پاس لکھا ہوا تھا۔ [2]

اخلاق کا اثر مقدمات پر:

مقدمات کی کثرت وقلت کو ایک بہت بڑا اخلاقی معیار قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس ملک، جس قوم اور جس خاندان کی اخلاقی حالت نہایت پست ہو جاتی ہے اس میں ذرا ذرا سی بات پر نزاع ہوتی ہے، مقدمات اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ہر معاملہ کی نسبت لوگ جھوٹی جھوٹی شہادت دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، چنانچہ ایک بار جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون لوگ بہتر ہیں تو آپ نے فرمایا۔

قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یجی قوم تنتبدر شھادۃ احدھم یمینہ ویبتدریمینہ شھادتہ (مسلم کتاب المناقب)

''سب سے بہتر زمانہ میرا ہے، پھر صحابہ کا پھر تابعین کا اس کے بعد ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو شہادت سے پہلے قسم کھائیگی اور قسم سے پہلے شہادت''

لیکن صحابہ کرام کے زمانے تک جھوٹی شہادت ایک ایسا جرم خیال کی جاتی تھی کہ لوگ بچوں کو اس سے بچنے کی ہدایت کرتے تھے اسی حدیث میں ہے۔

قال ابراہیم کا نوا ینھو ننا و نحن غلمان عن العھد و الشھادات

'' ابراہیم کہتے ہیں کہ بچپن میں لوگ ہم کو شہادت اور عہد سے منع کرتے تھے۔''

---

1. ابوداود کتاب الفرائض باب فی الولا
2. ابوداود کتاب الخراج والامارۃ باب فی صفایا رسول اللہ ﷺ

ایک بار عراق کا ایک شخص حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں ایک ایسے معاملے کے لئے آیا ہوں جس کا نہ تو سر ہے، نہ دم، ہمارے ملک میں جھوٹی شہادتوں کا رواج ہو چلا ہے، حضرت عمرؓ نے نہایت تعجب سے کہا کہ ہاں ایسا ہے۔ [1]

مقدمات کی قلت کا یہ حال تھا کہ حضرت سلمان بن ربیعہ باہلیؓ جو کوفہ کے قاضی تھے ان کی نسبت ابووائل کا بیان ہے کہ میں مستقل چالیس دن تک ان کے پاس آتا جاتا رہا لیکن ان کے یہاں کسی فریق مقدمہ کو نہیں دیکھا۔ [2]

[1] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب الشہادت

[2] اسد الغابہ تذکرہ سلمان بن ربیعہ باہلی

صیغہء محاصل وخراج

فتوحات کا سلسلہ اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں شروع ہوگیا تھا، لیکن خراج کا باقاعدہ نظام حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں قائم ہوا۔ چنانچہ سب سے پہلے عراق کی فتح کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی تو بہت سے صحابہ نے کہا کہ مال غنیمت کی طرح زمین اور جائدادیں بھی مجاہدین پر تقسیم کردی جائیں۔ لیکن حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ اگر زمین بھی تقسیم کردی گئی تو آئندہ نسل کے لئے کیا رہ جائے گا۔ سرحد کی حفاظت کیوں کر ہوسکے گی؟ یتیموں اور بیواؤں کی پرورش کا کیا انتظام ہوگا؟ اس غرض سے انہوں نے تمام قدماء مہاجرین کو مشورہ کے لئے جمع کیا اور ان لوگوں میں حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے مخالف گروہ کی تائید کی، بالآخر حضرت عمرؓ نے ایک عام اجلاس کیا جس میں شرفائے انصار سے دس (اوس سے پانچ اور خزرج سے پانچ) بزرگ شریک ہوئے حضرت عمرؓ نے کھڑے ہوکر ایک نہایت پرزور تقریر کی اور سب نے ان کی رائے سے اتفاق کرلیا۔[1]

اس مرحلے کے طے ہوجانے کے بعد حضرت عمرؓ نے بندوبست کی طرف توجہ کی اور صحابہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ اس کی خدمت کے لئے کون موزوں ہے؟ تمام صحابہ نے حضرت عثمان بن حنیفؓ کا نام لیا اور کہا کہ وہ اس سے بھی اہم خدمت کے انجام دینے کی قابلیت رکھتے ہیں۔[2]

حضرت عمرؓ نے پانچ درہم اور ایک جراب آٹا روزانہ کے حساب سے تنخواہ مقرر کی، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو ان کا شریک کار مقرر کیا۔[3] اور حکم دیا کہ ٹیلوں جنگلوں، گڑھوں اور ان زمینوں کی جن کی آب پاشی ناممکن ہے، پیمائش نہ کی جائے اور ناقابل برداشت جمع نہ تشخیص کی

---

[1] کتاب الخراج ص ۱۴

[2] استیعاب تذکرہ حضرت عثمان بن حنیفؓ

[3] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۷۴۔

جائے اور اس اصول کے مطابق ان بزرگوں نے پیمائش کا کام ختم کیا تو کل رقبہ طول میں تین سو پچھتر اور عرض میں ۲۴۰ میل یعنی کل تینتیس ہزار میل کسر ٹھہرا، اس میں پہاڑ، صحرا اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلی۔ خاندان شاہی کی جاگیر، آتش کدوں کے اوقاف لاوارثوں، مفروروں اور باغیوں کی جائیداد، دریا برآورد جنگل اوران زمینوں کو جو سڑکوں کی تیاری اور ڈاک کے مصارف کے لئے مخصوص تھیں، حضرت عمرؓ نے خالصہ قرار دیا۔[1] باقی تمام زمینیں مالکان قدیم کے قبضے میں دے دی گئیں اور ان پر حسب ذیل مالگزاری مقرر کی گئی۔

گیہوں	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	دو درہم سالانہ
جو	ایضاً	ایک درہم سالانہ
نیشکر	ایضاً	چھ درہم سالانہ
روئی	ایضاً	پانچ درہم سالانہ
انگور	فی جریب یعنی پون بیگھہ پختہ	دس درہم سالانہ
نخلستان	ایضاً	ایضاً
تل	ایضاً	آٹھ درہم سالانہ
ترکاری	ایضاً	تین درہم سالانہ

جمع تشخیص ہوگئی تو دونوں بزرگوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے جمع سخت تو تشخیص نہیں کی؟ انہوں نے کہا ''ابھی تو اس میں اضافہ کی اور بھی گنجائش ہے'' بولے پھر غور کرلو جمع نا قابل برداشت تو تشخیص نہیں کی گئی، انہوں نے کہا نہیں، اب فرمایا کہ زندہ رہا تو اپنے بعد عراق کی بیواؤں کو کسی دوسرے کا محتاج نہ ہونے دوں گا۔[2]

خراج کی تشخیص میں سب سے زیادہ عادلانہ طریقہ یہ اختیار کیا کہ ذمی رعایا سے اس میں مشورہ لیا۔ چنانچہ انہوں نے عراق کا بندوبست کرنا چاہا تو مشورہ کے لیے وہاں سے دو چودھری طلب کئے جن کے ساتھ ایک ترجمان بھی تھا۔ اسی طرح مصر کے عامل کو لکھا کہ خراج کے معاملے میں مقوقس سے رائے لو۔ زیادہ واقفیت کے لیے ایک واقف کار قبطی کو مدینہ میں طلب فرمایا اور اس کا اظہار لیا۔[3]

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۸۱

[2] بخاری کتاب المناقب باب قصہ البیعۃ وما لاتفاق علی عثمان

[3] مقریزی ج ۱ ص ۷۴، ۷۵

عراق کے سوا حضرت عمرؓ نے اور کسی صوبے کی پیائش نہیں کرائی البتہ قدیم طریقہ بندوبست میں جہاں جہاں غلطی دیکھی اس کی اصلاح کر دی، مثلاً مصر سے رومی خراج کے علاوہ غلے کی ایک مقدار کثیر وصول کرتے تھے جو سلطنت کے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لیے روانہ کی جاتی تھی اور خراج میں محسوب نہیں ہوتی تھی، حضرت عمرؓ نے یہ دونوں جابرانہ طریقے موقوف کر دیے۔

زمینداری اور ملکیت کے متعلق انہوں نے سب سے بڑی اصلاح یہ کی کہ زمینداری کے متعلق قدیم جابرانہ قانون کو بالکل مٹا دیا مثلاً جب رومیوں نے شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندوں کے قبضے سے نکال کر اراکین دربار کو دیدیں کچھ خالصہ قرار دیا اور کچھ گرجوں پر وقف کر دیں، لیکن حضرت عمرؓ نے اس قاعدہ کو مٹا کر یہ قاعدہ بنا دیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے، یعنی اگر قیمت دے کر بھی خریدنا چاہیں تو نہیں خرید سکتے، یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین خریدی تو بڑے بڑے پیشوایان مذہبی مثلاً امام مالکؒ، نافع بن یزید وغیرہ نے ان پر سخت اعتراض کیا۔ [1]

حضرت عمرؓ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تمام فوجی افسروں کے نام حکم بھیج دیا کہ لوگوں کے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہیں اس لیے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے، چنانچہ شریک غطفی نامی ایک شخص نے مصر میں کچھ زراعت کر لی تو حضرت عمرؓ نے بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ تجھ کو ایسی سزا دوں گا جو دوسروں کے لیے عبرت انگیز ہو گی۔ [2]

ایک دفعہ عبداللہ بن الحر العنسی نے شام میں کھیتی کی اور حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو اس کی کل جائداد برباد کروا دی۔ [3]

بندوبست کے ساتھ حضرت عمرؓ نے ترقی زراعت کی طرف خود توجہ کی اور لوگوں کو توجہ دلائی ایک مرتبہ ایک شخص سے پوچھا تمہارا وظیفہ کیا ہے؟ اس نے کہا ڈھائی ہزار فرمایا قبل اس کے کہ قریش کے لونڈے سریر آرائے حکومت ہوں کھیتی کر لو ورنہ ان کے بعد وظیفہ کوئی چیز نہ رہ جائے گا۔ [4] عام

---

[1] مقریزی ۲۹۵

[2] حسن المحاضرہ جلد ا ص ۱۶۸

[3] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن الحر العنسی

[4] الادب المفرد باب الابل

حکم دیدیا کہ جو افتادہ زمینیں ہیں ان کو جو شخص آباد کر لے گا اس کی ملک ہو جائیگی لیکن اگر کوئی شخص تین برس کے اندر آباد نہ کرے تو اس کے قبضہ سے نکل جائیگی۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو ایک قطعہ بطور جاگیر کے دیا تھا لیکن انہوں نے اس کو آباد نہیں کیا تو حضرت عمرؓ نے اس کو ان کے قبضے سے نکال دیا۔[1] اس طرح ان کے زمانے میں زرعی پیداوار میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک صدقہ فطر میں صرف جو کھجور اور منقی وغیرہ دیا جاتا تھا لیکن جب ان کے عہد خلافت میں گیہوں کی پیداوار میں غیر معمولی اضافہ ہوا تو انہوں نے ان چیزوں کے عوض نصف صاع گیہوں مقرر کر دیا۔[2]

وصولی خراج کا طریقہ:

وصولی خراج میں حضرت عمرؓ نے سب سے زیادہ آسانی یہ پیدا کی کہ خود رعایا کو اختیار دیا کہ وہ وصولی خراج کے لیے بہترین اشخاص منتخب کر کے دربار خلافت میں روانہ کرے، چنانچہ کوفہ والوں نے عثمان بن فرقد کو شام والوں نے معن بن یزید کو بصرہ والوں نے حجاج بن علاط کو منتخب کر کے بھیجا اور حضرت عمرؓ نے ان کو عامل خراج مقرر کر دیا۔[3] خراج وصول ہو کر آتا تھا تو دس ثقہ آدمی کوفہ سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کرتے تھے اور ان کا حلفیہ اظہار لیتے تھے کہ مال گزاری کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے۔[4]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی وصولی خراج میں نہایت نرمی اختیار کی، چنانچہ ایک بار کسی عامل کو صولی خراج کے لئے مقرر فرمایا تو یہ وصیتیں کیں۔

لا تضربن رجل سوطا في جباية درهم ولا تتبعن لهم رزقا ولا كسوة شتاء ولا صيف ولا دابة تعملون عليها ولا تقيمن رجلا قائما في طلب درهم ۔

''کسی شخص کی مال گزاری کے وصول کرنے میں کوڑا نہ مارو ان کی روزی، ان کے گرمی اور جاڑے کے کپڑے اور بار برداری کے جانور نہ لو اور کسی کو کھڑا نہ کرو''

---

[1] وفا الوفا ص ۱۹۰

[2] ابو داود کتاب الزکوٰۃ باب کم یودی فی صدقۃ الفطر

[3] کتاب الخراج ص ۶۴

[4] کتاب الخراج ص ۶۵

اس نے کہا تو اے امیر المومنین یہ کہیے کہ میں یونہی خالی ہاتھ واپس آؤں فرمایا یہ بھی سہی ہم کو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ فاضل مال سے مالگزاری وصول کریں۔[1]

جزیہ:

جزیہ بھی خراج کی طرح نہایت نرمی کے ساتھ وصول کیا جاتا تھا جو لوگ اپاہج اور بے کار ہو جاتے تھے ان کا جزیہ معاف کر دیا جاتا تھا اور ان کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا چنانچہ یہ قاعدہ حضرت ابوبکرؓ ہی کے زمانے میں مقرر ہو گیا تھا اور حضرت عمرؓ نے بھی اس کو قائم رکھا ذمیوں کو کسی قسم کی اذیت دے کر جزیہ وصول کرنے کی اجازت نہ تھی ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ دھوپ میں کھڑا کر کے کچھ لوگوں کے سر پر زیتون کا تیل ڈالا جا رہا تھا، وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ جزیہ ادا نہ کرنے کے جرم میں یہ سزا دی جا رہی ہے فرمایا ان کو چھوڑ دو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ دنیا میں بندوں کو تکلیف دیتے ہیں خدا قیامت میں ان کو عذاب دیتا ہے۔

عشر:

غیر قوموں۔ سے ایک تجارتی ٹیکس لیا جاتا تھا جس کا نام عشر تھا یہ اسلام کی کوئی جدید ایجاد نہ تھا بلکہ جاہلیت ہی کے زمانے میں اس کا رواج تھا اور حضرت عمرؓ نے اسی کو قائم رکھا۔[2]

اس کے وصول کرنے کا طریقہ نہایت آسان تھا کسی کے اسباب کی تلاشی نہیں لی جا سکتی تھی، دو سو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا، شام کے قبطی چونکہ گیہوں کی تجارت کرتے تھے اس لئے حضرت عمرؓ ان سے نصف عشر لیتے تھے کہ مدینہ میں اس کی درآمد زیادہ ہو۔[3]

زکوٰۃ وعشور

زکوۃ کے وصول کرنے میں بھی ہر قسم کی آسانیاں ملحوظ رکھی جاتی تھیں رسول اللہ ﷺ نے عمال کو حکم دیا تھا کہ زکوۃ میں بہترین مال نہ لیا جائے خلفائے راشدین بھی نہایت شدت کے ساتھ اس حکم کی پابندی کرتے تھے۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے اموال صدقہ میں ایک بڑے تھن والی

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

[2] موطائے امام مالک کتاب الزکوۃ باب عشور اہل الذمہ

[3] موطائے امام مالک کتاب الزکوۃ باب عشور اہل الذمہ

بکری دیکھی تو فرمایا کہ اس کے مالک نے اس کو بخوشی نہ دیا ہوگا اس طرح مسلمانوں کو نہ بدکاؤ۔[1]

دیوان دفتر بیت المال:

جزیہ، خراج، عشور اور زکوٰۃ سے جو رقم وصول ہوتی تھی حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک علی السویہ تمام مسلمانوں پر تقسیم ہو جاتی تھی لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب باقاعدہ نظام سلطنت قائم ہوا تو اس کے لیے دیوان، دفتر، اور بیت المال قائم کیا گیا خراج کا دفتر جیسا کہ قدیم زمانہ میں فارسی، شامی اور قبطی زبان میں تھا، حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی قائم رہا۔ کیونکہ ابھی تک اہل عرب نے اس فن میں اس قدر ترقی نہیں کی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان میں منتقل ہو سکتا۔

بیت المال کے رجسٹر نہایت صحت اور تفصیل کے ساتھ مرتب کئے جاتے تھے چنانچہ صدقہ وزکوٰۃ کے مویشی آتے تھے تو ان کے رنگ، حلیہ، اور سن تک لکھے جاتے تھے۔[2] بیت المال میں جو رقم جمع ہوتی تھی اس کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے وظیفے میں صرف ہو جاتا تھا جن کے سالانہ وظائف علی قدر مراتب حسب ذیل تھے۔

شرکائے غزوہ بدر	پانچ ہزار درہم سالانہ
مہاجرین حبش اور شرکائے غزوہ احد	چار ہزار درہم سالانہ
مہاجرین قبل از فتح مکہ	تین ہزار درہم سالانہ
جو لوگ فتح مکہ میں اسلام لائے	دو ہزار درہم
جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے	دو ہزار درہم سالانہ
اہل یمن	چار ہزار درہم سالانہ
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین	تین سو درہم سالانہ
بلا امتیاز مراتب	دو سو درہم سالانہ

ان لوگوں کے اہل وعیال بلکہ غلاموں کے وظائف بھی مقرر تھے۔ چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کا وظیفہ دو سو درہم سے چار سو درہم تک اور اہل بدر کے اولاد ذکور کا وظیفہ دو دو ہزار

---

[1] موطائے امام مالک کتاب الزکوۃ باب النہی عن التضیق علی الناس فی الصدقہ

[2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت فاروقؓ

درہم مقرر تھا، ان مصارف کے بعد صوبجات اور اضلاع کے بیت المال میں جو رقم بچ جاتی تھی وہ مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی ۔[1] جن لوگوں کو وظیفے ملتے تھے ان کے نام مع ولدیت درج رجسٹر ہوتے تھے۔[2] ان کی ترتیب کے لئے بڑے بڑے قابل لوگ مثلاً حضرت عقیل بن ابی طالبؓ مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن معطمؓ وغیرہ مامور تھے۔

1. کنز العمال جلد ۳ ص ۱۶۳ بحوالہ ابن سعد
2. مسند ابن حنبل جلد ا ص ۳۱

پبلک ورک یا نظارتِ نافعہ

اصطلاحی حیثیت سے اگرچہ اس صیغہ میں صرف نہریں، سرکاری عمارتیں پل، بند شفاخانے اور کنویں وغیرہ داخل ہیں، لیکن ہم نے اس میں صحابہ کرامؓ کے اوقاف وصدقات جاریہ کو بھی شامل کرلیا ہے، کیونکہ اوقاف وصدقات کا مقصد بھی رفاہ عام کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

کنوئیں

رفاہ عام کی چیزوں میں اگرچہ کنوئیں اب نہایت معمولی درجہ کی چیز خیال کئے جاتے ہیں لیکن عرب میں وہ نہایت گراں قیمت چیز سمجھے جاتے تھے۔اسی بنا پر حدیث میں آیا ہے کہ سب سے اچھا صدقہ پانی ہے، اسلام میں رفاہ عام کے کاموں کی ابتداء سب سے پہلے اسی صدقہ جاریہ سے ہوئی چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی تو مدینہ میں آب شریں کی نہایت قلت محسوس ہوئی آب شریں کا صرف ایک کنواں تھا جس کا نام بیر رومہ تھا اس لئے آپ نے تمام مسلمانوں کی طرف خطاب کر کے کہا کہ اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لیے اس کو کون خریدتا ہے ؟ حضرت عثمانؓ کو یہ سعادت نصیب ہوئی اور انہوں نے اس کو اپنے صلب مال سے خرید کر تمام مسلمانوں پر وقف کردیا۔ [1]

حضرت عثمانؓ نے اور بھی متعدد کنویں' مثلاً بیر سائب' بیر عام' بیر اریس' کھدوائے اور مسلمانوں پر وقف کئے۔ [2]

اس کے بعد اور صحابہ نے بھی متعدد کنویں کھدوائے ، حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ کا انتقال ہوا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ ان کے لیے کون سا

[1] نسائی کتاب الاحباس

[2] وفاء الوفا ص ۲۵۴

صدقہ بہتر ہوگا؟ ارشاد ہوا ''پانی'' چنانچہ انہوں نے ماں کی یادگار میں ایک کنواں کھدوادیا۔[1]
مدینہ میں ایک اور کنواں جس کا نام بیر ملک تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے وقف تھا۔[2]

رسول اللہ ﷺ کے بعد جب صحابہ کرامؓ کے سر پر خلافت الٰہی کا تاج رکھا گیا تو اس صدقہ جاریہ کی طرف اور بھی توجہ ہوئی اگر چہ ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اس زمانے میں کتنے کنوئیں کھودے گئے تاہم بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء نے اس کا نہایت اہتمام کیا تھا معجم البلدان ذکر تبوک میں ہے کہ وہاں ایک کچا کنواں تھا جو ہمیشہ گرگر پڑتا تھا حضرت عمرؓ کے حکم سے ابن عریض نامی ایک یہودی نے اس کو پختہ کرادیا۔

چوکیاں اور سرائیں:

عرب کے لوگ اکثر سفر کیا کرتے تھے، بالخصوص سال میں ایک بار تمام عرب کو حج کا احرام باندھنا پڑتا تھا، بااین ہمہ راستہ میں مسافروں کے آرام وآسائش کا بہت کم سامان تھا لیکن خلفاء کے عہد میں مسافروں کے آرام وآسائش کے تمام سامان مہیا ہوگئے' چنانچہ جو لوگ راستے میں مسافروں کو پانی پلایا کرتے تھے، انہوں نے حضرت عمرؓ سے اجازت طلب کی اور مکہ اور مدینہ کے درمیان سرائیں بنوانا چاہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس شرط پر اجازت دی کہ مسافر پانی اور سایہ کے سب سے زیادہ مستحق ہوں گے۔[3]

شاہ ولی اللہ صاحب کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسی سلسلہ میں متعدد کنوئیں بھی کھدوائے اور جو کنوئیں پٹ گئے تھے ان کو صاف کروایا۔[4]

انہوں نے مکہ اور مدینہ کے درمیان ایسے اشخاص بھی مقرر کئے جو گم گشتگان قافلہ کو سیراب راستوں سے لے جاکر منزل مقصود تک پہنچا آتے تھے۔[5]

---

1. ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب فی فضل سقی الماء لیکن نسائی کتاب الاحباس میں ہے کہ انہوں نے بطور صدقہ کے متعدد باغ وقف کئے تھے۔
2. وفاء الوفاص ۲۵۸
3. فتوح البلدان ص ۶۰
4. ازالۃ الخلفاء
5. مقریزی جلد اول ص ۴۶۱

مہمان خانے:

اول اول حضرت عمرؓ نے مسافروں کے لئے کوفہ میں ایک مہمان خانہ قائم کیا فتوح البلدان میں ہے۔

امر عمران یتخذ لمن یرد من الآفاق دارافکانوا ینزلونها۔[1]

''حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ جو لوگ اطراف ملک سے مسافرانہ وارد ہوتے ہیں ان کے لیے ایک مہمان خانہ قائم کیا جائے، چنانچہ جو مسافر آتے تھے اسی مہمان خانے میں اترتے تھے۔''

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے کوفہ میں ایک اور مہمان خانہ قائم کیا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ باہر سے جو لوگ تجارت کا غلہ لے کر آتے تھے وہ عموماً پرائیوٹ مکانوں میں قیام کرتے تھے اس غرض سے بعض فیاض طبع لوگوں نے یہ انتظام کیا تھا کہ بازار میں منادی کروا دیتے تھے، کہ جس کے قیام کا بندوبست نہ ہو وہ ہمارے مکان میں قیام کر سکتا ہے، حضرت عثمانؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے ان لوگوں کے لیے ایک مہمان خانہ قائم کر دیا۔[2] اسی طرح مصر میں بھی حضرت عثمانؓ بن قیس نے ایک مہمان خانہ قائم کیا۔[3]

حوض اور نہریں:

صحابہ کرامؓ نے رفاہ عام کی غرض سے جا بجا اور مدینہ میں بکثرت حوض اور چشمے تیار کرائے، حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن عامرؓ کو بصرہ کا عامل مقرر فرمایا تو انہوں نے عرفات میں بہت سے حوض بنوائے اور متعدد نہریں جاری کیں۔[4] حمی قید کے پاس حضرت عثمانؓ نے ایک نہر کھدوائی جس کا نام عین الخلیل تھا۔[5] حضرت علیؓ نے بھی متعدد نہریں وقف عام کی

---

1. فتوح البلدان ص ۲۸۶
2. طبری ص ۲۸۴۳
3. حسن المحاضرہ جلد ۱ ص ۵۲
4. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ
5. خلاصۃ الوفا ص ۲۵۷

تھیں چنانچہ مقام منبع میں ان کے ذاتی ملک میں بہت سی چھوٹی چھوٹی نہریں تھیں، انہوں نے سب کو وقف عام کردیا۔[1] اور دو نہروں کو انہوں نے فقرائے مدینہ پر وقف کردیا تھا چنانچہ ایک بار حضرت امام حسینؓ پر قرض ہو گیا تو حضرت امیر معاویہؓ نے ایک نہر کے بدلے دو لاکھ دینار دینا چاہے مگر انہوں نے کہا کہ میں اپنے باپ کا وقف فروخت کرنا نہیں چاہتا۔[2]

حضرت امیر معاویہ کو نہروں کے جاری کرنے کا خاص اہتمام تھا خلاصۃ الوفا میں ہے۔

کان بالمدینۃ الشریفۃ و ما حولھا عیون کثیرۃ و کان لمعاویۃ اھتمام بھذا الباب[3]

''مدینہ شریف اور اس کے متصل بکثرت نہریں تھیں اور حضرت امیر معاویہ کو اس باب میں خاص اہتمام تھا۔''

حضرت امیر معاویہ نے جو نہریں جاری کرائیں ان میں نہر کظامہ[4] نہر ازرق۔[5] نہر شہدا[6] وغیرہ۔

کا نام وفا الوفا اور خلاصۃ الوفا میں مذکور ہے حضرت امیر معاویہؓ نے پہاڑوں کی بعض کھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کران کو بھی تالاب کی صورت میں بدل دیا تھا، جس میں پانی جمع ہوتا تھا۔[7]

خلفاء کے علاوہ اور صحابہؓ نے بھی پانی کے چشمے وقف عام کئے تھے مثلاً حضرت طلحہؓ نے ایک چشمہ خرید کر راہیوں پر وقف کردیا تھا۔[8]

نہر سعد:

مکہ اور مدینہ کے علاوہ صحابہ کرامؓ نے مختلف شہروں میں نہریں جاری کیں انباء والوں کو

---

1. وفا الوفا ص ۳۹۳
2. معجم ذکر عین ابی نیزر
3. خلاصۃ الوفا ص ۲۳۷
4. وفا الوفا ص ۱۱۷
5. خلاصۃ الوفا ص ۱۳۶
6. خلاصۃ الوفا ص ۱۳۷
7. وفاء الوفاء ۳۲۱
8. وفاء الوفا ص ۳۶۰

مدت سے ایک نہر کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، چنانچہ اس کے لیے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ان لوگوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے درخواست کی تو انہوں نے حضرت سعد بن عمرو بن حرامؓ کو اس کام پر مامور کیا، انہوں نے بڑے اہتمام سے کام جاری کیا لیکن کچھ دور پہنچ کر بیچ میں ایک پہاڑ آ گیا۔ اس لیے کام وہیں تک پہنچ کر رک گیا، بعد کو حجاج نے اس کی تکمیل کی لیکن الفضل للمتقدم کی بنا پر یہ نہر حضرت سعد بن عمروؓ ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔[1]

نہر ابی موسیٰ:

بصرہ والوں کو آب شیریں کی سخت تکلیف تھی ایک بار ان کا ایک وفد حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وفد کے ایک ممبر یعنی حنیف بن قیس نے نہایت پر اثر تقریر میں حضرت عمرؓ کو اس طرف توجہ دلائی حضرت عمرؓ نے اسی وقت حضرت ابو موسیٰ اشعری کے نام ایک تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ والوں کے لیے ایک نہر کھدوا دی جائے چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اس نہر کو دجلہ سے نکال کر نہر ابلہ سے ملا دیا، اخیر میں اس کا کچھ حصہ پٹ گیا لیکن حضرت عبداللہ بن عامرؓ بن کریز نے جو حضرت عثمانؓ کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے اس کی مرمت و اصلاح کروا دی۔[2]

نہر معقل:

یہ نہر بھی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کے حکم سے بصرہ میں کھدوائی چونکہ ان کی تیاری کا کام حضرت معقلؓ کے سپرد کیا گیا تھا، اس لئے انہی کے نام سے مشہور ہو گئی حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں زیاد نے دوبارہ اس نہر کو کھدوایا اور تبرکاً حضرت معقل سے ہی اس کا افتتاح کروایا افتتاح کرنے کے بعد ایک آدمی کو ہزار درہم دیئے اور کہا'' کہ دجلہ کے کنارے گھوم آ و اگر ایک شخص بھی اس نہر کو زیاد کی نہر کہتا ہوا ملے تو اس کو یہ رقم دیدو" لیکن بچے بچے کی زبان سے معقل کا نام سن کر اس نے کہا ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء[3]

---

1. فتوح البلدان ص ۳۸۲
2. فتوح البلدان ص ۳۶۵
3. فتوح البلدان صفحہ ۳۶۶

نہر امیر المومنین:

۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے تمام صوبوں سے غلہ منگوایا لیکن شام ومصر سے چونکہ خشکی کا راستہ بہت دور تھا اس لئے غلہ کی روانگی میں کسی قدر دیر ہوئی ان دقتوں کی بناء پر حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو طلب کیا اور کہا ''کہ اگر دریائے نیل سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب میں قحط وگرانی کا کبھی اندیشہ نہ ہو ورنہ خشکی کی راہ سے غلہ کا آنا دقت سے خالی نہیں'' حضرت عمرو بن العاصؓ نے پلٹ کر فوراً کام شروع کرادیا اور ایک سال میں یہ نہر بن کر تیار ہوگئی یہ تفصیل حسن المحاضرہ میں ہے۔[1]

لیکن طبری میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے تمام امراء وعمال کے نام سے غلہ کے لئے تحریری حکم بھیجا تو خود حضرت عمرو بن العاصؓ نے جواب میں لکھا کہ پہلے بحر شام بحر عرب میں گرتا ہے لیکن رومیوں اور قبطیوں نے اس کو بند کردیا، اگر آپ چاہتے ہیں کہ مصر کی طرح مدینہ میں بھی غلہ کا نرخ ارزاں ہو تو میں اس غرض سے نہر تیار کرا کے اس پر پل بنادوں، مصر والوں نے اگرچہ اپنے ذاتی مصالح کی بناء پر بہت کچھ واویلا کیا لیکن حضرت عمرؓ نے اس معاملے میں کسی کی نہ سنی چنانچہ جب یہ نہر بن کر تیار ہوئی تو عرب ہمیشہ کے لئے قحط کی مصیبت سے نجات پا گیا۔[2]

حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں بھی بعض نہریں تیار ہوئیں مثلاً انہوں نے عبید اللہ بن زیاد کو خراسان کا گورنر مقرر کرکے بھیجا تو اس نے جبال بخاری کو کاٹ کر ایک نہر نکالی۔[3] ان ہی کے زمانے میں حکم بن عمرو نے ایک نہر جاری کی جس کا افتتاح نہ ہوسکا۔[4]

زرعی نہریں:

حضرت عمرؓ کے زمانے میں زرعی ترقی کا جو مستقل انتظام ہوا اس کے سلسلہ میں انہوں نے نہایت اہتمام کے ساتھ آب پاشی کے لئے نہریں کھدوائیں۔ چنانچہ خاص مصر میں ایک لاکھ

۱۔ حسن المحاضرہ سیوطی جلد ۱ ص ۶۸

۲۔ طبری ص ۲۵۴

۳۔ طبری ص ۱۶۹ واقعات ۵۴ھ

۴۔ طبری واقعات ۵۱ھ

لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور ان کے تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔ [1]

حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں اس صیغے کو اور بھی زیادہ ترقی ہوئی۔ ان کے زمانے میں صرف مدینہ اور اس کے آس پاس جو زرعی نہریں تھیں ان کے ذریعہ سے ڈیڑھ لاکھ وسق خرما اور ایک لاکھ وسق گیہوں پیدا ہوتا تھا۔ [2]

بند:

مکہ میں جو چار مشہور سیلاب مختلف زمانوں میں آئے ان میں ایک سیلاب جو ام نہشل کے نام سے مشہور ہے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں آیا اور مسجد حرام تک پہنچ گیا حضرت عمرؓ نے نیچے اوپر دو بند بندھوائے جس نے مسجد حرام کو سیلاب کی زد سے محفوظ رکھا۔ [3]

مدینہ میں ایک چشمہ تھا جس کا نام فہرور تھا، حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اس میں طغیانی آئی اور تمام مدینہ ڈوب گیا اس لئے انہوں نے اس سے بچنے کے لیے ایک بند بندھوا دیا۔ [4]

پل اور سڑک:

خلفاء کے زمانے میں مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ صلح ہوتا تھا اس میں تمام شرائط کے ساتھ یہ شرط بھی کر لی جاتی تھی کہ سڑکوں اور پلوں کا بنانا ان کے متعلق ہوگا، چنانچہ کتاب الخراج میں ایک معاہدہ کا یہ فقرہ نقل کیا ہے،

دبناء القناطر علی الانهار من اموالهم۔ [5]

''نہروں پر ان کو اپنے صرف سے پل باندھنا ہوگا۔''

طبری واقعات ۱۶ھ میں ایک معاہدہ کے حسب ذیل فقرے نقل کئے ہیں۔

---

[1] حسن المحاضر جلد ۱ ص ۶۳

[2] خلاصۃ الوفا ۲۴۷

[3] فتوح البلدان ص ۱۶

[4] فتوح البلدان ص ۱۷

[5] کتاب الخراج ص ۸۰

فکان الفلاحون للطرق و الجسور و الاسواق و الحرث والدلالة

''کاشتکاروں کا یہ فرض قرار دیا گیا کہ سڑک بنائیں پل باندھیں بازار لگائیں کھیتی لگائیں اور مسلمانوں کو راستہ بتائیں۔'' [1]

سرکاری عمارتیں:

سرکاری عمارتوں کی ابتداء حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوئی اور سرکاری کاموں کے لئے جس قدر عمارت کی ضرورت ہوتی ہے غالباً کل وجود میں آ گئیں۔

دارالامارۃ:

صوبجات اور اضلاع کے حکام کے لیے دارالامارۃ تعمیر کئے گئے جو گویا اس زمانے کے گورنمنٹ ہاوس تھے حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں غالباً سب سے پہلے بصرہ کا دارالامارۃ تیار ہوا چنانچہ جب عتبہ بن غزوان نے فوجی ضرورت سے بصرہ کو آباد کیا تو اس کے ساتھ مقام دہنا میں جس کو اب رحبہ بن ہاشم کہتے ہیں، سادہ طور پر ایک مسجد، ایک جیل خانہ اور ایک دارالامارۃ بھی تعمیر کروایا بصرہ اول اول گویا چھپروں کا مجموعہ تھا، لیکن بعد کو حضرت ابوموسی اشعری نے کچے مکانات بنوائے تو دارالامارۃ کو بھی کچی اینٹ سے تعمیر کروایا اور چھت گھاس سے پٹوائی حضرت امیر معاویہ نے زیاد کو بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا تو اس نے مسجد میں بہت کچھ اضافہ کیا دارالامارۃ کو مٹا کر مسجد کے سامنے قبلہ رخ کر دیا اور اس کی عمارت پہلے سے زیادہ مستحکم بنوائی۔ [2]

اس کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ کو آباد کیا تو اس کے ساتھ دارالامارۃ بھی تعمیر کرایا زیاد نے اس کی عمارت بھی دربارہ مستحکم بنوائی۔ [3]

---

[1] طبری صفحہ ۲۴۷۰ لیکن علامہ سیوطی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ خود بیت المال کے مصارف سے بھی پُل وغیرہ بنوئے جاتے تھے چنانچہ حسن المحاضرہ جلد ا صفحہ ۶۳ میں لکھتے ہیں۔ کانت فریضة مصر الحضر خليجها فا وافامة جسو رهاو بناء قناطرها و قطع جزئرهامايةَ الف و عشرين الفامعهم الطودو المساحى والا داة يعنقبون ذالك لا يدعون ذالك مشناء ركا صيفا

[2] فتوح البلدان ص ۳۵۵

[3] فتوح البلدان ص ۲۸۵

مکہ میں ایک نہایت قدیم یادگار تھی جس کو دارالندوہ کہتے تھے یہ عمارت قریش کا گویا دارالامارۃ تھی جس میں وہ تمام اہم قومی معاملات کا فیصلہ کرتے تھے اخیر میں حضرت امیر معاویہ نے اس کو خرید کر دارالامارۃ بنا دیا۔[1]

جیل خانے:

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں متعدد جیل خانے بنوائے اول اول مکہ معظّمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خرید کر کے جیل خانہ بنوایا۔[2]

پھر اور اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے بصرہ کا جیل خانہ عتبہ بن غزوان نے تعمیر کروایا تھا جو بالکل دارالامارۃ کے متصل تھا۔ کوفہ کا جیل خانہ بانس یا نرسل سے بنا تھا۔[3]

غلہ خانے:

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام سرکاری ضروریات کے لئے الگ الگ مکانات تعمیر کروائے تھے ہم کو تاریخوں میں دار الدقیق اور دارالرقیق کا اکثر نام ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدیان جنگ کے رہنے کے لئے کوئی مستقل مکان تعمیر کیا گیا تھا اسی طرح سرکاری آٹا کسی مستقل عمارت میں رکھا جاتا ہے عام الرمادۃ میں مدینہ کی بندرگاہ جار پر جو غلہ آتا تھا اس کو رکھنے کے لیے حضرت عمرؓ نے دو بڑے بڑے محل بنوائے تھے۔[4]

بیت المال:

اگرچہ ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں بیت المال قائم ہو چکا تھا، لیکن درحقیقت حضرت عمرؓ نے اس کے لئے مستقل اور شاندار عمارتیں تعمیر کروائیں ، چنانچہ کوفہ کا بیت المال ایک عظیم الشان محل کی صورت میں تعمیر ہوا تھا جس کے لئے شاہان فارس کی عمارت سے اینٹیں منگائی گئیں تھیں اور جس کو روزبہ ایک مشہور مجوسی معمار نے تیار کیا تھا۔[5]

---

1. فتوح البلدان ص ۵۹
2. مقریزی جلد دوم ص ۱۸۷
3. فتوح البلدان ص ۳۶۸
4. یعقوبی ص ۱۷۷
5. طبری ص ۲۴۸۹

بازار:

صحابہ کرامؓ کے عہد خلافت میں اگر چہ عرب کے تمام قدیم بازار مثلاً عکاظ، ذوالمجنہ وغیرہ قائم تھے، تاہم خود صحابہ کرامؓ نے بھی متعدد بازار قائم کئے چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو ایک کھلی ہوئی جگہ بازار کے لئے مخصوص کر لی گئی۔[1]

مصر فتح ہوا تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ ہم مسجد جامع کے متصل آپ کے لئے ایک مکان تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ میں تو حجاز میں ہوں اور میرے لئے مصر میں مکان تعمیر ہوگا؟ اس جگہ ایک بازار قائم کردو۔ چنانچہ وہ بازار قائم کیا گیا اور اس میں غلام فروخت کئے جاتے تھے۔[2]

حضرت عثمان نے حضرت عبداللہ بن عامرؓ کو بصرہ کا عامل مقرر فرمایا تو انہوں نے بہت سے مکانات خرید کر منہدم کروادیئے اور اس جگہ ایک بازار قائم کیا۔[3]

شفاخانے:

اگر چہ ہم کو اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ حفظان صحت کا نہایت خیال رکھتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرہ کے باشندوں نے شکایت کی کہ ہمارا گاؤں وبائی امراض میں مبتلا رہتا ہے، تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو ان لوگوں نے کہا کہ وہ ہمارا وطن ہے،، حضرت عمرؓ نے عرب کے مشہور طبیب حارث بن کلدہ سے کہا کہ اب کیا تدبیر ہے؟ اس نے کہا کہ زمین مرطوب ہے اور وہاں پسو اور مچھر بہت لگتے ہیں جو وباء کا سبب ہیں اس کے لیے ان لوگوں کو قرب و جوار میں نکل جانا چاہیے، گھی اور کراث کھانا چاہیے، خوشبو لگانا چاہیے، ننگے پاوں نہ چلنا چاہیے اور دن کو سونا نہ چاہیے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان کو ان تدبیروں پر عمل کرنے کا حکم دیا۔[4]

اور اگر چہ ہم کو اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بکثرت اطباء موجود تھے اور

---

[1] طبری ص ۲۴۹۱

[2] حسن المحاضرہ جلد اول ص ۵۹

[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ

[4] خلاصۃ الوفا ص ۲۷۰

ان سے وہ کام لیتے تھے چنانچہ حضرت معیقب دوسیؓ کو جذام ہوا تو ان کے علاج کے لئے انہوں نے مختلف اطبا بلوائے۔ [1]

لیکن بااین ہمہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے حضرت عمرؓ اور دوسرے خلفاء نے شفا خانے کے لئے کوئی عمارت تعمیر نہیں کروائی۔

چھاؤنیاں اور قلعے:

صحابہ کرامؓ کے عہد میں چونکہ فتوحات کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا اس لئے بکثرت فوجی چھاونیاں اور بکثرت قلعے تعمیر ہوئے عام دستور یہ تھا کہ جب کوئی غیر محفوظ یا ساحلی مقام فتح ہوتا تھا تو وہاں بقدر ضرورت فوج متعین کر دی جاتی تھی جس سے ہر قسم کی شورش و بغاوت کا سد باب ہو جاتا تھا۔ [2]

لیکن عارضی انتظامات کے علاوہ مستقل فوجی چھاونیاں قائم کی گئیں اور تمام ساحلی مقامات قلعوں سے مستحکم کئے گئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں شام کا سفر کیا تو تمام سرحدی مقامات کا دورہ کر کے فوجی چھاؤنیاں قائم کروائیں۔ ساحلی مقامات کا مستقل انتظام کیا اور حضرت عبداللہ بن قیسؓ کو اس کا افسر کل مقرر فرمایا۔ [3]

۱۹ھ میں جب یزید بن سفیان کا انتقال ہوا تو اس کے بھائی معاویہ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ سواحل شام کے استحکام کی زیادہ ضرورت ہے، حضرت عمرؓ نے فوراً حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی مرمت کی جائے اور ان میں فوجیں رکھی جائیں، جتنے دریائی مناظر ہیں ان میں پہرہ دینے والے متعین کئے جائیں اور ہمیشہ آگ روشن رکھنے کا سامان کیا جائے،، حضرت عمرؓ نے مصر وغیرہ میں بھی اس قسم کی بہ کثرت چھاؤنیاں قائم کیں حضرت عثمانؓ نے اس کو اور ترقی دی اور متعدد قلعے اور چھاؤنیاں بنوائیں، ایک گاوں جس کا نام جسر منبج تھا موسم گرما میں فوج کے قیام کے لئے آباد کرایا۔ [4] اور جو لوگ ساحلی قلعوں میں اقامت گزین ہونا پسند کرتے تھے ان کو جاگیریں عطا

1. اسد الغابہ تذکرہ حضرت معیقب دوسیؓ
2. فتوح البلدان ص ۱۳۴
3. طبری ص ۲۵۲۳
4. فتوح البلدان ص ۱۵۷

کیں۔[۱] حضرت امیر معاویہؓ کو بحریات کا بہت زیادہ خیال تھا' چنانچہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں طرابلس فتح ہوا تو' حضرت امیر معاویہؓ نے ایک بڑا قلعہ بنوایا جس کا نام حصن سفیان رکھا، اس قلعہ کے تعمیر ہونے سے ہر قسم کے بحری حملہ کا اندیشہ جاتا رہا۔[۲]

لاذقیہ، جبلہ، اور انطرطوس کو حضرت ابوعبیدہ نے فتح کیا تو قدیم دستور کے موافق حفاظت کے لئے کچھ فوجیں متعین کر دیں، لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے تمام ساحلی استحکامات کے ساتھ یہاں بھی قلعے بنوائے۔[۳]

جزیرہ روڈس فتح ہوا تو حضرت امیر معاویہؓ نے یہاں بھی ایک قلعہ تعمیر کروایا۔[۴]

حضرت امیر معاویہؓ نے بحری استحکامات کے علاوہ خاص اہل مدینہ کے لیے بھی ایک قلعہ بنوایا جس کا نام قصر خل تھا۔[۵]

مقبرہ :

حضرت عمرؓ نے جبل مقطم پر جو مصر میں واقع ہے مسلمانوں اور عیسائیوں کا الگ الگ مقبرہ تعمیر کروایا، چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہ بن حارث زبیدیؓ حضرت عبداللہ بن حذافۃ السہمیؓ، حضرت عقبہ بن عامرؓ اسی مقبرے میں مدفون ہوئے۔[۶]

حمام

مصر میں اگرچہ بہ کثرت حمام تھے لیکن وہ نہایت گندے و نجس رہتے تھے، اس لئے حضرت عمرو بن العاصؓ نے ایک چھوٹا سا حمام تعمیر کرایا جس کو رومی حمام الفار یعنی چوہوں کا حمام کہتے تھے۔[۷]

---

۱ فتوح البلدان ص ۱۳۴

۲ فتوح البلدان ص ۱۳۳

۳ فتوح البلدان ص ۱۴۰۰

۴ فتوح البلدان ص ۲۴۴

۵ وفا الوفا ص ۳۶۱

۶ معجم البلدان ذکر مقطم

۷ حسن المحاضرہ جلد اول ص ۵۹

وصیت:

نزع کا عالم بھی عجیب کشمکش کا عالم ہوتا ہے ایک طرف تو آل واولاد کی، ماں باپ کی، بھائی بند کی محبت دامن پکڑتی ہے، دوسری طرف عالم قدس کی کشش گریباں گیر ہوتی ہے، اس لئے ، دین ودنیا کی محبت کے موازنہ کے لئے اس سے بہتر زمانہ نہیں مل سکتا، اگر انسان دنیا کا شیدائی ہے تو وہ اپنا تمام مال ودولت صرف عزیز واقارب کو تفویض کر دیتا ہے، اگر وہ اپنا رشتہ خدا کے ساتھ جوڑنا چاہتے ہیں تو اپنی جائیداد کا معظم ترین حصہ خدا کی راہ میں صرف کرتا ہے اور آل واولاد کو صرف اس قدر دیتا ہے جس قدر ان کا حصہ اللہ تعالیٰ نے متعین کر دیا ہے، صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے صالح بندے تھے اس لئے وہ اس عالم میں جو کچھ دیتے تھے خدا ہی کو دیتے تھے، آل واولاد کا اسی قدر خیال رکھتے تھے جتنا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا، حضرت سعد بن ابی وقاص، مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور رسول اللہ ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے تو عرض کی کہ یا رسول اللہ میرے پاس دولت بہت ہے اور ورثاء میں صرف ایک لڑکی ہے چاہتا ہوں کہ دو ثلث مال صدقہ کر دوں، آپ نے اجازت نہیں دی، بولے تو نصف،، آپ نے فرمایا ''نہیں ثلث بہت ہے۔''[1]

حضرت سعد بن مالکؓ بیمار ہوئے اور آپ عیادت کے لئے تشریف لائے تو انہوں نے کہا میں خدا کی راہ میں اپنا کل مال دیتا ہوں،، فرمایا بچوں کے لئے کیا چھوڑتے ہو؟ بولے خدا کے فضل سے وہ آسودہ حال ہیں،، آپ نے فرمایا نہیں صرف دسویں حصہ کی وصیت کرو،، انہوں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے ثلث کی اجازت دی۔[2]

اوقاف

غربت وافلاس، تنگدستی اور فاقہ مستی سب کچھ تھی، لیکن ان میں کوئی چیز صحابہؓ کو انفاق فی سبیل اللہ سے باز نہیں رکھ سکتی تھی، صدقہ وخیرات تو تمام صحابہ کے اعمال صالح کا نمایاں جزو تھا، اسی بناء پر قرآن مجید نے ان کی یہ مشترکہ خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔

---

1. ابوداؤد کتاب الوصایا باب ماجاء فیما یجوز للموصی فی مالہ
2. ترمذی کتاب الجنائز باب ماجاء فی الوصیۃ بالثلث والربع

ومما رزقناهم ينفقون

اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ صرف کرتے ہیں۔

لیکن ان میں متعدد بزرگ ایسے تھے جو خدا کی راہ میں کچھ دینا نہیں چاہتے تھے، بلکہ سب کچھ دینا چاہتے تھے، مثلاً حضرت عمرؓ نے ایک بار خیبر میں ایک نہایت عمدہ قطعہ زمین پایا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں نے ایک نہایت عمدہ جائیداد پائی ہے اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ ارشاد ہوا کہ اسکو خدا کی راہ میں وقف کر دو چنانچہ انہوں نے اس کو وقف کر دیا۔[1]

لیکن اس کے علاوہ انہوں نے اور بھی متعدد جائیدادیں وقف کیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ثمغ	ایک نخلستان تھا جو اسلام کی تاریخ میں پہلا وقف تھا۔
صرمہ ابن اکوع	باغ کے ساتھ باغبان بھی وقف تھا۔
سو درخت	نسائی میں ہے کہ انہوں نے ان کو سو غلاموں کے بدلے خریدا تھا۔
سو درخت	خود رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائے تھے۔

حضرت عمرؓ نے اس وقف کے متعلق ایک وقف نامہ بھی لکھا تھا جس میں حضرت حفصہؓ کو متولی قرار دیا تھا۔[2]

حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ نے انتقال کیا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میری والدہ نے انتقال کیا، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ثواب حاصل ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں،، بولے تو ایک باغ ان کے نام پر وقف کرتا ہوں اور آپ کو گواہ بناتا ہوں۔[3]

حضرت کعب بن مالکؓ کی توبہ قبول ہوئی تو انہوں نے اس مسرت میں اپنی تمام جائیداد وقف کرنا چاہی لیکن آپ کے اصرار سے خیبر کا حصہ اپنے لئے محفوظ رکھا۔[4]

---

[1] بخاری کتاب الوصایا باب الوقف

[2] ابوداؤد کتاب الوصایا باب فی الرجل یوقف الوقف

[3] ابوداؤد کتاب الوصایا باب فیمن مات من غیر وصیۃ یتصدق عنہ و بخاری کتاب الوصایا

[4] ابوداؤد کتاب الایمان والنذور باب فیمن نذر ان یتصدق بمالہ

جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا

وہ کون ہے جو خدا کو قرض حسنہ دیتا ہے

تو حضرت ابوالدحداحؓ اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے باغ میں مقیم تھے فوراً ابی بی کے پاس آئے اور کہا کہ ام دحداح باغ سے نکلو میں نے باغ خدا کو قرض دیدیا، یہ کہہ کر اس کو مساکین وفقراء پر وقف کر دیا۔ [1]

شہروں کی آبادی

صحابہ کرام نے جو جدید شہر آباد کرائے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے

بصرہ

خریبہ ایک غیر آباد مقام تھا جہاں اکل وشرب کا کافی سامان تھا وہاں حضرت عتبہ بن غزوانؓ آئے تو اس کو فوجی ضروریات کے لئے موزوں خیال کیا اور حضرت عمرؓ سے اس کو آباد کرنے کی اجازت طلب کی، انہوں نے زمین کے نقشہ اور موقع ومحل کی اطلاع دی تو حضرت عمرؓ نے بھی اس کو پسند فرمایا اور ان کو اس کے آباد کرنے کی اجازت دی۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عتبہ کو خود آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا، بہرحال عتبہ نے نرسل کے مکانات بنوائے اور ایک مسجد تعمیر کروائی، سرکاری کاموں کے لیے قید خانہ، دارالامارۃ اور دفتر بھی نرسل ہی کے تعمیر کروائے، ایک مدت تک یہ حال رہا کہ جب لوگ جہاد کے لئے روانہ ہوتے تھے تو نرسل کو گرا کر ڈھیر لگا دیتے تھے، پھر جب لوٹتے تھے تو اس کو مکان کی صورت میں ترتیب دے لیتے تھے، اس کے بعد لوگوں نے الگ الگ مکانات بنوائے اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے مسجد اور دارالامارۃ کو کچی اینٹ سے تعمیر کروایا، امیر معاویہ کے زمانے میں زیاد نے مسجد میں بہت کچھ اصلاح اور اضافہ کیا۔ [2]

---

1. استیعاب تذکرہ حضرت ابوالدحداحؓ
2. فتوح البلدان از ص ۳۵۴ تا ۳۵۸

کوفہ:

مدائن فتح ہوا تو وہاں مسلمان آباد ہو گئے، اور مسجدیں تعمیر کر لیں لیکن آب و ہوا نا موافق آئی تو حضرت سعد بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی، انہوں نے لکھا کہ لوگ، دوسری جگہ آباد کرائے جائیں، کوفہ کی زمین جس کو اہل عرب خد العذ را یعنی عارض محبوب کہتے تھے اس غرض کے لئے انتخاب کی گئی اور چالیس ہزار آدمیوں کے رہنے کے لئے مکانات بنوائے گئے جن میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے، عمارتیں اول اول نرسل کی بنی تھیں لیکن بار بار آتش زنی ہوئی تو حضرت عمرؓ کی اجازت سے اینٹ اور گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں۔

مسجد جامع کے علاوہ ہر قبیلے کے لئے الگ الگ مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ اور زیاد کے زمانے میں بھی کوفہ کی آبادی میں بعض تغیرات کئے گئے۔[1]

فسطاط:

اسکندریہ فتح ہوا تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے وہاں مسلمانوں کو آباد کرنا چاہا، لیکن چونکہ اسکندریہ کے بیچ میں دریائے نیل حائل تھا جس کو حضرت عمرؓ ناپسند فرماتے تھے، اس لئے انہوں نے اجازت نہیں دی۔

حضرت عمرو بن العاص اسکندریہ کی فتح کے لئے روانہ ہوئے تھے تو خیمہ کو خالی چھوڑ گئے تھے جو اسی طرح کھڑا رہا، وہ پلٹ کر اسی خیمہ میں اترے اور وہیں شہر کی بنیاد ڈالی اسی مناسبت کے لحاظ سے اس کا نام فسطاط پڑ گیا جس کے معنی خیمے کے ہیں۔

قبائل میں باہم جگہ کے انتخاب میں نزاع واقع ہوئی تو حضرت عمرو بن العاص نے معاویہ بن خدیج، شریک بن سہمی، عمرو بن مخرم اور جبرئیل بن ناشرہ مغافری کو متعین کیا کہ ہر قبیلے کو مناسب مقامات پر آباد کریں۔[2]

تمام قبائل نے دریا اور قلعے کے سامنے مویشیوں کے لئے کچھ خالی زمینیں چھوڑ دی تھیں، لیکن امیر معاویہؓ کے عہد میں وہاں بھی مکانات تعمیر ہو گئے۔[3]

---

[1] کوفہ کی آبادی کا حال معجم البلدان فتوح البلدان اور طبری میں بہ تفصیل مذکور ہے۔

[2] معجم ذکر فسطاط

[3] حسن المحاضرہ جلد ۱ ص ۵۸

موصل:

یہ شہر اگر چہ پہلے سے آباد تھا، لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں حضرت ہرثمہ بن عرفجہؓ نے ایک قلعہ، عیسائیوں کے چند گرجے اور ان گرجوں کے متصل کے چند مکان اور یہودیوں کے ایک محلے کو ملا کر ایک مستقل شہر آباد کیا اور وہاں ایک مسجد جامع بھی تعمیر کروائی۔ [1]

جیزہ:

حضرت عمرو بن العاصؓ اسکندریہ سے واپس آئے تو اس خیال سے کہ دشمن کہیں دریا کی راہ سے چڑھ نہ آئے اس مقام پر تھوڑی سی فوج متعین کر دی، جس میں قبائل حمیر، ہمدان، آل رعین، ازد بن حجرؓ اور حبشہ کے لوگ شامل تھے لیکن جب امن وامان قائم ہو گیا تو انہوں نے ان قبائل کو بلا کر فسطاط میں آباد کرانا چاہا مگر لوگوں نے انکار کر دیا، حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی تو انہوں نے کہا کہ اچھا ان کے لئے ایک قلعہ بنا دیا جائے ان لوگوں نے اس کو بھی ناپسند کیا، اور کہا کہ،، ہمارا قلعہ خود ہماری تلوار ہے،، انہی لوگوں کی مجموعی آبادی سے جیزہ نے ایک مختصر شہر کی صورت اختیار کر لی، پہلے ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے الگ آباد ہوا تھا، اسی لئے بیچ بیچ میں زمین خالی تھی، لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جب کثرت سے اہل عرب یہاں آئے تو ہر قبیلہ نے اپنے قبیلے کے آدمیوں کو اپنی طرف کھینچا، اس وجہ سے یہ خالی مقامات بھی آباد ہو گئے۔ [2]

اردبیل:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں حضرت اشعث بن قیسؓ والی آذر بائیجان نے اس شہر کو آباد کیا اور بہت سے عرب لا کر یہاں بسائے اور ایک مسجد بھی تعمیر کی۔ [3]

---

۱ فتوح البلدان ص ۳۴۰

۲ معجم ذکر جیزہ وحسن المحاضرہ جلد ا ص ۵۹

۳ فتوح البلدان ص ۳۳۷

مرعش:

حضرت امیر معاویہؓ نے فوج کے لئے اس شہر کو آباد کیا اور یزید کے زمانے تک آباد رہا ، یزید کی موت کے بعد رومیوں نے پیہم غارت گری شروع کی تو یہاں کے باشندے اجڑ کر دوسرے مقامات پر آباد ہو گئے۔ [1]

قیروان:

حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں سب سے بڑا شہر جو آباد ہوا وہ یہی تھا، اس کی آبادی کی تاریخ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے معاویہ بن خدیج کندیؓ کو معزول کر کے عقبہ بن نافع فہریؓ کو افریقہ کا گورنر مقرر فرمایا تو انہوں نے ایک فوج گراں کے ساتھ حملہ کر کے افریقہ کے تمام بڑے بڑے شہر فتح کر لئے اور یہاں سے لے کر افریقہ تک اسلام پھیل گیا۔ اس موقع پر حضرت عقبہ نے اپنے تمام رفقاء کو جمع کر کے کہا یہ لوگ مسلمان تو ہو جاتے ہیں لیکن جب مسلمان یہاں سے واپس جاتے ہیں تو پھر مرتد ہو جاتے ہیں، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ میں یہاں مسلمانوں کا ایک شہر آباد کر دوں،، لوگوں نے ان کی رائے کو پسند کیا تو انہوں نے سب سے پہلے دارالامارۃ کی بنیاد ڈالی اور لوگوں نے اس کے گرد مکانات بنوائے'' انہوں نے ایک جامع مسجد بھی تعمیر کروائی اور اس کے علاوہ اور مسجدیں بھی تعمیر ہوئیں۔ [2]

حضرت امیر معاویہؓ نے بھی بعض شہر آباد کرائے مثلاً جزیرہ قبرص فتح ہوا تو وہاں مسجدیں تعمیر کرائیں، عرب کو لا کر بسایا اور ایک شہر آباد کیا جس کو یزید نے ویران کر دیا۔ [3]

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۹۶

[2] معجم البلدان ذکر قیروان

[3] فتوح البلدان ص ۱۶۰

تعزیر وحدود

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اگرچہ بعض صحابہ پولیس کی خدمت پر مامور تھے تاہم اس وقت تک پولیس کا کوئی محکمہ قائم نہیں ہوا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے اس پر صرف اس قدر اضافہ کیا تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو پہرہ داری کی خدمت پر مامور فرمادیا تھا اور بعض جرائم کی سزائیں متعین کر دیں۔ مثلاً حد خمر کی نسبت رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل نہایت مختلف تھا، ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ صحابہ کرام آپ کی خدمت میں ایک شرابی کو پکڑ کر لائے تو آپ نے تمام صحابہ کو حکم دیا کہ مارتے جاؤ سب نے جوتے ڈنڈے اور کھجور کی شاخوں سے مارنا شروع کیا اخیر میں آپ نے اس کے منہ میں خاک جھونک دی۔[1]

لیکن ابو داؤد کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک شرابی جھومتا ہوا جا رہا تھا۔ صحابہ کرام نے اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کرنا چاہا، وہ حضرت عباس کے دروازے کے سامنے آیا تو ان سے لپٹ گیا، اور بھاگ نکلا، آپ کو خبر ہوئی تو ہنس پڑے اور کوئی سزا نہیں دی۔[2]

صحیح مسلم کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے ایک شرابی کو انجیر کی چھڑی سے ۴۰ ضرب۔[3] کی سزا دی اور حضرت ابوبکر نے اپنے دور خلافت میں اسی کو لازمی کر دیا، اور حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ابتدائی زمانے تک اسی پر عمل درآمد ہوتا رہا۔[4]

---

1. ابوداود کتاب الحدود باب اذا تتابع فی شرب الخمر
2. ابوداود کتاب الحدود باب الحد فی الخمر
3. مسلم کتاب الحدود باب حد الخمر
4. ابوداؤد کتاب الحدود اذا تتابع فی شرب الخمر لیکن بخاری کتاب الحدود میں جو روایت ہے وہ اس کے بالکل مخالف ہے اس روایت کے یہ الفاظ ہیں۔ کنا نوتی بالشارب علی عہد رسول اللہ ﷺ و امرۃ ابی بکر و صدرا من خلافۃ عمر فتقوم الیہ بایدینا ونعالنا

حضرت ابوبکر کے عہد خلافت میں بعض جدید جرائم بھی پیدا ہوئے' مثلاً خالد بن ولیدؓ نے ان کو لکھا کہ حوالی مدینہ میں ایک شخص ...... میں مبتلا ہے' چونکہ اہل عرب کے لئے یہ ایک جدید جرم تھا' اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے تمام صحابہ سے مشورہ کیا' حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جلانے کی رائے دی اور تمام صحابہ نے اس پر اتفاق کیا۔ [۱]

تعزیر و حدود کے متعلق حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوا لیکن حضرت عمرؓ نے پولیس کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا اور اس صیغہ میں متعدد چیزیں ایجاد فرمائیں، مثلاً:

۱۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک جیل خانہ کی کوئی عمارت تعمیر نہیں ہوئی تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے جیل خانے بنوائے اول اول مکہ معظمہ میں حضرت صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اس کو جیل خانہ بنوایا۔ [۲] پھر اور اضلاع میں جیل خانے بنوائے چنانچہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل سے بنا تھا معن بن زائدہ نے بیت المال سے کچھ روپیہ کا غبن کیا تو ان کو اسی جیل خانے میں قید کیا گیا۔ [۳]

۲۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک کسی کو سولی کی سزا نہیں دی گئی تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے بعض اشخاص کو سولی کی سزا دی چنانچہ حضرت ام ورقہ بنت نوافل کو ان کے غلاموں نے قتل کر ڈالا، تو حضرت عمر نے ان کو سولی کا حکم دیا، اور یہ پہلی سولی تھی جو مدینہ میں دی گئی۔ [۴] ایک ذمی نے بالجبر ایک مسلمان عورت کی آبروریزی کی تو اس کو بھی سولی کی سزا دی اور فرمایا کہ ہم نے اس پر کوئی معاہدہ نہیں کیا ہے۔ [۵]

۳۔ مجرمین کی گرفتاری کے لئے اعلان واشتہار دیا، چنانچہ جن غلاموں نے حضرت ام ورقہ کو شہید کیا تھا، وہ اعلان واشتہار ہی کے ذریعہ سے گرفتار ہو کر آئے تھے۔

۴۔ تعزیر و حدود کے لئے اشخاص متعین کئے جو مجرمین کو سزا دیتے تھے، اصابہ میں ہے کہ

---

۱ الترغیب والترہیب جلد ۲ صفحہ ۱۱۱۶ الترہیب من اللواط بسند جید'

۲ مقریزی جلد ۲ ص ۱۷۸

۳ فتوح البلدان ص ۲۶۸

۴ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ النسا

۵ کتاب الخراج ص ۱۰۹

انہوں نے حضرت عبداللہ بن ملیکہ کو اقامت حدود کی خدمت پر مامور کیا تھا۔[1]

۵۔ جلاوطنی کی سزا اگر چہ اسلام میں کوئی جدید سزا نہ تھی، تاہم حضرت عمرؓ کے عہد میں اس پر اس کثرت سے عمل ہوا کہ گویا وہ ان کی اولیات میں قرار پائی۔[2]

لیکن ایک بار جب انہوں نے ایک شخص کو جلاوطن کیا اور وہ شام میں جا کر عیسائی ہو گیا، تو اس وقت سے جلاوطنی کی سزا موقوف کر دی۔

۶۔ بعض سزائیں سخت کر دیں، مثلاً حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں شراب پینے کی سزا ۴۰ درے تھی، ان کے زمانے میں شراب نوشی کی کثرت ہوئی تو انہوں نے صحابہ کرام کے مشورے سے اسی درے کر دیئے۔[3]

۷۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں مثلاً کوئی شخص بیع وشرا میں خدع وفریب نہ کرے شراب علانیہ بکنے نہ پائے، کوئی شخص سڑک پر مکان وغیرہ نہ بنوانے پائے ان کی طرف خاص طور پر توجہ کی اگر چہ پتہ نہیں چلتا کہ انہوں نے احتساب کا کوئی مستقل صیغہ قائم کیا تھا، تاہم یہ صحیح طور پر معلوم ہے کہ انہوں نے اس کام کے لیے افسر متعین کئے تھے، موطائے امام مالک میں ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عتبہ کو بازار کی نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا۔ اور حضرت سائب بن یزیدؓ کو ان کا مددگار بنایا تھا۔[4] ان کے علاوہ اور بھی متعدد اہلکار تھے جو ناجائز تجارت کی روک ٹوک کرتے تھے۔[5]

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں یہ محکمہ اسی حالت میں قائم رہا، لیکن حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں زیاد نے اس صیغہ کو نہایت ترقی دی اس نے چار ہزار آدمی پولیس میں بھرتی کئے جن کے افسر عبداللہ بن حصن تھے، پانچ سو آدمی خاص طور پر مسجد کا پہرہ دیتے تھے۔ اور وہاں سے کبھی نہیں ٹلتے تھے، اس انتظام کا مقصد کچھ ہی کیوں نہ ہو تاہم اس کی وجہ سے ملک کے امن وامان کو اس قدر ترقی ہوئی کہ کوئی شخص اگر راستہ

---

[1] اصابہ تذکرہ عبیداللہ بن عبداللہ بن ابی ملیکہ

[2] بخاری کتاب المحاربین میں ہے کہ ان عمر بن الخطاب غرب ثم لم تنزل تلک السنتہ

[3] مسلم کتاب الحدود باب حد الخمر

[4] موطائے امام مالک کتاب البیوع

[5] موطائے امام محمد باب الشرکتہ فی البیوع

میں کوئی گری پڑی چیز پاتا تھا تو لا کر براہِ راست اس کے مالک کے حوالے کرتا تھا، زیاد خود کہتا تھا، کہ اگر کوفہ اور خراسان کے درمیان ایک رسی بھی گم ہو جائے تو مجھ کو اس کے لینے والے کے نام کی خبر ہو جائے گی۔ ایک دن اس نے ایک گھر میں گھنٹے کی آواز سنی، پوچھا تو معلوم ہوا کہ لوگ پہرہ دے رہے ہیں بولا اسکی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی مال چوری جائے گا تو میں اس کا ضامن ہوں''

اس کے زمانے میں عشاء کی نماز کے بعد اگر کوئی شخص گھر سے نکلتا تھا تو قتل کر دیا جاتا تھا۔[1]

حضرت امیر معاویہ نے اس محکمہ میں ایک جدید ایجاد یہ کی مشتبہ چال چلن کے لوگوں کی جانچ پڑتال کروائی اور ان کے نام لکھوائے چنانچہ انہوں نے دمشق میں حضرت ابوالدردا کے نام حکم بھیجا تھا کہ وہاں کے بدمعاشوں کے نام لکھ بھیجو۔[2]

صحابہ کرام کے زمانہ خلافت میں پولیس کے محکمہ میں عہد بہ عہد جو ترقیاں ہوئیں یہ اس کی سادہ تاریخ ہے اب ہم کو اس پر اخلاقی اور مذہبی حیثیت کی نگاہ ڈالنی چاہیے کیونکہ صحابہ کرام کے دور خلافت کا طرہ امتیاز صرف سیاست نہیں، بلکہ اخلاق و مذہب ہے۔

پولیس کا محکمہ اخلاقی اور مذہبی روح کی سب سے بڑی قربان گاہ ہے، لیکن صحابہ کرام نے اپنے دور خلافت میں اس کو اخلاقی اور مذہبی روح کی سب سے بڑی نمائش گاہ بنا دیا تھا، اور جہاں کہیں سیاست اور اخلاق میں باہم تصادم ہوتا تھا، وہاں اخلاق کو سیاست پر مقدم رکھتے تھے، ایک بار ایک مجرم نے حضرت عمرؓ کے سامنے اقرار کیا کہ اس نے اپنی بی بی کے ساتھ ایک شخص کو ملوث پایا، اس لئے دونوں کو قتل کر دیا۔ حضرت عمر نے اپنے عامل کو لکھا کہ قصاص لیا جائے لیکن مخفی طور پر ہدایت کی کہ دیت لے کر مجرم کو چھوڑ دیا جائے۔[3]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خاص طور پر تجسس کی ممانعت فرمائی

لا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا

''عیوب کی جستجو میں نہ رہو اور تم میں کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے۔''

بالخصوص امراؤ عمال کے لئے تو حدیث شریف میں خاص طور پر تجسس کی ممانعت آئی ہے

---

[1] طبری صفحہ ۷۷ واقعات ۴۵ھ

[2] الادب المفرد باب الظن

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ ہانی بن حرام

قال ان الامیرا ذا تبغی الریبۃ فی الناس افسدھم

''امیر اگر لوگوں کی برائیاں ڈھونڈھے گا تو ان کو خراب کردے گا۔''[1]

ہمارے زمانے میں اگر اس پر عمل کیا جائے تو دفعتہً پولیس کا نظام درہم برہم ہو جائے لیکن صحابہ کرام کے عہد میں حدود اللہ سے آگے کیونکر قدم بڑھایا جا سکتا ہے اس لئے انہوں نے پولیس کے فرائض بھی انجام دیئے اور اس آیت پر عمل کیا۔

ایک بار لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں ایک شرابی کو پکڑ لائے اور کہا کہ اس کی داڑھی سے شراب ٹپک رہی ہے بولے ہم کو تجسس کی ممانعت کی گئی ہے ہم صرف ظاہری باتوں پر داروگیر کرتے ہیں۔[2]

حضرت ابو محجن ثقفیؓ شراب کے سخت عادی تھے، ایک بار حضرت عمرؓ کی خدمت میں آئے اور ان کو محسوس ہوا کہ انہوں نے شراب پی ہے، لوگوں سے کہا ان کا منہ تو سونگھو، لیکن سب نے کہا یہ تجسس ہے، آپ کو اس کی ممانعت کی گئی ہے حضرت عمر فوراً رک گئے۔[3]

ایک بار حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ساتھ رات کو پہرہ دینے نکلے، ایک جگہ چراغ کی روشنی نظر آئی، پاس جا کر دیکھا کہ ایک گھر کا دروازہ بند ہے، اور اندر لوگ شور و شغب کر رہے ہیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا کہ یہ لوگ شراب پی رہے ہیں، تمہاری کیا رائے ہے، بولے اللہ تعالیٰ نے ہمیں تجسس کی ممانعت فرمائی ہے اس لئے وہاں سے فوراً واپس آئے۔[4]

ایک بار حضرت عقبہ بن عامرؓ کے پرائیوٹ سیکرٹری نے ان سے کہا کہ میرے پڑوسی شراب پیتے ہیں میں نے ان کو منع کیا، لیکن نہیں مانتے، اب پولیس کو بلاتا ہوں بولے جانے بھی دو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو لوگ عیوب پر پردہ ڈالتے ہیں وہ گویا زندہ در گور لڑکی کو جلا لیتے ہیں۔[5]

---

1. ابوداود کتاب الادب باب فی النہی عن التجسس
2. ابوداود کتاب الادب باب فی النہی عن التجسس
3. اصابہ تذکرہ ابو محجن ثقفی
4. اصابہ تذکرہ ربیعہ بن امیہ
5. ابوداود کتاب الادب باب فی الستر علی المسلم

پولیس بجبر جرائم کا اقرار کرواتی ہے، لیکن صحابہ کرام کے سامنے لوگ خود جرائم کا اقرار کرتے تھے، اور وہ ان سے انکار کرواتے تھے، ایک بار ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں آ کر کہا کہ میں نے چوری کی ہے،، انہوں نے پہلی بار ڈانٹا دوسری بار اس نے پھر اقرار کیا تو بولے تم نے خود اپنے اوپر کامل شہادت دے دی، ایک بار ایک عورت نے حضرت عمرؓ کے سامنے چار بار زنا کا اقرار کیا تو بولے اگر وہ انکار کر دیتی تو ہم اس پر حد نہ جاری کرتے۔ [1]

پولیس کا محکمہ عفو و درگزر کا مذبح ہے، لیکن صحابہ کرام اکثر مجرمین سے عفو و درگزر فرماتے تھے، حضرت عمرؓ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ نہایت سخت تھے، لیکن ایک بار حضرت حاطبؓ کے غلاموں نے کسی کی اونٹنی چرائی اور ذبح کر دی، حضرت عمرؓ کی خدمت میں مقدمہ پیش ہوا تو انہوں نے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، پھر فرمایا یہ بھوکوں مر جائیں گے، اس لئے ان کا تاوان دلوا دیتا ہوں ،، اونٹنی کے مالک سے پوچھا کہ اس کی قیمت کیا تھی، اس نے کہا چار سو درہم ملتے تھے، مگر میں نہیں فروخت کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے آٹھ سو درہم دلوا کر غلاموں کو رہا کر دیا۔ [2]

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اگر ذرا سا بھی حیلہ پاتے تھے تو سزا نہیں دیتے تھے، بیت المال اگر چہ خلیفہ وقت کی ذمہ داری اور حفاظت میں رہتا ہے، تاہم چونکہ وہ مسلمان کا مشترکہ خزانہ ہے اس لئے اس میں بہر حال یہ احتمال قائم رہتا ہے کہ اگر اس میں کسی نے تصرف کیا ہوگا تو اپنا حق سمجھ کر کیا ہوگا، اس بنا پر جب کوفہ کے بیت المال میں چوری ہوئی تو حضرت عمرؓ نے مجرم کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ [3] غلام اور آقا کے مال میں بھی یہی اشتباہ قائم رہتا ہے، اس لئے جب ان کے سامنے ایک شخص نے اپنے غلام کو پیش کیا کہ اس نے میری بی بی کا آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ۶۰ درہم تھی تو حضرت عمر نے اس کو یہ کہہ کر رہا کر دیا کہ تمہارا غلام تھا اور تمہارا ہی مال چرایا۔ [4]

عام الرمادہ میں جب تمام عرب سخت قحط میں مبتلا تھا تو عام حکم دیا تھا کہ کسی چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں، لیکن باوجود اس عفو و درگزر کے جب جرم ثابت ہو جاتا تھا اور تمام حیلوں کی

---

[1] کتاب الخراج للقاضی ابو یوسف ص ۱۰۳

[2] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب القضاء فی الضواری والحریسۃ

[3] کتاب الخراج للقاضی ابو یوسف ص ۱۰۴

[4] موطائے امام مالک کتاب الحدود باب ما لا قطع فیہ

رگ کٹ جاتی تھی، تو کوئی چیز صحابہ کرام کو اقامتِ حدود سے باز نہیں رکھ سکتی تھی، ان معاملات میں انسان فطرتاً ذاتی تعلقات سے متاثر ہوتا ہے، لیکن صحابہ کرام کی اخلاقی طاقت نے اللہ تعالیٰ کی راہ سے اس سنگ گراں کو بالکل ہٹا دیا تھا۔

ولید حضرت عثمانؓ کے بھائی اور کوفہ کے گورنر تھے انہوں نے ایک بار شراب پی اور تحقیقات کرنے پر جرم ثابت ہوا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ ان کو ۸۰ کوڑے لگائیں۔[1]

حضرت قدامہؓ بن مظعون بڑے رتبے کے صحابی اور حضرت عمرؓ کے سالے تھے انہوں نے شراب پی تو حضرت عمرؓ نے ان پر حد جاری کرنی چاہی، تمام صحابہ نے اس کی مخالفت کی انہوں نے فرمایا۔

لان یلقی اللہ تحت السیاط احب الی ان القاہ و ھوفی عنقی ائتونی بسوط تام۔[2]

''اگر وہ کوڑوں کے نیچے مر جائیں تو یہ مجھے گوارا ہے لیکن یہ گوارا نہیں کہ میں خدا سے ملوں اور اس کی ذمہ داری میری گردن پر ہو، لاؤ مضبوط کوڑا''

یہود نے اقامت حدود میں رزیل و شریف کے درمیان سخت ناگوار تفریق قائم کر رکھی تھی، لیکن صحابہ کرام نے اس میں ہمیشہ عزیز و ذلیل کو برابر سمجھا، صحابہ کرام میں سب سے زیادہ معزز خود خلیفہ وقت تھا، لیکن اگر اس سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تھا، تو رعایا کا ہر فرد اس کی پیٹھ پر کوڑا مار سکتا تھا، ایک بار حضرت ابوبکرؓ نے اعلان فرمایا کہ میں صدقے کے اونٹ تقسیم کروں گا، سب لوگ آئیں مگر ہمارے پاس کوئی بلا اجازت نہ آئے لیکن ایک بدو ہاتھ میں مہار لئے ہوئے آیا اور بلا اجازت ان کے پاس چلا آیا انہوں نے اسی مہار سے اسے مارا، جب اونٹ تقسیم سے فارغ ہوئے تو اس کو بلایا اور کہا کہ اسی مہار سے اپنا قصاص لو حضرت عمر نے کہا کہ یہ سنت نہ قائم کیجئے بولے ''قیامت میں خدا کو کیا جواب دوں گا۔''[3]

---

[1] بخاری کتاب المناقب فضائل عثمان اگرچہ نفس حدیث میں شراب نوشی کی تصریح نہیں ہے لیکن حواشی میں تصریح ہے۔

[2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت قدامہ بن مظعون

[3] کنز العمال جلد ۳ ص ۱۲۷

ایک بار حضرت عمرؓ امورِ خلافت میں مشغول تھے۔ ایک شخص فریاد لے کر آیا، انہوں نے غصے میں اس پر کوڑا اٹھایا، وہ ناراض ہو کر چلا تو خود بلا کر اس کے سامنے اپنا کوڑا ڈال دیا اور کہا کہ مجھ سے قصاص لے لے۔[1]

خلیفہ کے بعد امراء و عمال کا درجہ تھا ان کی نسبت حضرت عمرؓ نے عام اعلان فرما دیا تھا۔

انی لم ابعث عمالی لیضربوا ابشارکم ولا لیا خذوا اموالکم فمن فعل به ذالک فلیر فعه الی اقصه منه۔[2]

"میں نے اپنے عمال کو اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو ماریں پیٹیں یا بجبر ان کا مال لیں، اگر کسی کے ساتھ ایسا کیا جائے تو وہ مجھے استغاثہ کرے کہ میں اس کا قصاص لوں گا۔"

یہ صرف اعلان نہ تھا بلکہ اس پر عمل بھی ہوتا ہے، چنانچہ جب یہ اعلان ہوا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ،، اے امیر المومنین آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں،، فرمایا تم بھی سو کوڑے مارنا چاہتے ہو، اٹھو اور مارو،، حضرت عمرو بن العاصؓ پر یہ واقعہ نہایت گراں گزرا اور بولے کہ اگر یہ طریقہ جاری ہوا تو عمال کو سخت ناگوار ہوگا اور آئندہ کے لیے عام شاہراہ ہو جائے گی۔ لیکن انہوں نے کہا کہ اس سے کیوں کر اغماض کیا جا سکتا ہے جب کہ خود رسول اللہ ﷺ اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے قصاص کے لئے پیش کرتے تھے، بالآخر حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس کو دو سو دینار دے کر راضی کیا۔[3]

غیر قومیں جب حلقہ اسلام میں داخل ہوتی تھیں تو عدم تعود کی بنا پر ان کو اس مساوات پر سخت تعجب اور تعجب کے ساتھ ناگواری ہوتی تھی، جبلہ بن ایہم غسانی شام کا ایک رئیس تھا جو مسلمان ہو گیا تھا، اس نے ایک بار کسی شخص کی آنکھ پر تھپڑ مارا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے قصاص لینا چاہا تو اس نے کہا کیا اس کی آنکھ اور میری آنکھ برابر ہے؟ میں اس ملک میں رہنا پسند نہ کروں گا جہاں مجھ کو بھی کوئی دبا سکتا ہے۔ چنانچہ مرتد ہو کر روم کی طرف بھاگ نکلا۔[4]

---

1. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ
2. ابوداؤد کتاب الحدود باب القود بغیر حدید
3. کتاب الخراج للقاضی ابو یوسف ص ۱۶۶
4. فتوح البلدان ص ۱۴۲

ذمی رعایا کے حقوق

تعصب کی انتہا تو یہ ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ سرے سے تعلقات ہی نہ رکھے جائیں لیکن تعصب کی اس سے بھی زیادہ بدنما اور تکلیف دہ شکل یہ ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ تعلقات تو قائم کئے جائیں لیکن تعلقات کو نہایت ذلیل اور بیہودہ طریقے پر قائم رکھا جائے۔

صحابہ کرامؓ کے عہد میں تاریخ نے صرف یہی دو قسم کی مثال قائم کی تھی، لیکن صحابہ کرامؓ نے غیر قوموں کے ساتھ ہر قسم کے مذہبی، تمدنی اور سیاسی تعلقات قائم کئے اور ان کو اس بے تعصبی کے ساتھ نباہا کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

مذہبی تعلقات:

مذہبی حیثیت سے قرآن مجید نے اگرچہ صحابہ کرامؓ کو اور مذاہب کی کتابوں سے بے نیاز کر دیا تھا، تاہم متعدد صحابہ تھے جنہوں نے قرآن مجید کی طرح توراۃ اور انجیل کو پڑھا تھا چنانچہ علامہ ذہبی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے حال میں لکھتے ہیں۔

> وکان اصاب جملة من کتب اهل الکتاب وادمن النظر فیها ورای فیها عجائب وکان فاضل عالما قرء القرآن و الکتب المتقدمة۔[1]
>
> ''انہوں نے اہل کتاب کی تمام کتابیں حاصل کی تھیں اور بالاتصال ان کا مطالعہ کرتے تھے اور ان میں ان کو عجائبات نظر آئے تھے وہ عالم فاضل تھے اور قرآن کو اور اگلی کتابوں کو پڑھا تھا''

مسند دارمی میں ہے کہ حضرت عمرؓ توراۃ کا ایک نسخہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور کھول کر پڑھنے لگے۔[2]

---

1. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ
2. مسند دارمی ص ۱۶۲

اسد الغابہ میں ہے کہ توراۃ کا یہ نسخہ ان کے ایک یہودی دوست نے جو بنو قریظہ کا تھا اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیا تھا۔[1]

صحیح بخاری میں ہے کہ اہل کتاب عبرانی میں توراۃ کو پڑھتے تھے اور صحابہ کرام کے سامنے عربی میں اس کی تفسیر کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب بلکہ یہ کہو کہ ہم خدا پر اور اس کی کتاب پر جو ہم پر نازل ہوئی ایمان لائے[2]

حضرت زید بن ثابتؓ نے خود رسول اللہ ﷺ کے حکم سے عبرانی زبان سیکھی تھی اور اس میں خط و کتابت کرتے تھے۔[3]

اسلام میں مذہبی حیثیت سے یہ حکم ہے کہ اگر جنازہ سامنے سے گزرے تو کھڑا ہو جانا چاہیے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ حکم صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے لیکن ایک بار قادسیہ میں ایک ذمی کا جنازہ گزرا تو حضرت سہل بن حنیف اور قیس بن سعدؓ فوراً کھڑے ہو گئے ایک شخص نے ٹوکا کہ یہ تو ذمی کا جنازہ ہے بولے آنحضرت ﷺ کے سامنے بھی یہی واقعہ پیش آیا تو آپؐ نے فرمایا آخر وہ بھی تو ایک جان ہے۔[4]

ان تمام مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نے مذہبی حیثیت سے غیر قوموں کے ساتھ کسی قسم کا تعصب جائز نہیں رکھا۔

تمدنی تعلقات:

تمدنی حیثیت سے صحابہ کرام کے زمانے میں اگرچہ مسلمانوں اور قوموں میں کوئی فرق و امتیاز موجود نہ تھا، صحابہ کرام یہودیوں سے قرض لیتے تھے، ان سے بیع و شرا کرتے تھے، اور ان سے ہر قسم کے معاملات رکھتے تھے لیکن ان تعلقات سے بالاتر ایک چیز حسن معاشرت ہے، جو تمدن کی روح ہے اور صرف اسی سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ تعلقات خلوص پر مبنی تھے یا خود غرضانہ نفاق پر

---

1. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن ثابت انصاریؓ
2. بخاری باب ما یجوز من تفسیر التوراۃ و کتب اللہ بالعربیہ کتاب الرد علی الجہمیہ
3. بخاری کتاب الاحکام باب ترجمۃ الحکام
4. بخاری کتاب الجنائز باب القیام لجنازۃ اہل الشرک۔

لیکن واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر مذہبی عقائد و اعمال کو الگ کر دیا جائے تو صحابہ کرام کے غیر متعصبانہ طرز عمل نے مسلمانوں اور غیر قوموں کو ہر حیثیت سے ایک کر دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ ایک بار انہوں نے ایک بکری ذبح کی تو گھر والوں سے پوچھا کہ تم نے ہمارے یہودی ہمسایہ کے پاس گوشت ہدیۃً بھیجا یا نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھ کو جبرئیل نے ہمسایوں کے ساتھ سلوک کرنے کی اس شدت سے وصیت کی کہ میں نے سمجھا کہ اس کو شریک وراثت بنا دیں گے۔[1]

ایک بار ایک یہودیہ عورت حضرت عائشہ کے پاس آئی اور کوئی چیز مانگی۔ انہوں نے بخوشی دی اور اس نے ان کے بدلے انھیں دعا دی۔[2]

سیاسی تعلقات

غیر قوموں کے ساتھ سیاسی تعلقات کی ابتداء خود آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں ہوئی چنانچہ جب خیبر فتح ہوا تو آپ نے ایک معاہدہ صلح کیا جس کے ذریعہ سے زراعت کا معاملہ بٹائی پر طے ہو گیا، اس معاہدہ کی رو سے جب فصل تیار ہوئی تو آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو بھیجا کہ پیداوار تقسیم کرا ائیں، انہوں نے پیداوار کے دو حصے لگائے اور کہا کہ اگر تم چاہو تو تمہارا ہے ورنہ میرا ہے،، لیکن یہود اس سے زیادہ کے طالب رعایت تھے، اس لئے انہوں نے عورتوں کے زیور جمع کئے اور ان کو بطور رشوت دینا چاہا ایک متدین مذہبی شخص کی یہ سب سے بڑی توہین تھی، لیکن بایں ہمہ انہوں نے کہا کہ اے گروہ یہود، تم میرے نزدیک مبغوض ترین مخلوق ہو لیکن یہ بغض مجھ کو ظلم اور ناانصافی پر آمادہ نہیں کر سکتا، باقی یہ رشوت وہ تو حرام ہے اور ہم حرام مال نہیں کھا سکتے، یہودیوں پر اس کا یہ اثر پڑا بیساختہ چیخ اٹھے کہ آسمان و زمین اسی انصاف کے بل پر قائم ہیں۔[3] اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے ایک معاہدہ صلح کیا جس کے آخری الفاظ یہ تھے:

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی حق الجوار

[2] نسائی کتاب الجنائز باب التعوذ من عذاب القبر

[3] موطائے امام مالک کتاب المساقات وابوداؤد کتاب البیوع باب ماجاء فی المساقات۔

علی ان لا یھدم لھم بیعة ولا یخرج لھم قس ولا یفتنوا ا عن دینھم مالم یحدثوا حدثا او یا کلوا الربا۔[1]

''اس شرط پر کہ ان کا کوئی گرجا نہ گرایا جائیگا ان کے پادری کو جلاوطن نہ کیا جائے گا ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ نہ کیا جائیگا جب تک کہ وہ کوئی فتنہ انگیزی نہ کریں یا سود نہ کھائیں۔''

کتاب الخراج میں اس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

علی اموالھم وانفسھم و ارضھم و ملتھم و غائبھم و شاھد ھم و عشیرتھم و بیعھم و کل ما تحت ایدیھم من قلیل او کثیر لا یغیر اسقف من اسقفته ولا راھب من رھبانیة ولا کاھن من کھانته۔[2]

''یہ معاہدہ ان کے مال، جان، زمین، مذہب حاضر، غائب قبیلہ گرجا غرض ہر تھوڑی بہت چیز کی حفاظت پر جو ان کے قبضے میں ہے شامل ہے کسی پادری کو کسی راہب کو کسی کاہن کو اس کے عہدے سے الگ نہ کیا جائے گا۔''

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اس معاہدہ کی تجدید کی اور اس کے ایک ایک حرف کو قائم رکھا۔

ان کے زمانے میں حیرہ کے عیسائیوں کے ساتھ حضرت خالدؓ نے ایک معاہدہ کیا جس میں سب سے زیادہ قابل لحاظ شرط یہ تھی:

ایما شیخ ضعیف عن العمل او اصابه آفة من الآفات او کان غنیا فافتقر و صار اھل دینه یتصدقون علیه طرحت جزیته و عیل من بیت مال المسلمین و عیاله۔[3]

جو بوڑھا شخص بےکار ہو جائے گا یا اس کا جسم ماؤف ہو جائے گا یا کوئی متمول شخص اس قدر محتاج ہو جائیگا کہ اس کے ہم مذہب لوگ اس پر صدقہ کرنے لگیں گے تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا اور اس کی اور اس کے اہل وعیال کی کفالت بیت المال سے کیجائیگی۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج باب الجزیہ

[2] کتاب الخراج صفحہ ۴۱ [3] کتاب الخراج صفحہ ۸۵

حضرت خالدؓ نے اسی سلسلہ میں اور بھی متعدد معاہدے کیے اور ان معاہدوں کو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، اور حضرت علیؓ نے قائم رکھا ان معاہدوں میں اگرچہ باہم اختلاف ہے لیکن سب میں قدر مشترک یہ ہے:

لا يهدم لهم بيعة ولا كنيسة وعلى ان يضربوا نواقيسهم فى اى ساعة شاء و امن ليل او نهارا لا فى اوقات الصلوٰة و على ان يخرجوا الصلبان فى ايام عيدهم۔[1]

''ان لوگوں کے گرجے نہ گرائے جائیں گے اور وہ رات دن میں بجز اوقات نماز کے ہر وقت ناقوس بجاسکیں گے اور اپنے تہوار کے دن صلیب نکالینگے''

حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانے میں بکثرت معاہدے ہوئے ان میں سب سے زیادہ مفصل، سب سے زیادہ جامع، اور سب سے زیادہ فیاضانہ وہ معاہدہ ہے جو حضرت ابوعبیدہؓ نے شام کے عیسائیوں کے ساتھ کیا اس معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں:

واشترط عليهم حين دخلها على ان تترك كنايسهم و بيعهم على ان يحد ثو ابناء بيعة ولا كنيسة وعلى ان عليهم ارشادالضال و بناء القناطر على الانهار من اموالهم و ان يضيفوا امن مربهم من المسلمين ثلاثة ايام و على ان لا يشتموا مسلما ولا يضربوه ولا يرفعوا فى نادى اهل الاسلام صليبا ولا يخرجوا خنزيرا من منازلهم الى فنية المسلمين و ان يوقدو االنير ان للغزاة فى سبيل اللّٰه ولا يدلوا للم المسلمين على عورة ولا يضربوا نواقيسهم قبل اذان المسلمين ولا فى اوقات اذانهم يخر جوالرايات فى ايام عيدهم ولا يلبسواالسلاح يوم عيدهم ولا يتخذوه فى بيوتهم

''جب وہ شام میں داخل ہوئے تو یہ شرط کر لی کہ ان کے گرجوں سے کچھ تعرض نہ کریں

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۶

گے۔ بشرطیکہ نئے گرجے نہ تعمیر کریں، بھولے بھٹکے مسلمانوں کو راستہ دکھائیں اپنے مال سے نہروں پر پل باندھیں، جو مسلمان ان کے پاس سے ہو کر گزریں تین دن تک ان کی مہمانی کریں کسی مسلمان کو گالی نہ دیں نہ ماریں، نہ مسلمانوں کی مجلس میں صلیب اور نہ مسلمان کے احاطے میں سور نکالیں اور نہ مجاہدین کے لئے راستوں میں آگ جلائیں، مسلمانوں کی جاسوسی نہ کریں۔ اذان سے پہلے اور اذان کے اوقات میں ناقوس نہ بجائیں، اپنے تہواروں کے دن جھنڈے نہ نکالیں ہتھیار نہ لگائیں اور اس کو اپنے گھروں میں بھی نہ رکھیں۔"

ان لوگوں نے تمام شرطیں منظور کر لیں، صرف یہ درخواست کی کہ سال میں ایک بار بغیر جھنڈیوں کے صلیب نکالنے کی اجازت دی جائے حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کی یہ درخواست منظور کی قاضی ابو یوسف نے لکھا ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے یہ نرمی اور یہ فیاضی اس لئے اختیار کی تھی کہ اور لوگوں کو صلح کی ترغیب ہو، چنانچہ اس معاہدے کے بعد جب رومیوں سے جنگ ہوئی اور فتح کے بعد اطراف وحوالی کے تمام عیسائیوں نے صلح کر لی تو ان لوگوں نے ایک شرط پیش کی کہ جو رومی مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے آئے تھے اور اب وہ عیسائیوں کے پناہ گزین ہیں، ان کو امن دیا جائے کہ اپنے اہل وعیال اور مال واسباب کے ساتھ واپس چلے جائیں اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے یہ شرط بھی منظور کر لی۔[1]

اب ہم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان معاہدوں کی پابندی کی گئی یا نہیں؟ اور کی گئی تو کیوں کر؟ اسلام میں معاہدے کی پابندی ضروری ہے اور اس میں کسی مذہب کی تخصیص نہیں بلکہ خود معاہدہ کی اخلاقی عظمت کا یہی اقتضا ہے اس بناء پر صحابہ کرام نے ذمیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا، اس کا پورا کرنا ان کا مذہبی فرض تھا چنانچہ شام کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو جو فرمان لکھا اس میں یہ الفاظ تھے،

وامنع المسلمین من ظلمهم و الا ضرار بهم واكل اموالهم و وف لهم بشرطهم الذی شرطت لهم فی جمیع ما اعطيتهم۔[2]

---

[1] یہ معاہدہ اور یہ پوری تفصیل کتاب الخراج ص ۸۰، ۸۱ میں ہے
[2] کتاب الخراج صفحہ ۸۲

''مسلمانوں کو ان کے ظلم ونقصان سے روکو، ان کے مال کھانے سے منع کرو اور ان کو جو حقوق تم نے جن شرائط پر دیئے ہیں ان کو پورا کرو۔''

وقت کے وقت جو وصیت کی اس میں یہ الفاظ فرمائے۔

واوصیه بذمة الله و ذمة رسوله ان یو فی لهم بعهدهم و ان یقاتل من ورائهم و ان لا یکلفوا فوق طاقتهم۔[1]

اور میں اپنے جانشین کو خدا اور خدا کے رسول کے ذمہ کی وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کے معاہدے کو پورا کرے اور ان کی حمایت میں لڑو اور ان کو تکلیف مالا یطاق نہ دے۔

ذمیوں کے معاہدے کی پابندی کا جس قدر خیال رکھا جاتا تھا، اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ایک بار ایک عیسائی رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دے رہا تھا۔ حضرت عرفہؓ نے سنا تو اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا۔ اس نے حضرت عمرو بن العاصؓ کی خدمت میں استغاثہ کیا تو انہوں نے عرفہؓ کو بلا کر کہا کہ ہم نے ان سے معاہدہ کیا ہے۔ حضرت عرفہؓ نے کہا (نعوذ باللہ) کیا ہم نے ان سے یہ معاہدہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو علانیہ گالیاں دیں؟ ہم نے صرف یہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ اپنے گرجوں میں جو چاہیں کہیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا یہ سچ ہے۔[2]

خود ذمیوں کو اس پابندی معاہدہ کا اعتراف تھا۔ ایک بار حضرت عمرؓ کی خدمت میں ذمیوں کا ایک وفد آیا تو انہوں نے پوچھا کہ غالباً مسلمان تم لوگوں کو ستاتے ہوں گے؟ سب نے ہم زبان ہوکر کہا،

ما نعلم الاوفاء و حسن ملکة[3]

''ہم پابندی عہد اور شریفانہ اخلاق کے سوا کچھ نہیں جانتے''

لیکن صرف اسی قدر کافی نہیں یہ جو کچھ ہے، قول ہے ہم عملاً دکھانا چاہتے ہیں کہ ذمیوں کو جو حقوق دیئے گئے ان کو عملاً پورا کیا گیا۔

---

1. بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان
2. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عرفہ بن حارث الکندیؓ
3. طبری ص ۲۵۶

جان کی حفاظت:

رعایا کے تمام حقوق میں سب سے مقدم چیز جان ہے اور صحابہ کرام کے دورِ خلافت میں مسلمانوں اور ذمیوں کی جانیں یکساں عزیز تھیں، ایک بار حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک یہودی قتل کر دیا گیا۔ تو انہوں نے اس کو نہایت اہم واقعہ خیال کیا اور کہا کہ میرے دور خلافت میں انسانوں کا خون ہوگا، میں خدا کی قسم! دلاتا ہوں کہ جس کو اس کا حال معلوم ہو مجھ کو بتائے۔ حضرت بکر بن شداخ ؓ نے کہا کہ، اس کا قاتل میں ہوں بولے (اللہ اکبر) تم سے اس کا قصاص لیا جائے گا[1] اپنی برأت ثابت کر سکتے ہو تو کرو، انہوں نے کہا کہ فلاں شخص شریک جہاد ہوا اور مجھ کو اپنے گھر کا محافظ بنا گیا میں اس غرض سے اس دروازے پر ایک روز گیا تو اس یہودی کو اس کے گھر میں یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا۔

واشعث غره الاسلام منی	خلوت بعرسه ليل التمام
ایک پراگندہ شخص جس کو اسلام نے مجھ سے غافل کر رکھا ہے	اس کی بی بی کے ساتھ میں نے شب بھر خلوت میں بسر کی
ابيت على ترائبها و يمشي	على قودا لا عنة و الحزام
میں اس کی بی بی کے سینے پر شب بسر کرتا ہوں	اور وہ گھوڑے کی باگ کھینچے کھینچے پھر رہا ہے

اب حضرت عمرؓ نے ان کو رہا کر دیا۔[1]

ایک بار قبیلہ بکر بن وایل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کی نسبت شبہ تھا کہ یہ ایرانیوں کی سازش کا نتیجہ ہے، اس خیال سے حضرت عبید اللہ بن عمرؓ نے ہرمزان کو قتل کر دیا، حضرت عثمان خلیفہؓ ہوئے تو انہوں نے اس کے قصاص میں ان کو قتل کرنا چاہا لیکن حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ یہ قتل اس وقت ہوا جب کوئی خلیفہ نہیں مقرر ہوا تھا، اس لئے وہ بچ گئے حضرت علیؓ کا دور خلافت آیا تو انہوں نے بھی ان سے قصاص لینا چاہا لیکن وہ بھاگ گئے۔

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت بکر بن شداخؓ

ایک بار ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش ہوا تو انہوں نے اس کے قتل کا حکم دیا، لیکن مقتول کے بھائی آئے اور کہا کہ ہم نے معاف کر دیا، اس پر فرمایا کہ، تمہیں کسی کی دھمکی دے کر تو معاف کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا۔[1]

ذمیوں کی دیت بھی بالکل مسلمانوں کے برابر مقرر کی گئی تھی، دار قطنی میں ہے۔

ان ابابکر و عمر کانا یجعلان دیة الیهودی و النصرانی اذا کانا معاهدین دیة الحر المسلم۔[2]

''حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ذمی یہودی اور عیسائی کی دیت آزاد مسلمان کے بر قرار دیتے تھے۔''

اب اس سے زیادہ ذمیوں کی جان کا کیا احترام ہو سکتا ہے؟

مال و جائیداد کی حفاظت:

مال و جائیداد کی حفاظت اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ ممالک مفتوحہ کی زمینیں غیر قوموں کے ہاتھ میں رہنے دی گئیں، اور ان کا خریدنا بھی مسلمانوں کے لیے ناجائز قرار دیا گیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس میں اس قدر مبالغہ کیا کہ اہل عرب کو زراعت سے بالکل روک دیا اور تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیج دیئے کہ لوگوں کے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہیں، اس لئے کوئی زراعت نہ کرنے پائے، مصر میں شریک غطفی نامی ایک شخص نے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو حضرت عمرؓ نے اس سے سخت مواخذہ کیا اور کہا کہ میں تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ دوسروں کو عبرت ہو۔[3]

عدالت میں جائداد وغیرہ کے متعلق جو مقدمات دائر ہوتے تھے ان میں مسلمانوں کے مقابل بے تکلف غیر قوموں کو ڈگری دی جاتی تھی، ایک بار حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک یہودی اور ایک مسلمان کا مقدمہ پیش ہوا تو حضرت عمرؓ نے یہودی ہی کے حق میں فیصلہ کیا۔[4]

---

[1] نصب الرایہ مطبوعہ دہلی ص ۲۵۹، ۲۶۰

[2] دار قطنی کتاب الحدود ص ۳۴۳

[3] حسن المحاضرہ ص ۹۳

[4] موطائے کتاب الاقضیہ باب الترغیب فی القضا بالحق

مذہبی آزادی:

غیر قوموں کو جو مذہبی آزادی حاصل تھی اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے اپنے عیسائی غلام استق کو دعوت اسلام دی اور اس نے انکار کیا تو فرمایا لا کراہ فی الدین، یعنی مذہب میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔[1]

حضرت امیر معاویہؓ کے نام سے تمام شام لرزتا تھا لیکن جب انہوں نے دمشق کی مسجد میں کینسہ یوحنا کو شامل کرنا چاہا اور عیسائیوں نے اس پر ناراضامندی ظاہر کی تو ان کو مجبوراً اس کو چھوڑ دینا پڑا۔[2]

حضرت عمرؓ نے شام کے عیسائیوں کے ساتھ جو یہ شرط کی تھی کہ لا یحدثوا ابناء بیعۃ ولا کنیسۃ اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کی آبادی میں نئے گرجے نہ بنائے جائیں۔

خود عیسائیوں کو اپنی آبادی میں گرجا بنانے کی ممانعت نہ تھی، چنانچہ فسطاط مصر میں عیسائیوں نے ایک نیا گرجا بنایا اور فوج نے اس کی مخالفت کی تو حضرت سلمہ بن مخلدؓ نے یہ استدلال کیا کہ یہ تمہاری آبادی سے باہر ہے اور اس پر تمام فوج نے سکوت اختیار کیا۔[3]

ہارون رشید کے زمانہ خلافت میں مصر کے گورنر عامر بن عمر نے جب عیسائیوں کو گرجوں کے بنانے کی عام اجازت دینا چاہی تو لیث بن سعد اور عبید اللہ بن لہیعہ سے مشورہ لیا۔ ان بزرگوں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا اور یہ استدلال پیش کیا کہ مصر کے تمام گرجے صحابہ اور تابعین ہی کے زمانے کے بنے ہوئے ہیں۔[4]

جزیہ کی وصولی میں رعایت ونرمی:

ان تمام حقوق کے مقابل میں مسلمانوں کو جزیہ کی ایک خفیف سی رقم ملتی تھی جو فوجی حفاظت کا معاوضہ تھی لیکن صحابہ کرام اس معاوضہ کو بھی نہایت لطف ومراعات کے ساتھ وصول

---

۱ کنز العمال جلد ۵ ص ۴۹

۲ کنز العمال جلد ۵ ص ۴۹

۳ حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۷۵

۴ ولاۃ مصر ص ۱۳۲

کرتے تھے، چنانچہ جو لوگ نادار اور اپاہج ہو جاتے تھے ان کا جزیہ سرے سے معاف ہو جاتا تھا، اور ان کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا، حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں حضرت خالدؓ نے حیرہ کے عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا اس میں یہ شرط داخل تھی اور حضرت عمرؓ نے اس کو اپنے زمانے میں عملاً قائم رکھا، چنانچہ ایک بار ان کو چند جذامی عیسائی نظر آئے تو بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔[1]

ایک روز کسی بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا، اس کے جزیہ کی رقم معاف کر دی اور عام حکم دیدیا کہ اس قسم کے تمام لوگوں کا جزیہ معاف کر دیا جائے۔[2]

جن لوگوں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا ان پر بھی کسی قسم کی سختی روا نہیں رکھی جاتی تھی، ایک بار حضرت ہشام بن حکیمؓ نے حمص میں دیکھا کہ کچھ قیدی دھوپ میں کھڑے کئے گئے ہیں بولے یہ کیا ظلم ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

ان الله يعذب الذين يعذبون الناس فی الدنيا

''خدا ان لوگوں کو عذاب دیتا ہے جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔''

حضرت عمرؓ شام کے سفر سے واپس آ رہے تھے راستے میں دیکھا کہ کچھ لوگ دھوپ میں کھڑے کئے گئے ہیں اور ان کے سر پر زیتون کا تیل ڈالا جا رہا ہے، وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ ناداری کی وجہ سے جزیہ نہیں دیتے فرمایا چھوڑ دو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

لا تعذبو االناس فان الذين يعذبون الناس فی الدنيا
يعذبهم الله يوم القيامة[3]

''لوگوں کو تکلیف نہ دو کیونکہ جو لوگ لوگوں کو دنیا میں تکلیف دیتے ہیں خدا ان کو قیامت میں تکلیف دیتا ہے۔''

ملکی حقوق:

رعایا کو سب سے بڑا حق جو حاصل ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کو ملکی انتظامات میں شریک

---

1. فتوح البلدان ص ۱۴۴
2. کتاب الخراج ص ۷۲
3. ابوداؤد کتاب الخراج ص ۷۱ باب التشدید فی الجزیۃ

کیا جائے اور صحابہ کرام کے زمانے میں غیر قوموں کو یہ حق حاصل تھا یعنی جن معاملات کا تعلق غیر قوموں کے ساتھ ہوتا تھا ان میں ان کی رائے مقدم خیال کی جاتی تھی۔ چنانچہ عراق کا بندوبست ہوا تو حضرت عمرؓ نے وہاں سے چودھری طلب کئے اور ان سے مال گزاری کے متعلق رائے لی۔[1]

غیر قوموں میں بہت سے لوگوں کو ملکی عہدے دیئے گئے اور ذمہ داری کی خدمتیں ان کے متعلق کی گئیں۔ ایک بار بہت سے عیسائی قیدی آئے تو حضرت عمرؓ نے بعض کو مکتب میں داخل کر دیا اور بعض کے متعلق ایک ملکی کام کیا۔[2] اصابہ میں ہے کہ ابوزید نامی ایک عیسائی کو انہوں نے عامل بھی مقرر فرمایا تھا حضرت عثمانؓ نے بھی ایک عیسائی کو تعلیم دے کر اپنا میر منشی بنایا تھا۔[3]

حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں سب سے زیادہ بااقتدار اور بااثر شخص ابن آثال نصرانی تھا، جو ان کا طبیب بھی تھا مترجم بھی تھا' اور حمص کا کلکٹر بھی تھا۔[4]

آزادی تجارت:

صحابہ کرام کے فیاضانہ طرز عمل نے کبھی غیر قوموں کی تجارتی آزادی میں خلل نہیں ڈالا بلکہ اس کو اور ترقی دی، چنانچہ شام کے قبطی جو روغن زیتون اور گیہوں کی تجارت کرتے تھے حضرت عمرؓ نے ان کے عشر کو نصف کر دیا تا کہ مدینہ میں کثرت سے غلہ آئے مصر کے قبطی بھی مال تجارت لے کر آتے تھے لیکن ان سے پورا عشر لیا جاتا تھا۔[5]

سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک:

غیر قومیں تو بالکل بیگانہ ہوتی ہیں، سازش اور بغاوت کی حالت میں مہذب سے مہذب سلطنت خود اپنی قوم سے کوئی مراعات نہیں کر سکتی، لیکن صحابہ کرام نے اس حالت میں بھی ذمیوں کے ساتھ نہایت نرم برتاؤ کیا۔ شام کی انتہائی سرحد پر ایک شہر عریسوس تھا جہاں کے عیسائیوں سے معاہدہ صلح ہو گیا تھا، لیکن یہ لوگ در پردہ رومیوں سے سازش رکھتے تھے اور مسلمانوں

---

1. کتاب الخراج صفحہ ۲۱
2. فتوح البلدان ص ۱۴۹
3. فتوح البلدان ص ۳۶۰
4. یعقوبی جلد ۲ ص ۲۶۵ و استیعاب
5. موطائے امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب عشور اہل الذمہ

کی خبریں ان تک پہنچایا کرتے تھے۔ حضرت عمیر بن سعدؓ نے جو وہاں کے والی تھے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ ان کے تمام مال و متاع کا شمار کر کے ہر چیز کا دوگناہ معاوضہ دیدیا جائے اور اس کے بعد وہ جلاوطن کر دیئے جائیں۔[1] اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں تو ایک سال مہلت کے بعد جلاوطن کئے جائیں چنانچہ ایک سال بعد وہ لوگ جلاوطن کر دیئے گے۔

ان مراعات کا ذمیوں پر اثر:

ذمیوں پر ان تمام لطف و مراعات کا یہ اثر ہوا کہ وہ خود مسلمانوں کے دست و بازو بن گئے قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں:

فلما رای اهل الذمة وفاء المسلمین لهم و حسن السیرة فیهم صاروا اشداء علی عدوالمسلمین و عونا للمسلمین علی اعدائهم

''جب ذمیوں نے مسلمانوں کی وفاداری اور ان کے نیک سلوک کو دیکھا تو مسلمانوں کے دشمنوں کے سب سے بڑے دشمن اور ان کے مقابل میں مسلمانوں کے حامی و مددگار بن گے۔''

رومی اگرچہ خود عیسائیوں کے ہم مذہب تھے لیکن جب رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلے میں ایک عظیم الشان فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں کیں تو ان ہی ذمی عیسائیوں نے ہر جگہ سے جاسوس بھیجے کہ رومیوں کی خبر لائیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے ہر شہر پر جو حکام مقرر کئے تھے ان کے پاس ہر شہر کے عیسائی رئیس آئے اور اس جنگی تیاری کی خبر دی۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو تمام حکام نے اس کی اطلاع دی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ ذمیوں سے جس قدر جزیہ اور خراج وصول کیا گیا ہے سب واپس کر دیا جائے کیونکہ معاہدہ کی رو سے ہم پر ان کی حفاظت واجب ہوگی اور ہم اس وقت اس کی طاقت نہیں رکھتے ان حکام نے جب یہ رقمیں واپس دیں تو یہ لوگ سخت متاثر ہوئے اور بے اختیار بول اٹھے خدا تم کو واپس لائے اگر خود رومی ہوتے تو اس حالت میں ہم کو کچھ واپس نہ دیتے، بلکہ ہمارے پاس جو کچھ ہوتا لے لیتے، مسلمانوں کی فتح ہوگی تو عیسائیوں نے خود واپس شدہ رقم حضرت ابو عبیدہؓ کے پاؤں پر ڈال دی۔[2]

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۶۳

[2] کتاب الخراج ص ۸۰

کہ دوبارہ اس ابر کرم کے سائے کے نیچے آ جائیں۔

اس موقع کے علاوہ ہر موقع پر ذمیوں کا طرز عمل نہایت مخلصانہ اور وفادارانہ رہا حضرت عمرؓ شام میں آئے تو اذرعات کے عیسائی ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے پھول برساتے ہوئے اور باجا بجاتے ہوئے ان کے استقبال کے لیے نکلے، حضرت عمرؓ نے روکنا چاہا لیکن حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا کہ یہ ان کا دستور ہے اگر روک ٹوک کی گئی تو سمجھیں گے کہ معاہدہ ٹوٹ گیا۔[1]

شام کے ایک اور عیسائی رئیس نے ان کی دعوت کرنا چاہی اور کہا کہ اگر حضور چند اکابر صحابہ کے ساتھ غریب خانہ پر تشریف لائیں تو میری عزت افزائی ہوگی، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ،، ان گرجوں میں جن میں یہ تصویریں ہیں ہم قدم نہیں رکھ سکتے۔[2]

عیسائیوں اور یہودیوں کی جلاوطنیاں:

مخالفین نے ذمیوں کے متعلق صحابہ کرام پر جو اعتراضات کئے ہیں ان میں یہودیوں اور عیسائیوں کی جلاوطنی کا مسئلہ خاص طور پر قابل بحث ہے۔

یہودِ خیبر:

سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں یہودِ خیبر کی جلاوطنی عمل میں آئی لیکن اس کی کیفیت یہ ہے کہ خیبر جب فتح ہوا تو اسی وقت وہاں کے یہودیوں سے کہا گیا تھا کہ جب مناسب ہوگا تم کو جلاوطن کر دیا جائیگا۔ ایک حدیث بھی پہلے سے موجود تھی۔

لا يجتمع دينان في جزيرة العرب

جزیرہ عرب میں ایک ساتھ دو مذہب نہیں رہ سکتے

بااین ہمہ حضرت عمرؓ، نے ان کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہیں کیا، لیکن یہ لوگ ابتداء ہی سے مسلمانوں پر مخفی حملہ کرنے کے عادی تھے، خود رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جب انصار کی ایک جماعت وہاں گئی تو یہود نے موقع پا کر ایک انصاری کو مخفی طور پر قتل کر دیا، تاہم چونکہ ان لوگوں کے پاس کوئی شہادت نہ تھی اور ان کو یہود کے حلف پر بھی اطمینان نہ تھا اس لئے یہود بالکل بری ہو گئے اور خود آپ نے صدقے کے اونٹوں سے ان کی دیت دلوائی۔[3]

1. فتوح البلدان ص ۱۴۶
2. الادب المفرد باب دعوة الذمی
3. بخاری کتاب الدیات باب القسامہ

حضرت عمرؓ کے زمانے میں انہوں نے اور بھی شرارتیں شروع کیں، ایک انصاری شام سے چند غلاموں کو لا رہے تھے، راہ میں خیبر میں قیام کیا تو یہودیوں نے شہ دے کر ان غلاموں سے ان کو قتل کروا ڈالا اور ان کو زادراہ دے کر شام کی طرف واپس کر دیا، چنانچہ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو ان کو جلاوطن کر دیا۔[1]

یہ روایت اسد الغابہ میں ہے لیکن مسند ابن حنبل میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ کی جائیدادیں خیبر میں تھیں اس غرض سے یہ لوگ آئے اور اپنی اپنی جائیداد کی دیکھ بھال کے لیے منتشر ہو گئے، رات کے وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر حالت خواب میں حملہ ہوا اور ان کا ہاتھ توڑ دیا گیا، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ،، یہ یہود کا کام ہے،، اس کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ،، رسول اللہ ﷺ نے جب یہود کے ساتھ مصالحت کی تھی تو کہہ دیا تھا کہ ہم جب چاہیں گے تم کو نکال دیں گے، اب انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ پر حملہ کیا ہے اور ان کا ہاتھ توڑ ڈالا ہے اس سے پہلے بھی انہوں نے انصار پر حملہ کیا تھا تم میں سے خیبر میں جس جس کا مال ہو لے لے میں یہود خیبر کو جلاوطن کروں گا۔[2]

فتوح البلدان میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب ان کو جلاوطن کرنا چاہا تو لا یجتمع دینان والی حدیث کی کافی تحقیقات کر لی، اور ان کو اس کی صحت کا کامل یقین ہو گیا۔ تب ان کو جلاوطن کیا۔[3]

نصارائے نجران:

رسول اللہ ﷺ نے نجران کے ساتھیوں سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں ایک شرط یہ تھی کہ سود نہ کھائیں گے لیکن حضرت عمرؓ کے عہد میں اس شرط کی خلاف ورزی کی گئی۔[4]

اس کے بعد انہوں نے در پردہ جنگ کی تیاریاں شروع کی تھیں اور بہت سے گھوڑے اور ہتھیار بھی جمع کئے اس لیے حضرت عمرؓ نے ان کو جلاوطن کر دیا۔[5]

---

1. اسد الغابہ تذکرہ مظہر بن رافع
2. مسند جلد ا ص ۱۵
3. فتوح البلدان ص ۳۴
4. ابوداود کتاب الخراج باب فی الجزیہ وفتوح البلدان ص ۱۶۲۔
5. کتاب الخراج ص ۴۲

طبری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ دونوں نے ان کو جلاوطنی کی وصیت کی تھی۔ [1]

نصارائے عربسوس:

ان لوگوں نے رومیوں سے درپردہ سازش کی' حضرت عمیر بن سعد نے جو وہاں کے حاکم تھے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی تو انہوں نے ان کو جلاوطن کر دیا۔ [2]

ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو جلاوطنیاں عمل میں آئیں ان کا سبب مذہبی تعصب نہ تھا بلکہ اس قسم کے پولیٹیکل اسباب جمع ہو گئے تھے کہ کوئی سلطنت اس کے سوا دوسرا طرز عمل اختیار ہی نہیں کر سکتی تھی البتہ یہ دیکھنا چاہیے کہ اس قسم کے موقعوں پر دوسری سلطنتیں کیا کرتیں اور صحابہ کرام نے کیا کیا؟

حضرت عمرؓ نے نجران کے عیسائیوں کو جلاوطن کیا تو یہ حکم دیا کہ جو لوگ جلاوطن کیے جائیں ان کی زمین کی پیمائش کر لی جائے تاکہ اسی کے مثل ان کو معاوضہ دیا جائے اور ان کو اختیار دیا جائے کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ [3]

وہ لوگ جلاوطن ہو کر عراق عرب کو چلے تو ان کو جو پروانہ لکھا اس میں یہ فیاضانہ الفاظ تھے:

۱- یہ لوگ شام یا عراق کے جس رئیس کے پاس جائیں گے اس کا فرض ہوگا کہ وہ زراعت کے لیے ان کو زمین دے۔

۲- ہر مسلمان کو چاہیے کہ اگر کوئی ان پر ظلم کرے تو وہ ان کی مدد کرے

۳- چوبیس مہینے تک ان کا جزیہ معاف کر دیا جائے۔ [4]

فدک کے یہودیوں کو جلاوطن کیا تو ان کی زمین و جائیداد کی قیمت کا تخمینہ کروایا اور جب قیمت متعین ہوگئی تو بیت المال سے دلوا دی۔ [5] کیا کوئی دوسری قوم ان پولیٹیکل جرائم کے باوجود غیر قوموں کے ساتھ اس قسم کا فیاضانہ برتاؤ کر سکتی ہے؟

---

[1] طبری ص ۲۱۶۲

[2] فتوح البلدان ص ۱۶۳۱

[3] طبری صفحہ ۲۱۶۲

[4] کتاب الخراج ص ۴۱ --- [5] فتوح البلدان ص ۳۶

غلاموں کے حقوق

غلامی کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے کہ ایک بدقسمت شخص میدان جنگ میں گرفتار ہو جاتا ہے، گرفتاری کے بعد مال غنیمت کے ساتھ اس کی تقسیم ہوتی ہے اور وہ ایک خاص شخص کی ملک بن جاتا ہے۔اس کے بعد اپنے آقا کی شخصی حکومت کے ساتھ اس کو سلطنت کے عام قوانین کے ماتحت زندگی بسر کرنا ہوتی ہے، اس لئے اگر کسی قوم کی نسبت یہ سوال ہو کہ غلاموں کے متعلق اس کا کیا طرز عمل تھا تو بہ ترتیب حسبِ ذیل عنوانات میں یہ سوال کیا جا سکتا ہے:

۱۔ حالت قید میں ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا۔

۲۔ آقا نے غلام کو غلام بنا کر رکھا یا آزاد کر دیا۔

۳۔ غلاموں کو کیا کیا ملکی حقوق دیئے اور بادشاہ کا غلاموں کے ساتھ کیا طرز عمل رہا۔؟

صحابہ کرامؓ کے زمانے میں جو لوگ غلام بنائے گئے ہم ان کے متعلق اسی ترتیب سے بحث کرتے ہیں۔

اسیران جنگ کا قتل نہ کرنا:

اسلام سے پہلے مہذب سے مہذب ملکوں میں غلاموں کو قید کر کے بے دریغ قتل کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ تاریخ قدیم میں اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں لیکن قرآن مجید میں اسیران جنگ کے متعلق بتصریح یہ حکم ہے۔

حتی اذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق فامامنا بعد و اما فداء

''جب تم لوگ خوب خونریزی کر چکو تو قیدی بناؤ ان کے بعد صرف دو صورتیں ہیں یا احسانا ان کو آزاد کر دو یا فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دو۔''

اور صحابہ کرامؓ نے شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی چنانچہ ایک بار حجاج کے پاس ایک اسیر جنگ آیا اور اس نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اس کے قتل کرنے کا حکم دیا، لیکن انہوں نے کہا، ،، ہم اس پر مامور نہیں ہیں ،، اس کے بعد قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت پڑھی۔[1]

اسیران جنگ کو کھانا کھلانا اور ان کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچانا:

صحابہ کرامؓ اسیران جنگ کو اپنے آپ سے بہتر کھانا کھلاتے تھے اور ان کے آرام و آسائش کے ضروری سامان بہم پہنچاتے تھے خود قرآن مجید نے صحابہ کرام کی اس فضیلت کو نمایاں کیا ہے۔

ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا و یتیما و اسیرا

''باوجود یہ کہ ان لوگوں کو خود کھانے کی خواہش ہو پھر بھی وہ مسکین کو، یتیم کو اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

معجم طبرانی میں ہے کہ صحابہ کرام اسیران جنگ کے ساتھ اس قدر لطف و مراعات کرتے تھے کہ خود کھجور کھا لیتے تھے، مگر ان کو جو کی روٹی کھلاتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں جب مالک بن نویرہ اپنے رفقا کے ساتھ گرفتار ہوا تو رات کو ان کو سخت سردی محسوس ہوئی، حضرت خالد بن ولیدؓ کو خبر ہوئی تو عام منادی کرا دی۔

ادفئوا اسراکم۔[2]

''اپنے قیدیوں کو گرم کپڑے اوڑھاؤ''

شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ:

اگر چہ صحابہ کرام تمام قیدیوں کے ساتھ نہایت عمدہ برتاؤ کرتے تھے لیکن شاہی خاندان کے قیدی اور بھی لطف و مراعات کے مستحق ہوتے تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے جب جنگ مصر میں بلبیس پر حملہ کیا اور مقوقس شاہِ مصر کی بیٹی ارمانوسہ گرفتار ہو کر آئی تو انہوں نے حضرت عمرؓ کے حکم سے نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس کو مقوقس کے پاس بھیج دیا اور مزید احتیاط کے لیے اس کے

---

1. کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف
2. طبری ص ۱۹۲۵

ساتھ ایک سردار کو کر دیا کہ بحفاظت تمام اس کو پہنچا آئے۔[1]

اسیران جنگ کو اعزہ و اقارب سے جدا نہ کرنا:

رسول اللہ ﷺ کا عام حکم یہ تھا کہ قیدی اپنے اعزہ و اقارب سے جدا نہ کئے جائیں۔ صحابہ کرام نے اس حکم پر نہایت شدت کے ساتھ عمل کیا تھے۔ ایک بار حضرت ابوایوبؓ انصاری کسی فوج میں تھے۔ اسیران جنگ کی تقسیم ہوئی تو بچوں کو ماں سے علیحدہ کر دیا گیا، بچے رونے لگے تو انہوں نے ان کو ماں کی آغوش میں ڈال دیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص ماں سے بچے کو جدا کرے گا خدا قیامت کے دن اس کو اس کے اعزہ و اقارب سے جدا کر دے گا۔[2]

لونڈیوں کے ساتھ استبراء کے بغیر جماع کرنا:

عرب میں یہ وحشیانہ طریقہ جاری تھا کہ جو لونڈیاں گرفتار ہو کر آتی تھی ان سے استبرائے رحم کے بغیر مباشرت کرنا جائز سمجھتے تھے، اور اس میں حاملہ وغیر حاملہ کی کوئی تفریق نہیں کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس طریقہ کو بالکل ناجائز قرار دیا اور ان لونڈیوں کو مطلقہ عورتوں کے حکم میں شامل کر لیا، یعنی جب تک غیر حاملہ لونڈیوں پر عدت حیض نہ گزر جائے اور حاملہ لونڈیوں کا وضع حمل نہ ہو جائے ان سے اس قسم کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہو سکتا، صحابہ کرامؓ غزوات میں اس حکم کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے، ایک بار حضرت رویفع بن ثابت انصاریؓ نے مغرب کے ایک گاؤں پر حملہ کیا، مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو فوج کو یہ ہدایت فرمائی:

من اصاب من هذا السبی فلا یطوء ها حتی تحیض

"یہ لونڈیاں جن لوگوں کے حصے میں آئیں جب تک ان کو حیض نہ آ جائے وہ ان سے جماع نہ کرے۔"

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

ایها الناس انی لا اقول فیکم الا ما سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول قام فینا یوم حنین فقال

---

1. مقریزی جلد ا ص ۱۸۴
2. مسند دارمی کتاب الجهاد باب النهی عن التفریق بین الوالدة وولدها

لا یحل لا مرء یومن باللّٰہ و الیوم الاخران یسقی ماء ذرع غیرہ یعنی اتیان الحبالی من السبایاوان یصیب امراۃ ثیبا من السبی حتی یستبرئھا۔[1]

''لوگو میں تم سے صرف وہی بات کہتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے آپ نے حنین کے دن فرمایا جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ دوسرے کی کھیتی میں آبپاشی کرے یعنی حاملہ اور ثیبہ لونڈیوں سے بغیر استبرائے رحم کے جماع کرے۔''

غلاموں کی آزادی:

یہ وہ احساسات تھے جو صحابہ کرام حالت قید میں غلاموں کے ساتھ کرتے تھے، لیکن ان کا اصلی احسان یہ ہے کہ جو لوگ قید میں غلام بنا لئے جاتے تھے اکثر ان کو بھی مختلف طریقوں سے آزاد کر دیتے تھے۔

حضرت ام ورقہ بنت نوفلؓ ایک صحابیہ تھیں جنھوں نے دو غلام مدبر کیے تھے۔[2] جنھوں نے ان کو شہید کر دیا تھا کہ جلد آزاد ہو جائیں۔[3]

حضرت عائشہ نے ایک لونڈی اور ایک غلام کو آزاد کرنا چاہا مگر چونکہ دونوں کا نکاح ہو گیا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے شوہر کو آزاد کر دو تا کہ بی بی کو طلاق لینے کا اختیار باقی نہ رہے۔[4]

ایک بار وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہو گئیں اور ان سے بول چال کی قسم کھالی عفو تقصیر کے بعد کفارہ یمین میں ۴۰ غلام آزاد کیے۔[5]

---

1. مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۰۸، ۱۰۹
2. مدبر ان غلاموں کو کہتے ہیں جن کی آزادی آقا کی موت کے ساتھ مشروط ہوتی ہے
3. ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب امامۃ النسا
4. ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی المملو کین یعتقان معاً ھل تخیر امراتہ
5. بخاری کتاب الادب الہجرۃ

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ دفعۃً حالت خواب میں مر گئے، حضرت عائشہؓ نے ان کی جانب سے بکثرت غلام آزاد کیے۔[1]

ان کے پاس اسیران قبیلہ بنوتمیم میں سے ایک لونڈی تھی، آپ نے فرمایا کہ خدا تم کو اس کا اجر دے گا، لیکن اگر اپنے ماموں کو دے دیتیں[2] تو اس سے زیادہ ثواب ملتا۔

حضرت میمونہؓ کی ایک لونڈی تھی جس کو انہوں نے آزاد کر دیا، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خدا تم کو اس کا اجر دے گا لیکن اگر اپنے ماموں کو دے دیتیں تو اس سے زیادہ ثواب ملتا،،

سفینہ حضرت ام سلمہؓ کی ایک لونڈی تھی انہوں نے اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت گزاری کے لیے آزاد کر دیا۔[3]

ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں بیان کیا کہ میری ایک لونڈی دامن کوہ میں بکریاں چرا رہی تھی بھیڑیا آیا اور ایک بکری اٹھا کر لے گیا، اس پر میں نے اس کو طمانچے مارے یہ واقعہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہوئی اور اس کو بلوا بھیجا کہ پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان پر،، پھر پوچھا میں کون ہوں؟ بولی رسول اللہ،، ارشاد ہوا کہ اس کو آزاد کر دو یہ تو مسلمان ہے۔[4]

مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کو ایک رقم معین کے ادا کرنے کے بعد آزادی کا حق حاصل ہے، حضرت ام سلمہ اپنے غلاموں کو مکاتب بناتی تھیں، لیکن قبل اس کے کہ پورا معاوضہ یعنی بدل کتابت ادا کریں اس سے کسی قدر رقم لے کر جلد سے جلد آزاد کر دیتی تھیں۔[5]

ایک صحابی نے انتقال کیا تو وارث کی جستجو ہوئی معلوم ہوا کہ کوئی نہیں ہے ان کا صرف ایک آزاد کردہ غلام ہے آپ نے اسی کو ان کی وراثت دلوادی۔[6]

ایک غلام دو صحابیوں کے درمیان مشترک تھا، ایک صحابی نے اپنا حصہ آزاد کر دیا،

---

1. موطائے امام مالک کتاب العتق والولاء باب عتق الحی عن المیت
2. مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل باب من فضائل عتقاء واسلم وغیرھم
3. ابوداؤد کتاب الزکواۃ باب فی صلۃ الرحم و بخاری کتاب الھبۃ
4. ابوداود کتاب العتق علی شرط
5. ابوداود کتاب الصلوٰۃ باب تشمیت العاطس فی الصلوٰۃ
6. ابوداود کتاب الفرائض باب فی میراث ذوی الارحام

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا،، خدا کا کوئی شریک نہیں، اور اس غلام کو آزاد کر دیا۔[1]

حضرت حکیم بن حزامؓ نے زمانہ جاہلیت میں سو غلام آزاد کیے تھے اسلام لائے تو زمانہ اسلام میں بھی سو غلام آزاد کیئے۔[2] ان غلاموں کی آزادی نہایت شان وشوکت کے ساتھ عمل میں آئی چنانچہ وہ حج کو آئے تو عرفہ کا دن ان غلاموں کے گلے میں چاندی کے طوق ڈال کر لائے جن پر عتقاء اللہ عن حکیم بن حزام لکھا ہوا تھا، یعنی یہ حکیم بن حزام کی جانب سے خدا کی راہ میں آزاد ہیں۔[3]

حضرت عثمانؓ کی شہادت کا وقت آیا تو ۲۰ غلام آزاد کیئے۔[4]

حضرت عمرؓ نے انتقال کے وقت جو وصیتیں کیں ان میں ایک یہ تھی من ادرك وفاتي من سبي العرب فهو حرحن مال الله یعنی غلامان عرب میں سے جو لوگ میری وفات کا زمانہ پائیں وہ خدا کے مال واسباب سے آزاد ہیں۔[5]

حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایک غلام کو آزاد کیا تو غلام کے پاس جو مال تھا اگر چہ وہ اس کے مالک ہوسکتے تھے، لیکن مال بھی اسی کو دے دیا۔[6]

حضرت ابو مذکورؓ ایک انصاری صحابی تھے ان کی جائیداد کی کل کائنات ایک غلام سے زیادہ نہ تھی لیکن انہوں نے اس کو بھی مدبر کر دیا، لیکن خود رسول اللہ ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور فروخت کر کے ان کی اس کو قیمت دلا دی۔[7]

ایک اور صحابی کی ملک میں صرف ۶ غلام تھے جن کو انہوں نے مرتے وقت آزاد کر دیا لیکن وصیت کے قاعدے کے موافق آپ نے صرف دو غلاموں کی آزادی کو جائز رکھا۔[8]

---

۱ ابوداود کتاب العتق باب فیمن اعتق نصیبا لہ من مملوک
۲ مسلم کتاب الایمان باب بیان حکم عمل الکافر اذا اسلم بعدہ
۳ نزہتہ الابرار تذکرہ حکیم ابن حزام
۴ مسند ابن حنبل جلد اص ۷۳ و مسند عثمان
۵ مسند ابن حنبل جلد اص ۲۰
۶ سنن ابن ماجہ ابواب العتق باب من اعتق عبدا ولہ مال
۷ ابوداؤد کتاب العتق باب بیع المدبر
۸ ابوداؤد کتاب العتق باب فی من اعتق عبیدا لہ لم یبلغھم الثلث

اسیران ہوازن میں سے حضرت عمرؓ کے پاس ایک لونڈی تھی رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کیا تو انہوں نے بھی حکم دیا کہ یہ لونڈی بھی انہی آزاد شدہ لوگوں کے ساتھ کر دیجائے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے غلام اور آقا کو بھائی بھائی بنا دیا تھا، اس لیے اگر صحابہ غلاموں کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آتے تھے تو اس جرم کے کفارے میں ان کو آزاد کر دیتے تھے، حضرت ابومسعود انصاری اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسی طرح ایک ایک غلام آزاد کئے تھے۔[2]

ایک صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرے دو غلام ہیں جو نہایت خائن، کذاب اور نافرمان ہیں میں جرائم پر ان کو برا بھلا کہتا ہوں اور سزا دیتا ہوں اس معاملہ میں میرا کیا انجام ہوگا؟ ارشاد ہوا ان کی خیانت، کذب نافرمانی اور تمہاری سزا کا حساب ہوگا ، اگر تمہاری سزا ان کے جرائم سے زیادہ ہوگی تو اس زیادتی کا تم سے بدلہ لیا جائے گا - یہ سن کر دہ رونے پیٹنے لگے اور کہا کہ بہتر یہی ہے کہ میں ان کو اپنے پاس سے علیحدہ کر دوں، آپ گواہ رہیے کہ وہ آزاد ہیں۔[3]

ایک بار آپ نے حضرت ابوالہشیم بن التیہان انصاریؓ کو ایک غلام عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ اس کے ساتھ سلوک کرنا، ان کی بی بی نے کہا، تم سے یہ نہ ہو سکے گا۔ بہتر یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دو انہوں نے اس کو آزاد کر دیا۔[4]

ایک بار آپ نے حضرت ابوذرؓ کو ایک غلام دیا اور کہا کہ،، اس کے ساتھ نیکی کرو۔ انہوں نے یہی نیکی کی کہ اس کو آزاد کر دیا۔[5]

حضرت ابو ہریرہ اسلام لانے کے لیے چلے تو ساتھ میں غلام بھی تھا، وہ موقع پا کر راستے ہی میں بھاگا یا بھٹک گیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے تو اسی حالت میں غلام بھی آیا، آپ نے فرمایا ''ابو ہریرہؓ لینا تمہارا یہ غلام ہے'' بولے'' آپ گواہ رہیے یہ خدا کی راہ میں آزاد ہے۔''[6]

---

1. ابوداؤد کتاب الصیام باب المعتکف یعود المریض بخاری کتاب الجہاد میں ہے کہ دو لونڈیاں تھیں
2. ابوداود کتاب الادب فی حق المملوک
3. ترمذی ابواب تفسیر القرآن تفسیر سورۂ انبیا
4. ترمذی ابواب الزہد
5. الادب المفرد باب العفو عن الخادم
6. بخاری ابواب الشرکتہ باب اذا قال لعبدہ ہو للہ ونوی للعتق والاشہاد فی العتق

ایک بار کسی شخص نے اپنے غلام سے کسی کام کو کہا وہ سو گیا، وہ آیا تو اس کے چہرے پر آگ ڈال دی غلام گھبرا کر اٹھا تو کنوئیں میں گر پڑا، حضرت عمرؓ نے اس کے چہرے کی حالت دیکھی تو آزاد کر دیا۔[1]

صرف یہی نہیں تھا کہ صحابہ کرامؓ اپنے مملوکہ لونڈی غلام کو آزاد کر دیتے تھے بلکہ یہ اس قدر افضل کام خیال کیا جاتا تھا کہ دوسروں کے غلاموں کو صرف آزاد کرنے کے لیے خریدتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے ایک لونڈی کو اس کے لیے خریدنا چاہا کہ اس کو آزاد کر دیں۔[2]

ابتدائے اسلام میں حضرت ابوبکرؓ نے بھی سات غلام خرید کر آزاد کئے تھے۔

حضرت زبیر بن عوام نے ایک غلام خریدا اور اس کو آزاد کر دیا۔[3] ان کے علاوہ بکثرت غلاموں کو صحابہ کرامؓ نے آزاد کیا۔

میر اسمعیل نے بلوغ المرام کی شرح میں نجم الوہاج سے ایک فہرست نقل کی ہے جس کی رو سے صحابہ کرام کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد اونتالیس ہزار دو سو سینتیس ۳۹۲۳۷ تک پہنچتی ہے، چنانچہ صحابہ کے نام اور ان کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد حسب ذیل ہے۔

حضرت عائشہؓ	۶۷ غلام
حضرت حکیم بن حزامؓ	۱۰۰ غلام
ذوالکلاع حمیریؓ	۸۰۰۰ غلام
حضرت عباسؓ	۷۰ غلام
حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۱۰۰۰ غلام
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	۳۰۰۰۰ غلام

اس کتاب میں حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد نہیں بتائی ہے لیکن لکھا ہے کہ انہوں نے بکثرت غلام آزاد کئے۔[4]

---

[1] الادب المفرد باب حسن الملکۃ

[2] ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی الولاء

[3] موطائے امام مالک کتاب العتق والولا باب جر العبد الولا

[4] سبل السلام ص ۳۳۵ کتاب العتق

سیاسی حیثیت سے صحابہ کرام نے غلاموں کو جو حقوق عطا کئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے،

عرب کا غلام نہ بنانا:

اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس قبیلہ بنو تمیم کی ایک لونڈی تھی رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو، کیونکہ اسمٰعیل کی اولاد میں سے ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آپ اہل عرب کا غلام بنانا پسند نہیں کرتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے عام قانون بنا دیا کہ عرب کا کوئی شخص غلام نہیں بنایا جا سکتا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں قبائل مرتدہ کے جو لوگ گرفتار ہوئے تھے، انہوں نے اسی بناء پر آزاد کرا دیا۔[1]

اسلام کے پہلے عرب کے جو لوگ لونڈی یا غلام بنا لئے گئے تھے ان کی نسبت یہ حکم دیا کہ اگر کسی قبیلہ کا کوئی شخص کسی قبیلہ میں غلام بنا لیا گیا ہو تو وہ اس کے بدلے میں دو غلام بطور فدیہ دے کر آزاد کرایا جا سکتا ہے، اسی طرح ایک لونڈی کے عوض میں دو لونڈی دے کر آزاد کرائی جا سکتی ہے۔[2]

غیر قومیں اگرچہ غلام بنائی جا سکتی تھیں تاہم حضرت عمرؓ نے ان کو بھی بہت کم غلام بنایا، مصر فتح ہوا تو چھ لاکھ مرد اور عورت مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، فوج کے اکثر حصہ کا اصرار تھا کہ ان کو لونڈی غلام بنا کر تمام فوج پر تقسیم کر دیا جائے، لیکن حضرت عمرؓ نے جزیہ مقرر کر کے ان کو بالکل آزاد کر دیا، چند گاؤں کے لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تھی، وہ گرفتار ہوئے تو لونڈی غلام بنا کر مدینہ میں بھیج دیئے گئے لیکن حضرت عمرؓ نے ان کو بھی واپس کر دیا۔[3]

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام حکم بھیج دیا کہ کوئی کاشتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے۔[4]

حضرت عمرؓ کے عہد میں زراعت کو جو ترقی ہوئی اس کی وجہ سے محاصل و خراج میں جو اضافہ ہوا اس کی اصل وجہ یہی تھی۔ کہ انہوں نے اکثر مفتوح قوموں کو آزاد رکھا اور وہ آزادی کے ساتھ زراعت کے کاروبار میں مصروف رہیں۔

---

1. یعقوبی جلد ۲ ص ۱۵۸
2. طبقات ابن سعد تذکرہ ریاح بن حارث
3. حسن المحاضرہ جلد ۱ ص ۵۴
4. کنز العمال جلد ۲ ص ۳۱۲

غلاموں کو مکاتب بنانا:

غلاموں کی آزادی کی ایک صورت یہ ہے کہ ان سے یہ شرط کر لی جائے کہ اتنی مدت میں وہ اس قدر رقم ادا کر کے آزاد ہو سکتے ہیں یہ حکم خود قرآن مجید میں مذکور ہے۔

فكاتبوهم ان علمتم فيهم خيرا

''اگر تم کو غلاموں میں بھلائی نظر آئے تو ان سے مکاتبت کر لو''

لیکن حضرت عمر کی خلافت سے پہلے یہ حکم وجوبی نہیں سمجھا جاتا تھا، یعنی آقا کو معاہدہ مکاتبت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے عملاً اس حکم کو وجوبی قرار دیا، چنانچہ جب سیرین نے اپنے آقا حضرت انسؓ سے مکاتبت کی درخواست کی اور انہوں نے اس کو منظور کرنے سے انکار کر دیا، تو حضرت عمرؓ نے ان کو بلوا کر کوڑے لگوائے، اور قرآن مجید کی اس آیت کی رو سے ان کو معاہدہ کتابت کرنے پر مجبور کر دیا۔[1]

حضرت عمرؓ ہمیشہ اس قسم کے غلاموں کی آزادی میں آسانیاں پیدا کرتے رہتے تھے۔ ایک بار ایک مکاتب غلام نے مال جمع کر کے بدل کتابت ادا کرنا چاہا، لیکن آقا نے یک مشت اس رقم کے لینے سے انکار کر دیا، اور باقساط لینا چاہا وہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے کل رقم لے کر بیت المال میں داخل کروادی اور کہا کہ تم شام کو آنا تمہیں آزادی کا فرمان لکھ دوں گا۔ اس کے بعد لینے یا نہ لینے کا تمہارے آقا کو اختیار ہوگا، آقا کو خبر ہوئی تو اس نے آ کر رقم وصول کر لی۔[2]

ام ولد کے بیع وشرا کی ممانعت:

آقا سے جس لونڈی کے اولاد پیدا ہو جاتی ہے اس کو ام ولد کہتے ہیں، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت سے پہلے اس قسم کی لونڈیاں عام لونڈیوں کے برابر سمجھی جاتی تھیں لیکن حضرت عمرؓ نے یہ عام قاعدہ مقرر فرما دیا کہ اس قسم کی لونڈیاں نہ فروخت کی جا سکتیں ہیں نہ ان میں وراثت جاری ہو سکتی ہے نہ ان کا ہبہ ہو سکتا، بلکہ وہ آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جائیگی۔[3] اس طرح لونڈیوں کی آزادی کا نیا راستہ نکل آیا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المکاتب

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ ابوسعید المقبری

[3] موطا امام محمد باب بیع امہات الاولاد

اسیران جنگ سے اعزہ واقارب کو جدا نہ کرنا:

اگرچہ صحابہ کرام مذہباً اور اخلاقاً خود ہی قیدیوں کو ان کے اعزہ واقارب سے جدا کرنا ناجائز سمجھتے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے قانوناً وحکماً اس کی ممانعت فرمادی چنانچہ تمام امرائے فوج کے نام فرمان بھیجے کہ بھائی کو بھائی سے اور لڑکی کو ماں سے جدا نہ کیا جائے، ایک بار بازار میں شور سن کر حضرت عمرؓ نے اپنے دربان یرقاء کو بھیجا تو معلوم ہوا کہ ایک لونڈی کی ماں فروخت کی جارہی ہے انہوں نے تمام مہاجرین وانصار کو جمع کیا اور آیت "ولاتقطعوا ارحامکم" پڑھ کر کہا کہ اس سے بڑھ کر کیا قطع رحم ہوسکتا ہے؟ کہ لڑکی کو ماں سے جدا کیا جائے؟ چنانچہ اس کے بعد تمام امراء کے نام فرمان بھیج دیا کہ اس قسم کا قطع رحم جائز نہیں۔ [1]

غلاموں کے وظیفے

بیت المال سے مسلمانوں کو جو وظیفہ ملتا تھا اس میں غلام برابر کے شریک تھے اول اول حضرت ابوبکرؓ نے غلاموں کو بیت المال میں تمام مسلمانوں کا شریک بنایا، ابوداود کتاب الخراج میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے

كان ابى يقسم للحر و العبد

"میرے باپ غلام اور آزاد کو مال تقسیم فرمادیتے تھے"

حضرت عمرؓ نے جب باضابطہ طور پر تمام مسلمانوں کے وظائف مقرر فرمائے تو آقا کے برابر غلاموں کے وظائف بھی مقرر فرمائے۔ [2] ان کو اس بات میں اس قدر کد تھی کہ جب ایک عامل نے غلاموں کو وظیفہ نہیں دیا تو اس کو لکھ بھیجا کہ کسی مسلمان کا اپنے بھائی کو حقیر سمجھنا نہایت بری بات ہے۔ [3]

حضرت عمرؓ نے اور مختلف طریقوں سے غلاموں کو مالی اعانتیں دیں، اہل عوالی کے مزدوری پیشہ غلاموں کی مردم شماری کرائی اور ان کے روزینے جاری کئے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو

---

[1] کنز العمال جلد ۲ ص ۲۲۶، ۲۲۷

[2] فتوح البلدان ص ۴۵۵

[3] فتوح البلدان ص ۴۶۲

ترقی دی اور خوراک کے ساتھ کپڑے مقرر فرمائے، حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ ہفتہ کے روز عوالی کو جاتے اور جو غلام از کار رفتہ نظر آتے ان کے ٹیکس معاف کر دیتے۔

حضرت عثمانؓ نے عام طور پر یہ ہدایت جاری کی کہ جو لونڈی کوئی پیشہ نہیں جانتی اور جو غلام صغیر السن ہیں، ان کو کسی پیشہ کی تکلیف نہ دی جائے ورنہ ناجائز طریقے سے وہ روزینہ پیدا کریں گے، لیکن اس کے ساتھ ان کو عمدہ کھانا دیا جائے۔[1]

غلاموں کی تعلیم

سب سے بڑھ کر یہ کہ صحابہ کرام نے غلاموں کو تعلیم بھی دلائی ایک بار چند عیسائی غلام پکڑ کر آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو مکتب میں داخل کر دیا۔[2]

حضرت عثمانؓ نے حمران بن ابان کو خرید کر لکھنا سکھایا اور اپنا میر منشی بنایا۔[3]

بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاتب میں آزاد بچوں کے ساتھ بہت سے غلاموں کے لڑکے بھی تعلیم پاتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت ام سلمہؓ نے اون صاف کرنے کے لیے مکتب سے لڑکے طلب کیے تو کہلا بھیجا کہ آزاد بچے نہ بھیجے جائیں۔[4]

غلاموں کو امان دینے کا حق دینا:

امان دینے کا حق صرف فاتح قوم کو حاصل ہوتا ہے لیکن خلفاء نے یہ حق خود غلاموں کو بھی دیا، چنانچہ ایک بار مسلمانوں نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا تو ایک غلام نے محصور فوج کو امان دیدی ،تمام مسلمانوں نے کہا اس کا اعتبار نہیں ہے، لیکن ان لوگوں نے کہا، ہم آزاد اور غلام کو نہیں جانتے ،اب اس باب میں حضرت عمرؓ سے استصواب کیا گیا تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ مسلمانوں کے غلاموں کا معاہدہ خود مسلمانوں کا معاہدہ ہے۔[5]

---

1. موطائے امام مالک کتاب الجامع باب الامر بالرفق بالمملوک
2. فتوح البلدان ص ۱۴۹
3. فتوح البلدان ص ۳۶۰
4. بخاری کتاب الدیات باب من استعار عبدا اوصبیا
5. فتوح البلدان ص ۳۹۸

غلاموں کی عزت وآبرو کی حفاظت:

خلفائے راشدین لونڈیوں اور غلاموں کی عزت وآبرو کا اسی قدر پاس کرتے تھے جس قدر ایک آزاد مرد یا آزاد عورت کا کیا جاسکتا ہے۔ ایک بار ایک غلام نے کسی لونڈی کی ناموس پر ناجائز حملہ کیا اور حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو غلام کو جلاوطن کر دیا۔[1]

مساوات ان حقوق کے علاوہ ذاتی طور پر خلفاء راشدینؓ غلاموں کو عام مسلمانوں کے برابر سمجھتے تھے چنانچہ اس کی بعض مثالیں حسن معاشرت کے عنوان میں گزر چکی ہیں۔

ان تمام مراتب کے پیش نظر ہو جانے کے بعد صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہ کرام کے زمانے میں شخصی اور ملکی دونوں حیثیتوں سے غلام غلام نہیں رہے تھے بلکہ مسلمانوں کے ایک فرد بن گئے تھے۔

[1] موطائے امام محمد باب الاستکراہ فی الزناء

رعایا کی آسائش کا انتظام

حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک یہ معمول تھا کہ خراج وغیرہ کی جو رقم وصول ہوتی تھی ہر شخص پر تقسیم کر دی جاتی تھی۔ اور اس میں غلام و آزاد کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ ابوداؤد میں حضرت عائشہ سے روایت ہے۔

کان ابی یقسم للحر و العبد۔[1]

''میرے باپ غلام اور آزاد دونوں پر مال تقسیم کر دیتے تھے۔''

لیکن حضرت عمرؓ نے اس کے ساتھ لوگوں کی خوراک بھی مقرر فرمائی اول اول جب یہ انتظام قائم کرنا چاہا تو دونوں وقت ایک ایک جریب آٹا پکوایا اور ۳۰،۳۰ آدمیوں کو کھلایا، سب کو کافی ہوا تو ماہوار مرد، عورت اور غلام سب کے لیے دو جریب آٹا مقرر کیا۔ اعلانِ عام کے لیے پیمانہ ہاتھ میں لے کر منبر پر چڑھے اور فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کے لیے اس قدر ماہوار خوراک مقرر کر دی ہے، جو شخص اس کو گھٹائے گا اس کو خدا سمجھے گا، یہ طریقہ اس قدر مقبول عام ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو بددعا دیتا تھا تو کہتا تھا کہ خدا تمہاری جریب موقوف کر دے یعنی تمہیں موت دے۔[2]

حضرت عمرؓ نے وظائف میں خاص موقعوں پر قومیت کی تفریق و امتیاز کو بھی بالکل مٹا دیا تھا چنانچہ ایک بار مقام جابیہ میں گئے وہاں چند عیسائی جذامیوں کو دیکھا تو حکم دیا بیت المال سے ان کے وظیفے مقرر کر دیئے جائیں۔[3]

ایک بار ایک بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو اس کو خود اپنے گھر لائے اور جو کچھ ہو سکا دیا۔ پھر بیت المال کے خزانچی کو لکھ بھیجا کہ اس قسم کے اشخاص کا لحاظ رکھا جائے۔ قرآن مجید میں صدقہ کے جو حصہ دار ہیں ان میں فقراء سے مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہیں۔[4]

---

1. ابوداود کتاب الخراج الامارۃ باب فی قسم الفی
2. فتوح البلدان ص ۴۶۵،۴۶۶
3. فتوح البلدان ص ۱۳۶
4. کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف ص ۷۲

ان کے علاوہ جو معزز لوگ کسی وجہ سے مفلوک الحال ہو جاتے تھے، ان کے لیے بھی وہ وظیفے مقرر فرمادیتے تھے، چنانچہ ایک موقع پر خود فرمایا:

انما فرضت لقوم احجفت بهم الفاقة وهم سادة عشائرهم لما نيو بهم من الحقوق۔[1]

''میں نے چند فاقہ زدہ لوگوں کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا ہے جو اپنے قبیلہ کے سردار تھے لیکن قومی حقوق کی گرانباری نے ان کو مفلوک الحال بنادیا''

شیر خوار بچوں کے وظیفے:

حضرت عمرؓ نے تمام مجاہدین کے بچوں کے لیے بھی دس دس درہم وظیفے مقرر فرمائے پہلے یہ معمول تھا، کہ بچے دودھ چھوڑتے تھے تو ان کے وظیفے جاری کئے جاتے تھے لیکن بعد کو جب معلوم ہوا کہ لوگ حصول وظیفہ کے لیے قبل از وقت بچوں کا دودھ چھڑا دیتے ہیں تو حضرت عمرؓ نے عام اعلان کروادیا کہ قبل از وقت بچوں کا دودھ نہ چھڑاؤ ہم یوم ولادت ہی سے بچوں کے وظیفے مقرر کردیں گے، حضرت عمرؓ کے بعد اور خلفاء نے اس کو اس قدر ترقی دی کہ اس میں وراثت جاری ہوتی تھی۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے وراثت کے طریقے کو موقوف کرنا چاہا، لیکن پھر رک گئے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے زمانے میں حضرت عمرؓ کا وہی قدیم نظام پھر قائم کر دیا یعنی بچے جب دودھ چھوڑ دیتے تھے اس وقت سے ان کے وظیفے جاری کرتے تھے اخیر میں عبدالملک ابن مروان نے اس فیاضانہ طریقے کو کلیۃً موقوف کر دیا۔[2]

لاوارث بچوں کے وظیفے

حضرت عمرؓ نے ۱۸ھ میں یہ حکم دیا کہ جو لاوارث بچے شاہراہ وغیرہ پر پڑے ہوئے ملیں ان کے دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے چنانچہ یہ وظیفہ سو درہم سے شروع ہوتا ہے، پھر سال بسال اس میں ترقی ہوتی جاتی تھی۔[3]

[1] فتوح البلدان ص ۴۶۴

[2] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۷۱ و فتوح البلدان ص ۴۵۷

[3] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب القضاء فی المنبوذ

موطائے امام مالک میں ہے کہ قبیلہ بنو سلیم کا ایک شخص اسی قسم کا بچہ اٹھا کر لایا تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس کو دودھ پلاؤ اور اس کے نفقہ کا بار ہم پر رہے گا۔ [1]

قحط کا انتظام

قحط رعایا کے لیے سب سے بڑی مصیبت ہے۔ ایک بار حضرت عمرؓ کے زمانے میں قحط پڑا تو انہوں نے اپنے اوپر گھی اور دودھ حرام کر لیا اور رعایا کے آرام وآسائش کے لیے ہر ممکن تدبیر کی۔ تمام امراء وعمال کو لکھ بھیجا کہ اہل مدینہ کی مدد کریں، چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے چار ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے بھیجے۔ [2]

حضرت عمرو بن العاصؓ گورنر مصر کو لکھا کہ خراج میں جو غلہ وصول ہو وہ مدینہ کو روانہ کیا جائے، انہوں نے روغن زیتون اور ۲۰ جہاز غلہ روانہ کیا جن میں کم وبیش ہر جہاز میں ۳ ہزار ارب غلہ تھا حضرت عمرؓ متعدد اکابر صحابہ کے ساتھ بذات خود ملاحظہ کے لیے بندرگاہ پر گئے جس کا نام جار تھا۔ وہاں پہنچ کر ان غلوں کے رکھنے کے لیے دو مکان تعمیر کرائے اور حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ قحط زدہ کے نام لکھے جائیں چنانچہ جن لوگوں کے نام لکھے گئے ان کو ایک ایک چیک ملتی تھی جس پر حضرت عمرؓ کی مہر ہوتی تھی۔ [3]

اس کے علاوہ ہر جگہ سے اونٹ، گیہوں اور روغن زیتون منگوا کر بدوؤں میں تقسیم کیا، جب یہ تمام سرمایہ ختم ہو چکا تو یہ انتظام کرنا چاہا کہ جو لوگ صاحب قدرت ہوں ان کے لیے گھروں میں جس قدر آدمیوں کی تعداد ہو اسی قدر تعداد میں محتاجوں کی کفالت ان کے متعلق کی جائے، کیونکہ ایک آدمی کا کھانا دو شخصوں کی سد رمق کے لیے کافی ہوتا ہے، لیکن اس کے پہلے بارانِ رحمت کی دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول کر لیا، اس لئے اس انتظام کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ [4]

---

[1] طبری ص ۲۶۷۶

[2] فتوح البلدان ص ۲۲۳ یعقوبی جلد نمبر ۲ ص ۱۷۷

[3] فتوح البلدان ص ۲۲۳ و یعقوبی جلد ۲ ص ۱۷۷

[4] الادب المفرد باب المواساۃ فی السنۃ والمجاعۃ

رعایا کی شکایتوں سے واقف ہونے کے وسائل:

ہمارے سلاطین وامراء میں کتنے لوگ ہیں جن کے کان فریادیوں کی کرخت آواز کے متحمل ہو سکتے ہیں لیکن صحابہ کرامؓ ہمہ وقت رعایا کی آرام وآسائش کی فکر میں مصروف رہتے تھے۔ اس لیے ان کے دکھ درد سے واقفیت حاصل کرنے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرتے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے اپنے مختصر عہد خلافت میں حج کے موقعہ پر تمام لوگوں سے عام طور پر پوچھ لیا تھا کہ کسی کو کوئی شکایت تو نہیں۔[1]

حضرت عمرؓ نے اس کو اور بھی ترقی دی اور خفیہ طور پر متعدد لوگوں کو مقرر فرمایا جو ان تک تمام جزئیات کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے۔ کنز العمال میں ہے۔

کان لعمر عیون علی الناس۔[2]

"حضرت عمر نے لوگوں پر جاسوس مقرر فرمائے تھے۔"

تمام امراء وعمال کو حکم دیا تھا کہ لوگوں کے سامنے دروازے بند نہ کریں تا کہ ہر شخص بلا روک ٹوک اپنی شکائیتیں پیش کر سکے، اخیر میں تمام ملک میں دورہ کا بھی ارادہ کیا تھا، لیکن شام کے سوا موت نے دوسرے مقامات کے دورہ کا موقع نہیں دیا۔

حضرت عثمانؓ کو رعایا کی خبر گیری کا اس قدر خیال تھا کہ عین خطبہ کی حالت میں لوگوں سے ان کے حالات اور بازار کا نرخ دریافت فرماتے تھے۔

موذی جانوروں کا قتل:

مہذب سلطنتیں رعایا کے آرام وآسائش کا جو انتظام کرتی ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ موذی جانوروں کو ملک سے فنا کرنے کی کوشش کرتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے جانوروں کے قتل پر انعام دیا جاتا ہے، صحابہ کرام نے بھی اس قسم کا انتظام کیا تھا، نصیبین میں بچھو بکثرت تھے، جس سے وہاں کے مسلمان کو اذیت پہنچتی تھی وہاں کے عامل نے حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں اس کی شکایت کی تو انہوں نے لکھا کہ تمام شہر کے لوگوں کو بچھوؤں کی ایک تعداد مقرر کر دیجائے

---

1. کنز العمال جلد ۳ ص ۱۳۱
2. کنز العمال جلد ۶ ص ۳۱۴

کہ ہررات کو پکڑ لائیں چنانچہ وہ لوگ ان کے پاس پکڑ کر لاتے تھے، اور وہ مار ڈالے جاتے تھے اس طرح بچھوں کی تعداد میں بہت کچھ کمی ہو گئی۔ [1]

بجستان میں بکثرت سانپ رہتے تھے جب حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃؓ نے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں اس کو بصلح فتح کیا تو چونکہ نیولے اور خار پشت سانپ کو کھا جاتے ہیں اس لیے معاہدۂ صلح اس شرط پر کیا کہ کوئی شخص ان دونوں جانوروں کو نہ مار سکے گا۔ [2]

[1] معجم البلدان ذکر نصیبین

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ

مذہبی خدمات

اشاعت اسلام

صحابہ کرام نے آغاز اسلام ہی سے اس نیک کام کو شروع کیا اور اخیر تک اس کو قائم رکھا سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اسلام لائے تو ان کے اخلاقی اثر سے متعدد اکابر صحابہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ جن میں پانچ بزرگ عشرہ مبشرہ میں سے تھے اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوبکرؓ میں ہے

اسلم علی یده جماعة لمحبتهم و میلهم الیه حتی انه اسلم علی یده خمسة من العشرة

ان کے ہاتھ پر ایک جماعت جسکو ان کے ساتھ محبت تھی اسلام لائی یہاں تک کہ عشرہ مبشرہ میں سے بھی پانچ بزرگ ان کے ہاتھ پر اسلام لائے

حضرت عثمانؓ کے تذکرے میں صاحب اسد الغابہ نے بعض ناموں کی تفصیل بھی درج کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں،

کان رجال قریش یا تونه و یالفونه نعیرواحد من الامر لعلمه و تجاربه وحسن مجالسته فجعل یدعوالی الاسلام من وثق به من قومه ممن یغشاه و یجلس الیه فاسلم علی یدیه فیما بلغنی الذبیر بن العوام و عثمان بن عفان و طلحة بن عبیدالله

قریش کے لوگ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آتے تھے اور متعدد وجوہ مثلاً علم، تجربہ اور حسن مجالست کی بناء پر ان سے محبت کرتے تھے چنانچہ ان آنے والوں اور ساتھ بیٹھنے والوں میں جن لوگوں پر ان کو اعتماد تھا ان کو انہوں نے دعوت اسلام دی اور جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے ان کے ہاتھ پر حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ اسلام لائے۔

تاریخ خمیس میں ان بزرگوں کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ اور ارقم بن ابی الارقمؓ کا نام بھی لیا ہے۔[1]

حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کی کوششوں سے قریش میں اسلام پھیلا حضرت عمیرؓ ایک صحابی تھے جو ابتداء میں اسلام کے سخت دشمن تھے، غزوہ بدر میں ان کا ایک لڑکا گرفتار ہوا تو وہ اس کی رہائی کے بہانے سے مدینہ میں آئے کہ چل کر (نعوذ باللہ) خود رسول اللہ ﷺ کا خاتمہ کردیں، لیکن توفیق ایزدی نے یاوری کی اور یہاں آ کر مسلمان ہو گئے پلٹے تو قریش کو دعوت اسلام دی اور ان کے اثر سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔[2]

مردوں کے ساتھ عورتیں بھی اس شرف سے محروم نہ رہیں، چنانچہ حضرت ام شریکؓ ایک صحابیہ تھیں، جو مخفی طور پر قریش کی عورتوں کو دعوت اسلام دیتی تھیں، قریش کو ان کی مخفی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا۔[3]

ان بزرگوں کے مساعی جمیلہ کا اثر اگرچہ صرف مکہ بلکہ صرف قریش تک محدود رہا لیکن اور متعدد صحابہ کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی اور وہ باہر سے آ کر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر اسلام لائے، اور آپ کی خدمت سے واپس جا کر اپنے اپنے حلقہ اثر میں اشاعت اسلام کی مقدس خدمت انجام دی، ان بزرگوں میں حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ حضرت اکثمؓ حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ اور انصار کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے حضرت ابوذر غفاری فطرۃً نیکی کے قبول کرنے کا مادہ رکھتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ کی ملاقات سے پہلے پابند نماز ہو چکے تھے، ایک بار حسن اتفاق سے ان کے بھائی حضرت انیسؓ مکہ میں آئے اور پلٹ کر ان کو خبر دی کہ مکہ میں تمہارا ایک ہم مذہب پیدا ہوا ہے جو اپنے آپ کو خدا کا رسول کہتا ہے، لوگ اگرچہ اس کو شاعر کاہن اور ساحر کہتے ہیں، لیکن مجھ کو اس کا کلام ان سب سے مختلف معلوم ہوتا ہے، یہ سن کر حضرت ابوذر غفاری کے دل میں بھی شوق پیدا ہوا اور تحقیق کے لئے خود مکہ تشریف

---

1. تاریخ خمیس ص ۲۸۷
2. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمیر بن وہب
3. اسد الغابہ تذکرہ حضرت ام شریکؓ

لائے اور ایک دن رات کو رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ نکلے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا، حضرت ابوذر غفاریؓ بھی وہیں موجود تھے، آپ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے آ کر اسلامی طریقہ کے موافق سلام کیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کے مختلف حالات پوچھے اور حضرت ابوبکرؓ سے درخواست کی کہ آج کی رات مجھے ان کی دعوت کا شرف حاصل ہو رسول اللہ ﷺ بھی ساتھ تشریف لے گئے حضرت ابوبکرؓ نے گھر کا دروازہ کھولا، اور طائف کے منقے پیش کئے اس کے بعد وہ دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے فرمایا مجھے مدینہ کی ہجرت کا حکم ہوا ہے تم میری طرف سے اپنی قوم کو اسلام کا پیغام پہنچا سکتے ہو؟ شاید تمہاری وجہ سے خدا ان کو نفع پہنچائے اور تمہیں ثواب دے، وہ پلٹے تو اپنے بھائی انیس کو دعوت اسلام دی، اور انہوں نے بخوشی لبیک کہا، اس کے بعد ماں کو مائل بہ اسلام کیا وہ بھی بخوشی حلقہ اسلام میں داخل ہوئی پھر تمام قوم کو اسلام کی دعوت دی نصف لوگ اسی وقت مسلمان ہو گئے، اور نصف لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد ہم لوگ اسلام لائیں گے چنانچہ جب آپ مدینہ آئے تو وہ لوگ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے قبیلہ غفار ہی کے متصل اسلم کا قبیلہ آباد تھا وہ لوگ بھی حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ جس چیز پر ہمارے بھائی اسلام لائے ہیں اس پر ہم بھی اسلام لاتے ہیں، آپ نے یہ سن کر فرمایا:

غفار غفر اللّٰہ لہا واسلم سالمہا اللّٰہ [1]

''خدا غفار کی مغفرت کرے اور اسلم کو سلامت رکھے۔''

حضرت طفیل بن عمروؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پہلے ہی سے دل نور ایمان سے لبریز تھا، چاہا کہ خود ان کے وطن کو دار الہجرت بننے کا شرف حاصل ہو، اس غرض سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ایک محفوظ قلعہ میں پناہ گزین ہونا پسند فرماتے ہیں؟ یہ قلعہ خود ان کی قوم کا تھا، لیکن آپ نے انکار کیا، اس لئے وہ واپس آ گئے، اور جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہ ایک مہاجر کو ساتھ لے کر مدینہ میں آئے، اور شرف ہجرت حاصل کیا۔[2]

یہ صحیح مسلم کی روایت ہے جس سے فی الجملہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے اثر سے بعض

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ابی ذر

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر

لوگوں نے اسلام قبول کیا، لیکن اسد الغابہ میں ہے کہ وہ آپ کی خدمت سے پلٹ کر متصل اشاعت اسلام کی خدمت انجام دیتے رہے یہاں تک کہ جب آپ نے ہجرت فرمائی تو انہوں نے بھی قبیلہ دوس کے ستر یا اسی گھرانوں کے ساتھ ہجرت کی جو سب کے سب ان ہی کے اثر سے مسلمان ہوئے تھے۔[1]

حضرت اکثمؓ کو ظہور اسلام کی خبر ہوئی تو دو شخصوں کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ تحقیق حال کریں وہ دونوں خدمت مبارک میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو یہ آیت سنائی

ان اللہ یا مر بالعدل و الاحسان و ایتاء ذی القربی
وینھی عن الفحشاء و المنکر والبغی یعظکم لعلکم
تذکرون۔

خدا، عدل، احسان اور قرابت داروں کے دینے کا حکم کرتا ہے اور فحاشی، برائی اور ظلم سے منع فرماتا ہے خدا تم کو یہ نصیحت کرتا ہے شاید تم سمجھو اور سوچو۔

ان لوگوں نے جا کر ان سے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے تمام قوم کی طرف خطاب کر کے کہا کہ اے قوم! میری رائے میں یہ پیغمبر مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے اور ذمائم اخلاق سے روکتا ہے تم لوگ قبول اسلام میں دم نہ بنو، سر بنو، مقدم ہو، موخر نہ ہو،، اس کے بعد تا دم مرگ اس کوشش میں مصروف رہے انتقال ہوا تو اہل وعیال کو تقویٰ اور صلہ رحمی کی وصیت کی۔[2]

حضرت عروہ بن مسعود ثقفی قبیلہ ثقیف کے سردار اور ان میں نہایت ہر دلعریز تھے، رسول اللہ ﷺ غزوہ طائف سے فارغ ہو کر مدینہ کو پلٹے تو انہوں نے راستہ ہی میں جا کر اسلام قبول کیا، اور وہاں سے آ کر اپنے قبیلہ کو دعوت اسلام دی ان کو اگر چہ اس مقصد میں کامیابی نہ ہوئی بلکہ ان کو خود ان کی قوم نے اشاعت اسلام کے جرم میں قتل کر دیا، تاہم انہوں نے اپنا مذہبی فرض ادا کیا۔[3]

انصار میں اولاً چھ شخص مکہ میں آئے اور اسلام قبول کیا۔ مکہ سے پلٹ کر انہوں نے خود

---

1. اسد الغابہ تذکرہ حضرت طفیل بن عمر دوسیؓ
2. اسد الغابہ تذکرہ حضرت اکثم بن صیفیؓ
3. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عروہ بن مسعودؓ

تبلیغ اسلام کا فرض ادا کرنا شروع کیا، ان کو اس قدر کامیابی ہوئی کہ انصار کا کوئی گھر کلمہ توحید کی آواز اور رسول اللہ ﷺ کے ذکر خیر سے نا آشنا نہ رہا، دوسرے سال ۱۲ بارہ آدمی آئے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی جو بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ [۱]

رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر کو تعلیم قرآن کے لئے کر دیا اور انہوں نے اس خدمت کے ساتھ اشاعت اسلام کا مقدس فرض بھی ادا کیا چنانچہ ان کی کوششوں سے بکثرت لوگ مسلمان ہوئے جن میں انصار کے گل سرسبد حضرت اسید بن حضیرؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ بھی شامل تھے، مسلمانوں کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہوا تو انہوں نے ان کے ساتھ باجماعت جمعہ کی نماز ادا کی۔ [۲]

حضرت سعد بن معاذ اسلام لائے تو اپنے قبیلہ سے کہا کہ اب مجھ پر تم سے بات چیت کرنا حرام ہے چنانچہ اسی روز ان کا تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا،

ان بزرگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ ہیں جنہوں نے اپنے اپنے قبائل میں اشاعت اسلام کی چنانچہ ان کے حالات میں ان کوششوں کا ذکر جا بجا آیا ہے مثلاً صاحب اسد الغابہ حضرت قیس بن غزیہؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں،

دعا قومه الى الاسلام

''اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔''

حضرت قیس بن یزیدؓ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں۔

فدعا قومه الى الاسلام فاسلموا

انہوں نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہوئے۔

حضرت قیس بن نیشہؓ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں۔

اسلم و رجع الى قومه فقال يا بنى سليم سمعت ترجمة الروم و فارس و اشعار العرب والكهان و مقاول

---

۱ اسد الغابہ تذکرہ حضرت رافع بن مالک و مسند ابن حنبل ص ۳۱۷

۲ اسد الغابہ تذکرہ حضرت مصعب بن عمیرؓ و تاریخ خمیس ص ۳۱۷

حمیر و ما کلام محمد یہ ..... کلامھم فاطیعونی
فی محمد فانکم اخواله

''وہ اسلام لا کر پلٹے تو کو کہا کہ اے بنو سلیم میں نے روم وفارس کے تراجم اور عرب اور کہان اور حمیر کے بہادروں کے اشعار سنے لیکن محمد کا کلام ان سب سے الگ ہے پس محمد ﷺ کے معاملے میں میری اطاعت کرو کیونکہ تم ان کے ماموں ہو۔[1]

فتح مکہ کے بعد اس سلسلہ کو اور ترقی ہوئی تمام قبائل کے سرداروں نے اشاعت اسلام میں حصہ لیا چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں،

ان مکة لمافتحت بادرت العرب باسلامھم فکان کل قبیلة ترسل کبراء ھایسلموا و یتعلموا ویر جعواالی قومھم فیدعوھم الی الاسلام

''فتح مکہ کے بعد تمام عرب نے اسلام کی طرف نہایت تیزی سے قدم بڑھایا ہر قبیلہ اپنے سرداروں کو بھیجتا تھا کہ جا کر اسلام لائیں اور تعلیم دین حاصل کر کے پلٹیں تو اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیں۔''[2]

اس بناء پر تمام قبائل کا اسلام ان کے سرداروں کے اسلام اور تبلیغ و دعوت پر موقوف تھا ابو داؤد میں ہے کہ قبیلہ ہمدان نے حضرت عامر بن شہرؓ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ جو تمہاری رائے قرار پائیگی اس کو ہم سب منظور کرلیں گے، وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے اور انکے بعد ان کا تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا۔[3]

ایک صحابی کسی چشمے کے مالک تھے جب ان تک دعوت اسلام پہنچی تو انہوں نے اپنی قوم کو اسلام لانے کے لیے سو اونٹ دیئے لیکن یہ اسلام کا حقیقی معاوضہ نہ تھا چنانچہ جب وہ لوگ اسلام میں پختہ ہو گئے تو انہوں نے اونٹوں کو واپس لینا چاہا اور مشورہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیجا، آپ نے فرمایا ان کو واپس لینے یا نہ لینے کا اختیار ہے۔[4]

1. اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن معاذ
2. فتح الباری جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۲
3. ابوداؤد کتاب الخراج باب فی حکم ارض الیمن
4. ابوداود کتاب الخراج باب فی العرافتہ

جن لوگوں کو خود رسول اللہ ﷺ نے اشاعت اسلام کے لیے بھیجا ان کے نام رجال و سیر کی کتابوں میں بہ کثرت ملتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

حضرت مالک بن مرارہ الرہاویؓ	انہوں نے عک اور ذی خیوان کو دعوت اسلام دی اور اس کے ساتھ ان کی قوم نے بھی اسلام قبول کیا۔
حضرت احنف بن قیسؓ	رسول اللہ ﷺ نے ان کو قبیلہ بنولیث کی تبلیغ وہدایت کے لیے بھیجا۔
حضرت عبداللہ بن عویجۃ البجلیؓ	آپ نے ان کو قبیلہ بنی حارثہ کے پاس بھیجا۔
حضرت محیصہ بن مسعودؓ	آپ نے ان کو اہل فدک کی ارشاد وہدایت کے لیے بھیجا۔
حضرت مسعود بن وائلؓ	آپ نے ان کے متعلق خود ان کی قوم کی تبلیغ وہدایت فرمائی۔
حضرت عمرو بن العاصؓ	ان کی ننھیال قبیلہ بلی میں تھی جو بدووں کا ایک قبیلہ ہے اور اس کے تعلق سے بدواں سے مانوس تھے آپ نے ان کو بدووں کی تبلیغ و ہدایت کے لیے منتخب فرمایا۔
حضرت مالک بن احمرؓ	یہ اسلام لائے اور خود درخواست کی کہ مجھے ایک فرمان لکھدیا جائے کہ اس کے ذریعے سے اپنی قوم کو دعوت اسلام دوں۔
حضرت ابوزید انصاریؓ	آپ نے ان کے ذریعہ سے عبید و جعفر کو دعوت اسلام دی وہ دونوں اسلام لائے اور وہاں کے تمام عرب کو دعوت اسلام دی جس کو سب نے

بخوشی قبول کیا۔

حضرت علاء بن عبید اللہ الحضرمیؓ	آپ نے ان کو بحرین میں بھیجا کہ وہاں کے لوگ کو دعوت اسلام دیں اور منذر بن ساوی اور سیبخت کے نام خصوصیت کے ساتھ خط دیا وہ دونوں مسلمان ہو گئے اور ان کے اثر سے وہاں کے تمام عرب اور بعض عجم نے اسلام قبول کیا۔
حضرت وبر بن یُحنّس کلبیؓ	آپ نے ان کو یمن میں بھیجا وہ نعمان بن برزخ کی صاحبزادیوں کے یہاں اترے اور وہ سب مسلمان ہو گئیں انہوں نے فیروز دیلمی اور مرکنود کو پیغام اسلام دیا اور وہ بھی مسلمان ہو گئے۔[1]

وعظ و پند، ارشاد و ہدایت اور تبلیغ و دعوت کے علاوہ صحابہ کرام کے حسن اخلاق کی خاموش زبان نے بھی بعض قبائل کو اسلام کی طرف مائل کیا، اور وہ لوگ بطیب خاطر مسلمان ہوئے ایک غزوہ میں صحابہ کرام پیاس سے بیتاب ہو کر پانی کی تلاش میں نکلے تو حسن اتفاق سے ایک عورت مل گئی، جس کے ساتھ پانی کا مشکیزہ تھا۔ صحابہ اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ کی اجازت سے پانی کو استعمال کیا، اگرچہ آپ نے اسی وقت اس کو پانی کا معاوضہ دلوا دیا، تاہم صحابہ کرام پر اس کے احسان کا یہ اثر تھا کہ جب اس عورت کے گاؤں کے آس پاس حملہ کرتے تھے تو خاص کر اس کے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے اس پر اس منت پذیری کا یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنے تمام خاندان کو قبول اسلام پر آمادہ کیا اور وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔[2]

صحابہ کرام کے یہ وہ مساعی جمیلہ تھے جن کے اثر سے متعدد قبائل نے اسلام قبول کیا لیکن ان قبائل کے علاوہ اور بھی متفرق لوگ ہیں جو صحابہ کرام کے ذریعہ سے اسلام لائے، حضرت ام حکیم بنت الحارثؓ کی شادی عکرمہ بن ابی جہل سے ہوئی تھی، وہ خود فتح مکہ کے دن اسلام

1. یہ مختصر فہرست اسد الغابہ اور فتوح البلدان سے تیار کی گئی ہے ابوداؤد کتاب الخراج میں بھی ان بزرگوں کے نام ملتے ہیں اگر رجال کی کتابوں کا استقصاء کیا جائے تو ایک طویل فہرست تیار ہو سکتی ہے
2. بخاری کتاب الغسل باب الصعید الطیب وضوء المسلم

لائیں لیکن اس کے شوہر بھاگ کر یمن میں چلے آئے حضرت ام حکیمؓ نے یمن کا سفر کیا اور ان کو دعوت اسلام دی وہ مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ان کو دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے۔ بدن پر چادر تک نہ تھی لیکن ان سے اسی حالت میں بیعت لی۔[1]

حضرت ابوطلحہؓ نے حالتِ کفر میں حضرت ام سلیمؓ سے نکاح کرنا چاہا، لیکن انہوں نے کہا کہ تم کافر ہو اور میں مسلمان ہوں نکاح کیوں کر ہوسکتا ہے، اگر اسلام قبول کرلو تو وہی میرا مہر ہوگا، اس کے سوا تم سے کچھ نہ مانگوں گی، چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور اسلام ہی ان کا مہر قرار پایا[2]

حضرت جبار سلمی نے حالت کفر میں شہدائے بیر معونہ میں سے ایک قاری کو نیزہ مارا تو انہوں نے زخم کھانے کے ساتھ ہی نہایت ہی موثر لہجے میں کہا۔

فزت واللہ

''خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔''

حضرت جبارؓ کو تعجب ہوا کہ میں نے تو انہیں قتل کر دیا اور آخر ان کو کامیابی کیونکر ہوئی ؟ بعد کو معلوم ہوا کہ صحابہ کرام شہادت ہی کو اپنی کامیابی سمجھتے تھے چناچہ اسی اثر سے انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔[3]

حضرت ابو ہریرہ اگرچہ خود مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے لیکن ان کی ماں کافرہ تھیں اس لیے ان کو برابر دعوت اسلام دیتے رہتے تھے۔ ایک روز ان کو اسلام کی ترغیب دی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا ان کو یہ کیونکر گوارا ہوسکتا تھا، روتے روتے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ میری ماں کے لیے دعائے ہدایت فرمائیے۔ آپ نے دعا فرمائی کہ خداوندا ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے، پلٹے تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور پانی گرنے کی آواز آرہی ہے، ان کی ماں نے پاؤں کی آہٹ پائی تو کہا ابو ہریرہ آگے نہ بڑھو، نہا دھو کر فوراً کپڑے پہن کر دروازہ کھولا اور کلمہ توحید پڑھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو اس قدر مسرت ہوئی کہ خوشی کے مارے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ خدا نے آپ کی دعا قبول کرلی۔[4]

---

1. موطائے امام مالک کتاب النکاح باب نکاح المشرک اذا اسلمت زوجہ قبلہ
2. اسد الغابہ تذکرہ حضرت زید بن سہل بن اسودؓ
3. اسد الغابہ تذکرہ حضرت جبار بن سلمیؓ
4. مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ابو ہریرہ الدوسی

وفد بنوتمیم آیا تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے؟ سب نے جواب دیا کہ ہم اپنے شاعر اور اپنے خطیب کو لائے ہیں کہ آپ سے مفاخرت کریں، ارشاد ہوا کہ ہم نہ شاعری کے لیے مبعوث ہوئے نہ ہم کو خدا نے مفاخرت کا حکم دیا تاہم آ و اور مفاخرت کرو، اقرع بن حابس ساتھ تھے انہوں نے ایک جوان کی طرف اشارہ کیا اس نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور اپنی قوم کے تمام مفاخر گنائے حضرت ثابت بن قیسؓ آپ کے خطیب تھے، آپ نے ان کو مقابلے کے لیے کھڑا کیا تو انہوں نے اس کا جواب دیا اس کے بعد زبرقان بن بدر کے حکم سے ایک نوجوان کھڑا ہوا اور اپنی قوم کی مدح میں چند اشعار سنائے آپ نے حسان بن ثابتؓ کو جواب دینے کا حکم دیا، اور انہوں نے ایک قصیدے میں انصار کے اسلامی کارنامے گنائے، ابھی قیصدہ ختم نہیں ہوا تھا کہ اقرع نے کہا، یارسول اللہ ﷺ میرا مقصد ان سب سے الگ ہے یہ دو شعر سن لیجئے، اس نے شعر پڑھے تو آپ کے حکم سے حضرت حسانؓ نے اس کی تردید کی یہ کل دو شعر تھے جس کا آخری مصرع یہ تھا

لنا خول من بين ظير و خادم

تمہارا قبیلہ ہمارا نوکر تھا، عورتیں دایہ اور مرد خادم تھے

آپ نے یہ سنا تو فرمایا کہ اے بنو آدم کے بھائی (اقرع کا قبیلہ تھا) جبکہ تمام لوگ اس کو بھول گئے تھے، مجھ کو اس کی یاد تازہ کرانے کی ضرورت نہ تھی، ان لوگوں پر اس کا سخت اثر ہوا اس جملہ معترضہ کے بعد حضرت حسان بن ثابت نے پھر اپنا قیصدہ پڑھنا شروع کیا، آخر کار اقرع بول اٹھا کہ خدا جانے کیا بات ہے کہ ان کا خطیب ہمارے خطیب سے اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ثابت ہوا، یہ کہہ کر آپ کے قریب آیا اور کلمہ توحید پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔[1]

خلفائے راشدین کے زمانے میں اور بھی کثرت سے اسلام پھیلا۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں مثنی بن حارثہ شیبانی ایک نہایت مشہور اور بہادر شخص تھا، جو خود بہ خود مسلمان ہو گیا، اور اس کے ساتھ اس کی قوم کے بہت سے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ وہ پہلے عراق میں غارت گری کیا کرتا تھا، اب وہ خود حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ میری قوم کے جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں مجھ کو ان کا امیر العسکر مقرر فرما دیجیے، ان کے ذریعے سے میں ایرانیوں

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت اقرع بن حابس،

پر حملہ کروں گا، حضرت ابوبکرؓ نے اس کو ایک اجازت نامہ لکھ کر دیا وہ وہاں سے چل کر مقام خفان میں آیا اور بقیہ قوم کو دعوت اسلام دی اور تمام لوگ بخوشی مسلمان ہو گئے۔[1]

حضرت عمر کے عہد خلافت میں فتوحات کے ساتھ ساتھ اور بھی وسعت سے اسلام کی اشاعت ہوئی جب جنگ قادسیہ میں رستم مارا گیا تو اس کے ساتھ ویلم کی جو چار ہزار منتخب فوج تھی اور خسرو پرویز کی باڈی گارڈ ہونے کی وجہ سے چند شہنشاہ کے لقب سے ممتاز تھی کل مسلمان ہو گئی اور مسلمان ہونے کے بعد مدائن اور جلوء کے معرکہ میں نمایاں حصہ لیا۔[2]

قادسیہ کی جنگ میں ضخم، مسلم، رافع اور عشنق بھی اپنے تمام رفقاء کے ساتھ مسلمان ہوئے اور انہی کے مشورے سے مسلمانوں نے جنگی ہاتھیوں پر قابو پایا۔[3]

اصفہان کے حملے کے بعد جب جے فتح ہوا تو آس پاس کے تمام روساء جو اپنے قلعوں میں پناہ گزین تھے مسلمان ہو گے۔[4]

قزوین پر حملہ ہوا تو ویلم کی جو قوم وہاں آباد تھی کل کی کل مسلمان ہو گی۔[5]

سیاہ سواری یزدگرد کے مقدمتہ الجیش کا ایک بڑا افسر تھا، یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو سیاہ کو تین سو سواروں کے ساتھ جن میں ستر سردار تھے، اصطخر کی طرف روانہ کیا، اور حکم دیا کہ ہر شہر سے اپنے ساتھ سپاہی انتخاب کر کے لیتا چلے، وہ اصطخر پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت ابوموسی اشعریؓ نے سوس کا محاصرہ کیا ہے، اس لیے یزدگرد نے سیاہ کو سوسن بھیج دیا، وہ جب فتح ہو گیا تو سیاہ نے تمام سرداروں کو جمع کر کے کہا ہم پہلے ہی کہتے تھے کہ یہ قوم اس سلطنت پر غالب ہو جائیگی، اور اصطخر کے محل ان کے گھوڑوں کے اصطبل بن جائیں گے، اب بہتر یہی ہے کہ ہم لوگ ان کے مذہب میں داخل ہو جائیں۔ چنانچہ وہ سب کے سب چند شرائط پر مسلمان ہو گئے اور ان کے ساتھ

---

1. فتوح البلدان ص ۲۵۰
2. فتوح البلدان ص ۲۸۹ و طبری ص ۲۲۶۱ میں ہے کہ ان میں کچھ لوگ جنگ کے بعد مسلمان ہو کر شریک جنگ ہوئے اور ان کو مال غنیمت سے حصہ دیا گیا اور دو دو ہزار وظیفہ مقرر ہوا،
3. طبری ص ۲۳۲
4. فتوح البلدان ص ۳۲۱
5. فتوح البلدان ص ۳۸۲۹

سیاہ بچہ زط، اور اندغار نے بھی جو ہندوستانی قومیں تھیں اسلام قبول کر لیا۔[1]

جلولا کی فتح کے بعد اس اطراف کے تمام بڑے بڑے روساء مثلاً جمیل ابن بصبھری بسطام بن ترسی، رفیل اور فیروز مسلمان ہو گے۔[2]

تستر کا محاصرہ ہوا تو ہرمزان نے اطاعت قبول کر لی اور حضرت ابوموسی اشعری نے اس کو حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیج دیا اور وہ ان کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہو گیا، تستر سے فارغ ہو کر حضرت ابوموسی اشعریؓ نے جندیسا پور کا رخ کیا تو وہاں سے کچھ لوگ بھاگ کر کلبانیہ چلے گے حضرت ابوموسی اشعریؓ نے ربیع بن زیاد کو ان کے تعاقب میں روانہ کیا اور انہوں نے جا کر کلبانیہ کو فتح کر لیا وہاں کے اسادرہ نے امان طلب کی اور امان حاصل ہونے کے بعد سب کے سب مسلمان ہو گئے۔[3]

یہ وہ لوگ ہیں جو جماعت کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے لیکن ان کے علاوہ تاریخوں میں اور بھی بہت سے نومسلموں کے نام ملتے ہیں جو متفرق طور پر اسلام لائے فتوح البلدان میں ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں میرا اخراج معاف کر دیجیے۔[4]

تستر کی جنگ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس ایک عجمی نے آ کر امان طلب کی اور مسلمان ہو گیا'[5]

روزبہ بن برزجمہر بن ساسان ایرانی فوج کا ایک افسر تھا جو رومیوں سے مل گیا تھا لیکن اس کو رومیوں پر اعتماد نہیں تھا، بالآخر حضرت سعد بن مالکؓ نے اس کو ایک خط کے ساتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجا جس میں اس کے حالات سے اطلاع دی وہ دربار خلافت میں پہنچ کر مسلمان ہو گیا اور حضرت عمرؓ نے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔[6]

دمشق فتح ہوا تو وہاں کا پادری جس کا نام اور کون تھا، حضرت خالدؓ کے ہاتھ پر اسلام لایا۔[7]

---

1. فتوح البلدان ص ۳۸۲
2. فتح البلدان ص ۲۷۴
3. فتوح البلدان ص ۳۸۹
4. فتوح البلدان ص ۲۷۷
5. فتوح البلدان صفحہ ۳۸۸
6. طبری ص ۴۴۵۴
7. معجم البلدان ذکر قنطرۃ سنان

حضرت کعب احبارؓ سفر بیت المقدس میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔[1]

شریح بن ہانی شیبانی ایک شخص تھا، جس کی بی بی حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر اسلام لائی اور حضرت عمرؓ نے ان دونوں میں تفریق کرادی۔[2]

مصر اور افریقہ میں بھی بکثرت اسلام پھیلا حضرت عمرو بن العاصؓ نے جب مصر کے بعض قصبات کے لوگوں کو لونڈی غلام بنا کر عرب میں بھیجا اور وہ فروخت ہو کر عرب میں پھیل گئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو ہر جگہ سے بلا کر مصر بھیج دیا اور لکھا کہ ان کو اختیار ہے خواہ اسلام لائیں خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔

چنانچہ ان میں بلہیب کے رہنے والے کل کے کل مسلمان ہو گئے ان کے علاوہ اور بھی بہت سے قیدی اکھٹے کئے گئے تو عیسائیوں کے سامنے ایک قیدی کو لایا گیا اور اس کو عیسائیت پر قائم رہنے یا اسلام قبول کرنے کا اختیار دیا گیا جب کوئی قیدی اسلام قبول کرتا تھا تو مسلمان اس زور سے تکبیر کا نعرہ مارتے تھے کہ کسی شہر کے فتح پر بھی تکبیر کی صدا میں یہ غلغلہ انگیزی نہیں پائی جاتی تھی، لیکن اگر وہ عیسائیت پر قائم رہتا تھا تو مسلمانوں کو اس قدر صدمہ ہوتا تھا کہ گویا کوئی آدمی ان کی جماعت سے نکل گیا ہو۔ بعض واقعات نے اسلام اور عیسائیت کی اس کشمکش کو نہایت دلچسپ بنادیا تھا، ابومریم ایک عیسائی تھا، جس کے سامنے یہ دونوں مذہب پیش کئے گئے توفیق ایزدی نے اعانت کی اور اس نے اسلام قبول کر لیا اور مسلمانوں نے فوراس کو اپنی جماعت میں شامل کر لیا، لیکن ابومریم کے باپ ماں اور بھائی بھی موجود تھے انہوں نے اس کو اپنی طرف کھنچا اور باہم اس قدر کشمکش ہوئی کہ اس کے کپڑے پرزے پرزے ہو گئے۔[3]

دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقارہ اور درادہ سے لے کر عسقلان تک ہر جگہ اسلام پھیل گیا۔[4]

---

1. وفاء الوفاص ۲۰۹
2. وفاء الوفاص ۲۱۴
3. طبری ص ۲۵۸۳
4. مقریزی ص ۱۸۴

شطا مصر کا ایک مشہور شہر ہے وہاں کا رئیس پہلے سے مسلمانوں کی طرف مائل تھا جب اسلامی فوجیں دمیاط میں پہنچیں تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ نکل کر مسلمانوں سے جا ملا اور مسلمان ہو گیا۔[1]

ان نومسلموں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ وہ الگ الگ محلوں میں آباد کرائے گئے چنانچہ فسطاط میں تین محلے قائم کئے گئے جن میں دو محلے یونانی نومسلموں کے اور ایک یہودی نومسلموں کا تھا اور ان کا خاندان اس قدر وسیع تھا کہ ایک ایک معرکہ میں ان کے ہزار ہزار آدمی شریک ہوتے تھے۔[2]

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بھی بہت کچھ اسلام کی اشاعت ہوئی ان کے زمانے میں آذر بائیجان والوں نے بغاوت کی اور اشعث بن قیس نے اس کو فتح کر کے ان کے ساتھ معاہدہ صلح کیا تو وہاں بہت سے عرب آباد کرا دیئے کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، ان لوگوں کی ہدایت و ارشاد کا یہ اثر ہوا کہ اشعث بن قیس دوبارہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے آذر بائیجان کے گورنر مقرر ہو کر آئے تو ان میں اکثر لوگ مسلمان ہو کر قرآن مجید پڑھنے لگے،[3]

ایک بار بہت سی رومی لونڈیاں گرفتار ہو کر آئیں تو حضرت عثمانؓ نے ان کو دعوت اسلام دی اور ان میں سے دو اسلام لائیں۔[4]

حضرت امیر معاویہ کے عہد خلافت میں بھی بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے چنانچہ انہوں نے افریقہ کو فوج روانہ کی تو نافع بن قیس قریشی نے جو برقہ اور زویلہ کے گورنر تھے اس میں ان برابرہ کو بھی داخل کیا جو اسلام لا چکے تھے، اس فوج گراں کے ساتھ جب نافع نے افریقہ کے شہروں پر حملہ کیا تو اور بھی بہت سے بربر اسلام لائے معجم البلدان میں ہے:

واسلم على يده خلق من البربر فشافيهم دين الله حتى اتصل ببلاد السوان۔[5]

ان کے ہاتھ پر بہت سے بربر اسلام لائے اور ان میں خدا کا دین پھیل گیا یہاں تک

---

[1] مقریزی جلد ۱، ص ۲۲۶

[2] مقریزی جلد اول ص ۲۹۸

[3] فتوح البلدان صفحہ ۳۳۷

[4] الادب المفرد باب خفض المراۃ

[5] معجم البلدان ذکر قیروان

کہ سوڈان تک پہنچ گیا۔

غیر قوموں کے علاوہ عرب نے ابتداء ہی سے نہایت ذوق وشوق کے ساتھ اسلام قبول کرنا شروع کیا چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں جب خالد بن ولیدؓ نے عراق پر حملہ کیا تو ربیعہ وغیرہ کے جو قبائل وہاں آباد تھے سب کے سب مسلمان ہو گئے۔[1]

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب حضرت ابوعبیدہ نے قنسرین پر حملہ کیا تو قبیلہ تنوخ کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے اور جو لوگ عیسائیت پر قائم رہے ان میں بھی ایک جماعت نے خلیفہ مہدی کے زمانے میں اسلام قبول کیا۔ قبیلہ طے کے جو لوگ یہاں آباد تھے ان میں بھی بہت سے لوگ اسلام لائے۔ جن لوگوں نے جزیہ پر مصالحت کر لی تھی، وہ بھی کچھ دنوں کے بعد دائرۂ اسلام میں شامل ہو گئے۔ حلب کے آس پاس جو عرب آباد ہو گئے تھے، اسی سلسلہ میں انہوں نے پہلے تو جزیہ پر مصالحت کر لی پھر بعد کو اسلام قبول کر لیا۔[2]

اسی طرح جب مسلمان شام میں آئے تو بہت سے شامی عرب مسلمان ہو گئے۔[3]

تکریت پر حملہ ہوا تو تغلب، ایاد، تمر وغیرہ کے جو قبائل وہاں آباد تھے سب کے سب اسلام لائے اور مسلمانوں نے انہی کی جاسوسی سے تکریت کو فتح کیا۔[4]

ابتدائے اسلام سے خلفاء کے زمانے تک جن قوموں اور جن ملکوں میں اسلام پھیلا یہ اس کی نہایت سادہ تاریخ ہے اب تاریخی حیثیت سے صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ صحابہ کرام کے عہد میں اسلام کیوں کر پھیلا؟ یورپ کے نزدیک اس سوال کا جواب ہمیشہ تلوار کی زبان نے دیا ہے لیکن ہم نے جو واقعات جمع کر دیئے ہیں ان میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جس سے جبری اسلام کی شہادت مہیا کی جا سکے عہد نبوت میں صحابہ کرامؓ کے مساعی جمیلہ سے اسلام کی جو کچھ اشاعت ہوئی وہ محض ان کے وعظ و پند ہدایت وارشاد، فضائل اخلاق اور ذاتی رسوخ واقتدار کی بدولت ہوئی عہد خلافت میں بے شبہ فتوحات کے ساتھ ساتھ اشاعت اسلام نے بھی وسعت و

---

1. طبری ص ۲۱۲۲
2. فتوح البلدان ص ۱۵۲
3. فتوح البلدان ص ۱۵۷
4. طبری ص ۲۴۷۵

عمومیت حاصل کی لیکن اس زمانے میں بھی کسی سے تلوار کی زبان سے کلمہ نہیں پڑھوایا گیا۔

(۱) بلکہ چند لوگوں نے تو صرف صحابہ کے فضائل واخلاق کی بنا پر اسلام قبول کیا چنانچہ جنگ قادسیہ میں ایک ایرانی گرفتار ہو کر آیا اور مسلمان ہو گیا اس کو مسلمانوں کی وفاداری، راست بازی اور ہمدردی کا منظر سامنے آیا تو بیساختہ کہنے لگا کہ جب تک تم میں یہ اوصاف موجود ہیں تم شکست نہیں کھا سکتے، اب مجھے ایرانیوں سے کچھ مطلب نہیں۔[1]

شطا جو مصر کا ایک بہت بڑا رئیس تھا مسلمانوں کی اخلاقی حالت کا چرچا سن کر گرویدہ اسلام ہو گیا اور دو ہزار آدمیوں کے ساتھ اسلام قبول کیا، تاریخ مقریزی میں ہے۔

فخرج شطافی الفین من اصحابه و الحق بالمسلمین و قد کان قبل ذالک یحب الخیر و یمیل الی ما یسمعه من سیرة اهل الاسلام

''شطا دو ہزار آدمیوں کے ساتھ نکلا اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گیا وہ پہلے نیکی کو دوست رکھتا تھا اور مسلمان کے محاسن اخلاق سن کران کی طرف مائل تھا''

صحابہ کے محاسن اخلاق میں مساوات ایک ایسا وصف تھا جو خود قلوب کو اپنی طرف مائل کرتا تھا بالخصوص جب مسلمانوں کی مساویانہ طرز معاشرت کا ایرانیوں کی ناہموار طرزِ معاشرت سے مقابلہ ہوتا تھا، تو یہ وصف خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہو جاتا تھا اور حق پسند لوگ خواہ مخواہ بندوں کی غلامی سے رہائی حاصل کرنا چاہتے تھے چنانچہ ایک بار زہرہ نے رستم سے دوران گفتگو میں اسلام کے جو محاسن بتائے ان میں ایک یہ تھا۔

اخراج العباد من عبادة العباد الی عبادة الله تعالی

بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر خدا کی غلامی میں داخل کرنا اسلام کا اصل مقصد ہے۔

رستم نے یہ سن کر کہا لیکن ایرانیوں نے تو اردشیر کے زمانے سے طبقہ سافلہ کے پیشے متعین کر دیئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر وہ اس دائرہ سے نکلے تو شرفاء کے حریف بن جائیں گے رفیل ایک شخص ابتدا ہی سے اس گفتگو کو سن رہا تھا، اس پر یہ اثر ہوا کہ رستم چلا گیا تو اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔[2]

---

۱ طبری ص ۲۲۶۴

۲ فتوح البلدان ص ۲۸۹

(۲) بہت سے لوگ دعوت وتبلیغ سے اسلام لائے مثلاً مثنی بن حارثہ شیبانی کی کل قوم اس کی دعوت سے اسلام لائی ایک بار بہت سی رومی لونڈیاں آئیں حضرت عثمانؓ نے ان کو دعوت اسلام دی اور ان میں سے دو مسلمان ہو گئیں، قنسرین اور حلب پر حملہ ہوا تو وہاں کے عرب قبائل حضرت ابوعبیدہ کی دعوت سے اسلام لائے۔

جب اشعث بن قیس نے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں آذربائیجان کو فتح کیا تو وہاں اہل عرب کی ایک جماعت مقرر کر دی کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، چنانچہ اس مقدس جماعت کے اثر سے چند ہی دنوں میں بہت سے لوگ مسلمان ہو کر قرآن مجید کی تعلیم سے بہرہ اندوز ہو گئے

بہت سے لوگوں نے بطوع ورضا خود اسلام قبول کیا چنانچہ جنگ اسکندریہ کے بعد جب اسیران جنگ کو اختیار دیا گیا کہ وہ خواہ اسلام قبول کریں خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں تو ان میں بہت سے قیدیوں نے خود بخود اسلام قبول کر لیا۔

بعض لوگ بلاشبہ مغلوب ہو کر اسلام لائے لیکن ان کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا گیا بلکہ ان کو خود نظر آیا کہ ان کی بھلائی اسی میں ہے کہ اسلام کے دائرے میں داخل ہو جائیں چنانچہ جنگ قادسیہ میں رستم کے قتل کے بعد پرویز کی باڈی گارڈ فوج نے کہا کہ ہماری حالت ایرانیوں سے مختلف ہے اب ہمارا کوئی ٹھکانا نہیں ہم نے ایرانیوں کے لیے کوئی نمایاں کام نہیں کیا اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم مسلمانوں کے دین میں داخل ہو کر ان کے ذریعے سے عزت حاصل کریں۔[1] سیاہ اسواری نے اپنے رفقاء کے ساتھ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا تو کہا کہ ہم لوگ پہلے ہی سے کہتے تھے کہ یہ لوگ اس سلطنت پر غالب ہو جائیں گے، اور اصطخر کے محل ان کے گھوڑے کے اصطبل بن جائیں گے، اب تم ان کا غلبہ علانیہ دیکھ رہے ہو سوچو اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤ،

نومسلموں کا تکفل:

اسلام کی ابتداء نہایت غربت کے ساتھ ہوئی وہ ابتداء میں اس قدر مبغوض تھا کہ جو شخص اس کو قبول کرتا تھا اس کو مجبوراً اپنے گھر بار اہل وعیال اور دولت و مال سے کنارہ کش ہونا پڑتا تھا، اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جو لوگ اسلام کے دائرہ میں داخل ہوتے تھے، اسلام ہی کو ان کے سد

[1] فتوح البلدان ص ۲۸۹

رمق کا متکفل ہونا پڑتا تھا، اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو اس خاص خدمت پر مامور کر دیا تھا کہ جو محتاج مسلمان آئیں قرض لے کر ان کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کر دیں۔ اس کے بعد جب کہیں سے مال آتا تو وہ قرض ادا کر دیا جاتا۔[1] لیکن صحابہ کی ذاتی فیاضیاں بھی بہت کچھ اس کار خیر میں حصہ لیتی تھیں بالخصوص حضرت ابوبکرؓ کو اکثر اس کی توفیق ہوتی تھی ان کو تجارتی کاروبار نے نہایت دولت مند بنا دیا تھا، اور ان کی دولت کا بڑا حصہ مسلمانوں کی دستگیری اور اعانت میں صرف ہوتا تھا۔ اصابہ میں ہے:

وعنده اربعون الفافكان يعتق منها و يعول لمسلمين

ان کے پاس چالیس ہزار --- تھے جن سے وہ غلاموں کو آزاد کراتے تھے اور مسلمانوں کا تکفل فرماتے تھے۔

حضرت ام شریکؓ ایک نہایت دولت مند اور فیاض صحابیہ تھیں اس لیے ان کا گھر گویا مسلمانوں کا مہمان خانہ بن گیا تھا چنانچہ رسول اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کو یہاں صرف اس بنا پر عدت بسر کرنے کی اجازت نہیں دی کہ ان کے گھر میں مہمانوں کی کثرت ہے پردہ کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔[2] حضرت درہ بنت لہبؓ بھی نہایت فیاض تھیں اور مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں[3] کبھی کبھی خود رسول اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو نو مسلموں کی اعانت کی طرف متوجہ فرماتے اور صحابہ بخوشی ان کا تکفل فرماتے۔ ایک بار قبیلہ بنو عذرہ کے تین شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا آپ نے فرمایا ان کا بار کون اٹھائے گا؟ حضرت طلحہؓ نے کہا میں۔[4]

مہاجرین میں جو لوگ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے آنحضرت علیہ وسلم ان کو صحابہ کے حوالے کر دیتے تھے، اور صحابہ ان کو تعلیم دیتے تھے اور ان کی معاش کے متکفل ہوئے تھے چنانچہ تعلیم قرآن کے عنوان میں اس کی مثالیں آئیں گئیں۔

---

1. ابوداؤد کتاب الخراج باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین
2. صحیح مسلم کتاب طلاق باب المطلقہ ثلاثا لا نفقہ لہا و کتاب الفتن واشراط الساعۃ باب فی خروج الدجال
3. اصابہ تذکرہ درہ
4. مسند جلد اول ص ۱۶۳

اقامت دین

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں عقائد و اعمال کی جو سطح قائم ہو چکی تھی۔ صحابہ کرامؓ نے نہایت مستعدی و سرگرمی کے ساتھ اس کو قائم رکھا۔

عقائد:

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب عرب میں ارتداد کی عام ہوا چل گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے اس کے دفعیہ کے لیے اپنی پوری طاقت صرف کر دی اور ان کے مساعی جمیلہ نے جو نیک نتائج پیدا کیے تاریخ میں ان کی تفصیل پڑھ کر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کے عہد میں اسلام مر کے دوبارہ زندہ ہوا اور کلمہ توحید کی صدا خاموش ہو کر دوبارہ غلغلہ انداز عالم ہوئی۔

حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اور بھی متعدد صحابہ کو اس نیک خدمت کے انجام دینے کی توفیق عطا فرمائی، اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو قعر ضلالت میں گرنے سے بچایا، چنانچہ جب تمام مکہ عرب کے اس عالمگیر ارتداد کی خبروں سے گونج اٹھا تو حضرت سہیل بن عمروؓ کو خوف ہوا کہ کہیں خود قریش بھی اس وبا میں مبتلا نہ ہو جائیں اس لئے انہوں نے خصوصیت کے ساتھ قریش کی طرف خطاب کر کے ایک طویل خطبہ دیا جس کے چند فقرے یہ ہیں۔

یا معشر قریش لا تکونوا اخرمن اسلم واول من ارتد و
اللہ ان ھذا الدین لیمتدن امتداد الشمس و القمر من
طلوعھما الی غروبھما

اے گروہ قریش! یہ نہ ہو کہ تم سب کے اخیر میں تو اسلام لائے اور سب سے پہلے مرتد ہو جاؤ
خدا کی قسم! یہ دین وہاں تک پھیلے گا جہاں تک چاند اور سورج کے طلوع و غروب کی حد ہے
اس خطبے کا یہ اثر ہوا کہ تمام قبیلہ قریش اسلام پر قائم رہا۔[1]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سہیل بن عمروؓ

حضرت ثمامہ بن آثالؓ یمامہ کے رئیس تھے آپ کے وصال کے بعد اگرچہ تمام یمامہ مرتد ہو گیا، لیکن ان کے زیر اثر جو لوگ تھے وہ عقیدہ توحید پر قائم رہے، اور وہ تمام اہل یمامہ کو مسیلمہ کی تقلید سے روکتے رہے لیکن جب ان کے ارشاد و ہدایت کا ان پر اثر نہ ہوا تو ان سے الگ ہو کر ہجرت کا عزم کر لیا۔ [1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی بہت سے لوگوں کو اس گمراہی سے نجات دلائی چنانچہ ایک بار وہ بنو حنیفہ کی مسجد سے گزرے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ مسیلمہ کے پیرو ہیں سب کو طلب کیا اور ان سے توبہ کرائی ابن النواحہ نے انکار کیا تو سر بازار اس کی گردن اڑا دی اور فرمایا جو شخص اس عبرت انگیز منظر کو دیکھنا چاہے وہ بازار میں جا کر دیکھ سکتا ہے۔ [2]

نماز:

خلفاء نے نماز کی تمام جزئیات و خصوصیات کو قائم رکھنے کے لیے جو انتظامات کئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ حضرت عمرؓ نے تمام عمال کے نام ایک فرمان لکھا جس میں نماز کے اوقات کی تفصیل فرمائی اور ان کی پابندی کی طرف توجہ دلائی اور اس فرمان کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:

ان اھم امرکم عندی الصلوٰۃ فمن حفظھاو حافظ علیھا حفظ دینہ ومن ضیعھا فھولماسوا ھا اضیع

میرے نزدیک تمہارا سب سے زیادہ اہم کام نماز ہے جس شخص نے اس کی محافظت کی اس نے اپنے دین کی محافظت کی اور جس شخص نے اس کو ضائع کر دیا وہ اس کے سوا اور چیزوں کو بھی ضائع کرے گا۔

اخیر میں نماز عشاء کا وقت لکھا تو اس کے ساتھ یہ فقرے لکھے:

فمن نام فلانامت عینہ فمن نام فلا نامت عینہ فمن نام فلانامت عینہ۔ [3]

''جو شخص بغیر عشاء کی نماز پڑھے ہوئے سو گیا تو اس کی آنکھ نہ سوئے نہ سوئے نہ سوئے''

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ثمامہ بن آثالؓ

[2] ابوداود کتاب الجہاد باب فی الرسل

[3] موطائے امام مالک کتاب وقوت الصلوۃ

۲۔ جمعہ کے غسل کے متعلق اختلاف ہے کہ واجب ہے یا سنت، بہرحال جو کچھ بھی ہو لیکن حضرت عمرؓ نہایت شدت سے لوگوں کو اس کی پابندی پر مجبور کرتے تھے، ایک بار حضرت عثمان دیر کر کے آئے اور شریک جمعہ ہوئے حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے، فرمایا یہ کونسا وقت ہے؟ بولے ابھی بازار سے پلٹا تھا کہ اذان سنی اور وضو کر کے حاضر ہو گیا، بولے صرف وضو رسول اللہ ﷺ تو غسل کا حکم بھی دیتے تھے۔[1]

۳۔ حضرت عمرؓ جماعت کی پابندی کا نہایت خیال رکھتے تھے، ایک دن سلیمان ابن ابی خیثمہؓ کو صبح کی جماعت میں نہیں دیکھا، تو ان کے گھر گئے اور پوچھا کہ میں نے ان کو نماز صبح میں نہیں پایا؟ معلوم ہوا کہ وہ تہجد کی نماز پڑھتے پڑھتے سو گئے، اور صبح کو آنکھ نہ کھلی بولے میں شہادت دیتا ہوں کہ جماعت کے ساتھ فرض نماز رات بھر کی نماز سے زیادہ مجھے محبوب ہے۔[2]

حضرت سعید بن یربوعؓ ایک صحابی تھے جن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں حضرت عمرؓ نے ان کے لیے ایک غلام مقرر کر دیا تھا، کہ ان کو مسجد میں لا کر با جماعت نماز پڑھایا کرے،

۴۔ جن اوقات میں نماز ممنوع ہے ان میں اگر کوئی نماز پڑھتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے۔[3]

۵۔ حضرت عمرؓ صف کی ہمواری کا اس قدر لحاظ رکھتے تھے کہ خاص اس غرض کے لیے متعدد اشخاص مقرر کر دیئے تھے، جن کا کام صرف صف کو سیدھا کرنا تھا۔[4]

حضرت عثمان کے عہد میں بھی اس قسم کے اشخاص مقرر تھے۔[5]

۶۔ نماز مفروضہ کی امامت اگرچہ خود خلفاء کرتے تھے لیکن تراویح کی امامت کے لیے حضرت عمرؓ نے دو مستقل امام مقرر فرما دیئے تھے، جو لوگوں کو با جماعت تراویح پڑھاتے تھے، عورتوں کی تراویح کے لیے ایک مستقل امام مقرر فرمایا تھا جن کا نام سلیمان بن ابی خیثمہؓ تھا، لیکن حضرت عثمانؓ نے مردوں اور عورتوں کی ایک مشترک جماعت قائم کی اور حضرت سلیمان بن ابی

---

[1] موطائے امام مالک کتاب الصلوۃ باب العمل فی غسل یوم الجمعہ

[2] موطائے امام مالک کتاب الصلواۃ باب ماجاء فی العتمہ والصبح

[3] موطائے امام مالک کتاب الصلواۃ باب النہی عن الصلواۃ بعد الصبح والعصر

[4] طبری ص۲۷۲۳

[5] موطائے امام مالک کتاب الصلوۃ باب ماجاء فی تسویہ الصفوف

خیثمہ ؓ کو دونوں کا امام مقرر فرمایا، البتہ یہ انتظام تھا کہ جماعت ہو جانے کے بعد جب مرد مسجد سے نکل جاتے تھے تو عورتوں کو نکلنے کی اجازت دیجاتی تھی، [1]

زکوٰۃ:

اسلام کے ارکان خمسہ میں زکوٰۃ ایک نہایت ضروری رکن ہے، لیکن حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں ارتداد کی وباعام پھیلی تو متعدد قبائل نے زکوۃ دینا موقوف کر دیا، اس موقع پر اگر انہوں نے اس ستون کو نہ تھاما ہوتا تو اسلام کا یہ رکن اعظم قائم نہ رہتا، لیکن انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں، اگر چہ حضرت عمرؓ نے اول اول اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ کلمہ گویوں سے کیوں کر جہاد کیا جا سکتا ہے؟ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔

و اللّٰه لا قاتلن من فرق بين الصلوٰة و الزكوٰة فان الزكو ة حق المال و اللّٰه لو منعونى عقالا كانو ايودونه الى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لقاتلتهم على منعه

''خدا کی قسم جو لوگ نماز اور زکوۃ میں تفریق کریں گے میں ان سے جہاد کروں گا، کیونکہ زکوۃ مال کا حق ہے اگر وہ ایک بکری کا بچہ بھی جو رسول اللہ ﷺ کو دیتے تھے روک رکھیں گے تو میں اس کے روکنے پر ان سے جہاد کروں گا''

بالآخر حضرت عمرؓ کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ انہوں نے جو کچھ کیا حق تھا۔ [2]

حج:

خلفائے راشدین نے حج اور مناسک حج کو نہایت مستعدی کے ساتھ قائم رکھا تھا، بیت الحرام اگر چہ خود مکہ میں تھا لیکن خود اہل مکہ میں حج کا وہ ذوق وشوق نہیں تھا جس کے نشہ میں باہر والے مدہوشانہ آتے تھے۔

ایک بار حضرت عمرؓ نے یہ حالت دیکھی تو اہل مکہ کی طرف خطاب کر کے فرمایا،، اے اہل مکہ یہ کیا ہے؟ کہ لوگ پراگندہ مو آتے ہیں اور تمہارے سر میں تیل پڑا ہوا ہے، جب پہلی کا

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ سلیمان ابن ابی خیثمہؓ
[2] ابوداؤد بخاری کتاب الزکوۃ

چاند دیکھو تو فوراً احرام باندھ لو۔[1]

جب حج کا زمانہ آتا تو خود قافلہ سالار ہوتے اور تمام لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم فرماتے موطائے امام مالک میں ہے:

ان عمر بن الخطاب خطب الناس بعرفة و علمهم امر الحج۔[2]

حضرت عمرؓ بن الخطاب نے عرفہ میں خطبہ دیا اور لوگوں کو مسائل حج کی تعلیم دی۔

حج کے زمانے میں بہت سے لوگوں کو اس خدمت پر مامور فرمادیتے تھے کہ حاجیوں کو منا میں عقبہ کے پار پہنچا آئیں۔[3]

کیونکہ عقبہ کے اسی طرف ٹھہر جانا مناسک حج میں محسوب نہ تھا، جو لوگ احکام حج کی خلاف ورزی کرتے ان پر عموماً گرفت فرماتے ایک بار حضرت طلحہؓ بن عبید اللہؓ نے حالت احرام میں رنگین کپڑے پہنے تھے، حضرت عمرؓ کی نگاہ پڑی تو فرمایا، آپ لوگ دنیا کے لیے نمونہ و مثال ہیں اگر کوئی جاہل اس کپڑے کو دیکھے گا تو کہے گا کہ حالت احرام میں طلحہ بن عبید اللہ تو رنگین کپڑے پہنتے تھے، اس قسم کا کوئی کپڑا ہرگز نہ پہنو۔[4]

ایک بار ایک شخص طواف رخصت کئے بغیر چلا گیا، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو اس کو خود پکڑ کر واپس لائے۔[5]

روزہ:

روزہ ایک نہایت خشک اور بے آب و رنگ عبادت ہے لیکن حضرت عمرؓ نے اس کو نہایت شاندار اور بارونق بنا دیا، تراویح کا خاص انتظام کیا اور اس کو باجماعت کردیا، مسجدوں میں روشنی کروائی اور روزہ داروں کے روزینے مقرر کئے، جس کی مقدار ایک درہم روزانہ تھی، حضرت عثمان نے ترقی دے کر اس مقدار کو دوگنا کردیا۔[6]

1۔ موطائے کتاب الحج باب اہلال اہل مکہ ومن بہا من غیرہم
2۔ موطائے امام مالک کتاب الحج باب الافاقتہ
3۔ موطائے امام محمد کتاب الحج باب البیتوتہ بمکتہ لیالی منی
4۔ موطائے امام مالک کتاب الحج باب لبس الثیاب المصبغتہ فی الاحرام
5۔ موطائے امام مالک کتاب الحج باب وداع البیت
6۔ طبری ص ۲۴۴۸

آج رمضان میں جو رونق و شان نظر آتی ہے وہ صحابہ کرام ہی کے فیض و برکت کا نتیجہ ہے۔

تحریم مدینہ:

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو حرم قرار دیا تھا، یعنی حدود مدینہ کے اندر کے جانور، درخت اور گھاس بالکل محفوظ تھے اور ان کو کوئی شخص ہاتھ نہ لگا سکتا تھا۔ صحابہ کرام اگرچہ بذاتِ خود اس کی حرمت کا لحاظ رکھتے تھے تاہم حضرت عمرؓ نے اس کی نگرانی کے لیے ایک خاص عامل مقرر کر دیا تھا تاکہ ملجائے ایمان کا ادب واحترام ہمیشہ قائم رہے۔

نکاح وطلاق:

نکاح وطلاق کے تمام شرائط واحکام کو صحابہ کرامؓ نے نہایت سختی کے ساتھ قائم رکھا اور اس کی پابندی کرائی۔ ایام عدت میں نکاح حرام ہے لیکن ایک عورت نے ایام عدت ہی میں نکاح کر لیا، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو میاں بی بی دونوں کو سزا دی۔[1]

جو عورتیں بیوہ ہو جائیں ان کے لیے قبل انقضائے عدت گھر سے نکلنا ناجائز ہے حضرت عمرؓ اس سختی کے ساتھ اس حکم کی پابندی کرواتے تھے کہ اس قسم کی عورتوں کو حج کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے۔[2]

نکاح متعہ اگرچہ خود رسول اللہ ﷺ ہی کے زمانے میں حرام ہو چکا تھا تاہم حضرت عمرؓ کے عہد میں شدت کے ساتھ اس کی روک ٹوک کی گئی۔ ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ کسی شخص نے ایک لونڈی کے ساتھ متعہ کیا ہے، گھبرا اٹھے اور چادر گھسیٹتے ہوئے پہنچے اور فرمایا کہ یہ متعہ ہے اگر میں نے پہلے سے اس کا اعلان کیا ہوتا تو اس شخص کو سنگسار کرتا۔[3]

غرض احادیث کی کتابوں میں عبادات و معاملات کے سینکڑوں احکام اس قسم کے موجود ہیں۔ کہ اگر صحابہ کرامؓ نے ان کے استحکام و بقا میں کچھ بھی مداہنت کی ہوتی تو تمام معالم دین مٹ گئے ہوتے اور آج جو حالت قائم ہے وہ آج سے بہت پہلے قائم ہو چکی ہوتی۔

---

1. موطائے کتاب النکاح باب جامع مالا یجوز من النکاح
2. موطا کتاب الطلاق باب مقام المتوفی عنہا زوجہا فی بیتہا حتی تحل
3. موطائے کتاب النکاح باب نکاح المتعہ

جمع وترتیب قرآن:

اسلام کا قیام و بقا تمام تر قرآن مجید کے قیام و بقا پر موقوف ہے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں جو آیتیں نازل ہوئی تھیں وہ اگرچہ الگ الگ سورتوں میں لکھ لی جاتی تھیں لیکن قرآن مجید منتظم شکل میں مرتب نہیں ہوا تھا۔ [1]

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں جب غزوہ یمامہ پیش آیا، اور اس میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہوئے تو حضرت عمرؓ کو قرآن مجید کے جمع وترتیب کی طرف خاص توجہ ہوئی اور انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن لڑائیوں میں شہید ہوئے تو قرآن مجید کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا، اس لئے میری رائے ہے کہ آپ جمع وترتیب قرآن کا حکم صادر فرمایئے لیکن چونکہ یہ ایک نئی بات تھی یعنی رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ کام نہیں ہوا تھا، اس لیے اول اول حضرت ابوبکرؓ نے تامل کیا، لیکن بالآخر حضرت عمرؓ کے اصرار سے راضی ہو گئے، اور حضرت زید بن ثابتؓ کو جو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں کاتب وحی تھے طلب فرمایا اور یہ خدمت ان سے متعلق کی، اول اول انہوں نے بھی اس جدید کام کے شروع کرنے میں تامل کیا، لیکن بعد کو حضرت ابوبکرؓ کی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو بھی کھول دیا اور انہوں نے اس آفتاب ہدایت کے ذرہ ہائے پریشاں کو جمع کرنا شروع کیا، فتح الباری میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا حکم تھا کہ صرف وہ آیتیں اور وہ سورتیں جمع کی جائیں جو لکھی ہوئی ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے سورہ برات کی آخری آیتوں کے لکھنے میں تامل کیا۔ [2]

کیونکہ وہ لکھی ہوئی موجود نہ تھیں، لیکن خود بخاری میں حضرت زید بن ثابتؓ کا قول ہے،

فتتبعت القرآن اجمعه من العسب و للخاف و صدور الرجال

''میں نے قرآن مجید کی جستجو کی اور کھجور کی چھال وغیرہ اور صحابہ کرام کے سینوں سے اس کو جمع کیا۔''

---

[1] فتح الباری جلد ۵ ص ۱۰، ۲۰

[2] فتح الباری جلد ۹ ص ۱۰

بہر حال قرآن مجید کی جمع وترتیب میں نہایت ثبت و احتیاط سے کام لیا گیا حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ جائیں اور جو لوگ قرآن مجید کی آیتوں کو پیش کریں، وہ جب تک دو گواہ نہ لائیں وہ قبول نہ کی جائیں۔ [1]

اس پر نہایت شدت کے ساتھ عمل ہوا، چنانچہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں آیت رجم پیش کی تو چونکہ اس کا کوئی گواہ نہ تھا، انہوں نے اس کو نہیں لکھا۔ [2]

اس کے بخلاف حضرت خزیمہ انصاریؓ نے ایک آیت کا پتہ دیا تو چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی شہادت کو دو شخصوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا اس لیے وہ قبول کر لی گئی، اس حزم و احتیاط کے ساتھ تمام آیتیں جمع ہو کر الگ الگ سورتوں میں کاغذ پر لکھ لی گئیں، لیکن اس مجموعہ میں سور کی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ [3]

یہ مجموعہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس محفوظ رہا، جب ان کی وفات ہوئی تو حضرت عمرؓ کے ہاتھ آیا ان کے بعد حضرت حفصہؓ نے اس کو محفوظ رکھا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں قرآن مجید کی قراءت میں اختلاف پیدا ہوا تو حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے ان کو اس طرف توجہ دلائی اور کہا کہ قبل اس کے کہ یہود و نصاری کی طرح یہ امت اپنی کتاب میں اختلاف کرے، آپ اس کا تدارک فرمائیے، انہوں نے حضرت حفصہؓ کے یہاں سے اس مجموعہ کو منگوالیا، اور حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارثؓ بن ہشام کو حکم دیا کہ اس کو قریش کی زبان میں لکھیں، ان لوگوں نے اب سورتوں میں بھی ترتیب قائم کی۔ [4]

اس طرح جب قرآن مجید کے چند مجموعے تیار ہو چکے تو حضرت حفصہؓ کا مصحف واپس کر دیا اور تمام صوبوں میں ان کا ایک ایک نسخہ روانہ کیا۔ صحیح بخاری میں ان مصاحف کی تعداد مذکور نہیں اور کتابوں میں مختلف تعدادیں مذکور ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی تعداد سات تھی،

---

1 فتح الباری جلد ۹ ص ۱۲

2 اتقان ص ۱۳۷

3 فتح الباری جلد ۹ ص ۱۳، ۱۶

4 فتح الباری جلد ۹ ص ۱۶

ایک کو مدینہ میں محفوظ رکھا تھا، بقیہ کو مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ، اور کوفہ کو روانہ کر دیا تھا، اور صوبوں کی تعداد کے لحاظ سے یہ روایت[1] قرین قیاس معلوم ہوتی ہے،

[1] یہ پوری تفصیل صحیح بخاری کتاب ابواب فضائل القرآن میں مذکور ہے اسکے علاوہ جن کتابوں سے مدد لی گئی انکے حوالے الگ الگ دیدیئے ہیں۔

احتساب

جو چیز مذہب واخلاق کو صحیح اصول پر قائم رکھتی ہے شریعت کی اصطلاح میں اس کا نام احتساب ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے اس کے مختلف مدارج قائم کر دیئے ہیں

من رای منکم منکر افلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان (مسلم)

''تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹادے اگر اس میں اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے اس کا انکار کرے اور اگر یہ بھی نہیں کرسکتا تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔''

صحابہ کرامؓ کے زمانے میں چونکہ تمام اخلاقی طاقتیں زندہ تھیں اس لیے اس مقدس دور میں آخری درجہ کے سوا احتساب کے اور تمام مدارج قائم کیے۔

ایک روز نماز جمعہ کی صف بندی میں اس قدر کشمکش ہوئی کہ آگے کے لوگ پیچھے اور پیچھے کے لوگ آگے ہو گئے، حضرت انس بن مالکؓ نے یہ بے ترتیبی دیکھی تو فرمایا کہ ہم لوگ عہد نبوت میں اس سے احتراز کرتے تھے۔[1]

حضرت معاذ اپنی قوم کے امام تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ کی جماعت کا ثواب بھی ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے، اس لئے پہلے آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیتے تھے۔ پھر آ کر اپنی مسجد میں امامت کرتے تھے ایک روز اسی طرح امامت کی اور سورہ بقرہ پڑھنا شروع کی، ایک کاروباری صحابی جو تھک کر چور ہو گئے تھے، جماعت سے الگ ہو گئے اور الگ نماز پڑھ لی۔ ایک صحابی نے فوراً ٹوکا کہ تم منافق ہو گئے۔[2]

---

[1] ابوداود کتاب الصلوٰۃ باب الصفوف

[2] ابوداود کتاب الصلوٰۃ باب تخفیف الصلوٰۃ

حضرت عائشہ ایک دفعہ ایک گھر میں مہمان اتریں، صاحب خانہ کی دو لڑکیوں کو جو اب جوان ہو چکی تھیں دیکھا کہ بے چادر اوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں، تاکید کی کہ آئندہ کوئی لڑکی بے چادر اوڑھے نماز نہ پڑھے، آنحضرت ﷺ نے یہی فرمایا ہے۔[1]

ایک بار زیاد بن صبیح الحنفی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ نماز میں کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوئے بولے کہ نماز میں یہ پھانسی کی وضع۔[2] رسول اللہ ﷺ اس سے منع فرماتے تھے۔[3]

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ان کے پاس آئے اور معمولی طرح سے جھٹ پٹ وضو کر کے چلے، حضرت عائشہ نے ٹوکا کہ عبدالرحمٰن وضو اچھی طرح کیا کرو آنحضرت ﷺ کو میں نے کہتے ہوئے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو نہ بھیگے اس پر جہنم کی پھٹکار ہو۔[4]

علی بن عبدالرحمٰن المعادی کا بیان ہے کہ ایک بار میں نماز میں کنکریوں سے کھیل رہا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا تو منع کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اختیار کرو۔[5]

ایک بار انہوں نے اور ایک آدمی کو دیکھا کہ نماز میں بائیں ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہے بولے اس طرح نہ بیٹھو یہ ان لوگوں کی نشست ہے جن کو عذاب دیا جائے گا۔[6]

حضرت ابوتمیمہ جہمیؒ ایک تابعی تھے، ان کا معمول تھا کہ نماز صبح کے بعد بیٹھ کر کچھ وعظ و پند کرتے تھے، اور اس میں قرآنی آیات کی تلاوت فرماتے تھے، اور جب کوئی آیت سجدہ آجاتی تھی تو سجدہ کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا تو بار بار منع کیا، وہ باز نہ آئے تو فرمایا، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی ہے وہ طلوع آفتاب سے پہلے کوئی سجدہ نہیں کرتے تھے۔[7]

---

1. مسند جلد ۶ ص ۹۶
2. جب پھانسی دی جاتی ہے تو مصلوب کے ہاتھ اسی طرح باندھ دیئے جاتے ہیں۔
3. ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب والاقعاء
4. مسند جلد ۶ ص ۲۸۵
5. ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الاشارۃ فی التشہد
6. ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب کراہیۃ الاعتماد علی الید فی الصلوۃ
7. ابوداود کتاب الصوم فیمن یقرا السجدۃ بعد الصبح

ایک بار ایک صحابیہ خوب خوشبو لگا کر مسجد میں گئیں پلٹیں تو راہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کا سامنا ہو گیا، خوشبو آئی تو پوچھا کہ یہ خوشبو مسجد میں جانے کے واسطے لگائی تھی، بولیں ہاں،، فرمایا میں نے اپنے حبیب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو عورت مسجد میں جانے کے لیے خوشبو لگائے،، اس کی نماز اس وقت تک مقبول نہیں ہوتی جب تک پلٹ کر غسل جنابت نہ کر لے۔ [1]

عرب میں یہ وحشیانہ طریقہ جاری تھا کہ اسیران جنگ کو باندھ کر قتل کر ڈالتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی اور عملاً اس کو مٹا دیا، ایک بار حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولیدؓ کے پاس چار کافر گرفتار ہو کے آئے اور انہوں نے ان کو اسی طرح قتل کر ڈالا، حضرت ابو ایوب انصاری کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ،، آپ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے اگر مرغیاں بھی ہوتیں تو میں ان کو اس طرح نہ مرواتا۔ [2]

ایک بار حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ کابل میں ایک فوج کے ساتھ تھے، اہل فوج نے مال غنیمت پایا اور باہم لوٹ مار کر کھا گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ نے فرمایا کہ،، رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے سب نے اپنا اپنا حصہ واپس کر دیا، اور دوبارہ انہوں نے اس کو تقسیم کیا۔ [3]

حضرت انس بن مالک حاکم بن ایوب کے پاس آئے دیکھا کہ چند نوجوان مرغی باندھ کر تیر کا نشانہ لگا رہے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ [4]

حضرت عائشہ نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کی چادر میں صلیب کے نقش ونگار بنے ہوئے ہیں، دیکھنے کے ساتھ ڈانٹا کہ یہ چادر اوتار دو، آنحضرت ﷺ ایسے کپڑوں کو دیکھتے تو پھاڑ ڈالتے۔ [5]

صحابہ کرامؓ مرتے دم تک بھی فرض احتساب سے غافل نہیں ہوتے تھے، حضرت ابو

---

[1] ابوداؤد کتاب الترجل باب فی طیب المراۃ

[2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب قتل الاسیر بالنبل

[3] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی النہی عن النہبی اذا کان فی الطعام قلۃ فی ارض اللہ

[4] ابوداؤد کتاب الضحایا باب فی الرفق بالذبیحہ

[5] مسند جلد ۶ ص ۲۲۵

موسیٰ اشعریؓ پر موت کے آثار طاری ہوئے تو ان کی بی بی رونے لگیں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی تمہیں خبر نہیں،، فوراً چپ ہوگئیں۔[1]

ایک بار حضرت ابوحذیفہ نے مدائن میں ایک چبوترے پر چڑھ کے امامت کی، حضرت ابومسعودؓ نے ان کا دامن پکڑ کر کھینچ لیا، اور وہ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا کیا تمہیں خبر نہیں کہ عہد نبوت میں لوگ اس سے روکے جاتے تھے؟ بولے تم نے دامن کھنچا تو مجھے یاد آیا،

مدائن ہی میں ایک دوسرے موقع پر حضرت عمار بن یاسرؓ نے بھی ایسا ہی کیا تو حضرت حذیفہ نے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور وہ چبوترے سے نیچے اتر آئے۔[2]

ایک بار حضرت امام حسن علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے، حضرت ابورافعؓ بھی حسن اتفاق سے آ گئے دیکھا کہ ان کے بال گندے ہوئے ہیں، فوراً ہاتھ سے کھول دیئے، انہوں نے برہم ہو کر ان کی طرف دیکھا، بولے کہ نماز پڑھیے برہم نہ ہو جیئے میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ چوٹی شیطان کا اڈہ ہے،،

ایک بار اسی وضع کے ساتھ حضرت عبداللہ بن حارثؓ نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ پیچھے کھڑے ہو گئے اور بال کھولنے لگے، وہ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا کہ میرے سر نے آپ کا کیا قصور کیا تھا، بولے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس طرح نماز پڑھتا ہے اس کی حالت بالکل اسی طرح کی سی ہوتی ہے جو نماز پڑھے اور اس کی مشکیں کسی ہوئی ہوں۔[3]

ایک بار ایک شخص نے جمعہ پڑھا اور اسی جگہ دو رکعت سنت بھی ادا کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا تو دھکیل دیا اور کہا کہ ''چار رکعت جمعہ پڑھتے ہو،، اس سرزنش کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں سنت پڑھتے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی اسی کا اتباع کرتے تھے۔[4]

حضرت قیسؓ بن عباد کا بیان ہے کہ میں پہلی صف میں نماز پڑھ رہا تھا کہ حضرت ابی ابن

---

[1] ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی النوح

[2] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الامام یقوم مکانا ارفع من مکان القوم

[3] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الرجل یصلی عاقصا شعرہ

[4] ابوداؤد الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ بعد الجمعہ

کعبؓ نے مجھ کو پیچھے سے کھینچ کر ہٹا دیا اور خود میری جگہ کھڑے ہو گئے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ برا نہ مانو، رسول اللہ ﷺ نے ہم کو یہی وصیت فرمائی ہے۔ اس کے بعد قبلہ رو کھڑے ہو کر تین بار فرمایا خدائے کعبہ کی قسم! اہل عقد ہلاک ہو گئے خدا کی قسم! میں عام لوگوں پر افسوس نہیں کرتا ان پر افسوس کرتا ہوں جنہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا ہے قیس ابن عبادؓ نے پوچھا اہل عقد کون لوگ ہیں؟ بولے امراء۔ [1]

ایک بار حضرت ہشام بن حکیم بن حزامؓ سورہ فرقان پڑھ رہے تھے، حسن اتفاق سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بھی یہی سورت پڑھائی تھی، حضرت عمرؓ نے سنا تو ان کو قرأت میں اختلاف معلوم ہوا چنانچہ ان کو چادر سے باندھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور کہا کہ جس طرح آپ نے مجھ کو پڑھایا ہے ان کی قرات اس کی مخالف ہے،، آپ نے فرمایا قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے جس طرح ہو سکے پڑھو۔ [2]

ایک بار صحابہ کرامؓ کسی جنازہ کے ساتھ آہستہ آہستہ جا رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ آئے اور کوڑا اٹھا کر کہا کہ،، ہم لوگ آپ کے ساتھ جنازے میں دوڑتے ہوئے چلتے تھے۔ [3]

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بازار میں زیتون کا تیل خریدا، اسی جگہ ایک شخص نے اس کو خریدنا چاہا نفع ملتا تھا، انہوں نے اس کے ہاتھ فروخت کر دیا، اسی حالت میں پیچھے سے ایک شخص نے ان کی کلائی پکڑ لی مڑ کر دیکھا تو حضرت زید بن ثابتؓ تھے فرمایا کہ جہاں خریدا ہے وہیں نہ بیچو، رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ [4]

حضرت ابومسعود انصاریؓ حلقہ قائم کر کے بیٹھے تھے، دو آدمیوں نے کہا اس حلقہ میں کون ہے جو ہمارا فیصلہ کرے گا؟ ایک شخص نے کہا میں، حضرت ابومسعود انصاری نے کنکری اٹھا کر ماری اور کہا چپ۔ [5] قضاءت کو جلدی قبول کرنا مکروہ ہے۔"

---

[1] نسائی کتاب القبلہ

[2] ابوداؤد ابواب کتاب الصلوٰۃ باب نزول القرآن علی سبعۃ احرف

[3] ابوداود کتاب الجنائز باب الاسراع بالجنائز

[4] ابوداود کتاب البیوع باب فی بیع الطعام قبل ان یستوفی

[5] ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب فی طلب القضاو التسرع الیہ

ایک بار حضرت عمرؓ نے ایک بچے کے پاؤں میں گھونگھرو دیکھا تو کاٹ ڈالا اور فرمایا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہر گھونگرو کے ساتھ شیطان رہتا ہے،

اسی طرح حضرت عائشہ نے بھی ایک لڑکی کے گھونگرو کٹوا دیئے۔[1]

ایک بار ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمٰنؓ نہایت باریک دوپٹہ اوڑھ کر سامنے آئیں دیکھنے کے ساتھ ہی غصہ سے دوپٹہ چاک کر دیا پھر فرمایا تم نہیں جانتیں کہ سورۂ نور میں خدا نے کیا احکام نازل کیے ہیں، اس کے بعد گاڑھے کا دوسرا دوپٹہ منگوا کر اڑھایا۔[2]

ایک شخص نے حضرت عثمانؓ کے سامنے ان کی تعریف کی، حضرت مقداد بن اسودؓ نے اس کے منہ میں خاک اٹھا کر جھونکدی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مدح کرنے والوں کے منہ میں خاک جھونکدو۔[3]

سلاطین و امراء کا احتساب درحقیقت جان کی جوکھوں ہے لیکن صحابہ کرام نے نہایت دلیری اور حق گوئی کے ساتھ اس فرض کو ادا فرمایا۔

عہد نبوت میں یہ دستور تھا کہ عیدگاہ میں ساتھ منبر نہیں جاتا تھا اور آپ نماز عید کے بعد خطبہ پڑھتے تھے، بنوامیہ نے یہ دونوں طریقے بدل دیئے، چنانچہ ایک بار مروان نے نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا چاہا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ مروان تم نے سنت کی مخالفت کی عیدگاہ میں منبر ساتھ لائے اور خطبہ نماز سے پہلے پڑھا، حضرت ابوسعید خدریؓ بھی موجود تھے بولے یہ کون ہے؟ اس نے اپنا حق ادا کر دیا۔[4]

ایک بار حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعت نماز ادا کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ٹوکا،، میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس جگہ صرف دو رکعت نماز پڑھی ہے اس کے بعد تم لوگوں نے اور اور طریقے اختیار کر لئے ہیں میں تو اسی دو رکعت کو محبوب رکھتا ہوں۔[5]

---

1. ابوداود کتاب الخاتم باب ماجاء فی الجلاجل
2. موطائے امام مالک کتاب اللباس
3. ابوداود کتاب الادب باب فی اکراہتیہ التمادح
4. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الخطبہ
5. ابوداود کتاب المناسک باب الصلوٰۃ بمنیٰ

ایک بار حضرت یحییٰ بن سعید بن العاصؓ نے بی بی کو طلاق باین دی، مروان بن الحکم نے جو مدنیہ کا گورنر تھا ان کو گھر سے رخصت کر دیا، حضرت عائشہ کو معلوم ہوا تو کہلا بھیجا کہ خدا سے ڈرو عورت کو سسرال ہی میں رہنے دو، مروان بن الحکم نے جواب دیا کہ طلاق باین کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو گھر میں نہیں رہنے دیا تھا،، بولیں کہ اگر تم فاطمہ کی حدیث پر عمل نہ کرو تو کوئی حرج نہیں۔[1]

ایک بار حضرت امیر معاویہؓ نے رومیوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا، ابھی مدت معاہدہ گزرنے نہ پائی تھی کہ حملہ کی تیاری کر دی کہ مدت گزرنے کے ساتھ ہی حملہ شروع کر دیا جائے، فوج روانہ ہوئی تو حضرت عمر بن عنبسہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور کہا،، اللہ اکبر، اللہ اکبرؓ وفائے عہد کرنی چاہیے، بدعہدی جائز نہیں۔[2]

ایک بار حضرت ابو ہریرہؓ مروان کے گھر میں گئے دیکھا کہ مصور تصویر بنا رہا ہے بولے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کہتا ہے کہ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے؟ جو میری طرح مخلوق پیدا کرتا ہے وہ ایک ذرہ ایک دانہ اور ایک جو تو پیدا کر لے۔[3]

---

[1] ابو داؤد کتاب الطلاق باب من انکر ذلک یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دیجائے اس کو سکنی کا حق حاصل ہے یا نہیں، قرآن مجید میں تصریح ہے کہ اس کو گھر ہی میں عدت گزارنی چاہیے، لیکن فاطمہ بنت قیس کی حدیث اس کے معارض ہے، لیکن حضرت عائشہ کا خیال یہ تھا کہ فاطمہ کا گھر نہایت سنسان اور الگ تھلگ تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوسرے گھر میں عدت بسر کرنے کا حکم دیا تھا، ورنہ قرآن مجید کا اصل حکم اب تک باقی ہے

[2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الامام یکون بینہ وبین العدو عہد فیسیر نحو

[3] مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب لاتدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب ولا صورۃ

تجدید واصلاح

عقائد واعمال کی تجدید اور مذہب اور اخلاق کی اصلاح صحابہ کرام کا سب سے بڑا فرض تھا، اورانہوں نے ہر موقع پر نہایت سرگرمی کے ساتھ اس مقدس فرض کو ادا کیا۔

رسوم جاہلیت کا انسداد:

رسول اللہ ﷺ نے زمانہ جاہلیت کے جن عقائد واعمال کو مٹادیا تھا وہ جب کبھی رونما ہوتے تھے تو صحابہ کرام نہایت سختی کے ساتھ ان کی مخالفت کرتے تھے، جاہلیت کے زمانے میں بچوں کے سرہانے استرا رکھ دیتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ اس کے ذریعے بچے جنون کے آسیب سے محفوظ رہیں گے۔ حضرت عائشہؓ نے ایک بار کسی بچے کے سرہانے استرا دیکھا تو منع فرمایا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ ٹوٹکے کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ [1]

عرب میں قاعدہ تھا کہ مردے کی لاش پر نوحہ کرتے تھے، اسلام نے اس کی ممانعت کی لیکن بعد کو کوفہ والوں نے جاہلیت کی اس رسم کو تازہ کیا اور قرظہ بن کعب کی لاش پر اسی طریقہ سے نوحہ و بکاء کیا، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو معلوم ہوا تو کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

من یخ علیه فانه یعذب بما نیح علیه یوم القیامه۔ [2]

''جس شخص پر نوحہ کیا گیا اس پر قیامت کے دن اس کی وجہ سے عذاب کیا جائے گا۔''

ایک بار حضرت ابوبکرؓ نے ایک عورت کو دیکھا کہ خاموش ہے، وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ اس نے خاموش حج کیا ہے، اس کو فوراً ممانعت کی اور کہا کہ یہ جائز نہیں ہے یہ جاہلیت کا کام ہے۔ [3]

حضرت عروہ بن مسعودؓ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت سے واپس ہو کر اپنے وطن طائف آئے تو ان کے قبیلے کے تمام لوگ ملاقات کو آئے اور جاہلیت کے طریقے پر سلام کیا۔

---

1. الادب المفرد باب الطیرۃ من الجن
2. مسلم کتاب الجنائز باب المیت یعذب ببکاء اہلہ علیہ
3. بخاری باب ایام الجاہلیۃ

انہوں نے اس پر سختی سے اعتراض کیا اور کہا کہ تم کو اہل جنت کی طرح سلام کرنا چاہیے۔[1]

شرک و بدعت کا استیصال

خلفائے راشدینؓ کے عہد تک یہ معمول تھا کہ خطبہ عیدین نماز کے بعد دیا جاتا تھا، لیکن جب مروان نے اس سنت کو بدل دیا اور خطبہ کے بعد نماز پڑھنا شروع کی تو اسی وقت ایک شخص نے مخالفت کی اور حضرت ابو سعید خدریؓ نے اس کی تائید کی دوسرے سال مروان عیدگاہ میں حضرت ابو سعید خدریؓ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے آیا اور ان کو پہلے منبر کی طرف لے جانا چاہا لیکن انہوں نے اس کو نماز کے لیے گھسیٹا اور کہا ابتداء نماز کی کیا ہوئی؟ اس نے کہا آپ کو اس مسئلہ میں جو کچھ معلوم ہے وہ تو ترک کر دیا گیا، لیکن انہوں نے تین بار فرمایا کہ مجھ کو جو کچھ معلوم ہے تم اس سے بہتر روش قائم نہیں رکھ سکتے۔[2]

صحابہ کرامؓ کو بدعات و محدثات کے استیصال کا اس قدر خیال تھا کہ نہایت چھوٹی چھوٹی باتوں پر دارو گیر کرتے تھے، ایک بار حضرت عبداللہ بن مغفل کے صاحبزادے نے نماز میں سورہ فاتحہ کے ابتداء میں بسم اللہ پڑھ لیا، انہوں نے سنا تو فوراً بول اٹھے کہ بیٹا یہ بدعت ہے اس سے بچو، شرک و بدعت کی تولید اکثر مذہبی عظمت سے ہوتی ہے جس کے مظہر صحابہ کرام کے زمانے میں نہایت کثرت سے موجود تھے، لیکن جب کبھی صحابہ کرام کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ اس عظمت کا عملی اعتراف شرک و بدعت کی صورت اختیار کر لے گا، تو فوراً اس کی مخالفت کی۔ ایک بار حضرت عمرؓ سفر حج سے واپس آ رہے تھے راستہ میں دیکھا کہ لوگ ایک مسجد کی طرف دوڑے ہوئے جا رہے ہیں پوچھا یہ کیا ہے لوگوں نے کہا ایک مسجد ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی، بولے تم سے پہلے اہل کتاب اسی طرح مشرک ہو گئے جس کو نماز پڑھنا ہو وہ نماز پڑھے ورنہ آگے بڑھے۔[3]

حضرت عمرؓ کے زمانے تک شجرۃ الرضوان قائم تھا، اور لوگ متبرک سمجھ کر اس کی زیارت کو آتے تھے، یہ دیکھ کر انہوں نے اس کو جڑ سے کٹوا دیا۔[4]

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عروہ بن مسعود

[2] مسلم کتاب صلوٰۃ العیدین و بخاری کتاب العیدین

[3] وفاء الوفاص ۴۴۹

[4] ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۹۱

مسلمان میں غلاف کعبہ کی جو عزت و حرمت ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے تو پرانا غلاف چرا چھپا کر خادموں کو کچھ دے دلا کر لے لیتے ہیں اور اس کو تبرک سمجھ کر گھر لے جاتے ہیں، اس کو مکانوں میں رکھتے ہیں، دوستوں کو بطور سوغات تقسیم کرتے ہیں قرآن میں رکھتے ہیں مسجدوں میں لٹکاتے ہیں اور مریضوں کو اس کی ہوا دیتے ہیں، لیکن قرن اول میں یہ حالت نہ تھی، متولی کعبہ صرف یہ کرتا تھا کہ غلاف کو زمین میں دفن کر دیتا تھا کہ وہ ناپاک انسانوں کے مصرف کا نہ رہے، شیبہ بن عثمان نے جو اس زمانہ میں کعبہ کے کلید بردار تھے، حضرت عائشہ سے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ تعظیم غیر شرعی ہے، خدا اور رسول نے اس کا حکم نہ دیا، اور ممکن ہے کہ آئندہ اس سے سوء اعتقاد اور بدعات کا سرچشمہ پھوٹے، اس لیے شیبہ سے کہا، یہ تو اچھی بات نہیں تم برا کرتے ہو، جب غلاف کعبہ سے اتر گیا اور کسی نے اس کو ناپاکی کی حالت میں استعمال بھی کیا تو کوئی مضائقہ نہیں تم کو چاہیے کہ بیچ ڈالا کرو اور اس کی قیمت غریبوں اور مسافروں کو دے دیا کرو۔[1]

اصلاح اخلاق:

اسلام میں ہر مصلح اخلاق کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ خالص اسلامی اخلاق کو قائم رکھے، اور ان کو غیر قوموں کے اخلاق کے ساتھ مخلوط نہ ہونے دے، دوسرے یہ کہ جو اخلاق اصول مذہب، اصول انسانیت اور اصول شرافت کو صدمہ پہنچاتے ہیں، ان کا استیصال کرے، صحابہ کرام نے اپنے دور خلافت میں یہ دونوں فرض نہایت مستعدی کیساتھ ادا کیے حضرت عمرؓ نے تمام عمال کو تحفظ اخلاق عرب کی ہدایت فرمائی اور لکھا کہ۔

ادنوا الخیل و انتضلوا و ایاکم و اخلاق الاعاجم وان لا تجلسوا علی مائدة یشرب علیھا الخمر و لا یحل لمومن و لا مومنة ید خل الحمام الا بمیزر الا من سقم [2]

''گھوڑوں کو قریب رکھو، تیراندازی کرو اور اخلاق عجم کے اختیار کرنے، اور ایسے دستر خوان پر بیٹھنے سے جس پر شراب پی جائے احتراز کرو کسی مسلمان مرد یا عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ بغیر کسی بیماری کے حمام میں بلا تہبند باندھے نہائے۔''

[1] عین الاصابہ بحوالہ سنن بیہقی

[2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عائشہ صدیقہ

فتوحات عجم کے بعد نرد بازی شطرنج بازی و مرغ بازی وغیرہ تضیع اوقات کے کھیل ملک میں پھیلے تو صحابہ کرام نے اس پر شدت کے ساتھ داروگیر کی، حضرت عائشہ کے گھر میں کچھ کرایہ دار رہتے تھے ان کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ نرد کھیلتے ہیں تو سخت برافروختہ ہوئیں اور کہلا بھیجا کہ اگر نرد کی گوٹیوں کو میرے گھر سے باہر نہ پھینک دو گے تو میں اپنے گھر سے نکلوا دوں گی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے خاندان میں کسی کو نرد کھیلتے ہوئے دیکھتے تو اس کو مارتے اور نرد توڑ ڈالتے۔[1]

ایک بار کچھ لوگ شطرنج کھیل رہے تھے، حضرت علیؓ نے دیکھا تو فرمایا،

ماھذہ التماثیل التی انتم لما عاکفون[2]

یہ تصویریں کیا ہیں جن کے سامنے تم نے سر جھکا لیا ہے۔

فتح عجم کے بعد اہل عرب شراب کے جدید اقسام و نام سے آشنا ہو گئے تھے، جن میں سے ایک باذق یعنی بادہ تھا، چونکہ عربی میں شراب کو خمر کہتے ہیں اور اس کا اطلاق صرف انگوری شراب پر ہوتا ہے اس بناء پر لوگوں کو شبہ تھا کہ ان شرابوں کا کیا حکم ہے؟ لیکن حضرت عائشہ نے اپنی مجلس میں بالا علان کہدیا کہ شراب کے برتنوں میں چھوہارے تک نہ بھگوئے جائیں، پھر عورتوں کی طرف خطاب کر کے کہا،، اگر تمہارے خم کے پانی سے نشہ آئے تو وہ بھی حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور چیز کو منع فرمایا ہے۔[3]

ایک دفعہ شام کی چند عورتیں حضرت عائشہ کی زیارت کو آئیں، رومیوں کے اختلاط سے وہاں کی عورتیں بھی حمام میں برہنہ غسل کرتی تھیں، فرمایا کہ تم ہی وہ عورتیں ہو جو حمام میں جاتی ہو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو عورت اپنے گھر سے باہر کپڑے اتارتی ہے وہ اپنے اور خدا کے درمیان پردہ دری کرتی ہے۔[4]

قدیم زمانے میں یہود یہ عورتوں میں جو بد اخلاقیاں پھیل گئیں تھیں ان میں ایک یہ تھی

---

1. الادب المفرد باب الادب واخراج الذین یلعبون بالنرد موطائے امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی النرد
2. طبقات ابن سعد تذکرہ سبرہ بن حبیب میسرہ بن حبیب
3. سنن نسائی کتاب الخمر
4. مسند جلد ۶ ص ۱۷۳

کہ جن کی عورتوں کے بال گر پڑتے تھے وہ مصنوعی بال لگا لیتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمادی تھی، لیکن حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں عربی عورتوں نے بھی یہ روش اختیار کرلی وہ حج کو آئے تو ایک سپاہی کو مصنوعی بال کا ایک گچھا دیے دیا، اور منبر پہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور اس گچھے کو ہاتھ میں لے کر فرمایا،

یا اهل المد ینه این علماء کم سمعت النبی صلی الله علیه وسلم ینهٰی عن مثل هذه و یقول انما هلکت بنو اسرائیل حین اتخدهذه نساء هم۔[1]

اے اہل مدنیہ تمہارے علماء کہاں ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ بنو اسرائیل اسی وقت برباد ہوئے جب ان کی عورتوں نے اس کو اختیار کیا،

ایک دفعہ کسی عورت نے حضرت عائشہ سے کہا کہ میری بیٹی دولہن بنی ہے، لیکن بیماری سے اس کے بال گر گئے ہیں کیا مصنوعی بال جوڑ دوں فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔[2]

عرب میں جو بداخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں وہ بہت کچھ تو خود بخود اسلام کے اثر سے مٹ گئیں اور جو رہ گئیں تھیں ان کو صحابہ کرام نے بالکل مٹا دیا، مثلاً فخر وغرور کہ اس کے اظہار کی ایک صورت یہ تھی کہ لوگ لڑائیوں میں قبائل کی جے پکارتے تھے، حضرت عمرؓ نے اس کو حکماً منع کر دیا۔[3]

اس سلسلے میں سب سے پہلے چیز شاعری کی اصلاح تھی کیونکہ شعراء لوگوں کی ہجویں لکھتے تھے، اور ان سے سینکڑوں اخلاقی خرابیاں پیدا ہوتی تھیں حضرت عمرؓ نے اس کو جرم قرار دیا اور ہجوگوئی پر شعراء کو سزا دی، چنانچہ ایک بار نجاشی نے تمیم بن مقبل کی ہجو لکھی، انہوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں استغاثہ کیا تو حضرت عمرؓ نے اور شعار پر تو کوئی گرفت نہیں کی لیکن جب یہ شعر سنا

اولئک اولاد الهجین و اسرة　　اللیم ورهط العاجز المتذلل

یعنی یہ لوگ دوغلے کمینہ خاندان اور عاجز اور ذلیل قبیلہ کے ہیں۔

---

1. بخاری کتاب بداء الخلق و کتاب الادب
2. مسند جلد ۶ ص ۱۱۱
3. کنز العمال

تو فرمایا کہ اب اس شعر پر معاف نہیں رکھ سکتا، چنانچہ اس کو قید کیا اور کوڑے لگائے۔[1]

حطیہ مشہور ہجو گو شاعر تھا ایک بار اس نے زبرقان بن بدر کی ہجو کہی جس کا ایک شعر یہ تھا،

دع المکارم لا ترحل لبغیتها   واقعد فانک انت الطاعم الکاسی

فضائل چھوڑ دے اس کے حاصل کرنے کے لیے سفر نہ کر   اور بیٹھ جا کیونکہ تو صرف کھانے اور پہننے والا آدمی ہے۔

زبرقان نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ یہ ہجو ہے، انہوں نے کہا ہاں اس پر انہوں نے حطیہ کو تہ خانہ میں قید کر دیا، اور جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت زبیرؓ نے سفارش کی تو یہ قول لے کر چھوڑا کہ پھر کسی کی ہجو نہ کہے گا۔[2]

ہجو کے علاوہ شعراء اشعار میں علانیہ اپنے معشوقوں کے نام لیتے تھے، اور ان کے حسن کی تعریف کرتے جس کو عربی میں تشبیب کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے تمام شعراء کو حکم دیا،

لا یشبب احد بامراۃ الاجلدہ۔[3]

کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ تشبیب نہ کرے ورنہ اس کو سزا دی جائے گی۔

اصلاح بین الناس:

اسلام نے عرب کے قدیم بغض و کینہ کو مٹا کر تمام مسلمانوں کو اتحاد اتفاق کی جس سنہری زنجیر میں جکڑ دیا تھا، صحابہ کرام نے حتی المقدور کبھی اس کی کڑیوں کو جدا نہیں ہونے دیا، حضرت عروہ بن مسعود کے قبیلے کے لوگوں نے جب ان کے خون کا بدلہ لینا چاہا تو انہوں نے خود نہایت ایثار نفسی کے ساتھ فرمایا۔

لا تقتتلوا فی قد تصدقت بدمی علی صاحبہ لا صلح بذالک بینکم۔[4]

''میرے بارے میں جنگ و جدل نہ کرو میں نے اپنا خون معاف کر دیا تا کہ اس ذریعہ سے تم لوگوں میں مصالحت ہو جائے۔''

---

[1] اصابہ تذکرہ تمیم بن مقبل

[2] اسد الغابہ تذکرہ زبرقان

[3] اسد الغابہ تذکرہ حمید بن ثور

[4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عروہ بن مسعودؓ۔

ان کے اصل قاتل حضرت اوس بن عوفؓ تھے، اس لئے مدت تک ان کو عروہ کے بیٹے حضرت ابوملیح بن عروہؓ اور ان کے بھتیجے حضرت قارب بن اسودؓ کی طرف سے انتقام کا کھٹکا لگا رہا، چنانچہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ان کی شکایت کی تو انہوں نے ان دونوں صاحبوں کو انتقام سے روکا اور ان سب کو باہم ملا دیا، اور سب نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔ [1]

حضرت عمرؓ نے ہجو یہ اشعار کہنے پر اس قدر سختی اس لیے کی تھی کہ باہم لوگوں میں نا چاقی نہ ہونے پائے، چنانچہ حضرت حسان بن ثابتؓ نے قریش کی ہجو میں جو اشعار خود رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے کہے تھے، قریش کے اسلام لانے کے بعد ان کے پڑھنے کی ممانعت کر دی کہ اس سے پرانی رنجشیں تازہ ہوتی ہیں۔ [2]

اصلاح معاش:

اصلاح معاش کے یہ معنی ہیں کہ معاش کے ناجائز طریقوں کو مٹا کر، جائز طریقوں کو ترقی دی جائے اور صحابہ کرام نے یہ دونوں فرض ادا کیے۔

ایک بار حضرت فضالہ بن عبیدؓ کو ایک مجمع میں معلوم ہوا کہ کچھ لوگ کھیل رہے ہیں برہم ہو کر اٹھے اور فرمایا کہ جو لوگ اس کی کمائی کھاتے ہیں، سور کا گوشت کھاتے ہیں اور خون سے وضو کرتے ہیں۔ [3]

ایک بار دو شخصوں نے ایک مرغ پر بازی لگائی، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو مرغ کو مار ڈالنا چاہا ایک شخص نے کہا ایسی امت کو قتل کرتے ہو جو خدا کی تسبیح خواں ہے اس لیے چھوڑ دیا۔ [4]

ایک شخص کا یہ معمول تھا کہ جب اس کی گھوڑیاں بچھیرے جنتیں تو اس خیال سے ذبح کر دیتا کہ جب تک یہ سواری کے قابل ہوں گے، میں زندہ کب رہوں گا؟ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو ایک تحریری حکم بھیجا کہ:

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ اوس بن عوف

[2] آغانی تذکرہ حضرت حسان بن ثابتؓ

[3] الادب المفرد باب الغناء واللہو،

[4] الادب المفرد باب قمار الدیک

اصلحوا ما رزقکم اللہ فان فی الا مر توسعاً

''خدا تم کو جو کچھ دے اس کی اصلاح کرو کیونکہ زندگی میں بڑی وسعت ہے''

حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے ایک شخص کو ہدایت کی کہ اگر تم سنو کہ دجال نمودار ہو گیا ہے اور تمہارے ہاتھ میں کھجور کا ایک پودا ہو تو اطمینان سے اس کو لگاؤ کیونکہ اس کے بعد بھی لوگ زندہ رہیں گے۔ [1]

[1] الادب المفرد باب اصطناع المال

ارشاد و ہدایت

دنیا اندھیرے میں بھٹک رہی تھی، نیکی کا چراغ گل ہوگیا تھا، بدی کی گھٹا افق عالم پر چھا گئی تھی کہ اسی حالت میں غار سے ایک چاند نکلا! اور دنیا اجالی ہوگئی، لیکن یہ جو کچھ ہوا صرف رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت، وعظ و پند اور ارشاد و ہدایت کا نتیجہ تھا، اس لیے آپ کے بعد دنیا پھر اندھیری ہو جاتی اگر صحابہ کرام نے اس سلسلے کو قائم نہ رکھا ہوتا،

پند و نصیحت

رسول اللہ ﷺ اگرچہ ہمہ وقت ارشاد و ہدایت میں مصروف رہتے تھے تاہم یہ ایک ایسا اہم فرض تھا کہ اس کے لیے آپ نے ایک وقت مخصوص کر لیا تھا۔ اور ایک روز کا ناغہ دے کر مستمراً صحابہ کرام کو وعظ و پند فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے بعد صحابہ کرام نے بھی یہ روش قائم رکھی، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی جمعرات کے دن کو وعظ و پند کے لیے مخصوص کر لیا تھا۔ [1]

نمونہ و مثال:

آفتاب کسی کو اندھیرے میں بھٹکنے نہیں دیتا، لیکن بایں ہمہ زبان سے کچھ نہیں کہتا بلکہ اپنی شعاعوں کو بھیج دیتا ہے جو نہایت خاموشی کے ساتھ ہر شخص کی انگلی پکڑ کر سیدھی راہ پر لگا دیتی ہیں، خلفاء راشدین بھی آفتاب نبوت کا پرتو تھے، اس لیے وہ ارشاد و ہدایت کے لیے دنیا کے سامنے ایسی روشن مثالیں پیش کرنا چاہتے تھے، جن کو دیکھ کر ہر شخص خود بخود سیدھی راہ پا لے۔

ایک دفعہ حضرت طلحہ بن عبیدؓ اللہ حالت احرام میں رنگین کپڑے پہنے ہوئے تھے، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو فرمایا، لوگو تم امام ہو اور تمام دنیا تمہاری تقلید کرتی ہے۔ اس لیے اگر کوئی جاہل آدمی اس کپڑے کو دیکھے گا تو کہے گا کہ طلحہ بن عبید اللہ حالت احرام میں رنگین کپڑے پہنتے تھے، پس اے لوگو اس قسم کا کپڑا ہرگز نہ پہنو۔ [2]

---

1. مسلم کتاب المنافقین واحکامہم باب الاقتصاد فی الموعظۃ و بخاری کتاب العلم
2. موطائے امام مالک کتاب الحج باب لبس الثیاب المصبغۃ فی الاحرام

وعظ گوئی:

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تو اس کی ضرورت ہی نہ تھی حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں بھی اس کا رواج نہیں ہوا، حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جن کے عہد خلافت میں اس کی ایجاد ہوئی اور حضرت تمیم داریؓ نے ان کی اجازت سے کھڑے ہو کر وعظ کہا۔ [1]

چنانچہ اس طریقہ کو حضرت عمرؓ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص وعظ کو محض گرمی محفل کا ذریعہ بنانا چاہتا اور اس میں تکلف و تصنع سے کام لیتا تو صحابہ کرام نہایت سختی کے ساتھ روک ٹوک کرتے واعظین گرمی مجلس کے لیے مقفی و مسجع دعائیں بنا بنا کر پڑھا کرتے اور اپنے تقدس کے اظہار کے لیے موقع بے موقع ہر وقت وعظ کے لیے آمادہ رہتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کے زمانے میں ابن ابی السائب تابعی نے یہ طریقہ اختیار کیا تو انہوں نے ان سے خطاب کر کے کہا، تم مجھ سے تین باتوں کا عہد کرو ورنہ بزور تم سے باز پرس کروں گی،، عرض کیا ام المومنین وہ کیا باتیں ہیں، فرمایا دعاؤں میں مسجع عبارتیں نہ بناؤ اس لیے کہ آپ اور آپ کے اصحاب ایسا نہیں کرتے تھے، ہفتہ میں صرف ایک دن وعظ کہا کرو، اگر یہ کافی نہ ہو تو دو دن اور اس سے بھی زیادہ چاہو تو تین دن' لوگوں کو خدا کی کتاب سے اکتا نہ دو، ایسا نہ کرو کہ جہاں لوگ بیٹھے ہوں آ کر بیٹھ جاؤ اور قطع کلام کر کے اپنا وعظ سنانا شروع کر دو' جب ان کی خواہش ہو اور وہ درخواست کریں تب کہو۔ [2]

کلمات طیبہ:

صحابہ کرامؓ کی زبان سے جو کلمات طیبہ نکل گئے وہ بھی ارشاد و ہدایت کے سلسلے میں داخل ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ،، لوگوں میں اس طرح رہو جس طرح اڑنے والی شہد کی مکھی کہ اس کو ہر چڑیا اپنے آپ سے کمزور سمجھتی ہے لیکن اگر اس کو معلوم ہوتا کہ اس کے پیٹ میں کیا برکت بھری ہوئی ہے تو وہ ایسا نہ کرتی لوگوں کے ساتھ جسم اور زبان سے ملے جلے رہو لیکن دل اور عمل سے الگ رہو۔ [3]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۴۴۹

[2] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۱۷

[3] داری باب فی اجتناب الاہواء

ایک بار حضرت سلمان فارسیؓ نے حضرت ابوالدرداءؓ کو لکھا کہ، علم ایک چشمہ ہے جس پر لوگ آتے ہیں اور اس سے نالیاں نکالتے ہیں اور خدا اس سے بہتوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی حکمت خاموش ہو تو وہ جسم بے روح ہے، اگر کوئی علم لٹایا نہ جائے تو وہ مدفون خزانہ ہے عالم کی مثال اس شخص کی سی ہے جو تاریک راستے میں چراغ دکھاتا ہے تاکہ لوگ اس سے روشنی حاصل کریں اور اس کو دعا دیں۔ [1]

اس کے علاوہ صحابہ کرام کے اور بھی بہ کثرت مقولے ہیں جن کو ہم تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

1 دارمی باب البلاغ رسول اللہ ﷺ وتعلیم السنن

جہاد

جہاد کے متعلق صحابہ کرام کی خدمات کی تفصیل حسب ذیل عنوانات میں کی جاسکتی ہے۔

۱۔ جہاد کی حقیقت کے متعلق صحابہ کرامؓ کا کیا خیال تھا؟

۲۔ عہد نبوت کے نظام فوجی میں صحابہ کرام کی مذہبی اور اخلاقی سرگرمیوں کا کس قدر حصہ شامل تھا۔

۳۔ خلفائے راشدین نے اس نظام کو کس قدر ترقی دی؟

جہاد کی حقیقت

مورخین یورپ کے نزدیک جہاد اسلام کی حقیقت کا لازمی جزو ہے لیکن صحابہ کرام کے نزدیک اسلام کی حقیقت اس سے بالاتر تھی، کہ اس کے مایہ خمیر میں خون کے اجزاء شامل کئے جائیں چنانچہ کسی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ آپ جہاد کیوں نہیں کرتے، بولے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے کلمہ توحید، نماز، زکوۃ، روزہ، حج، یعنی جہاد اسلام کی حقیقت سے خارج ہے، اس کا جزو نہیں ہے۔[۱]

عہد نبوت میں صحابہ کرام کا فوجی نظام

عام خیال ہے کہ عہد نبوت تک اسلام میں کوئی فوجی نظام نہیں قائم ہوا تھا۔ یہ صرف رسول اللہ ﷺ کی روحانی آواز کا معجزانہ اثر تھا کہ تمام صحابہؓ ایک جھنڈے کے نیچے آ کر جمع ہو جاتے تھے، حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت تک بھی یہی حالت رہی، حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایک باضابطہ نظام فوج قائم کیا لیکن درحقیقت یہ ایک عظیم الشان غلطی ہے، رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں آنے کے ساتھ ہی ایک مستقل نظام فوج قائم کرلیا تھا، اور صحابہ کرامؓ کے مذہبی جوش اور اخلاقی طاقت نے اس کو نمایاں ترقی دی تھی۔

۱۔ مسلم کتاب الایمان باب قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس

تمام قوم کا فوج بنانا:

رسول اللہ ﷺ ہر سال انصار کے نوخیز لوگوں کا جائزہ لیتے تھے اور پندرہ سالہ نوجوانوں کو فوج میں داخل کرتے تھے۔ آج اس تمدنی زمانہ میں بھی جبکہ ہر شخص قومیت و وطنیت کا ترانہ گا رہا ہے، اکثر لوگ اس قسم کی جبری خدمت سے انکار کرتے ہیں، لیکن صحابہ کرام کے دینی جوش مذہبی کا یہ حال تھا کہ بچہ بچہ بشوق فوج میں شامل ہونا چاہتا تھا اور اگر کسی کو اس دینی خدمت کے انجام دینے کی اجازت نہیں ملتی تھی تو اس کو سخت ملال ہوتا تھا، ایک بار آپ نے انصار کے نوجوانوں کا جائزہ لیا اور ایک نوجوان کو شریک فوج ہونے کی اجازت عطا فرمائی، حضرت سمرہؓ نے بھی اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن آپ نے کمسنی کی وجہ سے ان کی درخواست منظور نہیں کی، اس بنا پر ان کو سخت صدمہ ہوا، اور مایوسی کے لہجے میں کہا، یا رسول اللہ ﷺ آپ نے اس لونڈے کو اجازت دیدی اور مجھے قبول نہ فرمایا، حالانکہ اگر کشتی ہو تو میں اس کو پچھاڑ دوں، اب آپ نے دونوں میں کشتی کرائی اور سمرہؓ نے اس کو پچھاڑ دیا، اس لیے آپؐ نے ان کو بھی شریک جہاد ہونے کی اجازت دی۔[1]

صحابہ کرامؓ جس ذوق وشوق سے شریک جہاد ہوتے تھے، اس کے متعلق احادیث ورجال کی کتابوں میں بہ کثرت واقعات مذکور ہیں، ہم نے اس کتاب کے پہلے حصے میں اس قسم کی متعدد مثالیں مختلف عنوانات میں جمع کر دی ہیں۔ اس موقع پر ان کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔

فوجی شعار:

مہاجرین وانصار کو اگرچہ اخوت اسلامی نے بھائی بھائی بنا دیا تھا، تاہم صف جنگ میں دونوں اپنے مخصوص قومی شعار کی بنا پر الگ الگ نظر آتے تھے، اور یہ ان کے جوش ومسابقت کا بڑا سبب تھا، انصار کا شعار عبدالرحمٰن اور مہاجرین نے اپنا شعار عبداللہ قرار دیا تھا۔

قرآن مجید کی بعض سورتوں کے ٹکڑوں کو بھی بطور شعار کے پڑھا جاتا تھا۔[2]

---

[1] استیعاب تذکرہ حضرت سمرہ بن جندب

[2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الرجل ینادی بالشعار

فوج کی تقسیم:

اخیر میں جب اسلام کا فوجی نظام بالکل مکمل ہوگیا، تو میدان جنگ میں فوجوں کی تقسیم بھی قومی حیثیت سے کی گئی، چنانچہ فتح مکہ میں جیسا کہ صحیح بخاری کتاب المغازی میں مذکور ہے تمام قبائل کے دستے الگ الگ قائم کئے گئے تھے۔

فوجی تعلیم وتربیت:

رسول اللہ ﷺ کو فوجی تعلیم وتربیت میں کدو کاوش کی ضرورت پیش نہیں آئی، خود صحابہ کرامؓ میں تیراندازی کا ذوق اس قدر ترقی کر گیا تھا، کہ مغرب کے بعد مسجد سے نکل کر تیر کا نشانہ لگاتے تھے [1] رسول اللہ ﷺ کی حوصلہ افزائی اس ذوق کو اور بھی ترقی دیتی تھی۔ ایک بار آپ نے صحابہ کرامؓ کو تیراندازی کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔

ارموا یا بنی اسماعیل ان اباکم کان رامیا

"اے بنو اسمٰعیل تیراندازی کرو کیونکہ تمہارا باپ تیرانداز تھا۔"

معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ تیراندازی میں باہم مسابقت کرتے تھے، چنانچہ اسی موقعہ پر جب آپ نے فرمایا کہ میں فلاں قبیلہ کے ساتھ ہوں، تو دوسرے قبیلہ کے لوگ رک گئے، اور کہا کہ جب آپ خود ان کے ساتھ ہیں تو ہم کیا مقابلہ کر سکتے ہیں، ارشاد ہوا کہ تیر پھینکو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔ [2]

تیراندازی کے علاوہ رسول اللہ ﷺ گھوڑ دوڑ بھی کراتے تھے، اور اس میں تمام صحابہ شریک ہوتے تھے، بعض صحابہ نے پیدل دوڑنے کی مشق کی تھی، چنانچہ اس وصف میں حضرت سلمہ بن اکوع خاص طور پر ممتاز تھے، اور اس مشق کی بدولت ان کو مختلف فوجی کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں

شہسواری اور تیراندازی کے علاوہ صحابہ کرامؓ نے فن جنگ میں اور بھی جدید ترقیاں کیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے حضرت عروہ بن مسعودؓ اور حضرت غیلان بن مسلمہؓ کو جرش بھیجا کہ وہاں سے منجنیق اور دبابہ کے استعمال کا طریقہ سیکھ کر آئیں، چنانچہ وہ لوگ وہاں سے تعلیم

---

1. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب وقت المغرب
2. بخاری کتاب الجہاد باب التحریض علی الرمی

حاصل کر کے آئے تو طائف کے محاصرہ میں ان آلات کا استعمال کیا گیا۔[1]

یہ طبری کی روایت ہے لیکن مواہب لدنیہ میں ہے کہ فن جنگ میں یہ جدید اضافہ حضرت طفیل بن عمرؓ ودوسی کی بدولت ہوا، زرقانی نے اس کی شرح میں یزید بن زمعہؓ کا نام بھی لیا ہے اور واقدی کی ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منجنیق کا استعمال حضرت سلمانؓ کے مشورے سے کیا گیا۔[2]

غزوہ احزاب میں خندق انہی کے مشورے سے کھودی گئی اور کفار نے اس کو اس قدر جدید اور عجیب چیز سمجھا کہ سب کے سب یک زبان ہو کر بول اٹھے۔

ان هذا لمكيدة ما كانت العرب تصنعا[3]

یہ ایک ایسی چال ہے جس سے اہل عرب بالکل نا آشنا تھے۔

زخمیوں کی مرہم پٹی کا انتظام:

جس طرح صحابہ کرامؓ بشوق غزوات میں شریک ہوتے تھے، اسی طرح صحابیات بھی خدا کی راہ میں ان سے پیچھے نہیں رہنا چاہتی تھیں، ان کے لیے سب سے زیادہ موزوں کام زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا اور مجاہدین کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچانا تھا، اور وہ اس خدمت کو نہایت خلوص اور دلسوزی سے انجام دیتی تھیں۔

حضرت ام ورقہ بنت نوفلؓ ایک صحابیہ تھیں جب معرکہ بدر پیش آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست کی کہ مجھے شریک جہاد ہونے کی اجازت دی جائے میں مریضوں کی تیمارداری کروں گی۔[4]

غزوۂ خیبر میں بغیر جبر و اکراہ کے متعدد عورتیں شریک جہاد ہوئیں آپ کو ان کا حال معلوم ہوا تو بلا بھیجا، اور ناراضی کے لہجے میں پوچھا کہ تم کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے آئی ہو؟ بولیں" یارسول اللہ ﷺ ہم اون کاتتے ہیں اور اس سے خدا کی راہ میں اعانت کرتے ہیں، ہمارے ساتھ زخمیوں کے دوا علاج کا سامان ہے، لوگوں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے ہیں اور ستو گھول

---

1. طبری ص ۶۶ واقعات ۸ھ
2. زرقانی جلد ۲ ص ۳۲
3. طبقات ابن سعد کتاب المغازی ص ۴۹
4. ابوداود کتاب الصلوۃ باب امامۃ النساء

گھول کے پلاتے ہیں۔[1]

حضرت ام عطیہؓ ایک صحابیہ تھیں جو آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوتی تھیں اور مجاہدین کے اسباب کی نگرانی کرتی تھیں، کھانا پکاتی تھیں اور مریضوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔[2]

غزوۂ احد میں خود حضرت عائشہؓ شریک تھیں وہ اور حضرت ام سلیمؓ اپنی پیٹھ پر مشک لادلاد کے لاتی تھیں اور لوگوں کو پانی پلاتی تھیں۔[3]

حضرت ربیع بنت مسعودؓ کا بیان ہے کہ ہم سب غزوات میں شریک ہوتے تھے، پانی پلاتے تھے، مجاہدین کی خدمت کرتے تھے اور مدینہ تک زخمیوں اور لاشوں کو اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔[4]

حضرت رفیدہؓ نے مسجد نبوی ﷺ میں ایک خیمہ قائم کر رکھا تھا، جو لوگ زخمی ہو کر آتے تھے، وہ اسی خیمے میں ان کا علاج کرتی تھیں، چنانچہ حضرت سعد بن معاذؓ غزوہ خندق میں زخمی ہوئے تو ان کا علاج اسی خیمہ میں کیا گیا۔[5]

جہاد کے لیے ساز وسامان:

شوق جہاد نے اسلام کے جھنڈے کے نیچے بہادر سپاہی تو جمع کر دیئے لیکن اسلام کی غربت مصارف جہاد اور آلات حرب کا کیا سامان کرتے؟ لیکن صحابہ کرامؓ نے تکمیل مقاصد جہاد کے لیے جان کی طرح مال کو بھی قربان کر دیا، حضرت عثمانؓ نے جس طرح غزوہ عسرہ کی تیاری میں اپنا تمام مال وقف کر دیا، وہ تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے ان کے علاوہ اور تمام صحابہ اس کار خیر میں حصہ لیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد نفس کے ساتھ جہاد بالمال کا بھی بار بار قرآن مجید میں ذکر کیا ہے احادیث میں اس قسم کی فیاضیوں کی متعدد مثالیں ملتی ہیں،

حضرت عمرؓ نے جہاد کی ضرورت کے لیے ایک شخص کو ایک گھوڑا دیا تھا۔[6]

---

1. ابوداود کتاب الجہاد باب فی المراۃ والعبد یحذیان من الغنیمۃ
2. مسلم کتاب الجہاد باب النساء الغازیات یرضخ لہن ولا یسہم والنہی عن قتل صبیان اہل الحرب
3. مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ النساء مع الرجال
4. بخاری کتاب الجہاد باب النساء والقتلی
5. اصابہ تذکرہ رفیدہؓ
6. ابوداود کتاب الزکوۃ باب الرجل یتباع صدقتہ و بخاری کتاب الزکوۃ

حضرت ابو معقلؓ کے پاس ایک جوان اونٹ تھا انہوں نے اس کو جہاد کے لیے وقف کر دیا تھا۔ [1]

ایک صحابی ایک اونٹنی کی ناک میں نکیل لگائے ہوئے آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس کو خدا کی راہ میں دیتا ہوں ارشاد ہوا کہ قیامت کے دن خدا تم کو اس کے بدلے سات سو اونٹیناں دے گا۔ [2]

حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس بہت سی زریں تھیں جن کو انہوں نے جہاد کے لیے وقف کر دیا۔ [3]

حضرت نوفل بن حارثؓ نے غزوہ حنین میں تین ہزار اشرفیوں سے رسول اللہ ﷺ کی اعانت کی، چنانچہ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا،، میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے نیزے کفار کی ریڑھ کی ہڈیاں توڑ رہے ہیں۔ [4]

عہد نبوت میں انفاق فی سبیل اللہ اسلام کی سب سے بڑی علامت تھی حضرت رفاعہ بن زیدؓ ایک صحابی تھے، جن پر نفاق کا شبہ کیا جاتا تھا، ایک بار ان کے ہتھیار چوری ہو گئے بعد کو ملے تو انہوں نے جہاد کے لیے وقف کر دیا، اب لوگوں کے دل سے نفاق کا شبہ دور ہو گیا۔ [5]

خلافت راشدہ میں صحابہ کرامؓ کا فوجی نظام:

خلفائے راشدینؓ نے جو فوجی نظام قائم کیا اس پر مادی اور اخلاقی دونوں حیثیتوں سے نگاہ ڈالنی چاہیے۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں مادی حیثیت سے صرف اس قدر ترقی ہوئی کہ مساویانہ تعداد میں فوج کے مختلف دستے قائم کیے گئے۔ اور ہر دستے کے الگ سپہ سالار قرار دیئے گئے، چنانچہ ان کے عہد میں اوّل اوّل شام کی طرف جو فوج بھیجی گئی اس میں ہر کمانڈر کی ماتحتی میں

---

1. ابوداود کتاب المناسک باب العمرۃ
2. مسلم کتاب امارۃ باب فضل الصدقۃ فی سبیل اللہ وتضعیفھا
3. ابوداود کتاب الزکوۃ باب فی تعجیل الزکوٰۃ
4. اسد الغابہ جلد ۵ ص ۴۶
5. ترمذی ابواب التفسیر القرآن

تین تین ہزار سپاہی دیئے گئے، اس کے بعد متصل کمک نے اس تعداد کو بڑھا کر ساڑھے سات ہزار تک پہنچا دیا، حضرت ابوبکرؓ نے ان دستوں کو قومی حیثیت سے مرتب کیا تھا اور تمام امرائے فوج کو حکم دیا کہ ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ جھنڈا قائم کیا جائے، انہوں نے امیر الامراء کا ایک نیا عہدہ بھی قائم کیا جو گویا تمام فوج کا کمانڈر انچیف تھا اور سب سے پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ اس عہدے پر مامور کیے گئے۔[1]

دستہ بندی کی وجہ سے ان کے زمانے میں فن جنگ میں بھی بہت کچھ ترقی ہوئی۔ عرب کو چونکہ ہمیشہ ایک ناتربیت یافتہ فوج سے لڑنا پڑتا تھا، اس لیے عالم جنگ میں فوج کسی ترتیب و نظام کی پابند نہ ہوتی، غیر مرتب صفیں قائم ہو جاتیں تھیں اور ہر صف کی الگ الگ معرکہ آرائی ہوتی تھی، لیکن حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جب بمقام یرموک رومیوں سے جنگ ہوئی اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے ان کی فوج کی ترتیب ونظام کو دیکھا، تو تمام فوج کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

ولا تقاتلوا قوما على نظام و تعبية على تساندو انتشار

''ایسی مرتب فوج سے متفرق طور پر نہ لڑو''

چنانچہ انہوں نے فوج کے ۳۶ دستے قائم کئے، اور ہر دستے پر الگ الگ کمانڈر مقرر کئے، ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں لکھا ہے،

و اول ابطل الصف في الحروب وصار الى التعبية كراديس مروان ابن الحكم ۔[2]

''پہلا شخص جس نے جنگ میں صف بندی کے طریقہ کو موقوف کر کے الگ الگ دستے قائم کئے مروان بن حکم تھا۔''

لیکن یہ تاریخی غلطی ہے اس کی ابتداء خود حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں ہو گئی تھی چنانچہ علامہ طبری لکھتے ہیں۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۱۱

[2] مقدمہ ابن خلدون ص ۳۰۰

وخرج خالد فی تعبیة لم تعبها للعرب قبل ذلک

"اور خالد نے فوج کو اس طرح آراستہ کیا کہ عرب نے اس سے پہلے اس قسم کی آراستگی نہیں دیکھی تھی۔"

اس ترتیب و نظام سے فوج کے مختلف شعبے مثلاً قلب، میمنہ، اور میسرہ قائم ہو گئے اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان میں اور بھی اضافہ ہوا۔

اخلاقی حیثیت سے خلفائے راشدین کا سب سے اہم فرض یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فوج کو جس قانون جنگ کا پابند بنایا تھا، اس کو وہ بھی قائم رکھیں، اور اس کی محافظت کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فوج کو جس اخلاقی قانون کا پابند بنایا تھا، اس کی دفعات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ مال غنیمت میں خیانت نہ کی جائے۔

۲۔ بدعہدی نہ کی جائے۔

۳۔ مقتولین کے ہاتھ پاؤں اور ناک کان نہ کاٹے جائیں۔

۴۔ بچے، عورتیں، بوڑھے اور راہب نہ قتل کئے جائیں۔

۵۔ مسلمانوں کی آبادی پر حملہ نہ کیا جائے۔

۶۔ لوگوں کی جائیداد اور مویشیوں سے تعرض نہ کیا جائے۔

۷۔ اسیران جنگ کو ان کے اعزاء و اقارب سے جدا نہ کیا جائے۔

۸۔ لونڈیوں سے بغیر استبراء رحم کے مباشرت نہ کی جائے۔

خلفائے راشدینؓ نے شدت کے ساتھ اس قانون کی محافظت کی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے شام کی طرف فوج بھیجی تو امیر العسکر کو حسب ذیل وصیتیں کیں۔

انک تجدقوما زعموا انهم حسبوا انفسهم لله فذرهم

وانی موصیک بعشر لا تقتلوا امراة ولا صبيا ولا

كبيرا هرما ولا تقطعن شجرا ثمرا ولا تخربن عامرا ولا

تعقرن شاة ولا بعيرا الا لا كله ولا تحرفن نخلا و لا تعرقنه ولا تغلل ولا تجبن۔[1]

''تم ایک ایسی قوم (راہب) کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ کو عبادت خدا کے لیے وقف کر دیا ہے ان کو چھوڑ دو میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں، عورت بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرو، پھل دار درخت کو نہ کاٹو، آبادی کو ویران نہ کرو، بکری اور اونٹ کو ذبح نہ کرد نخلستان میں آگ نہ لگاؤ مال غنیمت میں بد دیانتی نہ کرو اور نامرد نہ بنو۔''

حضرت عمرؓ نے بھی ان قوانین کا نہایت احترام کیا، اور فوج کو عام طور پر ہدایت فرمائی

فان قاتلو كم فلاتغدر واولا تغلوا ولا تمثلواولا تقتلوا وليدا۔[2]

''اگر وہ تم سے لڑیں تو بدعہدی نہ کرو، خیانت نہ کرو، مقتولین کے اعضا نہ کاٹو، اور بچوں کو قتل نہ کرو۔''

ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ فوجی لوگ امان دے کر بدعہدی کرتے ہیں تو سپہ سالار فوج کو لکھا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہو، اور جب وہ پہاڑ پر چڑھ جاتے ہیں تو ان سے کہتے ہو کہ مترس ''یعنی نہ ڈرو'' لیکن جب ان پر قابو پا جاتے ہو تو ان کو قتل کر ڈالتے ہو، اگر اب کوئی شخص اس بدعہدی کا مرتکب ہوا تو خدا کی قسم اس کی گردن اڑا دوں گا۔[3]

لیکن اس اخلاقی قانون کے تحفظ کے ساتھ حضرت عمرؓ نے مادی حیثیت سے بھی نظام فوج کو نہایت ترقی دی، چنانچہ ان ترقیوں کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ ایک مستقل محکمہ فوج قائم کیا۔ تمام لوگوں کے نام درج رجسٹر کروائے اور ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔

۱؎ موطائے امام لک کتاب الجہاد باب النہی عن قتل النساء والولدان فی الغزوۃ

۲؎ کتاب الخراج ص ۱۲۰

۳؎ موطائے امام مالک کتاب الجہاد باب ماجاء فی الوفا بالامان

۲۔ ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل بنوائے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ کہ بوقت ضرورت فوجی تیاریوں میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ کوفہ میں اس کا اہتمام سلمان بن ربیعہ باہلی کے متعلق تھا، اور اس وجہ سے وہ سلمان الخیل کے لقب سے مشہور تھے۔[1]

گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش و پرداخت کے لیے متعدد چراگاہیں قائم کرائی تھیں جن کو حمی کہتے ہیں۔

۳۔ ملک میں مختلف چھاؤنیاں قائم کیں، بالخصوص سرحدی اور ساحلی مقامات کو نہایت مستحکم اور محفوظ کیا۔

۴۔ رسد کا مستقل محکمہ قائم کیا جس کو اہرا کہتے تھے۔

۵۔ سپاہیوں کو بھتہ دیا جس کو عربی میں معونہ کہتے ہیں جو سپاہی نادار ہوتا تھا اس کو سواری ملتی تھی

۶۔ فوج کی صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لیے مختلف تدبیریں کیں مثلاً

۱۔ جو سرد ممالک ہوتے تھے وہاں گرمیوں میں اور گرم ممالک میں جاڑوں کے موسم میں فوجیں روانہ کرتے تھے۔

۲۔ فصل بہار میں عموماً ان مقامات میں فوجیں بھیجتے تھے جن کی آب وہوا خوشگوار اور وہ سرسبز وشاداب ہوں۔[2]

۳۔ بارکوں کی تعمیر اور چھاؤنیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب وہوا کا لحاظ کرتے تھے۔

۴۔ کوچ کی حالت میں فوج کو حکم تھا، کہ لوگ جمعہ کو شب و روز قیام کر کے دم لے لیں ہر روز اس قدر مسافت طے کی جائے کہ لوگ تھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ اس مقام پر ڈالا جائے جہاں ضروریاتِ زندگی کی تمام چیزیں مل سکیں۔

۷۔ رخصت کا باقاعدہ انتظام تھا، جو فوجیں دور دراز مقامات پر رہتی تھیں، ان کو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی تھی۔ چنانچہ ایک بار اس میں تاخیر ہوئی تو فوج خود واپس چلی آئی۔[3]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ سلمان الخیل

[2] طبری ص ۲۴۸۶

[3] ابوداود کتاب الخراج باب تعقیب الجیوش

۸۔ فوج کے ساتھ قاضی، افسر خزانہ، محاسب، طبیب، جراح، اور مترجم مقرر کئے جو مال غنیمت حاصل ہوتا تھا، پہلے اس کی تفصیل لکھی جاتی تھی، محاسب اس کو تقسیم کرتا تھا طبری میں ہے۔

كان الاخماس يكتب و يحسب۔[1]

''خمس لکھا جاتا تھا اور اس کا حساب کیا جاتا تھا۔''

۹۔ سفر مینا کا انتظام کیا اور یہ کام زیادہ تر ذمیوں سے لیا، وہی پل باندھتے تھے، سڑک بناتے تھے، بازار لگاتے تھے، اور تمام خدمتیں مسلمانوں کے حسن سلوک کی بناء پر بخوشی انجام دیتے تھے۔[2]

۱۰۔ ذمی جاسوسی کی خدمت بھی انجام دیتے تھے لیکن ان کے علاوہ حضرت عمرؓ نے خود متعدد جاسوس مقرر کر رکھے تھے جو ان کو ایک ایک جزئیات کی خبر دیتے رہتے تھے، تاریخ طبری میں ہے کہ

وكانت تكون لعمر العيون فى كل جيش

''ہر فوج میں حضرت عمرؓ کے جاسوس رہتے تھے''

۱۱۔ مقتولین و مجروحین کو میدان جنگ سے اٹھانے کے لیے خاص خاص اشخاص مقرر کئے جاتے تھے، تاریخ طبری میں ہے:

وكل سعدر جالا ينقل الشهداء

''حضرت سعد نے شہداء کو اٹھانے کے لیے اشخاص مقرر کئے''

شہداء کی لاشیں آتی تھیں تو بچے اور عورتیں قبر کھود کھود کر ان کو دفن کرتی تھیں۔[3]

غزوۂ بحریہ:

بحری جنگ کی تحریک اور ابتداء اول اول حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ہوئی۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت امیر معاویہؓ نے ان کو بحری جنگ کی طرف توجہ دلائی لیکن حضرت عمرؓ کا

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ سلمان الخیل

[2] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۷۷ و طبری ص ۲۴۶

[3] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۷۷ و طبری ص ۲۴۶

معمول یہ تھا، کہ جب کوئی نیا کام کرنا ہوتا تھا، تو کافی معلومات حاصل کرنے کے بعد اس کی ابتداء فرماتے تھے، اس لیے پہلے حضرت عمرو بن العاصؓ سے بحری حالات دریافت فرمائے اور انہوں نے اس کو ایک پرخطر کام بتایا، حضرت عمرؓ کو غزوات بحریہ کی مشکلات کا اندازہ ہوا تو اس کی طرف سے توجہ ہٹالی اور مسلمانوں کو اس کی ممانعت فرمائی [1] لیکن صحابہ کرامؓ کے جوش جہاد کے لیے زمین کی وسعت کافی نہ تھی، اس لیے باوجود اس ممانعت کے حضرت علاء بن حضرمی اور حضرت عرفجہ بن ہرثمہؓ ازدی نے حضرت عمرؓ کی اجازت کے بغیر ناکام بحری حملے کیے، حضرت عمرؓ کو ان کی ناکامی کا حال معلوم ہوا تو سخت زجر وتوبیخ کی اور معزولی کی دھمکی دی۔ [2]

اس کے بعد ان کے عہد خلافت میں کوئی بحری جنگ نہیں ہوئی، لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانے میں یہ جوش دوبارہ تازہ ہوا حضرت امیر معاویہؓ کو ابتداء ہی سے رومیوں کے ساتھ بحری جنگ کا خیال تھا، انہوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں اس خیال کو ظاہر بھی کیا تھا، لیکن انہوں نے اجازت نہیں دی، حضرت عثمانؓ کے زمانے میں انہوں نے پھر یہ درخواست کی پہلے تو انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ حضرت عمرؓ نے تم کو اس سے روکا تھا۔ انہوں نے دوبارہ خواہش ظاہر کی تو اجازت دی، چنانچہ انہوں نے ۲۸ھ میں انقضا موسم سرما کے بعد قبرص پر پہلا بحری حملہ کیا اور وہاں سے چند شرائط پر صلح کر کے واپس آئے، ۳۲ھ میں ان لوگوں نے بعض شرائط صلح کی خلاف ورزی کی تو حضرت امیر معاویہؓ نے پانچ سو جہازوں کے ساتھ دوبارہ حملہ کر کے قبرص کو فتح کرلیا اور وہاں عرب کی نو آبادیاں قائم کیں، اور شہر آباد کیا اس کے بعد غزوات بحریہ کا عام سلسلہ قائم ہو گیا، اور برابر قائم رہا، اسد الغابہ میں ہے۔

كان خبادة بن امية على غزو الروم فى البحر لمعاوية من زمن عثمان الى ايام يزيد. [3]

''خبادہ بن امیہ حضرت عثمانؓ کے زمانے سے یزید کے زمانہ تک امیر معاویہ کی جانب سے رومیوں کے ساتھ غزوہ بحریہ میں مشغول رہے۔''

---

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۷۷ و طبری ۲۴۶

[2] فتوح البلدان ص ۱۵۹، ۱۶۰

[3] اسد الغابہ تذکرہ خبادہ بن امیہ

طبری نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن قیسؓ حارثی کو حضرت امیر معاویہ نے امیر البحر مقرر کیا تھا، اور انہوں نے پچاس بحری لڑائیاں کیں جن میں مسلمانوں کا ایک آدمی بھی ضائع نہ ہوا۔[1]

جہاز سازی کا کارخانہ:

ایسے عظیم الشان بحری حملے جس میں پانچ پانچ صد جہازوں کا بیڑا سطح سمندر پر تلاطم انداز ہو بغیر جہاز سازی کے کارخانے کے نہیں کیے جا سکتے تھے، اس لیے حضرت امیر معاویہؓ نے متعدد جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے تھے، جن میں پہلا کارخانہ مصر میں ۵۴ھ میں قائم کیا گیا تھا۔[2]

علامہ بلاذری کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اور تمام ساحلی مقامات پر بھی جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے تھے، چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

کانت الصناعة بمصر فقط فامر معاوية بجمع الصناع و النجارين فجمعوا و رتبهم فی السواحل و كانت الصناعة فی الا ردن لعكا

''جہاز سازی کا کارخانہ صرف مصر میں تھا، لیکن امیر معاویہؓ کے حکم سے کاریگر اور بڑھئی جمع کیے گئے اور ان کو انہوں نے تمام ساحلی مقامات پر مقرر کیا اور اردن میں بمقام عکا جہاز سازی کا کارخانہ تھا۔''

یہ کارخانہ مدتوں قائم رہا لیکن ہشام بن عبدالملک نے اس کو صور میں منتقل کر دیا۔[3]

---

1. طبری ص ۲۸۶۴
2. حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۱۹۹
3. فتوح البلدان ص ۱۲۴ عربی میں صناعۃ کے لفظ کا جیسا کہ علامہ سیوطی نے تصریح کی ہے جہاز سازی کے کارخانہ پر اطلاق کیا جاتا ہے۔

فتوحات صحابہؓ اور ان کے علل واسباب

اگر صحابہ کرامؓ کے نظام اخلاق، نظام عمل اور نظام عقائد کی تحلیل کی جائے تو ان فتوحات کے اہم اور اصولی اسباب حسب ذیل قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

ا۔ صحابہ کرامؓ دنیا کی فتح کے لیے اٹھے تو ان کے سامنے ایک خاص مقصد تھا، جس کو خود رسول اللہ ﷺ نے ان کا مطمع نظر قرار دیا تھا، چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ جب آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو غزوہ خیبر میں علم فتح عنایت فرمایا تو ساتھ ساتھ یہ الفاظ بھی فرمائے:

لا ن یھدی اللّٰہ بک رجلا خیر لک من حمر النعم

''اگر خدا تمہارے ذریعہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت دیدیئے تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''

لیکن جس قوم سے بادہ ہدایت کے ان متوالوں کا مقابلہ ہوا ان کے دل اس کیف سے بالکل خالی تھے، ان کا فوجی نظام اگر چہ نہایت مکمل تھا، تاہم ان کے سامنے کوئی مقصد نہ تھا، وہ خارجی قوت سے لڑنا چاہتے تھے، حالانکہ فوج صرف اندرونی طاقت سے لڑتی ہے، خود فرانس کا مشہور مورخ لیبان صحابہ کرامؓ کی فتوحات کا سبب اسی مقصد جلیل اور اسی قوت ایمانیہ کو قرار دیتا ہے، چنانچہ اپنی مشہور فلسفیانہ کتاب سر تطور الامم میں لکھتا ہے،

''اگر ہم عرب کی ابتدائی فتوحات کے زمانے کی تاریخ پر غور کریں (حالانکہ ابتدائی فتوحات عادۃً مشکل اور اہم ہوتی ہیں) تو ہم کو معلوم ہوگا کہ ان کا مقابلہ ان حریفوں سے ہوا جن کا نظام فوج اگر چہ نہایت مستحکم تھا، تاہم ان کی اخلاقی طاقت ضعیف ہوگئی تھی عرب کی فوج نے اول اول شام کی طرف پیش قدمی کی جہاں ان کو بیزنٹائن فوج سے سابقہ پڑا جو ان افراد سے مرکب تھی۔ جو کسی مقصد کے لیے اپنے اندر جان فروشی کا جذبہ نہیں رکھتی تھی۔ لیکن عرب کی قوت ایمانیہ ان کی تعداد کو کئی گناہ بڑھادیتی تھی اس

لیے ان کو ایسی کھوکھلی فوج کے شیرازہ کے پراگندہ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔[1]''

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک خود صحابہ کرام کی فتوحات کا ایک عظیم الشان سبب تھی، محبت داطاعت نے صحابہ کرامؓ کو اس شمع ہدایت کا پروانہ بنا دیا تھا، اور وہ صرف جان دے کر اس سے جدا ہو سکتے تھے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب عروہ نے کہا کہ،، میں تمہارے سامنے ایسے چہرے اور ایسے مخلوط آدمی دیکھتا ہوں جو تم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے تو اس طنز آمیز فقرے نے جان نثاران رسول ﷺ کے دلوں پر نشتر کا کام کیا، اور حضرت ابوبکرؓ نے برہم ہو کر کہا،، ہم اور آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟[2]

غزوہ بدر میں جب آپ نے کفار کے مقابلہ کے لیے صحابہ کرامؓ کو جوش دلایا تو حضرت مقدادؓ نے کہا کہ ہم وہ نہیں ہیں جو موسیٰ کی قوم کی طرح یہ کہہ کر الگ ہو جائیں۔

اذهب انت و ربک فقاتلا

''تم اپنے خدا کے ساتھ جاؤ اور دونوں مل کر لڑو''

بلکہ ہم آپ کے دائیں سے بائیں سے، آگے سے، پیچھے سے، لڑیں گے چنانچہ یہ جان نثارانہ فقرے سنے تو فرط مسرت سے آپ کا چہرہ دمک اٹھا[3]

غزوہ حنین میں معرکہ کا وقت آیا تو آپ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ اصحاب سمرہ کو بلائیں انہوں نے آواز دی تو وہ لوگ لبیک کہہ کر اس جوش کے ساتھ ٹوٹ پڑے جس طرح بچے والی گائیں اپنے بچوں پر ٹوٹتی ہیں۔[4]

جان نثاری رسول ﷺ کے عنوان میں اس قسم کی متعدد مثالیں گزر چکی ہیں اور ان تمام مثالوں کو پیش نظر رکھ کر ہر شخص خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ جو قوم اپنے پیغمبر کی اس قدر جان نثار ہو اس کی محبت میں اس قدر سرشار ہو اس کی اس قدر اطاعت گزار ہو اس کی حکومت کا پھریرا افق عالم

۱۔ سر قطور الامم مطبوعہ مصر ص ۲۶۵

۲۔ بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالحہ مع اہل الحرب

۳۔ بخاری کتاب المغازی باب قصۃ غزوہ بدر

۴۔ مسلم کتاب الجہاد باب فی غزوہ حنین

پرلڑ سکتا ہے یا اس قوم کا؟ جس نے اپنے پیغمبرؑ سے صاف صاف کہہ دیا تھا،

اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون

''تم اپنے خدا کے ساتھ جاؤ اور لڑو ہم تو اسی جگہ بیٹھتے ہیں''

۳۔ صحابہ کرامؓ کی فتوحات کا ایک بڑا سبب تحمل مشاق تھا تحمل مشاق فوج کے نظام اخلاق کا نہایت ضروری عنصر ہے اور صحابہ کرامؓ نے فوجی خدمات کے ادا کرنے میں جس قدر جسمانی تکلیفیں اٹھائیں ہیں اس کی نظیر سے دنیا کی مذہبی اور سیاسی تاریخ خالی ہے، بنو اسرائیل کو وادی تیہ میں کوئی فوجی خدمت انجام نہیں دینی پڑتی تھی، ان کو بھوک اور پیاس کی شدت کا مقابلہ کرنا نہیں پڑتا تھا ان کے لیے آسمان سے من وسلویٰ اترتا تھا، اور زمین سے چشمے ابلتے تھے، تاہم وہ فوجی زندگی کے ابتدائی امتحان میں بھی پورے نہیں اترے اور گھبرا کر بول اٹھے۔

لن نصبر علی طعام واحد فادع لنا ربک یخرج لنا مما تنبت الارض من بقلها و قثائها و فومها وعدسها و بصلها

''ہم ایک ہی کھانے پر قناعت نہیں کر سکتے ہمارے لیے خدا سے دعا کرو کہ زمین سے ترکاری کھیرے، گیہوں، مسور اور پیاز اگائے''

لیکن صحابہ کرامؓ کو ایک غزوہ میں فی کس صرف ایک کھجور ملتی تھی، جس کو وہ بچوں کی طرح چوس کے پانی پی لیتے تھے، درخت سے پتے جھاڑ لاتے تھے، اور اس کو پانی میں بھگو کر کھا لیتے تھے۔[1]

ایک غزوہ میں سامان رسد ختم ہو گیا، تو صحابہ کرامؓ کھجور کی گٹھلیاں چوس چوس کر پانی پی لیتے تھے۔[2]

غزوہ احزاب میں سامان رسد اس قدر کم تھا کہ صحابہ مٹھی بھر جو اور سڑی ہوئی چربی پر بسر کرتے تھے۔[3]

۱۔ ابوداود کتاب الاطعمہ باب فی دواب البحر

۲۔ مسلم کتاب الایمان باب من لقی اللہ بالایمان وھو غیر شاک فیہ دخل الجنۃ وحرم علی النار

۳۔ بخاری غزوۂ خندق

ایک غزوہ میں تمام صحابہ کے درمیان صرف ایک سواری تھی، اس لیے پیدل چلتے تھے تلوؤں میں سوراخ ہو گئے تھے، پاؤں کے ناخن گر گر پڑے تھے، مجبوراً تمام صحابہ کو پاؤں میں چیتھڑے لپیٹنے پڑے، اسی مناسبت سے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع پڑ گیا، جس کے معنی چیتھڑے کے ہیں۔[1]

۴۔ صحابہ کرامؓ کی فتوحات کا ایک سبب ان کا بے باکانہ اقدام تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام نے مدین میں داخل ہونا چاہا تو بیچ میں دریا پڑتا تھا۔ لیکن اس سیلاب کو یہ دریا کیوں کر روک سکتا تھا۔ تمام صحابہؓ نے دریا میں گھوڑے ڈال دیئے، اور اس کو عبور کر کے شہر میں داخل ہونا چاہا ایرانیوں نے اس منظر کو دیکھا تو کہا کہ ''دیوان آمدند'' اور یہ کہہ کر شہر کو خالی کر دیا۔[2]

۵۔ فوجی نظام اخلاق کا اصلی عنصر صبر و استقلال ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے جہاد کے ہر موقع پر صبر و استقلال کی تعلیم دی ہے:

یا ایھا النبی حرض المومنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفامن الذین کفر و ابانھم قوم لا یفقھون

''اے پیغمبر مسلمانوں کو جہاد کے لیے ابھارو اگر تم میں بیس شخص بھی صاحب استقلال ہوں تو وہ دوسو پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں سو ہوں تو ہزار کافروں پر غالب ہوں گے، کیونکہ وہ کچھ نہیں سمجھتے۔''

فیض تربیت نبوی ﷺ نے اس عنصر کو صحابہ کرامؓ کے نظام اخلاق کا ایک لازمی جزو بنا دیا تھا۔ اللہ تعالی خود فرماتا ہے، والصابرین فی الباساء والضراء و حین الباس اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون اس لئے سخت سے سخت فوجی مشکلات میں وہ ثابت قدم رہے، اور آخر غالب آئے، رسول اللہ ﷺ نے طائف پر چڑھائی کی تو وہاں کے لوگ قلعہ بند ہو گئے اور آپ واپس پلٹ آئے حضرت صخرؓ کمک لے کر پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ واپس تشریف لے گئے۔ لیکن انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک قلعہ مسخر نہ

1۔ مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ ذات الرقاع

2۔ طبری ص ۲۴۴۱۔

ہو جائے گا، وہ واپس نہ آئیں گے، چنانچہ انہوں نے محاصرہ کیا اور قلعہ مسخر ہو گیا۔[1]

ایک بار رومیوں نے مسلمانوں کے مقابل میں ایک لشکر گراں جمع کیا حضرت ابوعبیدہؓ ابن جراح نے حضرت عمرؓ کو اس خطرے کی اطلاع دی تو انہوں نے لکھا کہ مسلمان بندے پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو اس کے بعد خدا اس کو اطمینان وسکون عطا فرماتا ہے، ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آ سکتی، خداوند تعالیٰ قرآن پاک میں خود فرماتا ہے۔

يا ايها الذين آمنوا اصبروا و صابروا و رابطوا و اتقوا الله لعلكم تفلحون

''مسلمانو، صبر کرو باہم صبر کی تلقین کرو، استقلال اختیار کرو اور خدا سے ڈرو شائد تم کامیاب ہو جاؤ''

۶۔ اگر فوج میں ایک بددیانت سپاہی بھی شامل ہے تو وہ پوری فوج کی مادی اور اخلاقی طاقت کو بے اثر کر سکتا ہے، اس کو حرص وطمع ہر قسم کی منافقت پر آمادہ کر سکتی ہے، وہ ہر قسم کی نمک حرامی کر سکتا ہے، وہ در پردہ دشمن کا جاسوس بن سکتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ چند پیسوں پر اپنے فوجی مقصد کو قربان کر سکتا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے:

ما ظهر الغلول في قوم قط الا القى في قلوبهم الرعب۔[2]

''کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں خیانت پیدا ہو اور مرعوب نہ ہو جائے۔''

لیکن صحابہ کرامؓ نے قیصر وکسریٰ کے دربار کے سامان دیکھے، دنیا نے ان کے آگے اپنا خزانہ اگل دیا، ان کے سامنے زر وجواہر کے انبار لگ گئے تاہم ان میں کوئی چیز ان کی دیانت کو صدمہ نہ پہنچا سکی۔ ایران کی فتح کے بعد جب دربارِ خلافت میں کسریٰ کی مرصع تلوار اور زریں کمر بند آیا تو حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ جس قوم نے ان چیزوں کو ہاتھ نہیں لگایا وہ ایک متدین قوم ہے۔

---

[1] ابوداود کتاب الخراج والامارۃ باب اقطاع الارضین

[2] طبری ص ۲۶۹۶

یہی دیانت تھی جس نے صحابہ کے سامنے فتوحات کے دروازے کھول دیئے چنانچہ جب اصطخر فتح ہوا اور صحابہ کرامؓ نے بلا کم و کاست مال غنیمت کو امیر العسکر کے سامنے لاکر رکھ دیا تو اس نے کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا جس میں کہا اسلام اور اہل اسلام کی تمام ترقیاں اسی وقت تک ہیں جب تک لوگ خیانت نہ کریں، لیکن جب بد دیانتی شروع ہوگی تو نادیدنی چیزیں دیکھنے میں آئیں گی اور زیادہ اتنا کافی نہ ہوگا جتنا تھوڑا ہوتا ہے۔[1]

۷- صحابہ کرامؓ کی فتوحات کا ایک سبب ان کا مساویانہ طرزِ عمل تھا۔ رومیوں اور ایرانیوں نے انسانوں کے جو مختلف طبقے قائم کر دیئے تھے، اس کا ناگوار احساس خود رعایا کو ہو چکا تھا، اس لیے ان میں مدافعت کا وہ شریفانہ جذبہ نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ جو خود ارکانِ سلطنت کے دلوں میں موجود تھا، چنانچہ جب حضرت مغیرہؓ قید کر کے رستم کے دربار میں پیش کیے گئے تو وہ بے تکلف رستم کے برابر تخت پر جا کر بیٹھ گئے ایرانیوں کو یہ کیوں کر گوارہ ہو سکتا تھا، خدام بارگاہ چھپٹے اور ان کو فورًا تخت سے اتار دیا، اس موقع پر انہوں نے کہا کہ " ہم پہلے صرف تمھارے قصے سنتے رہے، لیکن آج مجھے تم سے زیادہ احمق کوئی قوم نظر نہیں آئی ہم عرب لوگ باہم مساویانہ برتاؤ کرتے ہیں کوئی کسی کو غلام نہیں بناتا، میرا خیال تھا کہ تم لوگ ہماری طرح ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کرتے ہوگے، اس لیے یہ بہت اچھا ہوا کہ تم نے خود مجھے بتا دیا کہ تم میں بعض لوگ بعض لوگوں کے خدا ہیں، اب تمہاری سلطنت قائم نہیں رہ سکتی۔ میں نے اس راز کے انکشاف کے لیے خود کوئی کوشش نہیں کی، تم نے بلایا تو مجھے معلوم ہوا کہ اب تم لوگ مغلوب ہو گئے، کیونکہ اس طرز عمل سے کوئی ملک قائم نہیں رہ سکتا اس آزادانہ تقریر کو سن کر طبقہ سفلیٰ کے اصلی جذبات ابھر آئے، اور سب کے سب ہم زبان ہو کر بول اٹھے کہ خدا کی قسم! یہ عرب سچ کہتا ہے، دہقانوں نے کہا کہ اس نے ہمارے غلاموں کے دل کی بات کہہ دی۔[2]

اس کے برخلاف اسلامی فوج میں اصول مساوات سے ذرہ برابر تجاوز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جنگ ایران میں حضرت ابوعبیدہؓ سپہ سالار تھے ان کے سامنے چند ایرانی رئیسوں نے نہایت لذیذ کھانے پیش کیے تو انہوں نے پوچھا کہ کیا تم نے اسی طرح کے کھانوں سے تمام فوج کی

[1] طبری ص ۲۶۹۰

[2] طبری ص ۲۲۷۴۔

ضیافت کی ہے؟ بولے نہیں،، فرمایا ابوعبیدہ بدترین شخص ہوگا اگر ایک قوم کو ساتھ لے کر آئے جو اس کے آگے اپنا خون بہائے اور پھر وہ اپنے آپ کو ان پر ترجیح دے، وہی کھائے گا جس کو سب لوگ کھاتے ہیں۔[1]

اس مساوات نے خود مخالفین کو یقین دلا دیا تھا کہ اس قوم کے سامنے اب ان کے مسائل کے پائے متزلزل ہو جائیں گے، چنانچہ جب رومیوں سے جنگ ہوئی تو قبقلاء نے ایک عربی جاسوس کو بھیجا کہ مسلمانوں کی اخلاقی حالت کا پتہ لگائے اس نے پلٹ کر خبر دی کہ یہ لوگ راتوں کو تو راہب رہتے ہیں اور دن کو شہسوار بن جاتے ہیں، اگر ان کے بادشاہ کا لڑکا بھی کوئی چیز چرائے تو اس کے ہاتھ کاٹ لیتے ہیں اور اگر زنا کرے تو اس کو سنگسار کرتے ہیں یہ سن کر قبقلاء خود بول اٹھا کہ اگر یہ سچ ہے تو میرے لیے یہی بہتر ہے کہ میں پیوند خاک ہو جاؤں۔[2]

۸۔ صحابہ کرامؓ کی فتوحات کو ذمیوں کی ہمدردی اور اعانت نے بھی بہت کچھ ترقی دی کیونکہ صحابہ کرام نے ذمیوں کے ساتھ جو سلوک کیا، اس نے ان کو اس قدر گرویدہ کر لیا کہ جب یرموک میں رومیوں سے معرکہ آرائی ہوئی اور صحابہ کرامؓ نے اس خیال سے کہ اب وہ ذمیوں کی جان و مال کی حفاظت نہیں کر سکتے جزیہ وخراج کی کل رقم ان کو واپس کر دی، تو اہل حمص نے کہا کہ تمہاری عادلانہ حکومت ہم کو اپنی قدیم ظالمانہ حکومت سے زیادہ پسند ہے، ہم تمہارے عامل کے ساتھ ہرقل کی فوج سے معرکہ آراہوں گے یہودیوں نے تورات کی قسم کھا کر کہا کہ جب تک ہم مغلوب نہ ہو جائیں ہرقل کا عامل حمص میں داخل نہیں ہوسکتا۔[3]

اس گرویدگی کا یہ نتیجہ تھا کہ یہی لوگ تمام فوجی کام جن پر فوج کی کامیابی کا دارومدار ہے انجام دیتے تھے، جاسوسی کرتے تھے، مینا بازار لگاتے تھے، اور دشمن کی خبریں لاتے تھے، معجم البلدان میں ہے

وكان الدهاقين ناصحوا المسلمين و دلوهم على عورات فارس و اهدواهم و اقاموا لهم الاسواق-[4]

”دہقانوں نے مسلمانوں کی خیر خواہی کی ان کو ایرانیوں کی کمزوریاں بتائیں اور ان کو راستہ دکھایا اور ان کے لیے بازار لگائے۔“

---

1. طبری ص ۲۱۷۱
2. طبری ص ۲۱۲۶
3. فتوح البلدان ص ۱۴۲
4. معجم البلدان ذکر کوفہ

صحابہ کرامؓ کے حریفوں کو اس طرز عمل نے خود یقین دلا دیا تھا کہ جو قوم معاہدہ کی اس قدر پابند ہو اس کی اخلاقی طاقت کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ جب مسلمانوں کی فوج سے ایک رومی قیدی بھاگ نکلا اور ہرقل نے اس سے مسلمانوں کے حالات پوچھے تو اس نے کہا کہ وہ لوگ دن کو شہسوار اور رات کو راہب ہوتے ہیں، جس قوم سے معاہدہ کرتے ہیں اس سے ہر چیز بہ قیمت لے کر کھاتے ہیں اور جس شہر میں داخل ہوتے ہیں امن وامان کے ساتھ داخل ہوتے ہیں، ہرقل نے یہ سن کر کہا کہ اگر یہ سچ ہے تو وہ میرے ان دونوں قدموں کے نیچے کی زمین تک کے مالک ہو جائیں گے۔ [1]

۹۔ صحابہ کرامؓ کی فتوحات کا ایک سبب ان کا اتحاد وائتلاف تھا، اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

هو الذی ایدك بنصره و بالمومنین والف بین قلوبهم
و لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبهم و
لکن اللّٰه الف بینهم انه عزیز حکیم -

”خدا وہ ہے جس نے اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعہ سے تمہاری تائید کی اور ان میں اتحاد و اتفاق پیدا کیا اگر تم زمین کا کل خزانہ صرف کر دیتے تب بھی ان کے دلوں کو نہ ملا سکتے، لیکن اللہ نے ان میں اتحاد پیدا کیا اور اللہ غالب اور دانا ہے“

اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید اور اس اتحاد نے رسول اللہ ﷺ کو دنیا کی ہر مادی طاقت سے بے نیاز کر دیا تھا چنانچہ خود اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔

یا ایها النبی حسبک اللّٰه و من اتبعک من المومنین

”اے پیغمبر تیرے لیے خدا اور مسلمان کافی ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی صحابہ کرامؓ نے اس اتحاد کو قائم رکھا، اور جب اس میں کسی قسم کا ضعف پیدا ہوا تو اس کی اصلاح کی، ایک بار حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی کہ قریش نے مختلف مجلسیں قائم کر لی ہیں، اور باہم مل جل کر نہیں بیٹھتے تو ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں نے مختلف مجلسیں قائم کر لیں ہیں اور اب یہ امتیاز قائم ہو گیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں

---

[1] طبری ص ۲۳۵۵

یہ فلاں کا دوست ہے اور وہ فلاں کا ہمنشیں ہے، خدا کی قسم یہ تمہارے مذہب کو تمہارے شرف کو اور تمہارے تعلقات کو بہت جلد برباد کر دے گا، اور گویا میں ان لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو اس کے بعد کہیں گے کہ یہ فلاں کی رائے ہے، اور اسلام کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے، ایک ساتھ نشست و برخاست کرو کیونکہ وہ ہمیشہ تمہاری محبت کو قائم رکھے گا اور دشمن تمہارے اجتماع کو دیکھ کر مرعوب ہوں گے۔[1]

۱۰- ان اسباب کے علاوہ اور دوسرے اخلاقی اوصاف مثلاً مذہبی پابندی' وفا' صدق' اصلاح اور مواسات وغیرہ نے بھی صحابہ کرامؓ کی فتوحات کو بہت کچھ ترقی دی، صحابہؓ کی مادی طاقت کا غیر قوموں پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ چنانچہ عجمیوں نے جب ان کے تیر دیکھے تو نہایت حقارت آمیز لہجے میں کہا کہ "یہ تکلے ہیں" لیکن ان کی روحانیت عجمیوں کے بڑے بڑے جرنلوں کو مرعوب کر دیتی تھی، ایک بار بمقام قادسیہ صبح کی اذان ہوئی تو صحابہؓ اس تیزی سے نماز ادا کرنے کے لیے دوڑے کہ ایرانیوں کو دھوکا ہوا کہ حملہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن جب رستم نے دیکھا کہ وہ ایک روحانی آواز پر اس قدر جلد جمع ہو جاتے ہیں تو خود بخود بول اٹھا کہ عمرؓ میرا کلیجہ کھا گیا۔[2]

اسی جنگ میں جب ایک ایرانی گرفتار ہوا اور اس نے مسلمانوں کے اخلاقی منظر کو دیکھا تو مسلمان ہو گیا اور کہا کہ جب تک تم میں یہ وفا، یہ صداقت، یہ اصلاح یہ مواسات ہے تم لوگ شکست نہیں کھا سکتے۔[3]

۱۱- بعض اوقات صحابہ کرامؓ کی ظاہری شان و شوکت کچھ کم موثر اور ان کا ظاہری جوش و خروش بھی کچھ کم مرعوب کن نہ تھا، حضرت حارث بن یزیدؓ بکری کا بیان ہے کہ میں مدینہ آیا تو دیکھا کہ مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی ہے، سیاہ جھنڈیاں لہرا رہی ہیں، حضرت بلالؓ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تلوار لگائے ہوئے کھڑے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا آپؐ عمرو بن العاصؓ کو ایک مہم پر روانہ فرما رہے ہیں۔[4]

۱؎ طبری ص ۲۷۵۶

۲؎ طبری ص ۲۲۹۱

۳؎ طبری ص ۲۲۶۴

۴؎ ترمذی تفسیر القرآن تفسیر سورہ ذاریات

فتح مکہ کے زمانہ میں کفار کو اس جوش اور اس ظاہری شان وشوکت کا نہایت موثر اور مرعوب کن منظر نظر آیا، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دس ہزار جان نثار شریک تھے، اور آپ نے ہر قبیلے کے الگ الگ دستے بنائے تھے، جب یہ پر جوش فوج روانہ ہوئی تو اس کی روانگی سے پہلے حضرت ابوسفیانؓ اسلام لا چکے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو صحابہ کرامؓ کے جوش سے مرعوب کرنا چاہا اور حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ ان کو یہ پر اثر منظر دکھائیں، ابوسفیان کو انہوں نے ایک مقام پر روک لیا جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ دستے ترتیب ونظام کے ساتھ روانہ ہوئے تو ہر دستہ ابوسفیان کے سامنے سے گزرا انہوں نے پہلے دستے کے متعلق حضرت عباسؓ سے سوال کیا کہ یہ کس قبیلے کے لوگ ہیں؟ بولے غفار بولے مجھے ان سے غرض نہیں، اسی طرح جہینہ، سعد بن ہذیم اور قبیلہ سلیم کے دستے گزرے اور انہوں نے نام پوچھ کر کہا کہ مجھے ان سے کوئی واسطہ نہیں سب کے آخر میں ایک عظیم الشان دستہ گزرا جس کے علم بردار حضرت سعد بن عبادہؓ تھے، ابوسفیان نے ان کا نام پوچھا تو حضرت عباسؓ نے کہا کہ یہ،، انصار ہیں،، اخیر میں ایک چھوٹا سا دستہ گزرا جس کے علمبردار حضرت زبیر بن عوامؓ تھے اور خود شمع نبوت انہی پروانوں کے جھرمٹ میں تھی، آپ مقام جحون میں پہنچے تو آپ کا علم نصب کیا گیا اور صحابہ کرامؓ اس جوش سے حملہ آور ہوئے کہ ابوسفیان بول اٹھے کہ آج قریش کا باغ اجڑ گیا۔

صحابہ کرامؓ جب کوئی فوجی خدمت انجام دیتے تو یہ جوش اور بھی تازہ ہو جاتا، غزوۂ خندق کے زمانے میں موسم نہایت سرد اور رسد کا سامان اس قدر کم تھا کہ

یوتون بملاء کفی من الشعیر فیصنع لھم باھالة سنخة توضع بین یدی القوم و القوم جیاع وھی بشعة فی الحلق ولھا ریح منتن

''صحابہ کے پاس مٹھی بھر جو آتا اور سڑی ہوئی بدبودار بدمزہ چربی کے ساتھ ملا کر پکایا جاتا اور اس گرسنہ قوم کے سامنے یہ بدمزہ اور بدبودار کھانا رکھ دیا جاتا۔''

زمین اس قدر سخت تھی کہ بعض پتھروں کے توڑنے میں صحابہ کرامؓ کی مجموعی طاقت

نے جواب دے دیا اور خود رسول اللہ ﷺ کو اپنی معجزانہ طاقت سے کام لینا پڑا، لیکن با این ہمہ صحابہؓ کے جوش کا یہ حال تھا کہ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔

نحن الذین بایعوا محمدا علی الجهاد ما بقینا ابدا

ہم نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر جہاد کے لیے بیعت کی ہے۔ اس وقت تک کے لیے جب تک زندہ ہیں

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ یہ رجز پڑھکر اس جوش کو تازہ کرتے رہتے تھے۔

واللّٰه لولا اللّٰه ما اهتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

خدا کی قسم اگر خدا ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے۔

فانزلن سکینة علینا وثبت الا قدام ان لا قینا

پس اے خدا ہم پر اپنا سکینہ نازل فرما۔ اور اگر دشمن سے مقابلہ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ۔

ان الاولی قد بغوا علینا اذا ارادو افتنة ابینا

ان لوگوں نے (کفار نے) ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ جب وہ لوگ جنگ کے خواہاں ہوتے ہیں تو ہم اس سے ابا کرتے ہیں

جب اخیر مصرع پر پہنچتے تو آواز نہایت بلند ہو جاتی اور مکرر فرماتے ابینا، ابینا[1]

۱۲۔ صحابہ کرامؓ کو ان کی مستعدی اور سرگرمی نے بھی غزوات میں بہت کچھ کامیاب کیا اور ان کو مختلف جنگی خطرات سے محفوظ رکھا،

ایک بار آپ سفر میں تھے، کفار نے ایک جاسوس کو بھیجا، وہ آکر صحابہ کرامؓ کے پاس بیٹھا اور چپکے چپکے سے نکل گیا، آپ نے حکم دیا کہ اس کو پکڑ کر قتل کر ڈالو، حضرت اکوعؓ نہایت مستعد تیز رو اور سرگرم صحابی تھے، سب کے آگے نکل گئے اور اس کو قتل کر ڈالا۔

ایک دوسرے سفر جہاد میں مسلمانوں کی فوجی حالت نہایت ابتر تھی، اکثر لوگ پاپیادہ تھے، فوج میں بہت کمزور لوگ شامل تھے، اتفاق سے کفار کا ایک جاسوس آیا اور صحابہ کرامؓ کی تمام فوجی کمزوریوں کو دیکھ بھال کر چلتا ہوا، قبیلہ اسلم کے ایک مستعد صحابی نے اس کا تعاقب کیا اور اس کو جالیا، حضرت سلمہ بن اکوعؓ بھی پیچھے پیچھے تھے، اب انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے اونٹ

[1] بخاری غزوہ خندق

کی مہار پکڑ لی اس کو زمین پر بٹھا دیا اور تلوار کھینچ کر اس کی گردن اڑا دی۔[1]

ایک بار عبدالرحمٰن بن عیینہ نے سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اونٹوں پر چھاپہ مارا، حضرت سلمہ بن اکوعؓ کو خبر ہوئی تو نہایت تیزی کے ساتھ پہلے مدینہ کا رخ کیا اور عرب کے طریقہ پر تین بار یا ''صباحاہ'' کا نعرہ مارا پھر پلٹ کر ان کا تعاقب کیا، وہ اگرچہ تنہا تھے اور دشمن تیر پر تیر برساتے تھے اور تلوار پر تلوار چلاتے تھے، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف تمام او نٹنیوں کو واپس لیا بلکہ ڈاکو بھاگے اور اس سرعت اور بدحواسی کے ساتھ بھاگے کہ ۳۰ سے زیادہ نیزے اور ۳۰ سے زیادہ چادریں بھی چھوڑتے گئے۔[2]

---

1. ابوداود کتاب الجہاد باب فی الجاسوس المستامن
2. ابوداود کتاب الجہاد باب فی السریہ ترد علی اہل العسکر

تعمیر مساجد

مسجد قباء اور مسجد نبوی کی عالمگیر شہرت نے اگر چہ مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس کی اور تمام مسجدوں کو گم نام کر دیا ہے، تاہم تاریخ رجال اور احادیث کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے مدینہ کے متصل ہر جگہ بہ کثرت مسجدیں تعمیر کی تھیں اور ان میں با جماعت نماز ہوتی تھی، فتح الباری میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔

لقدلبسنا بالمدينة قبل ان يتقدم علينارسول الله ﷺ بسنين نعمرالمساجد و نقيم الصلاة-[1]

''ہم رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے کئی سال پیشتر مدینہ میں مسجدیں تعمیر کرتے تھے اور ان میں نماز پڑھتے تھے۔''

دار قطنی میں ہے کہ مسجد نبوی کے متصل قبیلہ بنو عمر، بنو ساعدہ، بنو عبیدہ، بنو سلمہ، بنو رائج، بنو زریق، اسلم، جہینہ، اور بنو سنان کی نو مسجدیں آباد تھیں جن میں حضرت بلالؓ کی اذان کی صدا پہنچنے کے ساتھ جماعت شروع ہوتی تھی۔[2]

اس روایت کا ایک راوی یعنی ابولہیعہ اگر چہ ضعیف ہے لیکن اور روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، امام بخاری نے ایک مستقل باب باندھا ہے کہ مساجد کو اشخاص کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے یا نہیں، اور اس باب میں جو حدیث لائے ہیں اس میں بہ تصریح مسجد بنو زریق کا نام لیا ہے، طبقات ابن سعد میں ہے۔[3]

ولجهينة مسجد بالمدينة

''مدینہ میں جہنیہ کی ایک مسجد ہے۔''

اصابہ میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد کی داغ بیل ڈالی تھی۔[4]

---

1. فتح الباری جلد ۷ ص ۱۹۱
2. دار قطنی کتاب الصلوٰۃ باب تکرار المساجد
3. طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۶۷
4. اصابہ تذکرہ حضرت ابومریم جہنی

صرف انہی قبائل کی خصوصیت نہیں بلکہ کوئی قبیلہ، کوئی محلہ اور کوئی گاوں مسجد سے خالی نہ تھا، مسند ابن حنبل میں ایک مدنی سے روایت ہے کہ میں نے مسجد بنوغفار میں نماز پڑھی۔[1]

اور صحیح مسلم میں ہے کہ اس قبیلہ کے امام خفاف بن ایماء ابن رحضہ غفاری تھے۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو قبیلہ بنوعبدالاشہل کی مسجد میں دیکھا۔[2]

اسی کتاب میں حضرت عبداللہ بن عمر خطمیؓ کے حال میں لکھا ہے کہ وہ اپنے قبیلہ بنوخطمہ کی مسجد کے امام تھے۔ ابوسفیان عبدی کے حال میں صاحب اصابہ نے لکھا ہے کہ وہ بنوصباح کی مسجد کے موذن تھے، انصار کی جو آبادیاں تھیں سب میں الگ الگ مسجدیں قائم تھیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حوالی مدینہ میں انصار کے جو قصبے آباد تھے، عاشورہ کے دن رسول اللہ ﷺ ان میں عام منادی کرا دیتے تھے، کہ جو لوگ روزہ دار ہیں اپنے روزے پورے کر لیں اور جو افطار کر چکے ہیں وہ بقیہ دن کا روزہ رکھیں چنانچہ صحابہ اپنے بچوں کو لے کر مسجدوں میں نکل جاتے تھے۔[3]

موطائے امام مالک میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک گاوں میں آئے جس میں قبیلہ بنومعاویہ آباد تھا، اور پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہاری مسجد میں کہاں نماز پڑھی تھی۔[4]

قبائل اور آبادیوں کے علاوہ مدینہ کے راستوں میں بہ کثرت مسجدیں آباد تھیں۔ اور ان میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ چنانچہ امام بخاری نے ایک خاص باب باندھا ہے جس کی سرخی یہ ہے۔ (باب المساجد التی علی طرق المدینۃ و المواضع التی صلی فیھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے تحت میں اس قسم کی متعدد مسجدوں کا نام لیا ہے۔

ان تمام مساجد میں بہت سی مسجدیں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک قائم تھیں چنانچہ جن مساجد میں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی، انہوں نے ان کو دوبارہ منقش پتھروں سے تعمیر کروایا۔[5]

---

1. مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۵۷
2. اسد الغابہ تذکرہ حضرت ثابت ابن الصامت انصاری
3. صحیح مسلم کتاب الصیام باب من اکل فی عاشورا فلیکف بقیہ یومیہ
4. موطائے کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی الدعاء
5. فتح الباری جلد اول ص ۴۷۲

وفاء الوفا میں ان مسجدوں کا مفصل حال لکھا ہے ہم اس موقع پر ان کی ایک مختصر فہرست درج کرتے ہیں۔

مسجد جمعہ:

چونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں پہلا جمعہ ادا فرمایا تھا، اس لیے وہ مسجد جمعہ کے نام سے موسوم ہوگئی

مسجد فیضیح:

یہ مسجد قبا کے مشرقی جانب وادی کے کنارے ایک بلند مقام پر واقع تھی۔ اس کا ایک نام مسجد الشمس بھی ہے جس کی وجہ تسمیہ بظاہر یہ ہے کہ بلند مقام پر ہونے سے سورج کی شعاعیں سب سے پہلے اسی مسجد پر پڑتی ہیں۔

مسجد بنو قریظہ:

بنو قریظہ کے مکانات کے کھنڈر اس کے متصل تھے، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ محاصرہ کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کی تیمارداری کے لیے جو مسجد متعین کر دی تھی، وہ بظاہر یہی مسجد تھی،

مشربہ ام ابراہیم:

یہ ایک باغ کے اندر ایک بالا خانہ تھا، اور حضرت ماریہ قبطیہؓ اسی میں رہتی تھیں، آپ نے چونکہ اس میں نماز ادا فرمائی تھی اس لیے اخیر میں اس نے مسجد کی صورت اختیار کر لی، تاہم کوئی دیوار قائم نہیں کی گئی بلکہ ادھر ادھر سے پتھر کھڑے کر دیئے گے۔

مسجد بنو ظفر:

یہ مسجد بقیع کے مشرقی جانب واقع تھی،

مسجد بنو معاویہ:

اس مسجد کا نام مسجد اجابہ بھی ہے جس کی وجہ جیسا کہ صحیح مسلم کتاب الفتن میں ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی ایک دعا قبول ہوئی تھی۔

مسجد فتح:

چونکہ غزوہ احزاب میں رسول اللہ ﷺ نے اس میں فتح کی دعائیں مانگی تھیں اس لیے اس کا ایک نام مسجد احزاب بھی ہے، جس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے اس کے آس پاس اور تین مسجدیں تھیں جو اسی نام سے موسوم تھیں،

مسجد قبلتین:

یہ مسجد وادی عقیق کے کنارے واقع تھی، بعض لوگوں کے نزدیک چونکہ تحویل قبلہ اسی مسجد میں ہوئی تھی، اس لیے اس کا یہ نام پڑ گیا،

مسجد السقیا:

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا ایک قطعہ زمین تھا جس میں کنواں تھا جس کو سقیاء کہتے تھے، یہ مسجد اسی کنوئیں کے متصل آباد تھی،

مسجد ذباب:

ذباب ایک پہاڑ کا نام ہے جس پر یہ مسجد واقع تھی،

مسجد احد:

یہ مسجد کوہ احد کے متصل واقع تھی۔

ان مساجد کے علاوہ دفاء الوفا میں اور مسجدوں کے نام بھی مذکور ہیں جن کو ہم اختصار کے خیال سے نظر انداز کرتے ہیں،

مدینہ اور حوالی مدینہ کے علاوہ عرب کے جن ممالک میں اسلام پھیلا وہاں صحابہ کرامؓ نے مسجدیں تعمیر کیں، رسول اللہ ﷺ نے متعدد صحابہ کو بت شکنی کے لیے طائف بھیجا تو حکم دیا کہ جہاں جہاں یہ بت نصب تھا، وہیں مسجد تعمیر کی جائے تاکہ خدا وہاں پوجا جائے جہاں پوجا نہیں جاتا تھا[1]

[1] اسد الغابہ تذکرہ تمیم بن غیلان بن سلمہ الثقفی

آفتاب اسلام کی شعاعیں سواحل یمن پر پڑیں اور یہاں کا ایک قبیلہ عبدالقیس اسلام لایا تو اس قبیلہ نے جو مسجد تعمیر کی اس کو یہ شرف حاصل ہوا کہ مسجد نبوی کے بعد جمعہ کی سب سے پہلی نماز اسی مسجد میں ادا کی گئی۔[1]

صنعاء میں بھی کوہ ضبیل کے پاس ایک مسجد تھی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے وہاں حضرت وبر بن نجنس کلبیؓ کو اشاعت اسلام کے لیے بھیجا تو فرمایا کہ اس مسجد میں جانا۔[2]

حضرت طلق بن علیؓ سے روایت ہے کہ جب ہماری قوم کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہمارے ملک میں ایک گرجا ہے تو آپ نے ان لوگوں کی درخواست پر اپنے وضو کا پانی عنایت فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ گرجے کو توڑ ڈالو اور اس کو چھڑک کر وہاں مسجد بنالو۔ چنانچہ ان لوگوں نے واپس جا کر حسب ارشاد مسجد تعمیر کر لی ابوداود میں ایک روایت ہے۔

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یا مرنا بالمساجد ان نصنعھا فی دیارنا ونصلح صنعتہا و نطھر ھا

رسول اللہ ﷺ ہم کو حکم دیتے ہیں کہ اپنے دیار میں عمدہ مسجدیں بنائیں اور ان کو پاک وصاف رکھیں،

ابوداود کتاب الصلوۃ باب اتخاذ المساجد فی الدور میں اس حدیث کو درج کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ وہ مسجدیں تھیں جو آپ کے حکم سے صحابہؓ اپنے گھروں میں بنالیتے تھے، لیکن دیار کے لفظ سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ حکم باہر کے مسلمانوں کے متعلق ہوگا۔ بہرحال اسلام جہاں جہاں پھیلا وہاں وہاں مسجدیں تعمیر ہوئیں، یہی وجہ ہے کہ جب آپ کہیں فوج کشی کرتے تھے، تو ساتھ ساتھ یہ ہدایت بھی کرتے تھے۔

اذارایتم مسجداً او سمعتم موذنافلا تقتلوا احدا۔[3]

"اگر کہیں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو وہاں کسی کو قتل نہ کرو"

---

[1] بخاری کتاب الجمعہ باب الجمعہ فی القری والمدن

[2] اصابہ تذکرہ حضرت وبر بن نجنس کلبیؓ

[3] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی دعا المشرکین

خلفائے راشدین کے زمانے میں فتوحات کے ساتھ ساتھ جا بجا سلام اور مسلمان دونوں پھیل گئے اس لیے خلفاء راشدینؓ نے بہ کثرت مسجدیں تعمیر کروائیں۔ حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ تو نہایت مختصر اور پرآشوب تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے عہد میں ہر شہر میں کم از کم ایک ورنہ بعض بعض شہروں میں متعدد مسجدیں تعمیر ہوئیں، چنانچہ انہوں نے شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کی جائے[1] کوفہ آباد کیا گیا تو حضرت عمرؓ کے حکم سے ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ مسجدیں تعمیر ہوئیں چنانچہ جب کوفہ والوں نے حضرت سعد کی شکایت کی کہ وہ ٹھیک طور پر نماز نہیں پڑھاتے تو حضرت عمرؓ نے ایک ایک مسجد میں ان کی تحقیقات کروائی۔[2] اسی طرح بصرہ کی آبادی کے ساتھ ہر قبیلے کے لیے الگ الگ مسجدیں تعمیر ہوئیں۔[3]

عراق فتح ہوا تو ہر جگہ مسجدیں تعمیر کی گئیں سب سے پہلے حضرت سعد نے مدائن میں جامع مسجد تعمیر کروائی پھر حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے اس کی عمارت کو وسیع و مستحکم کیا، اس کے بعد بہ ترتیب کوفہ اور انبار کی مسجدیں تعمیر ہوئیں۔[4]

حضرت عتبہ بن فرقدؓ موصل کے گورنر مقرر ہوئے تو انہوں نے ایک مسجد تعمیر کروائی[5]

حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر کے حضرت ہرثمہ بن عرفجۃ البارقی کو وہاں کا والی مقرر کیا تو انہوں نے وہاں مسلمانوں کی ایک مستقل نو آبادی قائم کی اور ان کے لیے ایک جامع مسجد تعمیر کروائی۔[6]

---

1. حسن المحاضرہ جلد۲ ص۲۳ ذکر جوامع، حسن المحاضرہ کی اصل عبارت یہ ہے، لما فتح عمر البلدان، کتب الی ابی موسی وھو علی البصرۃ بامرہ ان تیخذ مسجد الجماعۃ و تیخذ للقبائل مساجد فاذا کان یوم الجمعہ انضموا الی مسجد الجماعت و کتب ابی سعد بن ابی وقاص وھو علی کوفہ بمثل ذالک و کتب الی عمرو بن العاص وھو علی مصر بمثل ذالک و کتب الی امراءاجناء الشام ان والی القری وان یربوا المدائن یتخذ وافی کل مدنیۃ مسجد واحد اولا یتخذ القبائل مساجد و کان الناس متمسکین بامر عمر وعہدہ،
2. بخاری کتاب الصلوٰۃ باب وجواب القرآۃ الامام والماموم فی الصلوٰۃ کلہا فی الحضر والسفر
3. حسن المحاضرہ ج۲ ص۱۳۳ ذکر جامع مصر
4. فتوح البلدان ص ۲۹۸
5. فتوح البلدان ص ۳۴
6. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عتبہ بن فرقدؓ

حضرت سعید بن عامر بن خدیمؓ جزیرہ کے والی مقرر ہوئے تو رقہ اور رہا کی مسجدیں تعمیر کرائیں ان کے انتقال کے بعد حضرت عمیر بن سعدؓ ان کے قائم مقام ہوئے تو دیارِ ربیعہ اور دیارِ مضر میں متعدد مسجدیں بنوائیں۔[1]

مصر فتح ہوا تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے وہاں نہایت عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی اور تقریباً اسی صحابہؓ نے اس کا قبلہ سیدھا کیا اس مسجد میں بخور بھی سلگایا جاتا تھا۔[2]

شام میں لاذقیہ فتح ہوا تو حضرت عبادہ بن صامتؓ کے حکم سے ایک جامع مسجد تیار ہوئی اور بعد کو اس کو توسیع دی گئی۔[3]

حضرت عثمان بن العاصؓ نے بحری حملہ کر کے فوج کو فتح کیا تو وہاں عرب کی ایک نو آبادی قائم کی اور وہاں متعدد مسجدیں بنوائیں۔[4]

حضرت عمرؓ نے جدید مسجدوں کی تعمیر کے ساتھ مسجد نبوی اور مسجد حرام کی تجدید و توسیع بھی کی ازواج مطہرات کے حجروں کے علاوہ مسجد نبوی کے آس پاس کے اور تمام مکانات نہایت گراں قیمت پر خرید لیے اور حضرت عباسؓ اول اول اپنا مکان دینا نہیں چاہتے تھے، لیکن اخیر میں انہوں نے بھی اس کو وقف کر دیا، اب حضرت عمرؓ نے مسجد کو از سر نو اینٹ سے تعمیر کیا ستون پہلے کھجور کے تھے، انہوں نے لکڑی کے لگوائے۔[5]

مسجد کا طول پہلے ۱۰۰ گز تھا، انہوں نے ۱۴۰ گز کر دیا عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا، تجدید عمارت کے ساتھ حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بھی بنوایا۔ کہ جو لوگ شور و شغب کرنا یا اشعار وغیرہ پڑھنا چاہیں وہیں جا کر پڑھیں۔[6]

۱۷ھ میں حرم کی عمارت کو بھی بہت کچھ وسعت دی جن لوگوں نے بالکل خانہ کعبہ کے متصل مکانات بنوا لئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ،، کعبہ خدا کا گھر ہے اور گھر کے لیے صحن

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۰۶
[2] حسن المحاضرہ ص ۵۸ جلد اول
[3] فتوح البلدان ص ۱۳۹
[4] فتوح البلدان ص ۳۹۴
[5] ابوداود کتاب الصلوٰۃ باب فی بناء المساجد
[6] موطا کتاب الصلوٰۃ العمل فی جامع الصلوٰۃ

چاہیے، لیکن تم نے الٹے کعبہ ہی کو دبالیا ہے، اس نے تم کو نہیں دبایا ہے، چنانچہ اس غرض سے تمام مکانات منہدم کروا دیئے پہلے خانہ کعبہ کی کوئی دیوار نہ تھی حضرت عمرؓ نے اس کے گرد چار دیواری بنوائی [1] اور اس پر چراغ جلوائے۔[2]

کعبہ پر اگرچہ غلاف ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا، چنانچہ جاہلیت میں نطع اور مغافر کا غلاف چڑھاتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ نے یمنی کپڑوں کے غلاف چڑھوائے لیکن حضرت عمرؓ نے قباطی کا غلاف تیار کروایا جو نہایت عمدہ مصری کپڑا ہوتا ہے۔[3]

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بہ کثرت نو آبادیاں قائم ہوئیں اور بہ کثرت مسجدیں تعمیر ہوئیں، انہوں نے حضرت معاویہؓ کو غزوہ بحریہ کی اجازت دی تو ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا کہ متعینہ فوج کے علاوہ تمام سواحل پر جدید فوجی آدمی آباد کرائے جائیں اور ان کو جاگیریں اور جلاوطن شدہ لوگوں کے مکانات دیئے جائیں مسجدیں تعمیر کرائی جائیں اور ان کے زمانے میں پیشتر جو مسجدیں تعمیر ہو چکی ہیں ان کو وسعت دی جائے۔[4]

حضرت عثمانؓ نے مسجد نبوی اور حرم محترم کو بھی بہت کچھ وسعت دی، پہلے پہل جب انہوں نے توسیع مسجد نبوی کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اگرچہ مخالفت کی اور قدیم ہیئت کو بدلنا پسند نہیں کیا۔[5]

لیکن بالآخر سب لوگ راضی ہو گئے اور اب حضرت عثمانؓ نے نہایت اہتمام کے ساتھ ربیع الاول ۲۹ھ میں تعمیر کا کام شروع کروا دیا، پورے دس مہینے میں کام ختم ہوا۔[6]

حضرت عمرؓ کے زمانے میں دیوار کچی اینٹ کی تھی، انہوں نے منقش پتھروں کی دیواریں قائم کیں، اور اس پر چونے کی سفیدی کروائی، حضرت عمرؓ نے لکڑی کے ستون لگوائے تھے ،انہوں نے منقش پتھروں کے ستون قائم کرا دیئے، رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک گویا چھپر کی

---

[1] بخاری باب بنیان الکعبہ

[2] معجم البلدان ذکر مسجد الحرام

[3] فتوح البلدان ص ۵۴

[4] فتوح البلدان ص ۱۳۵

[5] صحیح مسلم بخاری باب فضل بناء المساجد

[6] خلاصۃ الوفا ص ۱۳۴

چھت تھی انہوں نے ساکھ کی چھت بنوائی۔[1]

حضرت عثمانؓ نے حرم محترم کی عمارت کو اور بھی وسعت دی اور ارد گرد کے تمام مکانات خرید کر گروا دیئے، اور ان کی زمین کو حرم میں شامل کر دیا انہوں نے مسجدِ حرام میں یہ جدت کی کہ رواق بنوائے جن کو ان کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے۔[2]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد میں اگر چہ بہت کم مسجدیں تعمیر ہوئیں تاہم یہ سلسلہ بالکل منقطع نہیں ہوا فتوح البلدان میں ہے کہ انہوں نے حضرت اشعث بن قیسؓ کو آذربائیجان کا والی مقرر کیا وہ آئے تو دیکھا کہ وہاں کے لوگ مسلمان ہو کر قرآن مجید پڑھ چکے ہیں انہوں نے اردبیل ایک نیا شہر آباد کیا اور وہاں بہت سے عرب بسائے اور ایک مسجد تعمیر کروائی۔[3] اس کے علاوہ ان کے عہد میں ہم کو اور کسی جدید مسجد کا نام نہیں ملتا۔

حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں بہ کثرت نو آبادیاں قائم ہوئیں اور نو آبادیوں کے ساتھ مساجد کا تعمیر ہونا لازمی تھا، انہوں نے جزیرہ قبرص کو فتح کیا تو وہاں ایک شہر آباد کرایا اور بارہ ہزار فوجی آدمی متعین کیے جنہوں نے وہاں متعدد مسجدیں تعمیر کیں۔[4]

ان کے عہد میں افریقہ فتح ہوا تو عقبہ بن نافع فہری نے جو وہاں کے گورنر تھے وہاں مسلمانوں کی ایک نو آبادی قائم کی بہت سے مکانات اور ایک جامع مسجد بنوائی۔[5]

حضرت امیر معاویہؓ نے ان مسجدوں میں بھی توسیع و اضافہ کیا جو ان سے پہلے تعمیر ہو چکی تھیں، مثلاً انہوں نے زیاد کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تو اس نے وہاں کی مسجد کو نہایت وسعت دی اور اس کو اینٹ اور چونے سے بنوایا اور ساکھ کی چھت بنوائی۔[6]

حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں فنِ تعمیر میں بھی مزید ترقی ہوئی یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ جو ان کی جانب سے سجستان کے عامل تھے، آئے تو اپنے ساتھ کابل سے چند

---

1. ابوداود کتاب الصلوٰۃ باب فی بناء المساجد
2. فتوح البلدان ص ۵۳
3. فتوح البلدان ص ۳۳۷
4. فتوح البلدان ص ۱۶۰
5. فتوح البلدان ص ۲۳۶
6. فتوح البلدان ص ۳۵۵

غلام لائے جنہوں نے ان کے محل میں کابلی طرز کی ایک مسجد تعمیر کی۔[1]

مصر میں جو مسجدیں تعمیر ہوئیں تھیں اب تک ان میں منارے نہیں بنے تھے، حضرت سلمہ بن مخلدؓ نے جو حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے ۵۳ھ میں مساجد میں منارے بنوائے۔[2]

انصاب حرم:

حرم کی حدود سے چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں اسلئے اس کے گرد ہر طرف پتھر کھڑے کر دیئے گئے تھے، جن کو انصاب حرم کہتے تھے، ہر زمانے میں ان پتھروں کی تجدید ہوتی رہی، سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے حضرت تمیم بن اسیدؓ کو اس خدمت پر مامور کیا۔[3]

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اس کی تجدید کرائی۔[4]

حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں پھر تجدید واصلاح کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے حضرت کرز بن علقمہؓ سے یہ کام لیا۔[5]

---

1. فتوح البلدان ص ۳۵۵
2. اصابہ تذکرہ سلمہ بن مخلد
3. اسد الغابہ تذکرہ حضرت تمیم بن اسیدؓ
4. اسد الغابہ تذکرہ مخرمہ بن نوفلؓ
5. اسد الغابہ تذکرہ حضرت کرز بن علقمہؓ

خدمات متفرقہ

مسجد کی صفائی:

ایک بار کسی نے مسجد نبوی ﷺ میں تھوک دیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ملاحظہ فرمایا تو اس قدر برہم ہوئے کہ چہرہ مبارک سرخ ہوگیا، ایک صحابیہ اٹھیں اور اس کو مٹا دیا اور اس جگہ خوشبو لگائی، آپ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خوب کام کیا۔[1]

ایک صحابیہ تھیں جو ہمیشہ مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھیں، یہ ایک ایسا نیک کام تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کی نہایت قدر فرماتے تھے، چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو صحابہ کرامؓ نے ان کو راتوں رات دفن کر دیا، اور آپ کو اطلاع نہ دی، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں خبر کی؟ بولے حضور استراحت فرما رہے تھے ہم نے تکلیف دینا گوارہ نہیں کیا۔[2]

مسجد میں روشنی کا انتظام:

صحابہ کرامؓ کھجور کی شاخوں کی مشعل بنا کر لاتے تھے، اور مسجد نبوی میں روشنی کرتے تھے، مدتوں یہی حالت رہی، اس کے بعد حضرت تمیم داریؓ کا ایک تجارت پیشہ غلام جس کا نام فتح تھا، بیت المقدس سے زیتون کا تیل اور قندیل لایا اور مسجد میں روشنی کی، رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کس نے روشنی کی ہے؟ غلام کا نام معلوم ہوا تو اس کا نام فتح کے بجائے سراج رکھ دیا، جس کے معنی چراغ جلانے والے کے ہیں۔[3] حضرت عمرؓ نے مساجد میں اور بھی وسیع پیمانے پر روشنی کا انتظام کیا، چنانچہ ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسجدوں میں قندیلوں کی جمگاہٹ دیکھی تو بولے کہ عمرؓ نے جس طرح ہماری مسجدوں کو روشن کیا اسی طرح خدا ان کی قبر میں بھی اجالا کرے۔

---

1. نسائی کتاب الصلوۃ باب تخلیق المسجد
2. سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی الصلوۃ علی القبر
3. اسد الغابہ تذکرہ سراجؓ

مسجد میں بخور کا انتظام:

ایک بار حضرت عمرؓ کے پاس مال غنیمت میں عود کا ایک بنڈل آیا - جس کو انہوں نے حسب معمول مسلمانوں میں تقسیم کرنا چاہا، لیکن کافی نہ ہوا، اس لیے حکم دیا کہ انگیٹھی میں رکھ کر سلگایا جائے، تا کہ تمام مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں، ان کے بعد تمام خلفاء نے اس انتظام کو قائم رکھا۔[1]

مسجد کی نگرانی:

حضرت عمرؓ نہایت اہتمام کے ساتھ مسجد کی نگرانی فرماتے تھے، عموماً عشاء کے بعد مسجد میں آتے اور کسی بے کار شخص کو دیکھتے تو نکال دیتے، البتہ نمازی اس سے مستثنٰی تھے، حضرت عثمانؓ کا بھی یہی حال رہا، ایک دن عصر کی نماز کے لیے آئے تو دیکھا کہ مسجد کے کسی گوشے میں ایک درزی بیٹھا ہوا ہے، اس کو نکل جانے کا حکم دیا، لوگوں نے کہا،، وہ مسجد میں جھاڑو دیتا ہے، دروازے بند کرتا ہے، کبھی کبھی چھڑکاؤ بھی کرتا ہے بولے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ کاریگروں کو مسجد سے الگ رکھو۔[2]

اذان:

صحابہ کرامؓ اذان کو نہایت ثواب کا کام سمجھتے تھے، اس لیے اس خدمت کو نہایت شوق کے ساتھ انجام دیتے تھے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے، اگر میں موذن ہوتا تو میرا کام مکمل ہو جاتا، حضرت ابن ام مکتومؓ اور حضرت بلالؓ نے تو اپنی زندگی ہی اس خدمت پر وقف کر دی تھی اور اس کو نہایت مستعدی کے ساتھ انجام دیتے تھے، مسجد نبوی کے متصل ایک صحابیہ کا مکان سب سے بلند تر تھا، حضرت بلالؓ صبح تڑکے وہیں آ جاتے اور طلوع فجر کا انتظار کرتے جب صبح طلوع ہوتی تو اسی مکان کے اوپر چڑھ کر اذان دیتے، اذان دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرتے جب آپ کاشانہ نبوت سے برآمد ہوتے تو اقامت کہتے۔[3]

---

[1] خلاصۃ الوفاص ۱۷۴

[2] خلاصۃ الوفاص ۱۱۴

[3] اسد الغابہ تذکرہ ابوالوقاصؓ

امامت:

امامت نہایت ذمہ داری کا کام ہے لیکن صحابہ کرامؓ اس خدمت کو نہایت شوق کے ساتھ انجام دیتے تھے، مہاجرین پہلے پہل مدینہ میں آئے تو حضرت سالم مولی ابی حذیفہؓ امامت کراتے تھے، حضرت عمرو بن سلمہؓ کا قبیلہ مسلمان ہوا تو ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم میں کون امامت کرائے گا؟ آپ نے فرمایا جس کو قرآن سب سے زیادہ یاد ہو، حضرت عمرو بن سلمہؓ کا سن اگرچہ صرف سات آٹھ برس تھا، تاہم ان کو قرآن سب سے زیادہ یاد تھا، اس لیے ان لوگوں نے انہی کو امام بنایا، اور وہ عمر بھر ان کے امام رہے، حضرت ابن ام مکتومؓ کو امامت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے خود اپنا خلیفہ بنایا تھا، حضرت معاذ بن جبلؓ اپنی قوم کے امام تھے، لیکن پہلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ لیتے تھے تب اپنی مسجد میں جا کر امامت کراتے تھے، حضرت اسید بن حضیرؓ اپنی قوم کے امام تھے، وہ بیمار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ عیادت کو آئے ان لوگوں نے کہا کہ ہمارا امام بیمار ہے، فرمایا بیٹھ کر نماز پڑھیں تو تم لوگ بھی بیٹھ کر نماز ادا کرو۔[1] تمام خلفاء اور فرائض خلافت کے ساتھ یہ فرض بھی ادا کرتے تھے۔

حجاج کی خدمت:

صحابہ کرامؓ حجاج کی خدمت کو بڑے ثواب کا کام سمجھتے تھے، اور نہایت فیاضی کے ساتھ ان کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچاتے تھے، حضرت عمرؓ نے اہل مکہ کو عام حکم دیا کہ وہ اپنے گھروں میں دروازے نہ لگائیں تاکہ تمام حجاج بلا روک ٹوک ان میں قیام کر سکیں مکہ اور مدینہ کے راستہ میں انہوں نے سرائیں چوکیاں اور کنوئیں تیار کرائے تھے، کہ حجاج ان سے متمتع ہو سکیں، سقایہ یعنی حاجیوں کو پلانی پلانے کی خدمت زمانہ جاہلیت میں حضرت عباسؓ کے خاندان سے متعلق تھی، اور عہد اسلام میں بھی ان کا یہ خاندانی شرف قائم رہا، ایام حج میں ان کے خاندان کے لوگ، دودھ شہد اور ستو کی سبیل چلاتے تھے، لیکن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ حاجیوں کو صرف نبیذ پلاتے تھے، ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ کا خاندان بخیل ہے یا محتاج؟ بولے نہ بخیل ہے نہ محتاج وجہ صرف یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے پانی مانگا تو ہم نے آپ کو نبیذ پلائی آپ نے فرمایا تم نے خوب کیا ایسا ہی کرتے رہو، اس لیے ہم آپ کے ارشاد میں کسی قسم کا تغیر کرنا نہیں چاہتے۔[2]

---

1. ابوداود کتاب الصلوٰۃ ابواب الامامۃ
2. ابوداؤد کتاب المناسک باب فی نبیذ السقایہ

علمی خدمات

تعلیم القرآن

اگرچہ صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید کی تعلیم کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کے قیام مکہ معظمہ ہی کے زمانے میں شروع کر دیا تھا، چنانچہ آپ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت ابن ام مکتومؓ کو بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد اس غرض سے مدینہ بھیجا تھا، کہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں۔[1]

لیکن ہجرت کے بعد مسجد نبوی میں ایک مستقل حلقہ درس قائم ہو گیا تھا، اور اصحاب صفہ شب و روز قرآن مجید کی تعلیم و تعلم میں مصروف رہنے لگے، سنن ابن ماجہ میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کا شانہ نبوت سے برآمد ہوئے تو آپ کو مسجد میں دو حلقے نظر آئے ایک میں لوگ تلاوت و دعا کرتے تھے، اور دوسرے حلقے والے تعلیم و تعلم میں مصروف تھے، آپ نے فرمایا دونوں نیک کام کر رہے ہیں ایک گروہ تلاوت و دعا کرتا ہے، دوسرا قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر رہا ہے میں صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں یہ کہہ کر اسی حلقہ درس میں بیٹھ گئے۔[2]

اس حلقہ میں درس و تدریس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص قرآن مجید پڑھتا جاتا تھا اور دوسرے لوگ سنتے جاتے تھے، ایک بار اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ آ نکلے قاری جو قرآن پڑھ رہا تھا رک گیا اور ادب سے سلام کیا، آپ بیچ میں بیٹھ گئے اور ہاتھ سے اشارہ فرمایا لوگ حلقہ قائم کر کے آپ کے گرد بیٹھ گے۔[3]

اصحاب صفہ نہایت نادار اور مفلس تھے اس لیے ان میں کچھ لوگ دن کو شیریں پانی بھر لاتے جنگل سے لکڑیاں چن لاتے، اور ان کو بیچ کر جو آمدنی ہوتی اس کو وجہ معاش میں صرف کرتے۔[4]

لیکن اس مصروفیت کی وجہ سے ان کو دن میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا، اس

---

1. مسند جلد ۴ ص ۲۹۱ و بخاری کتاب التفسیر سبح اسم ربک الاعلی
2. سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم
3. ابوداود کتاب العلم باب فی القصص
4. صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوت الجنۃ للشہید

بنا پر تعلیم کا وقت رات کو مقرر کیا تھا، مسند ابن حنبل میں ہے:

فکانوا اذاجنهم الليل انطلقوا الی معلم لهم بالمدینة فید رسون اللیل حتی یصبحوا۔[1]

جب رات ہو جاتی تھی، تو یہ لوگ ایک معلم کے پاس جاتے تھے اور صبح تک پڑھتے تھے

اس طرح جو لوگ تعلیم و تربیت حاصل کر چکتے تھے، ان کو قراء کہا جاتا تھا، اور باہر کے مسلمان کو مذہبی تعلیم کی ضرورت ہوتی تھی، تو یہی لوگ بھیجے جاتے تھے، چنانچہ ایک بار کچھ لوگ باہر سے آئے اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ کچھ لوگوں کو کر دیجیے کہ ہم کو قرآن اور سنت کی تعلیم دیں، آپ نے ستر انصار کو جو قراء کے نام سے مشہور تھے ساتھ کر دیا، لیکن ان لوگوں نے دھوکے سے ان کو شہید کر دیا۔[2]

باہر سے جو مہاجرین آتے وہ بھی اہل صفہ میں داخل ہو جاتے اور قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر کے اپنے وطن واپس جاتے، ابوداؤد میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے اجمالاً مروی ہے

علمت ناسا من اهل الصفة القرآن و الكتاب فاهدی الی رجل منهم قوسا

میں نے اصحاب میں سے چند لوگوں کو قرآن کی اور لکھنے کی تعلیم دی ان میں سے ایک نے مجھے ایک کمان ہدیۃً بھیجی۔[3]

لیکن مسند کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ شخص مہاجر تھا، اس نے اپنے وطن میں پہنچ کر ان کی خدمت میں ہدیۃً یہ کمان بھیجی تھی۔[4]

اس سلسلہ سے الگ انصار کا ہر گھر مہمان خانہ ہونے کے ساتھ ایک مستقل مکتب بن گیا تھا، باہر سے جو مہاجر آتے رسول اللہ ﷺ ان کو انصار کے سپرد کر دیتے اور وہ لوگ مہمانداری کے ساتھ اس دل سوزی سے ان کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے کہ یہ لوگ نہایت شکر گزاری کے ساتھ واپس جاتے، چنانچہ وفد عبدالقیس آیا تو اس منت شناسانہ اعتراف کے ساتھ واپس گیا۔

ان الانصار یعلمونا کتاب ربنا و سنة نبینا۔[5]

---

1. مسند جلد ۳ ص ۱۳۷
2. مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوت الجنۃ للشہید
3. ابوداؤد کتاب البیوع باب کسب المعلم
4. مسند جلد ۵ ص ۳۲۴
5. مسند جلد ۳ ص ۴۳۲

''انصار ہم کو ہمارے خدا کی کتاب اور ہمارے پیغمبر کی سنت سکھاتے ہیں۔''

وفد بنو تمیم آیا تو مدت تک مدینہ میں رہ کر قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتا ہے۔[1]

بعض اوقات مہاجرین کو بھی یہ خدمت انجام دینی ہوتی تھی، چنانچہ حضرت وردانؓ طائف سے آئے تو آپ نے ان کو حضرت ابا بن سعیدؓ کے حوالے کیا کہ ان کے مصارف کا بار اٹھائیں اور قرآن مجید کی تعلیم دیں۔[2]

نظام حکومت کے قائم ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جو امراء وعمال مقرر فرمائے ان کا سب سے مقدم فرض کتاب اور سنت کی تعلیم دینا قرار دیا۔ چنانچہ استیعاب تذکرہ معاذ بن جبلؓ میں ہے۔

بعثه رسول الله صلى الله عليه وسلم قاضيا الى الجند من اليمن ليعلم الناس القرآن و شرايع الاسلام

''آپ نے ان کو یمن کے ایک حصہ کا قاضی مقرر فرما کر بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو قرآن مجید اور احکام اسلام کی تعلیم دیں۔''

چنانچہ انہوں نے وہاں پہنچ کر ایک خطبہ دیا جس میں لوگوں کو اسلام اور تفقہ فی القرآن پر آمادہ کیا اور کہا کہ "جب قرآن مجید پڑھ چکو تو مجھ سے پوچھ لینا، کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون؟'' وہ لوگ قرآن مجید پڑھ چکے تو ان سے یہ سوال کیا گیا۔[3]

اس کے بعد اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں تعلیم قرآن کے متعلق کوئی خاص یا جدید انتظام نہیں کیا گیا، لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں نہایت وسیع پیمانہ پر تعلیم قرآن کا سلسلہ قائم کیا۔ تمام ممالک مفتوحہ میں تعلیم قرآن کے لیے مکاتب قائم کئے اور بعض حالتوں میں قرآن مجید کی جبری تعلیم کا انتظام کیا، چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا، خاص اس کام پر مامور کیا کہ بدوؤں کے قبائل میں دورہ کر کے ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔[4]

---

1. اسد الغابہ تذکرہ عمرو بن اہتم
2. اصابہ تذکرہ وردان جد الفطرات
3. دارمی باب الاقتدار بالعلماء ص ۴۰
4. اصابہ تذکرہ اوس بن خالدؓ

حضرت عبادہ بن صامتؓ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے عہد نبوت ہی میں قرآن مجید کی تعلیم دیا کرتے تھے، شام فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے وہاں کے مسلمانوں کی تعلیم کے لیے انہی کو منتخب کیا اور ان کے ساتھ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوالدرداؓ کو بھی کر دیا، ان میں حضرت عبادہؓ نے حمص میں قیام کیا، حضرت ابوالدرداؓ دمشق کو گئے تو حضرت معاذؓ نے فلسطین میں اقامت اختیار کی اس کے بعد حضرت عبادہ بن صامتؓ بھی فلسطین چلے گئے۔[1]

حضرت ابوموسی اشعریؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تو ان کے ساتھ حضرت عمران بن حصینؓ کو بھی کر دیا کہ لوگوں کو فقہ اور قرآن مجید کی تعلیم دیں۔[2]

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی تعلیم کی توسیع و اشاعت کے لیے اور بھی مختلف ذرائع اختیار کئے، ضروری سورتوں یعنی بقرہ، نساء، مائدہ، حج اور نور کی نسبت حکم دیا کہ تمام مسلمانوں کو ان کا سیکھنا لازمی ہوگا، کیونکہ ان میں احکام اور فرائض مذکور ہیں۔[3] عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن مجید پڑھ چکے ہوں ان کو بھیج دیں کہ ان کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں۔[4]

ان تدابیر سے قرآن مجید کی تعلیم نے بتدریج اس قدر وسعت حاصل کی کہ ایک بار خراج کا کچھ مال بچ گیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو اجازت دی کہ طلبائے قرآن کو تقسیم کر دیا جائے، دوسرے سال بھی یہ نوبت پیش آئی تو انہوں نے لکھا کہ پہلے سال صرف سات آدمی تھے اور اس سال ستر ہیں۔[5] ایک بار جب فوجی افسروں کو لکھا کہ میرے پاس حفاظ قرآن کو بھیج دو کہ ان کو جا بجا قرآن کی تعلیم کے لیے معلم بنا کر بھیجدوں، تو حضرت ابوموسی اشعریؓ نے لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو سے زائد حافظ موجود ہیں۔[6]

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ صحت تلفظ کا بھی نہایت اہتمام کیا، ہر جگہ تاکیدی حکم بھیجدیا کہ قرآن مجید کے ساتھ صحت اعراب کی تعلیم دی جائے اس کے ساتھ حکم دیا کہ

---

1. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبادہ بن صامت
2. فتوح البلدان ص ۳۸۴
3. کنز العمال جلد ا ص ۲۲۴
4. کنز العمال جلد ا ص ۲۱۷
5. اصابہ تذکرہ بشر بن ربیعہ
6. کنز العمال جلد ا ص ۲۱۷

جو شخص علم لغت کا ماہر نہ ہو وہ قرآن مجید نہ پڑھانے پائے۔[1]

ان کے بعد اور خلفاء نے بھی اس سلسلہ کو قائم رکھا، چنانچہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں آذربائجان دوبارہ فتح ہوا تو کچھ لوگ وہاں اشاعت اسلام کے لیے آباد کر دیئے گے۔ان کی کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ حضرت علیؓ کے زمانے تک یہ لوگ مسلمان ہو کر قرآن مجید پڑھ چکے تھے۔[2]

حضرت علیؓ کی نسبت ایک روایت ہے کہ انہوں نے طلبائے قرآن کے وظیفے دو دو ہزار مقرر فرمائے۔[3]

حضرت امیر معاویہ نے جزیرہ قبرص فتح کیا تو مجاہدین کو قرآن مجید کی تعلیم کے لیے متعین کیا۔[4]

بعض صحابہ ذاتی طور پر بھی لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے، حضرت عکرمہؒ کا بیان ہے کہ حضرت عباسؓ میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے تھے۔[5]

کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا ایک مستقل حلقہ درس قائم ہو گیا تھا، چنانچہ اس حلقے کے کچھ لوگ شام میں آئے تو حضرت ابوالدرداؓ نے ان سے قرآن پڑھوا کر سنا۔[6]

---

1. کنز العمال جلد ا ص ۲۲۸
2. فتوح البلدان ص ۳۳۶
3. کنز العمال جلد ا ص ۲۳۰
4. فتوح البلدان ص ۲۴۴
5. دارمی ص ۷۳
6. بخاری کتاب التفسیر تفسیر واللیل اذا یغشی

تعلیم حدیث

صحابہ کرامؓ اشاعت حدیث کے لیے تمام ممالک مفتوحہ میں پھیل گئے تھے، اور لوگوں کو نہایت شوق کے ساتھ حدیث کی تعلیم دیتے تھے، حضرت ابوادریسؒ خولانی کا بیان ہے کہ "میں حمص کی مسجد میں گیا تو ایک حلقہ میں جس میں ۳۲ صحابی تھے، بیٹھ گیا، ایک شخص روایت حدیث کر چکتا تو دوسرے صاحب اس سلسلہ کو شروع کرتے۔[۱]

نضر بن عاصم اللیثی کا بیان ہے کہ میں کوفہ کی مسجد میں گیا تو ایک حلقہ نظر آیا جو نہایت خاموشی کے ساتھ ایک شخص کی طرف کان لگائے ہوئے تھا، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہؓ بن یمان ہیں۔[۲]

حضرت ابوالدرداءؓ دمشق میں رہتے تھے، اور جب درس دینے کے لیے مسجد میں آتے تھے، تو ان کے ساتھ طلبہ کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے۔[۳]

لیکن علم حدیث کا سب سے بڑا دارالعلم مدینہ تھا، حضرت جابر بن عبداللہؓ خاص مسجد نبوی میں بیٹھ کر حدیث کا درس دیتے تھے، علامہ سیوطی حسن المحاضرہ میں لکھتے ہیں کہ:

کان لجابر بن عبداللہ حلقة فی المسجد النبوی یوخذعنه العلم۔[۴]

''جابر بن عبداللہ کا حلقہ درس مسجد نبوی میں تھا اور لوگ ان سے علم حاصل کرتے تھے''

ابوالعالیہ سے روایت ہے کہ ہم بصرہ میں صحابہ کی مرویات سنتے تھے، لیکن اس پر کافی اعتماد نہیں ہوتا تھا، اس لیے خود مدینہ میں آ کر ان کی زبان سے ان کو سنتے تھے۔[۵]

---

۱ مسند جلد ۵ ص ۳۲۸

۲ مسند ج ۵ ص ۳۸۶

۳ تذکرۃ الحفاظ ترجمہ حضرت ابوالدرداءؓ

۴ حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۵۷۸

۵ مسند دارمی باب الرحلۃ فی طلب العلم ص ۸۴، ۷۵

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ اکثر حدیثیں انصار کے یہاں ملیں، بعض صحابہ کو اگرچہ سلطنت کی طرف سے روایت حدیث کی ممانعت تھی، لیکن سلطنت کا دباؤ ان کو اس مقدس فرض کے ادا کرنے سے روک نہیں سکتا تھا، حضرت ابوذر غفاریؓ اسی قسم کے صحابی تھے لیکن وہ علانیہ کہتے تھے، کہ اگر تم لوگ میری گردن پر تلوار رکھ دو اور مجھے معلوم ہو کہ ایک کلمہ بھی جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے ادا کرسکوں گا تو قبل اس کے تلوار اپنا کام کرے میں اس کو ادا کردوں گا۔[1]

خود امراء وسلاطین کو ضرورت ہوتی تھی تو وہ صحابہ کرام کو طلب فرماتے تھے اور روایت حدیث کی درخواست کرتے تھے، ایک دن حضرت زید بن ثابتؓ ٹھیک دوپہر کے وقت مروان کے دربار سے نکلے۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ مروان نے اس وقت ان کو تکلیف کیوں دی؟ ان سے دریافت کیا تو فرمایا کہ ''مجھ سے بعض حدیثوں کے متعلق پوچھنا تھا۔''[2]

حضرت امیر معاویہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن شبلؓ کو لکھ بھیجا تھا کہ لوگوں کو احادیث کی تعلیم دو اور جب میرے خیمہ کے پاس کھڑے ہوتو مجھے حدیثیں سناؤ۔[3]

لوگ صحابہ کرامؓ کے پاس طلب علم کے لیے آتے تھے، تو وہ نہایت کشادہ دلی کے ساتھ ان کا خیر مقدم کرتے تھے، حضرت ابو ہراون عبدیؒ کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت ابوسعید خدریؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، تو وہ کہتے تھے، کہ مرحبا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمہارے پاس دنیا کے گوشے سے بہت سے لوگ علم حاصل کرنے کے لیے آئیں گے۔[4] تم لوگ ان کے ساتھ بھلائی کرنا۔

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک بار حضرت ابو ہریرہؓ کی عیادت کو گئے۔ جب آدمیوں سے ان کا گھر بھر گیا تو انہوں نے خاکساری سے اپنے پاؤں سمیٹ لیے اور فرمایا کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ لیٹے ہوئے تھے، ہم

---

1. بخاری کتاب العلم باب العلم قبل القول والعمل
2. ترمذی ابواب العلم باب فی الحث علی تبلیغ السماع
3. مسند جلد ۳ ص ۴۴۴
4. ترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی الاستیصاء بمن یطلب العلم ترمذی میں ہے کہ شعبہ نے ہراون عبدی کی تضعیف کی ہے

لوگوں کو دیکھا تو اسی طرح پاؤں سمیٹ لیے اور فرمایا کہ میرے بعد تمہارے پاس لوگ تحصیل علم کے لیے آئیں گے ان کو مرحبا کہنا تحیت دینا اور علم سکھانا۔[1]

ایک بار حضرت سعد بن ہشامؒ مدینہ آئے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے رسول اللہ ﷺ کے وتر کی کیفیت پوچھی۔ انہوں نے کہا حضرت عائشہؓ آپ کے وتر کی بہت بڑی عالم ہیں انہوں نے حضرت حکیم بن افلح کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا، انہوں نے انکار کیا تو ان کو قسم دلائی اور اب وہ ساتھ ہو گئے، دروازے پر اذن طلب کیا، بولیں کون؟ بولے حکیم بن افلح، پھر فرمایا ساتھ میں کون ہے؟ بولے سعد بن ہشام فرمایا سعد بن ہشام بن عامر جو احد میں شہید ہوئے، بولے ہاں،، فرمایا نہایت اچھا آدمی تھا، اس تعارف کے بعد انہوں نے کہا کہ آپ کے خلق کا حال بیان کیجئے، بولیں آپ کا خلق قرآن تھا، کیا تم قرآن نہیں پڑھتے، پھر پوچھا، آپ رات کو تہجد کیونکر پڑھتے تھے؟ بولیں کیا تم سورہ مزمل نہیں پڑھتے، اس کے بعد اس تفصیل کے ساتھ ان کے تمام سوالات کے جوابات دیئے کہ انہوں نے پلٹ کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا خدا کی قسم! اس کا نام حدیث ہے۔[2]

اس تمدنی دور میں سب سے پہلے طلباء کی علمی قابلیت کا امتحان لیا جاتا ہے، پھر اس کو اساتذہ کے فیض تعلیم سے متمتع ہونے کا موقع ملتا ہے، لیکن صحابہ کرام کی درس گاہ میں طالبان علم سے صرف خلوص نیت کا امتحان لیا جاتا تھا، ایک بار حضرت ابوالدرداؓ کے پاس مدینہ سے ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں آپ کی خدمت میں حدیث کے لیے حاضر ہوا ہوں جس کی آپ روایت کرتے ہیں بولے کسی ضرورت سے تو نہیں آئے، تجارت کی غرض سے تو نہیں آنا ہوا؟ اس نے کہا نہیں، تو حدیث کی روایت کی۔[3]

صحابہ کرامؓ حدیث کی روایت فرماتے تو طالبانِ حدیث کا ہجوم ہو جاتا، ایک بار اشقیا اصحیؓ مدینہ آئے تو دیکھا، کہ ایک شخص کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا ابو ہریرہؓ وہ درس دے چکے تو انہوں نے تنہائی میں جا کر ایک حدیث کی درخواست کی۔[4]

---

1. سنن ابن ماجہ باب الوصاة بطلبة العلم
2. ابوداود کتاب الصلوٰۃ باب فی صلوٰۃ اللیل
3. ترمذی ابواب العلم باب ماجاء فضل العلم علی العبادة یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے
4. ترمذی ابواب الزہد

حضرت ابوسعید خدریؓ روایت حدیث کرتے تھے، تو سامنے آدمیوں کی دیوار کھڑی ہو جاتی تھی۔[1]

ایک صحابی حدیث بیان کرتے تھے، تو ان کے گرد آدمیوں کا اس قدر ہجوم ہو جاتا تھا کہ ان کو کوٹھے پر چڑھ کر حدیث بیان کرنا پڑتا تھا۔[2]

---

1 مسلم کتاب الصلوٰۃ باب القرأۃ فی الظہر والعصر

2 مسند جلد ۵ ص ۵۸

تعلیم فقہ

جس قدر اکابر صحابہ تھے، تقریباً سب فقہی مسائل کی تعلیم میں مصروف تھے، اور اس کو اپنا مذہبی فرض خیال کرتے تھے۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بصرہ کی مسجد میں آخر رمضان میں خطبہ دیا جس میں لوگوں کو صدقہ فطر کی ترغیب دی، یہ لوگ احکام شریعت سے اس قدر ناواقف تھے، کہ ان کو صدقہ فطر کا تعین ومقدار کا حال بھی معلوم نہ تھا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو معلوم ہوا تو بولے یہاں مدینہ کے کون لوگ ہیں؟ اٹھیں اور اپنے بھائیوں کو تعلیم دیں کیونکہ انھیں یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر آزاد غلام، مرد، عورت اور چھوٹے بڑے پر ایک صاع کھجور یا جو اور نصف صاع گیہوں صدقہ فطر میں مقرر فرمایا ہے۔[1]

موطائے امام مالک میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ منبر پر چڑھ کر لوگوں کو تشہد سکھایا۔[2] موطائے امام محمد میں ہے کہ انہوں نے عرفات میں خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل سکھائے۔[3]

اسی طرح اور متعدد خطبوں میں مسائل فقہ کی تعلیم دی لیکن تمام ممالک مفتوحہ کی فقہی تعلیم کے لیے یہ طریقہ کافی نہیں تھا، اس لیے انہوں نے اور بھی متعدد طریقے اختیار کئے مثلاً

۱- اکثر امراء وعمال کے پاس اہم مذہبی احکام اور مسائل لکھ لکھ کر روانہ کرتے رہتے تھے، چنانچہ نماز پنجگانہ کے متعلق تمام عمال کے نام ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا جس کو امام مالک نے موطاء میں نقل کیا ہے، اسی طرح عمال کے نام اور بھی مختلف مسائل لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔

۲- اضلاع کے عمال اور افسر جو مقرر کرتے تھے، وہ عالم اور فقیہ ہوتے تھے، اور تمام فرائض کے ساتھ ان کو تعلیم فقہ کا فرض بھی ادا کرنا ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بصرہ کے گورنر ہو

---

۱ ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب کم یودی فی صدقۃ الفطر

۲ موطائے امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب التشہد فی الصلوٰۃ

۳ موطائے امام محمد ۲۲۷

کر آئے تو علی الاعلان فرمایا:

بعثني اليكم عمر لا علمكم كتاب ربكم و سنة نبيكم،[1]

''مجھ کو عمرؓ نے تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ تمہارے پاس خدا کی کتاب اور سنت کی تعلیم دوں''

۳- خاص اس مقصد کے لئے ممالک مفتوحہ میں فقہا اور معلمین مقرر کئے، شام فتح ہوا تو حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابودرداءؓ، اور حضرت عبادہ بن صامتؓ کو بھیجا کہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں اور فقہ کے مسائل سکھائیں،[2] حضرت عبدالرحمٰن بن غنمؓ کو بھی شام میں یہ خدمت تفویض ہوئی اور انہوں نے شام کے تمام تابعین کو فقہ سکھائی،[3] بصرہ کے لوگوں کی تعلیم کے لئے حضرت عمران بن حصینؓ اور حضرت عبداللہ بن معقلؓ کو روانہ کیا اور ان کے ساتھ آٹھ بزرگ اور بھی اسی غرض سے روانہ فرمائے[4] مصر میں تعلیم فقہ کے لئے حضرت حیان بن ابی جبلہؓ کو ایک جماعت کے ساتھ روانہ فرمایا،[5] مدائن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس خدمت پر مامور تھے،[6]

غرض تمام ممالک میں فقہا اور معلمین پھیلے ہوئے تھے اور نہایت سرگرمی کے ساتھ مسائل شریعت کی تعلیم دیتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بنؓ مسعود جب کوفہ سے روانہ ہوئے تو اپنے اصحاب وتلامذہ کو جمع کر کے کہا'' خدا کی قسم! میرے خیال میں دین، فقہ اور تعلیم قرآن مجید کی حالت ملک کے اور صوبوں سے تمہارے یہاں بہتر ہوگئی۔[7]

حضرت امیر معاویہؓ نے بھی اپنے عہد میں اس نظام کو قائم رکھا، چنانچہ ابن عبدالبر حضرت ربیعہ بن عمرو الجرشیؓ کے حال میں لکھتے ہیں۔

---

1. دارمی ص ۴۷ باب البلاغ عن رسول اللہ ﷺ وتعلیم السنن
2. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبادہ بن صامتؓ
3. تذکرہ الحفاظ ترجمہ عبدالرحمٰن بن غنم اشعری
4. طبقات الحفاظ تذکرہ عمرانؓ بن حصین واسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن معقل
5. تہذیب تذکرہ حیان بن ابی جبلہؓ
6. یعقوبی جلد دوم ص ۱۷۳
7. مسند جلد ا ص ۴۰۵

كان يفقه الناس زمن معاوية ۔[1]

''وہ حضرت امیر معاویہ کے عہد میں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔''

عملی تعلیم:

لیکن اس کے علاوہ صحابہ کرام عملی طریقہ سے بھی لوگوں کو مسائل شرعیہ کی تعلیم دیتے تھے، ایک بار حضرت عثمانؓ نے وضو کرنا شروع کیا، پہلے بالترتیب تین بار ہاتھ دھوئے پھر کلی کی ناک صاف کی اور تین بار منہ دھویا، اس کے بعد تین بار دایاں ہاتھ اور تین بار بایاں ہاتھ کہنی تک دھویا، پھر تین بار سر کا مسح کیا، پھر تین بار دایاں پاؤں پھر تین بار بایاں پاؤں دھویا، ان تمام جزئیات کو عملاً نمایاں کر کے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے، اور جو شخص میری طرح وضو کر کے اس خشوع کے ساتھ نماز پڑھے گا کہ اس کے دل میں وسوسے نہ پیدا ہوں تو خدا اس کے تمام اگلے گناہوں کو معاف کر دے گا۔

حضرت علیؓ نے بھی اسی طرح سنن وضو کی تعلیم فرمائی چنانچہ وہ نماز پڑھ کے آئے تو وضو کا پانی طلب کیا، صحابہ سمجھ گئے کہ اب پانی کا کیا ہوگا؟ اس سے صرف عملی تعلیم مقصود ہے۔

حضرت عبداللہ بن زیدؓ اور حضرت امیر معاویہؓ نے بھی اسی طریقہ سے سنن وضو کی تعلیم دی۔[2] اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا۔[3]

ایک بار حضرت ابو مالک اشعریؓ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کیا تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے متعلق روایت کروں یہ کہہ کر اٹھے اور صف بندی کی پہلی صف میں مردوں کو اور ان کے پیچھے بچوں کو کھڑا کیا، پھر نماز پڑھائی۔[4]

ایک بار حضرت ابوسلیمان بن مالک حویرثؓ ایک مسجد میں آئے اور فرمایا کہ میں نماز پڑھنا نہیں چاہتا صرف مقصود یہ ہے کہ تم کو رسول اللہ ﷺ کا طریقہ نماز سکھاؤں۔[5]

---

1. استیعاب تذکرہ ربیعہ بن عمرو الجرشی
2. ابوداود کتاب الطہارۃ باب الوضوثلاثا باب صفۃ وضوالنبی ﷺ
3. ابوداود کتاب الطہارۃ باب الوضومرتین
4. ابوداوٗد کتاب الصلوٰۃ باب مقام الصبیان من الصف
5. ابوداوٗد کتاب الصلوٰۃ باب الصوص فی الفرد

تعلیم تحریر و کتابت

اسلام آیا تو قریش میں صرف سترہ ۱۷ آدمی لکھنا جانتے تھے، جن میں **شفاء بنت عدویہ**ؓ کے علاوہ سب کے سب مرد تھے [1] ابوداؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ **شفاء** نے حضرت حفصہ ؓ کو بھی لکھنا سکھایا تھا۔ [2]

انصار اگرچہ مکہ والوں سے زیادہ متمدن تھے تاہم ان میں تحریر و کتابت کا رواج مکہ والوں سے بھی کم تھا اوس وخزرج کے قبائل میں صرف چند لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اور بعض یہود مدینہ کے بچوں کو لکھنے کی تعلیم دیتے تھے، اس طرح اسلام کے ابتدائی زمانے میں انصار میں حضرت سعد بن عبادہؓ، منذر ابن عمرو ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ رافع بن مالکؓ، اسید بن حضیرؓ معن بن عدیؓ بشیر بن سعدؓ، سعد بن ربیعہؓ، اوس بن خولی اور عبداللہ بن ابی لکھنا جانتے تھے۔ [3]

لیکن اسلام کے زمانے میں اسکی بہت ترقی ہوئی، اسیران بدر گرفتار ہوکر آئے تو ان میں جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کا فدیہ یہ قرار دیا کہ یہ لوگ انصار کے بچوں کو لکھنا سکھا دیں چنانچہ انصار کے بچوں نے ان سے لکھنا شروع کیا، حضرت عبداللہ بن سعید بن العاصؓ بھی جاہلیت میں لکھنا جانتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی حکم دیا کہ مدینہ کے لوگوں کو لکھنا سکھائیں۔ [4]

حضرت عبادہ بن صامتؓ اہل صفہ کو قرآن مجید کی جو تعلیم دیتے تھے، تحریر و کتابت بھی اسی کا جزو تھی۔ [5]

---

1. فتوح البلدان ص ۴۷۷
2. ابوداؤد کتاب الطب باب ماجاء فی الرقی
3. فتوح البلدان ص ۴۷۹
4. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن سعید بن العاصؓ
5. مسند جلد ۵ ص ۳۱۵

خلفائے راشدین کے زمانے میں اس میں اور بھی ترقی ہوئی چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو مکاتب قائم ہوئے ان میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا، انہوں نے تمام اضلاع میں احکام بھیج دیئے تھے، کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے، ابو عامر سلیم جو رواۃ حدیث میں ہیں ان کی زبانی روایت ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ میں آیا تو یہاں مجھ کو مکتب میں بٹھایا گیا معلم مجھ سے جب میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا کہ گول لکھو جس طرح گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۔[1]

حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں حمران بن ابان کو جو مسیّب بن نجنہ فزاری کا غلام تھا خرید لیا اور اس کو لکھنا سکھا کر اپنا میر منشی مقرر کیا۔[2]

---

1. معجم البلدان لغت حاضر بحوالہ الفاروق
2. فتوح البلدان ص ۳۶۰

افتاء

اگر چہ خود رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک ہی میں مہاجرین میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور انصار میں حضرت ابی ابن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اس خدمت کو انجام دینے لگے تھے۔[1] لیکن آپ کے بعد تمام مسائل شرعیہ کا دارومدار صحابہ کرام کی ذات پر رہ گیا تھا، اس لیے ان بزرگوں کے دروازوں پر تشنگان علم کی بھیڑ رہتی تھی، چنانچہ حضرت قرعہؒ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ فتویٰ دے رہے تھے، اور لوگ ان پر ٹوٹے پڑتے تھے، میں نے انتظار کیا، جب بھیڑ بھاڑ چھٹی تو میں نے خود سفر کے روزے کے متعلق سوال کیا۔[2]

خلفائے راشدین کے عہد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ یہ خدمت انجام دیتے تھے، اور حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں اس صیغہ کو بالکل باضابطہ کر دیا۔

۱- مثلاً حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں اگر چہ منتخب بزرگ اس خدمت کو انجام دیتے تھے تاہم اور لوگوں کو فتویٰ دینے کی ممانعت نہ تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے چند اکابر صحابہ کو اس خدمت کے لیے مخصوص کر لیا اور بقیہ صحابہ کو فتویٰ دینے کی ممانعت کر دی، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اگر چہ فقہا صحابہ میں تھے، اور خود حضرت عمرؓ ان کو خزانۃ العلم کہتے تھے، لیکن جب انہوں نے بغیر اجازت فتویٰ دینا شروع کر دیا تو انہوں نے ان کو روک دیا۔[3]

۲- جو صحابہ جس فن میں ممتاز تھے ان کو اسی شاخ میں فتویٰ دینے کا مجاز کیا۔ چنانچہ شام کے سفر میں بمقام جابیہ جو خطبہ دیا اس میں یہ الفاظ فرمائے:

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ معاذ بن جبلؓ

[2] ابوداود کتاب الصیام باب الصوم فی السفر

[3] مسند دارمی ص ۳۴

من اراد القران فلیات ابیا و من اراد ان یسائل الفرائض فلیات زیدا و من اراد ان یسا ل الفقه فلیات معاذ

"جن لوگوں کا مقصود قرآن مجید ہو وہ ابی ابن کعب کے پاس آئیں جو لوگ فرائض کے متعلق سوال کرنا چاہیں وہ زید کے پاس آئیں جن لوگوں کو فقہ کے متعلق دریافت کرنا ہو وہ معاذ کے پاس جائیں"

۳- سوال کرنے والوں کو صرف عملی مسائل کے پوچھنے کی اجازت دی، چنانچہ ایک شخص کے متعلق جب معلوم ہوا کہ وہ مسلمانوں کی فوجی چھاونیوں میں متشابہت قرآن کے متعلق سوال کرتا تو اس کو سزا دی اور حضرت ابوموسی اشعریؓ کو لکھ بھیجا کہ اس کے پاس کوئی مسلمان بیٹھنے نہ پائے۔[۱]

صحاب کرام جن پابندیوں کے ساتھ فتوی دیتے تھے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱- خلفیہ وقت کے فتویٰ کو اپنے فتوی پر نافذ العمل سمجھتے تھے، چنانچہ ایک بار ابوموسی اشعریؓ نے حج کے متعلق فتویٰ دیا اور بعد کو معلوم ہوا کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے دوسرا تغیر کیا ہے تو لوگوں کو خود ہدایت فرمائی کہ میرے فتوی پر عمل نہ کرو، امیر المومنین آ رہے ہیں ان کی اقتداء کرو۔[۲]

۲- جو فتوے دیتے تھے دوسرے صحابہؓ سے اس کی تصویب کروا لیتے تھے، اگر ان کی رائے میں وہ فتویٰ صحیح نہیں ہوتا تھا، تو وہ آزادی کے ساتھ اس کی مخالفت کرتے تھے، ایک بار ایک شخص نے حضرت ابوموسی اشعریؓ اور حضرت سلمانؓ بن ربیعہؓ سے ایک مسئلہ پوچھا، انہوں نے جواب دے کر کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس جاو وہ بھی ہماری تائید کریں گے، وہ آئے تو انہوں نے کہا کہ اگر میں اس کی تائید کروں تو گمراہ ہو جاوں میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے موافق فتویٰ دیتا ہوں۔[۳]

صرف انہی مسائل کا جواب دیتے تھے، جو عملاً وقوع پذیر ہوتے تھے، ہمارے فقہا کی طرح فرضی مسائل کے جواب نہیں دیتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول تھا کہ جو شخص

۱ مسند دارمی ص ۳۱

۲ نسائی کتاب الحج ترک تسمیہ عند الاہلال

۳ ابوداود کتاب الفرائض باب ماجاء فی الصلب

ہر مسئلہ کا جواب دیتا ہے وہ پاگل ہے، ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت ابی بن کعب سے ایک مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا کیا یہ ہو چکا؟ ''بولا نہیں'' فرمایا انتظار کرو جب ہو چکے تو ہم غور کر کے تمہیں جواب دیں گے، اور صحابہ سے بھی اسی قسم کے اقوال مذکور ہیں۔

۴- اگر کسی کو مسئلہ کا جواب معلوم نہ ہوتا تو ہمارے علماء کی طرح جلد بازیاں نہیں کرتے تھے، بلکہ صاف صاف کہہ دیتے تھے کہ ہمیں معلوم نہیں، ایک دفعہ کسی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کوئی مسئلہ پوچھا، انہوں نے کہا معلوم نہیں وہ واپس ہوا تو بولا کہ، ابن عمرؓ نے خوب کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ [1]

۵- مسئلہ کے متعلق جس قدر معلوم ہوتا اس سے زیادہ جواب نہیں دیتے تھے، ایک بار کسی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ وتر واجب ہے یا نہیں، بولے رسول اللہ ﷺ نے اور مسلمانوں نے وتر پڑھا ہے وہ بار بار پوچھتا رہا مگر انہوں نے اس فقرے کے سوا یہ نہیں کہا کہ واجب ہے۔

[1] دارمی ص ۳۵

علم التفسیر

احادیث کی کتابوں میں اگر چہ قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق صحابہ کرام سے بہت کم روایتیں منقول ہیں تاہم جو کچھ ہیں وہی قرآن مجید کا مغز ہیں۔

قرآن مجید صرف عقائد، احکام اور اخلاق کا مجموعہ ہے قصص انبیاء نے اگر چہ اس میں تاریخی عنصر بھی شامل کر دیا ہے، لیکن ان کا جو حصہ قرآن مجید میں مذکور ہے وہ نہایت سادہ مختصر اور صحیح ہے، صحابہ کرام سے ان کے متعلق کوئی صحیح روایت مذکور نہیں، لیکن بعد کو ان کے متعلق بے سروپا روایات کا جو دفتر بے پایاں تیار ہو گیا اس کے متعلق علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

وقد جمع المتقدمون فی ذالک و اوعوا الا ان کتبهم و منتقولا تهم تشتمل علی الغث و السمین و المقبول و المردود و السبب فی ذالک ان العرب لم یکونو اهل کتاب ولا علم انما علیهم البداوة و الامیة و اذا تشوقوا الی معرفة شی مما تشوق الیه النفوس البشریة فی اسباب المکونات و بدء الخلیقة و اسرار الوجود فا نمایسائلون عنه اهل الکتاب قبلهم و یستفیدونه منهم و هم اهل التوراة من الیهودو من تبع دینهم من النصاری و اهل التوارة الذین بین العرب یومئذ بادیة مثلهم ولا یعرفون من ذُلک الا ما تعرفه العامة من اهل الکتاب و معظمهم من حمیر الذین اخذوا بدین الیهودیة فلما اسلموا بقوا علی ماکان عندهم مما لا تعلق له بالا حکام الشرعیة التی یحتاطون لها مثل اخباربدء الخلیقة و ما یرجع الی الحدثان هم واء مثال ذلک وهولاء مثل کعب الاحبار

و وهب بن منبه و عبدالله بن سلام و امثالهم فامتلات التفاسير من المنقولات عندهم ۔[1]

''متقدین نے ان تمام چیزوں کو اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے لیکن ان کی کتابوں میں بری بھلی مقبول اور مردود ہر قسم کی روایتیں مذکور ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب اہل کتاب اور اہل علم نہ تھے، بلکہ وحشی اور جاہل تھے، اس لیے ان کو جب مخلوقات کی تکوین عالم کی آفرینش اور اسرار کائنات کے جاننے کا شوق ہوتا تھا تو اہل کتاب یعنی یہود اور ان کے مقلدین نصاریٰ سے پوچھتے تھے، لیکن اس وقت عرب میں جو یہود آباد تھے وہ بھی انہی کی طرح وحشی تھے ان باتوں کا علم ان کو صرف اتنا ہی تھا۔ جتنا ایک عامی کو ہوسکتا تھا، ان میں زیادہ تر قبیلہ حمیر کے وہ لوگ تھے جنہوں نے یہودی مذہب اختیار کیا تھا، اس لیے جب یہ لوگ اسلام لائے تو جن چیزوں کو احکام شرعیہ سے تعلق نہ تھا، ان کو اسی قدیم حالت میں قائم رکھا، مثلاً آفرینش عالم واقعات تاریخی اور مذہبی لڑائیوں کے حالات وغیرہ، اس قسم کے لوگوں میں کعب احبار، وہب بن منبہ اور عبداللہ بن سلام وغیرہ ہیں، اس بناء پر متقدین کی تفسیریں ان ہی منقولات سے بھر گئیں۔

لیکن اس نکتہ کو سب سے پہلے صحابہ کرام ہی نے سمجھا تھا، مثلاً حضرت کعب احبار کو اگر چہ صحابہ کرام ثقہ سمجھتے تھے، تاہم امیر معاویہؓ نے ان کے متعلق صاف الفاظ میں فرمادیا تھا:

ان كان من اصدق هوء لا المحدثين الذين يحدثون عن اهل الكتاب و ان كنا مع ذلك لنبلوا عليه الكذب

''اگر چہ ان محدثین میں جو اہل کتاب سے روایت کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ سچے ہیں تاہم ہم ان کو جھوٹ سے بری نہیں پاتے۔''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ عموماً لوگوں کو تفسیر کے متعلق اہل کتاب کی طرف رجوع کرنے سے روکتے تھے۔ ایک بار انہوں نے فرمایا تم لوگ اہل کتاب سے کیا لوگے؟ تمہاری

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۴۸۱

کتاب تو خود تازہ اور غیر مخلوق ہے اور اس میں مذکور ہے کہ یہود نے کتاب اللہ کو بدل دیا تھا اور اس میں اپنے قلم سے تغیرات کر دیئے تھے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہؓ اگر چہ نہایت کثیر الروایت صحابی تھے لیکن وہ بھی اہل کتاب سے روایت نہیں کرتے تھے۔ [2]

حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں جس درخت کا پھل کھایا، وہ کون سا درخت تھا؟ عصائے موسیٰ کا طول کیا تھا، سفینہ نوح کتنا بڑا تھا، یہ اور اسی قسم کی بہت سی بیکار باتوں کے متعلق تفسیروں میں جو دور از کار روایتیں مذکور ہیں وہ انہی تفسیروں کا اندوختہ ہیں، لیکن صحابہ کرام اس قسم کی ادھیڑ بن میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔ صحابہ کرام عرب تھے اور عربی کلام کے رموز و اسرار سے واقف تھے، اس لیے قرآن مجید کا اکثر حصہ ان کے لیے متن بھی تھا اور تفسیر بھی البتہ جب کوئی لفظ یا کوئی آیت سمجھ میں نہیں آتی تھی تو:

۱- رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کرتے تھے اور آپ اس کی تفسیر فرما دیتے تھے ، احادیث میں اس قسم کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، مثلاً جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

ولم یلبسوا ایمانھم بظیم۔

''اور جن لوگوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے محفوظ نہیں کیا۔''

تو صحابہ کرام نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم میں کس نے ظلم نہیں کیا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

ان الشرك لظلم عظیم ۔ [3]

''شرک بہت بڑا ظلم ہے،''

جس سے معلوم ہو گیا کہ آیت میں ظلم سے شرک مراد ہے۔

ایک بار حضرت عائشہؓ نے

من یعمل سوء ایجزبه

''جو شخص کوئی برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا''

---

[1] بخاری کتاب الاعتصام باب قول النبی ﷺ لاتسئلوا ہل الکتاب عن شی ء

[2] فتح الباری جلد ۶ ص ۲۵۶

[3] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ ولم یلبسوا ایمانھم بظلم

کے متعلق آپ سے سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ اس بدلے سے مراد وہ مصیبتیں ہیں جو بندوں کو بھگتنی پڑتی ہیں یہاں تک کہ اگر انسان کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ اس کے لیے پریشان ہو تو وہ بھی اسی میں داخل ہے۔[1]

قرآن مجید کی اس آیت سے،

یا ایها الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اهتدیتم

''مسلمانو! تم پر صرف تمہاری ذات کی ذمہ داری ہے، جب تم نے ٹھیک راہ پائی تو جو شخص گمراہ ہوا وہ تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا''

بظاہر امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا سدِ باب ہو جاتا ہے، ایک صحابی کے دل میں یہ بات کھٹکی اور انہوں نے آپ سے سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ اس آیت پر صرف اس وقت عمل کرنا چاہیے۔ جب ہوا پرستی عام ہو جائے، اور ہر شخص صرف اپنی رائے پر عمل کرنے لگے۔ ورنہ جب تک لوگوں میں ہدایت کے قبول کرنے کا مادہ موجود ہے امر بالمعروف کا فرض ساقط نہیں ہو سکتا۔[2]

بعض آیتیں اس قسم کی تھیں جن پر تاریخی حیثیت سے اعتراض ہوتا تھا اور صحابہ کرام آپ سے ان کا جواب پوچھتے تھے، مثلاً ایک بار آپ نے ایک صحابی کو نجران کے عیسائیوں کے پاس بھیجا تو ان لوگوں نے اعتراض کیا کہ قرآن مجید میں حضرت مریم علیہ السلام کو ہارون کی بہن کہا گیا ہے حالانکہ حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے زمانے میں بہت فصل ہے، ان سے اس کا جواب بن نہیں آیا، اس لیے انہوں نے واپس آ کر آپ سے اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہود اپنے قدیم انبیاء و صلحا کے نام پر اپنی اولاد کا نام رکھتے تھے۔[3]

اس لیے حضرت مریم علیہ السلام کے بھائی کا نام اسی طریقہ پر ہارون رکھا گیا تھا،

۲۔ بعض اوقات خود رسول اللہ ﷺ تفسیر کے متعلق صحابہ کرامؓ کا امتحان لیتے تھے، اور جب ان سے جواب بن نہیں آتا تھا تو خود آیت کی تفسیر فرما دیتے تھے۔ قرآن مجید میں ایک آیت ہے

---

[1] ترمذی کتاب التفسیر سورہ بقر

[2] ترمذی کتاب التفسیر تفسیر سورۃ المائدہ

[3] ترمذی کتاب التفسیر تفسیر سورہ مریم

کشجرة طيبة اصلها ثابت و فرعها فی السماء تو تی
اکلها کل حين

مثل اس پاک درخت کے جس کی جڑ ثابت ہے اور اس کی شاخ آسمان میں ہے اور وہ ہمیشہ پھلتا رہتا ہے،

ایک بار صحابہ کا مجمع تھا، آپ نے پوچھا کہ یہ کون سا درخت ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے دل میں اگر چہ اس کا جواب آیا، لیکن انہوں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی موجودگی میں کچھ بولنا خلاف ادب سمجھا، بالآخر آپ نے خود بتایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے۔ [1]

صحابہ کرامؓ کو آپ کی زبان مبارک سے تفسیر کے سننے کا اس قدر شوق تھا کہ ایک بار جب آپ نے حالت سفر میں بہ آواز بلند یہ آیت پڑھی:

يا ايها الناس اتقوا ربكم ان زلزلة الساعة شیء عظيم

"لوگو، اپنے خدا سے ڈرو، قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہے"

تو صحابہ کرامؓ نے اپنی سواریوں کو تیزی کے ساتھ دوڑایا کہ آپ اس آیت کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہیں، چنانچہ پاس پہنچے تو آپ نے پوچھا تمہیں معلوم ہے؟ کہ یہ کون سا دن ہے؟ بولے اس کا علم تو صرف خدا اور اس کے رسول کو ہے اس کے بعد آپ نے وقائع قیامت کو بیان کیا۔ [2]

۳۔ بعض اوقات اکابر صحابہؓ علمی صحبتیں منعقد کرتے تھے اور ان میں قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق بہت سے نکتے حل ہو جاتے تھے، ایک بار صحابہ کا مجمع تھا، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ آیت ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے صحابہؓ نے کہا اس کا علم تو خدا کو ہے، حضرت عمر سخت برہم ہوئے اور کہا کہ یا تو یہ کہو کہ جانتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اگر چہ بہت کم سن تھے، اور اس لیے کچھ کہتے ہوئے ڈرتے تھے، تاہم حضرت عمرؓ کی ہمت افزائی سے اجمالاً اس قدر کہا کہ یہ آیت ایک عمل کی مثال ہے، حضرت عمرؓ نے مزید تشریح کی اور کہا کہ اس دولت مند شخص کے عمل کی مثال ہے جس نے اطاعت الٰہی کی پھر شیطان کے اغوا سے گناہوں کا مرتکب ہوا، اس لیے خدا نے اس کے تمام اعمال کو برباد کر دیا۔ [3]

---

[1] بخاری تفسیر باب قولہ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت

[2] ترمذی کتاب التفسیر تفسیر سورہ حج

[3] بخاری کتاب التفسیر باب قول ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ

ایک بار تمام کبار صحابہ جمع تھے، حضرت عمرؓ نے اذا جاء نصر اللہ والفتح، کی تفسیر پوچھی، سب نے کہا کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم کو اس آیت میں تسبیح واستغفار کا حکم دیا گیا ہے، حضرت عمرؓ خاموش رہے، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اس آیت میں نبی ﷺ کے وصال کی خبر دی گئی ہے حضرت عمرؓ نے کہا میں بھی یہی جانتا ہوں۔[1]

بعض اوقات لوگ صحابہ کرام سے تفسیر کے متعلق سوال کرتے اور وہ اس کا جواب دیتے قرآن مجید میں ہے:

لا تحسبن الذين يفرحون ۔

''جو لوگ خوش ہوتے ہیں وہ گمان نہ کریں''

ایک بار مروان نے اپنے دربان کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں بھیجا اور کہا کہ اگر یہ گناہ ہے تو ہر شخص پر عذاب ہونا چاہیے، انہوں نے کہا کہ اس آیت کا تم سے تعلق نہیں رسول اللہ ﷺ نے یہود کو بلایا اور ایک سوال کیا، انہوں نے اس کے اصلی جواب کو مخفی رکھ کر دوسری بات بتا دی اور جس علم کو مخفی رکھا، اس پر خوش ہوئے، اور جو جواب دیا اس پر داد طلب کی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [2]

جس آیت میں چار بیویوں تک کی اجازت دی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں

وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لكم من النساء مثنى و ثلاث و رباع

''اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں سے حسب خواہش دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو''

لیکن بظاہر آیت کے پہلے اور پچھلے ٹکڑوں میں باہم ربط نہیں معلوم ہوتا، یتیموں کے معاملے میں عدم انصاف اور چار نکاح کی اجازت میں باہم کیا تعلق ہے؟

ایک بار حضرت عروہؓ نے حضرت عائشہؓ سے اس کے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے کہا کہ بعض اوقات یتیم لڑکیاں جائیداد میں ولی کی شریک ہوتی ہیں، وہ ان سے نکاح کر لیتا ہے اور مہر اور عورتوں سے کم دیتا ہے، ایسی حالت میں ان سے نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔[3] اور

1 بخاری کتاب التفسیر باب قولہ فسبح بحمد ربک
2 بخاری کتاب التفسیر باب قولہ لاتحسبن الذین یفرحون بما اتوا
3 بخاری کتاب التفسیر باب قولہ وان خفتم ان لاتقسطوا فی الیتامی

دوسری عورتوں سے نکاح کا حکم دیا گیا ہے۔

ازواج مطہرات میں جن دو بی بیوں نے آپ سے مظاہرہ کیا تھا ان کے نام ایک برس سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عمرؓ سے پوچھنا چاہتے تھے، بالآخر ایک سفر حج میں یہ موقع ملا اور انہوں نے بتایا کہ عائشہؓ اور حفصہؓ تھیں۔[1]

مناسک حج میں سے ایک رکن کوہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا بھی ہے، قرآن مجید میں اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ہیں۔

ان الصفا و المروة من شعائر الله فمن حج البيت اواعتمر فلا جناح عليه ان يطوف بهما

''صفا و مروہ کی پہاڑیاں شعائرالٰہی میں سے ہیں پس جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں اگر ان کا بھی طواف کرلے''

حضرت عروہؓ نے اس کے متعلق حضرت عائشہؓ سے کہا کہ خالہ جان، اس کے تو معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی طواف نہ کرے تب بھی کوئی ہرج نہیں، فرمایا بھانجے تم نے ٹھیک نہیں کہا، یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے، اوس وخزرج اسلام سے پہلے مناۃ کی جے پکارا کرتے تھے۔ منات مشلل میں نصب تھا اس لیے کہ وہ صفا و مروہ کے طواف کو برا جانتے تھے، اسلام لائے تو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم لوگ پہلے ایسا کرتے تھے، اب کیا حکم ہے؟ اس پر خدا نے ارشاد فرمایا کہ صفا و مروہ کا طواف کرو، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔[2]

قرآن مجید کی ایک آیت یہ ہے۔

يستفتونک فی النساء قل الله يفتيكم فيهن و ما يتلى عليكم فی الكتاب فی يتامى النساء التی لا توء تونهن ما كتب لهن و ترغبون ان تنكحوهن۔

''عورتوں کی نسبت لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہہ دے کہ خدا ان کے حق میں فیصلہ کرتا ہے، اس کتاب یعنی قرآن میں جو کچھ ہم لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا ہے ان یتیم لڑکیوں کی نسبت جن کو نہ تم مقررہ حقوق دیتے ہو نہ ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو۔''

---

1. بخاری کتاب التفسیر باب قولہ وان تظاھرا علیہ
2. بخاری باب وجوب الصفا والمروۃ

حضرت عائشہؓ سے حضرت عروہؓ نے اس کا مطلب دریافت کیا تو بولیں کہ اس آیت میں جو یہ ارشاد ہوا ہے کہ اس قرآن میں پہلے جو کچھ ان کے بارے میں پڑھ کر سنایا گیا ہے اس سے وہی پہلی آیت مراد ہے یہ آیت ان اولیاء سے متعلق ہے جو یتیم لڑکیوں کو نہ خود اپنے نکاح میں لاتے کہ وہ دولت حسن سے محروم ہیں، اور نہ دوسرے سے ان کا نکاح کرنا پسند کرتے کہ جائیداد مشترکہ ہاتھ سے نکل جانے کا خوف ہے۔ [1]

اسی سورۃ میں ایک آیت اور ہے:

حتی اذا ستیئس الرسل وظنوا انهم قد كذبوا جاء هم نصرنا

''یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہو گئے اور ان کو خیال ہوا کہ وہ جھوٹ بولے گئے تو ہماری مدد آ گی۔''

حضرت عروہؓ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کُـذِبُـوا ہے (جھوٹ بولے گئے یعنی ان سے جھوٹ کا وعدہ کیا گیا) یا کُذِّبُوا (وہ جھٹلائے گے) فرمایا کُذِّبُوا عروہؓ نے کہا کہ اس کا تو ان کو یقین تھا کہ وہ جھٹلائے گئے) یہ ظن وخیال تو نہ تھا، اس لیے کذبوا (ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا) صحیح ہے، بولیں معاذ اللہ پیغمبرانِ الٰہی خدا کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے کہ اس نے ان سے امدادو نصرت کا جھوٹا وعدہ کیا۔ عروہ نے پوچھا تو پھر آیت کا مطلب کیا ہے، فرمایا یہ پیغمبروں کے پیروں سے متعلق ہے کہ جب وہ ایمان لائے اور توریت کی تصدیق کی اور ان کی قوم نے ان کو ستایا اور نصرت الٰہی میں ان کو تاخیر نظر آئی یہاں تک کہ پیغمبر اپنی قوم کے منکرین کے ایمان سے ناامید ہو گئے تو ان کو خیال ہوا کہ شاید اس تاخیر کے سبب مومنین بھی ہماری تکذیب نہ کریں کہ اسی حالت میں دفعۃً خدا کی مدد نازل ہوئی۔ [2]

اس قسم کی اور بھی متعدد مثالیں احادیث کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

۵- بعض آیتیں اس قسم کی تھیں جو خاص خاص اشخاص یا خاص خاص قبائل کے متعلق نازل ہوئی تھیں اس لیے وہی لوگ اس کی صحیح تفسیر کر سکتے تھے، مثلاً ایک بار ایک صحابی نے رومیوں پر اس

---

1. صحیح مسلم کتاب التفسیر صحیح بخاری کتاب النکاح
2. بخاری تفسیر سورہ یوسف

جوش وخروش کے ساتھ حملہ کیا کہ ان کی صف جنگ کے اندر گھس گئے اس پر تمام لوگوں نے شور کیا کہ سبحان اللہ وہ اپنی ذات کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں جس سے قرآن مجید کی آیت، لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کی طرف اشارہ تھا اس غزوہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی موجود تھے، انہوں نے کہا تم اس آیت کے یہ معنی سمجھتے ہو، حالانکہ یہ ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب خدا نے اسلام کو غالب کر دیا اور اس کے بہت سے اعوان وانصار پیدا ہو گئے، تو ہم میں بعض لوگوں نے چھپے چوری کہا کہ ہماری جائیداد برباد ہوگئی اب اسلام کے بہت سے حامی اور انصار پیدا ہو گئے، اس لیے اب ہم کو اپنی جائیداد کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے، اس لیے خدا نے ہمارے خیال کی تردید کی اور فرمایا۔

وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ

''خدا کی راہ میں صرف کرو اور اپنی ذاتوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو''

اس بناء پر جہاد ہلاکت نہیں ہے بلکہ جہاد کو چھوڑ کر معاش کی فکر میں مصروف ہو جانا ہلاکت ہے۔[1]

۶۔ کبھی کبھی بعض اشخاص کسی آیت کی غلط تفسیر کرتے تھے، صحابہ کرام کو خبر ہوتی تھی تو ان کی غلطیوں پر تنبیہ کرتے تھے، اس طرح آیت کی صحیح تفسیر معلوم ہو جاتی تھی، مثلاً قرآن مجید میں ہے۔

فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین

''اس دن کا انتظار کر جس دن آسمان سے دھواں نمودار ہوگا۔''

ایک بار ایک شخص نے اس کی تفسیر بیان کی کہ قیامت کے دن ایک ایسا دھواں اٹھے گا جو منافقین کو بہرا اور اندھا کر دے گا، لیکن مسلمانوں کو اس سے نہ صرف اس قدر گلوگرفتگی ہوگی جتنی زکام میں ہوتی ہے، ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس کا تذکرہ کیا، وہ ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے برہم ہو کر اٹھ بیٹھے، اور کہا کہ جو علم رکھتے ہوں وہ بولیں اور جو جاہل ہوں وہ خاموش رہیں، یہ کہنا کہ ہم نہیں جانتے یہ بھی علم ہے، خدا نے خود اپنے پیغمبر کی نسبت فرمایا ہے کہ کہدو کہ میں تم سے معاوضہ نہیں مانگتا، اور تم سے بناوٹ کی کوئی بات نہیں کہتا، اس آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ قریش نے اسلام قبول کرنے میں لیت ولعل کیا، اس لیے ان کو قحط کی بددعا دی، چنانچہ ایسا قحط

---

[1] ترمذی کتاب التفسیر تفسیر سورۃ بقرہ

پڑا کہ سب مردار اور ہڈیاں تک کھانے لگے، اسی حالت میں لوگ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ فضا دھوئیں سے بھر اٹھی ہے چنانچہ یہ آیت اسی کے متعلق ہے۔[1]

ایک بار مروان نے اہل حجاز کو ایک خطبہ میں یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی ترغیب دی، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے اس پر اعتراض کیا، اس نے ان کو گرفتار کرنا چاہا، وہ حضرت عائشہ کے گھر میں چھپ گئے تو مروان نے تنقیص کے طور پر کہا، قرآن مجید کی آیت والذی قال لوالدیه اف لکما اتعداننی انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، حضرت عائشہ نے پردے سے کہا کہ بجز براۃ افک کے ہم لوگوں کے بارے میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔[2]

۷- قرآن مجید کی صحیح تفسیر کا دارومدار تمام تر عربیت پر ہے، لیکن مفسرین نے عربیت کے اصول وقواعد کو چھوڑ کے متعدد غلطیاں کی ہیں، مثلاً قرآن مجید میں ہے:

اذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها

''جب ہم کسی گاؤں کو برباد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے دولت مندوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ لوگ فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔''

لیکن اگر اس آیت میں امر کے معنی حکم کے لیے جائیں جیسا کہ عام مفسرین نے لیے ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ خدا ہی ان کو فسق و فجور کا حکم دیتا ہے حالانکہ خدا برائیوں کا حکم نہیں دیتا ، مفسرین کے دل میں یہ اعتراض کھٹکا ہے، اور انہوں نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں لیکن خصائص ابن جنی میں متعدد شواہد سے ثابت کیا ہے کہ امر کے معنی کلام عرب میں کثرت کے بھی آتے ہیں، اس آیت کی تفسیر یہ ہوگی کہ جب ہم کسی شہر کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو بہت سے امراء پیدا کر دیتے ہیں، اور امارت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مبتلائے فسق و فجور ہو جاتے ہیں جو تباہی کا پیش خیمہ ہے اور اس تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا،

صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر عربیت کا کون ماہر ہوسکتا ہے؟ اس لیے انہوں نے اس قسم کے موقعوں پر ٹھیک وہی تفسیر کی ہے جو ادب وعربیت کا اقتضا تھا، چنانچہ بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس آیت کی جو تفسیر منقول ہے اس میں انہوں نے امر کے معنی کثرت ہی کے لیے ہیں

---

1. بخاری کتاب التفسیر تفسیر الم غلبت الرّوم
2. بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ احقاف

ان کے اصلی الفاظ یہ ہیں ،

كنا نقول للحى اذا كثروا فى الجاهلية امر بنو فلان ۔[1]

”زمانہ جاہلیت میں جب کوئی قبیلہ بڑھ جاتا تھا تو ہم کہتے تھے کہ امر بنو فلاں“

لیکن صحابہ کرامؓ کی بحث وجستجو، تحقیق وتلاش، روک وٹوک جو کچھ تھی اس کا تعلق صرف تفسیر کے اس حصے کے ساتھ تھا جو ضروری کار آمد اور عملی تھا، غیر ضروری مباحث مثلاً تخلیق عالم اسرار کائنات، تاریخ قدیم اور قصص انبیاء سے انہوں نے کبھی اعتنا نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ ان کے متعلق صحابہ کرام سے بروایت صحیح ایک حرف بھی مروی نہیں ہے، متاخرین کے دماغ کا سب سے بڑا جولانگاہ آیات متشابہات ہیں، لیکن صحابہ کرام اس بحث میں پڑنا بڑا گناہ سمجھتے تھے، چنانچہ ایک شخص کو جو آیات متشابہات کے متعلق سوال کرتا پھرتا تھا، حضرت عمر نے سخت سزا دی اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ کوئی مسلمان اس کے پاس بیٹھنے نہ پائے۔[2]

ان آیات کے علاوہ قرآن مجید کی اور متعدد آیتوں کی تفسیریں صحابہ کرامؓ سے احادیث کی کتابوں میں منقول ہیں لیکن ہم ان کو بخوفِ طوالت قلم انداز کرتے ہیں۔

---

1. بخاری کتاب التفسیر باب قولہ اذا اردنا ان نہلک قریۃ الخ
2. مسند دارمی ۳۱

علم حدیث

یہ مسلم ہے کہ حدیث کا مقدس فن تمامتر صحابہ کرامؓ کا ساختہ و پرداختہ ہے لیکن اگر یہ سوال کیا جائے کہ صحابہ کرامؓ نے اس فن کو کیونکر مرتب کیا؟ تو اس کے جواب کے لیے ہم کو اس سوال کے تمام اجزا کو تحلیل کر کے تفصیل کے ساتھ بتانا ہوگا۔ کہ صحابہ کرامؓ کو فن حدیث کی کیا ضرورت تھی؟ اس کو کیوں کر حاصل کیا؟ کیونکر محفوظ رکھا؟ ہم تک اس کو کس حزم واحتیاط کے ساتھ پہنچایا؟ ان کی روایتوں کا مقصد کیا تھا؟ ان کے پاس احادیث کا تحریری ذخیرہ کس قدر تھا؟ ان سے جن لوگوں نے روایتیں کیں، انہوں نے ان احادیث کا کس قدر تحریری ذخیرہ فراہم کیا؟ صحابہ کرام نے احادیث کے کس قدر مدارج قائم کئے؟ یا فن روایت کو کس حد تک پہنچایا؟ قلت و کثرتِ روایت کی بنا پر ان کے کس قدر طبقات قائم ہوئے؟ ان کی روایات کی تعداد کیا ہے؟ چنانچہ ہم اسی ترتیب کے ساتھ ان سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں

فن روایت کی ضرورت:

عقائد، عبادات اور اخلاق کے تمام ابواب اگر چہ اصولاً قرآن مجید میں مذکور ہیں لیکن ان کی توضیح تفصیل اور تجدید و تعین کے لیے رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال کی ضرورت ہے۔ اس لیے وہ بھی قرآن مجید کی طرح مذہبی عقائد واعمال کا لازمی جزو ہیں۔ اسی مقصد کے لیے فن حدیث کی ضرورت ہے اور صحابہ کرامؓ نے اس کی یہی ضرورت سمجھی تھی۔

چنانچہ ایک بار کسی شخص نے حضرت عمران بن حصینؓ سے کہا ''آپ لوگ ایسی حدیثوں کی روایت کرتے ہیں جن کی اصل ہم کو قرآن مجید میں نہیں ملتی'' وہ سخت برہم ہوئے اور فرمایا کیا قرآن مجید میں یہ تفصیل ہے؟ کہ ہر چالیس درہم میں ایک درہم اتنی بکریوں میں اتنی بکری اور اتنے اونٹوں میں اتنے اونٹ زکوٰۃ میں دینے چاہییں؟ اس نے کہا نہیں بولے تو پھر تم کو یہ کیوں کر معلوم ہوا، تم نے ہم سے سیکھا اور ہم نے رسول اللہ ﷺ سے۔[1]

[1] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب تجب مافیہ الزکوٰۃ

صحابہ کرامؓ نے علم حدیث کیونکر حاصل کیا:

صحابہ کرامؓ سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت کا مشتاق نہ تھا، لیکن اس کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ مشکوۃ نبوت سے اقتباس نور کریں، حضرت عمرؓ عوالی میں قیام رکھتے تھے، جو مدینہ سے کسی قدر دور ہے، اس لیے آپ کی خدمت میں روزانہ حاضر ہونا ناممکن تھا، تاہم یہ معمول کرلیا تھا کہ ایک روز خود آتے تھے، اور دوسرے روز اپنے پڑوسی حضرت عتبان بن مالکؓ کو بھیجتے تھے تا کہ خرمن نبوت کی خوشہ چینی سے کسی دن محروم نہ ہونے پائیں۔[1]

بعض صحابہ کو اس کا اس قدر شوق تھا کہ ایک ایک بات کے لیے برسوں آپ کی خدمت میں قیام کرتے تھے۔

حضرت نواس بن سمعانؓ کا بیان ہے کہ لوگ جب آپ کے پاس سے رخصت ہوتے تھے تو کچھ پوچھ کر نہیں جاتے تھے، لیکن مجھے گناہ ثواب کی حقیقت دریافت کرنی تھی، اس کے بعد میں نے ایک سال تک قیام کیا، اس کے بعد آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا نیکی حسن خلق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو خود تمہارے دل میں کھٹکے اور لوگوں پر اس کا افشا تمہیں ناگوار ہو۔[2]

اس طرح جن بزرگوں کو آپ کے فیض صحبت سے متمتع ہونے کا جس قدر موقع ملتا تھا، اسی قدر ان کے پاس احادیث کا ذخیرہ زیادہ جمع ہو جاتا تھا، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ پر کثرت روایت حدیث کا الزام لگایا گیا تو انہوں نے اس کا یہ جواب دیا:

ان اخوتی من المهاجرين كان يشغلهم الصفق بالاسواق وكنت الزم رسول الله صلى الله عليه وسلم على ملاء بطنى فاشهداذا غابواواحفظ اذا نسواوكان يشغل اخونى من الانصار عمل اموالهم وكنت امرء مسكينا من مساكين الصفة اعى حين ينسون۔[3]

---

[1] بخاری کتاب العلم باب التناوب فی العلم

[2] مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب باب تفسیر البر والاثم

[3] بخاری کتاب البیوع

''میرے بھائی مہاجرین تجارت میں اور میرے بھائی انصار کھیتی باڑی میں مصروف رہتے تھے لیکن میں مساکین صفہ کا ایک فرد تھا، اس لیے ہر وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا، اس بناء پر جب وہ لوگ غائب ہوتے تھے تو میں آپ کی خدمت میں موجود رہتا تھا جب یہ لوگ بھولتے تھے، تو میں یاد کیا کرتا تھا''

وہ معاش کی ضرورت کے علاوہ خود حدیث نبویؐ کے نہایت مشتاق تھے اس لیے آپ سے سوالات کیا کرتے تھے، اور آپ شوق سے ان کا جواب دیتے تھے،

ایک بار انہوں نے آپ سے دریافت کیا کہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ بہرہ اندوز کون ہوگا ؟ فرمایا کہ،، میرا خیال تھا کہ تم سے پہلے کوئی اس کا سوال نہ کرے گا کیونکہ تم حدیث کے بڑے حریص ہو۔[1]

ان بزرگوں سے الگ ازواج مطہرات اور ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ قرب حاصل تھا اس لیے ان کو خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کے سننے اور دیکھنے کا موقع ملتا تھا، احادیث میں نہایت کثرت سے اس قسم کے واقعات ملتے، جن میں حضرت عائشہؓ نے اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر اور صحابہ کی روایتوں پر نکتہ چینی کی، اہل بیت میں بھی جو لوگ زیادہ متفحص ہوتے تھے، وہ ازواج مطہرات ہی کے ذریعہ سے اس مقصد میں کامیاب ہوتے تھے، حضرت میمونہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خالہ تھیں وہ ان کے یہاں اس غرض سے سوتے تھے، کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز شب کی کیفیت کو ملاحظہ کریں۔[2]

شوق حدیث میں سفر:

لیکن صحابہ کرامؓ کا شوقِ حدیث صرف رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت تک محدود نہ تھا، بلکہ وہ اس روحانی خزانے کی تلاش میں طرح طرح کی مشقتیں کر کے سینکڑوں کوس کا سفر کرتے تھے۔ حضرت فضالہ بن عبید مصر کے گورنر تھے، ایک صحابی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ،، میں ملاقات کے لیے نہیں آیا میں اور آپ دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث سنی تھی، اس لیے مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ کے پاس اس کا علم ہو۔[3]

1. بخاری کتاب العلم باب الحرص علی الحدیث
2. ابوداود کتاب الصلوۃ باب فی صلاۃ اللیل
3. ابوداود کتاب الترجل

حضرت عبداللہ بن انیس جہنیؓ مصر میں مقیم تھے، وہ قصاص کے متعلق ایک حدیث کی روایت کرتے تھے، حضرت جابرؓ کو معلوم ہوا تو بازار میں آ کر ایک اونٹ خریدا اور اس پر کجاوہ کس کر مصر کو روانہ ہوئے۔ ایک مہینے میں مصر پہنچے اور لوگوں سے پوچھتے ہوئے ان کے دروازے پر گئے اور ایک حبشی غلام کے ذریعہ سے ان کو اطلاع دی، جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ صحابی ہیں تو آ کر لپٹ گئے، اور پوچھا کہ آپ کیوں تشریف لائے؟ بولے قصاص کے متعلق آپ جس حدیث کی روایت کرتے ہیں اب آپ کے سوا اس کا کوئی راوی نہیں ہے، اس لیے میں نے چاہا کہ قبل اس کے کہ ہم دونوں میں سے کسی کو موت آئے میں آپ سے اس حدیث کو سن لوں۔[1]

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث بیان فرمائی تھی۔ حضرت سائب بن خلادؓ اور حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ اس موقع پر موجود تھے، لیکن بعد میں حضرت سائبؓ کو اس حدیث کے متعلق وہم پیدا ہوا اور وہ اس کے ازالہ شک کے لیے مصر میں حضرت عقبہؓ کے پاس گئے اور پہلے مسلمہ بن مخلد کے دروازے پر حاضر ہوئے انہوں نے ان کو مہمان بنانا چاہا، لیکن انہوں نے کہا کہ پہلے عقبہ سے میری ملاقات کروا دیجیے، وہ ایک گاؤں میں تھے وہاں گئے اور اس حدیث کی تصدیق کر کے واپس آئے۔[2]

اس کے علاوہ صحابہ کرام سینکڑوں طریقے سے احادیث کو جمع کرتے تھے، ایک بار حضرت زید بن خالد الجہنیؓ آستانہ مبارک پر ٹیک لگا کر سوئے اور آپ کی نماز شب کی کیفیت ملاحظہ فرمائی۔[3]

ایک بار ایک صحابی نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے ان سے کچھ کہا جس کو اور صحابہ نے نہیں سنا جب وہ پلٹے تو تمام صحابہ نے ان کو گھیر لیا اور کہا کہ، آپ نے کیا فرمایا۔[4]

ایک بار حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو لکھا کہ نماز کے سلام کے بعد آپ کیا دعا پڑھتے تھے؟ انہوں نے وہ دعا لکھ بھیجی۔[5]

---

[1] حسن المحاضرہ جلد ا ص ۷۸، بخاری کتاب العلم میں بھی اس کا اجمالاً تذکرہ ہے، دیکھو باب الخروج فی طلب العلم
[2] حسن المحاضرہ جلد ا صفحہ ۸۶
[3] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوۃ باب ماجاء کم یصلی اللیل
[4] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوۃ باب ماجاء اذا اقیمت الصلوۃ المکتوبہ
[5] ابوداود کتاب الصلوۃ باب مایقول الرجل اذا اسلم

اس تفحص وتلاش کے ذریعہ سے کان سعادت کے یہ موتی جب دامن میں آ جاتے تھے تو صحابہ کرامؓ نشہ مسرت سے بیخود ہو جاتے تھے حضرت ابن الحنظلیہؓ ایک خاموش اور گوشہ نشین صحابی تھے ایک روز وہ حضرت ابوالدرداؓ کے پاس سے ہو کر گزرے تو انہوں نے ان کو دیکھ کر کہا

كلمة تنفعنا ولا تضرك

"کچھ فرمائیے جو ہم کو نفع دے اور آپ کے لیے مضر نہ ہو۔"

انہوں نے ایک حدیث بیان کی، حضرت ابوالدرداؓ اس قدر مسرور ہوئے کہ سر اٹھا کر کہا، آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے اور بار بار اس جملے کو دہراتے رہے، اسی طرح وہ متعدد باران کے پاس سے گزرے اور انہوں نے کلمہ نافعہ کی استدعا کی اور انہوں نے ایک حدیث بیان کردی۔[1]

صحابہ کرامؓ نے احادیث کو کیوں کر محفوظ رکھا

دنیا کو تعجب ہے کہ صحابہ کرامؓ نے احادیث کے ذخیرے کو کیونکر اس صحت و جامعیت کے ساتھ محفوظ رکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک کا ایک فقرہ بھی ہوا کے تموج میں جذب ہو کر فنا نہیں ہوا؟ لیکن اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ صحابہ کرامؓ نے نہ صرف اس مقدس مجموعہ کی حفاظت کی بلکہ آپ کے ایک ایک اشارے، ایک ایک حرکت اور ایک ایک ادا کو محفوظ کیا تو یہ تعجب خود بخود زائل ہو جاتا،

ایک بار لوگوں نے حضرت خبابؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ ظہر و عصر میں قراءت کرتے بولے ہاں لوگوں نے کہا یہ کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا ہم آپ کی ریش مبارک کی حرکت سے اس کا پتہ لگا لیتے تھے۔[2]

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ اندازہ کیا کہ آپ ظہر و عصر کی رکعت میں کتنی دیر تک قیام کرتے ہیں؟ تو معلوم ہوا کہ اوّل کی دو رکعتوں میں اتنی دیر جس میں تین آیتیں پڑھ لی جائیں اور اخیر کی دو رکعتوں میں اس کی نصف مدت۔[3]

1. ابوداؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الازار
2. ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب القراءۃ فی الظہر
3. ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب تخفیف الاخرین

ایک بار حضرت عبداللہؓ نے نماز کا طریقہ بتایا اور کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کی گردش نظر آ رہی ہے۔[1]

پہلے جب نماز میں اشارہ کرنا یا بات چیت کرنا جائز تھا تو رسول اللہ ﷺ لوگوں کو نماز میں سلام کا جواب دیا کرتے تھے۔ ایک صاحب نے حضرت بلالؓ سے اس کی کیفیت پوچھی تو انہوں نے اسی طرح ہاتھ کو گردش دی جس طرح آپ ہاتھوں کو اس حالت میں گردش دیتے تھے۔[2]

حضرت اغر فرنیؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک بار شمار کیا معلوم ہوا کہ آپ نے ایک نشست میں سو بار استغفار فرمایا۔[3]

صحابہ کرامؓ نے جس طرح ان اشارات و حرکات کو محفوظ رکھا تھا، اسی طرح بعض احادیث کی روایت میں ان جزئیات کی تفصیل بھی بیان کرتے تھے۔

ایک بار حضرت ابوحمید ساعدیؓ نے دس صحابہ کے مجمع میں کہا کہ میں تم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز سے واقف ہوں،، ان لوگوں نے کہا کیونکر؟ تم نہ ہم سے زیادہ متبع سنت تھے، نہ ہم سے زیادہ قدیم الصحبت ،، انہوں نے نماز کی ایک ایک جزئیات کو بیان کرنا شروع کیا تو ان لوگوں نے تصدیق کی۔[4]

لیکن احادیث کے محفوظ رکھنے کا اصلی ذریعہ حفظ حدیث تھا، یعنی صحابہ کرامؓ ان کو از بر یاد کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں رات کے تین حصے کرتا تھا ایک میں سوتا تھا، ایک میں نماز پڑھتا تھا، اور ایک میں احادیث رسول اللہ ﷺ کو یاد کرتا تھا۔[5]

لوگوں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے کہا کہ آپ ہم کو احادیث کے لکھنے کی اجازت نہیں دیتے فرمایا۔ ہم حدیث کو قرآن کی طرح لکھنے کی اجازت نہیں دے سکتے، لیکن جس طرح ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر حدیثیں یاد کر لی تھیں، تم بھی اسی طرح یاد کر لو۔[6]

---

1. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب تفریع ابواب الرکوع والسجود ووضع الیدین علی الرکبتین
2. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب جواب السلام فی الصلوٰۃ
3. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی الاستغفار
4. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب افتتاح الصلوٰۃ
5. مسند دارمی ص ۴۵
6. دارمی ص ۲۶

صحابہ کرامؓ نے کس حزم واحتیاط کے ساتھ ہم تک احادیث کو پہنچایا:

صحابہ کرامؓ روایت حدیث میں نہایت حزم واحتیاط سے کام لیتے تھے، بعض صحابہ مثلاً حضرت زبیرؓ سرے سے روایت ہی نہیں کرتے تھے، ایک باران سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے پوچھا کہ آپ تمام صحابہ کی طرح کیوں نہیں روایت کرتے؟ بولے اگر چہ رسول اللہ ﷺ سے مجھ کو امتیاز وخصوصیت حاصل تھی، تاہم میں نے آپ سے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف جھوٹ کا انتساب کرے اس کو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالینا چاہیے۔[1]

بعض صحابہ برسوں قال الرسول کے لفظ سے اپنے لب کو آشنا تک نہیں کرتے تھے، امام شعبیؒ کا بیان ہے کہ میں ایک سال تک حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس بیٹھا لیکن انہوں نے کوئی حدیث بیان نہ کی ہے حضرت سائب بن یزیدؓ کا بیان ہے کہ میں نے طلحہ بن عبداللہؓ، حضرت سعدؓ حضرت مقدادؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی رفاقت کی، لیکن طلحہ کے سوا کہ وہ واقعاتِ احد بیان کرتے تھے، کسی سے کوئی حدیث نہیں سنی۔[2]

حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ سے مکہ تک حضرت سعد بن مالکؓ کی رفاقت کی لیکن میں نے ان کی زبان سے ایک حدیث بھی نہیں سنی۔[3]

بعض لوگ صحابہ کرام سے روایت حدیث کی درخواست کرتے تھے، لیکن وہ انکار کر دیتے یا ٹال دیتے تھے، ایک بار لوگوں نے حضرت زید بن ارقمؓ سے کہا کہ حدیث بیان فرمایئے، بولے ہم لوگ بوڑھے ہوئے اور بھول گئے حدیث کی روایت کرنا تو نہایت سخت کام ہے۔

ایک بار لوگوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت حدیث کی درخواست کی تو فرمایا کہ انشاءاللہ۔[4]

جو صحابہ روایت کرتے تھے، وہ بھی نہایت کم حدیثیں بیان کرتے تھے، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے تھے کہ کثرت روایت سے مجھے یہ حدیث روکتی ہے۔[5] من کذب علی متعمدا الخ

---

1. ابوداؤد کتاب العلم باب فی التشدید فی الکذب علی رسول اللہ ﷺ
2. بخاری کتاب الجہاد باب من حدیث بمشاہدہ فی الحرب
3. سنن ابن ماجہ باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ ﷺ
4. دارمی ص ۴۶
5. بخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی ﷺ

حضرت عبداللہؓ بن مسعود مہینے میں صرف دو یا تین حدیثوں کی روایت کرتے تھے۔[1]

حضرت عمرؓ لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ کثرت روایت سے روکتے تھے۔

حضرت قرظہ بن کعبؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہم کو عراق بھیجا تو ہماری مشایعت کی اور کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ چلتا ہوں؟ سب نے کہا یہ ہماری ہمت افزائی ہے بولے ہاں، لیکن تم ایسی قوم کے پاس جارہے ہو، جو تلاوتِ قرآن میں شہد کی مکھیوں کی طرح ترنم ریز ہے، پس ان کی تلاوت میں خلل انداز نہ ہونا اور رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں بہت کم بیان کرنا اور میں تمہارا شریک رہوں گا۔[2]

صحابہ کرامؓ جب حدیث بیان کرتے تھے تو روایت کی ذمہ داری سے گھبرا اٹھتے تھے

حضرت عمرو بن میمونؒ ایک تابعی تھے، ان کا بیان ہے کہ میں ہر جمعرات کو بلا ناغہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، لیکن ان کی زبان سے کبھی قال رسول اللہ ﷺ کا لفظ نہیں سنا، ایک دن یہ الفاظ ان کی زبان سے نکلے تو گردن جھکا لی، میں نے دیکھا تو ان کی قمیض کے تکمے کھلے ہوئے تھے، آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں گردن کی رگیں پھول گئیں تھیں حدیث کی روایت کرتے تھے، تو احتیاطاً کہتے جاتے تھے، اس سے کم یا اس سے زیادہ اس کے قریب یا اس کے مشابہ یعنی یقینی طور پر نہیں کہتے تھے کہ یہی الفاظ ہیں۔[3]

حضرت انس بن مالکؓ جب حدیث بیان کرتے تھے تو گھبرا اٹھتے تھے، اور کہتے تھے کہ یہ الفاظ ہیں یا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہوگا۔[4]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں جب حدیث بیان کروں گا تو مجھے یہ گوارا ہے کہ مجھ پر آسمان پھٹ پڑے بہ نسبت اس کے کہ آپ کی طرف اس حدیث کا انتساب کروں جس کو آپ نے نہیں فرمایا۔[5]

---

1. دارمی ص ۴۶
2. تذکرۃ الحفاظ تذکرہ حضرت عمرؓ
3. ابوداود باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ ﷺ۔
4. دارمی ص ۴۶
5. مسلم کتاب الزکوۃ باب التحریض علی قتل الخوارج

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابو ہند ایک صحابی تھے۔ وہ اپنے بستر پر ایک چھڑی رکھ کر بیٹھتے تھے۔ جب ان کے لڑکے اور بھتیجے علم حدیث کی تعلیم کے لیے آتے اور کہتے کہ قال رسول اللہ ﷺ تو چھڑی اٹھا کر فرماتے کہ تم رسول اللہ ﷺ سے کیونکر روایت کر سکتے ہو۔[1]

صحابہ کرامؓ جس حزم و احتیاط سے روایت کرتے تھے اسی حزم و احتیاط کے ساتھ ان کو قبول بھی کرتے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب میرے سامنے کوئی صحابی روایت کرتے ہیں تو میں ان سے قسم لیتا ہوں جب وہ قسم کھا لیتے ہیں تو میں اس روایت کی تصدیق کرتا ہوں۔[2]

حضرت ابوبکر صدیقؓ نہایت نرم خو تھے، لیکن روایت کے قبول کرنے میں کسی قسم کی مداہنت نہیں کرتے تھے، ایک بار دادی کی میراث کے متعلق حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے ایک روایت کی تو فرمایا کہ، ،شاہد لاو،، حضرت محمد بن مسلمہؓ نے شہادت دی تو اس کو قبول کیا۔[3]

تمام صحابہؓ میں حضرت عمرؓ سب سے زیادہ متشدد فی الحدیث تھے، ایک بار زدوکوب میں ایک عورت کا حمل ساقط ہو گیا، تو حضرت عمرؓ نے اس کی دیت کے متعلق صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک غلام یا ایک لونڈی اس کی دیت میں دلوائی ہے، حضرت عمرؓ نے اس حدیث پر شہادت طلب فرمائی تو حضرت محمد بن مسلمہؓ نے شہادت دی۔[4]

ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ابو موسیٰ اجازت چاہتا ہے اشعریؓ اذن چاہتا ہے، عبداللہ بن قیس استیذان کا خواستگار ہے، تین بار کی اذن طلبی پر بھی جب باریابی کی اجازت نہ ملی تو واپس آئے، حضرت عمرؓ نے بلا کر پوچھا کیوں واپس چلے گئے؟ بولے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تین بار اذن نہ ملے تو واپس چلے آؤ، فرمایا ''اس حدیث پر گواہ لاؤ'' حضرت ابو سعید خدریؓ نے شہادت دی تو کہا کہ میں تم کو متہم کرنا نہیں چاہتا

---

1. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابو ہند
2. ابوداود کتاب الصلوٰۃ باب فی الاستغفار
3. ابوداود کتاب الفرائض باب فی الجدۃ
4. ابوداود کتاب الدیات باب دیت الجنین

تھا، یہ تشدد صرف اس خوف کی بناء پر تھا کہ لوگ جھوٹی روایتوں کے کرنے پر دلیر نہ ہو جائیں، لیکن حضرت ابیؓ نے اس تشدد کو دیکھ کر کہا، عمرؓ اصحاب رسول اللہ ﷺ کی جان کا عذاب نہ بنو۔[1]

ایک بار حضرت عمرو بن امیہ الضمریؓ بازار میں چادر خرید رہے تھے، لوگوں نے پوچھا کیا کرو گے؟ بولے اس کو صدقہ میں دوں گا، حضرت عمرؓ نے یہ سن لیا اور چلے گئے بعد کو ملے تو کہا کہ وہ چادر کیا ہوئی، انہوں نے کہا میں نے بی بی پر صدقہ کر دیا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بی بی کو جو کچھ دو گے وہ صدقہ ہوگا،، بولے عمروؓ! رسول اللہ ﷺ پر افتراء نہ کرو، چنانچہ ان کو حضرت عائشہؓ کے پاس لائے اور اس حدیث کی تصدیق کرائی۔[2]

ایک بار حضرت ابو مسعودؓ، حضرت ابو درداؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ کو اسی تشدد واحتیاط کی بناء پر قید کر دیا اور کہا یہ حدیثیں روایت کرتے ہو؟[3]

ایک بار کسی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ عہد عمرؓ میں تم اس طرح حدیثوں کی روایت کر سکتے تھے؟ بولے ''اگر ایسا کرتے تو کوڑا کھاتے۔''[4]

اس تشدد کا نتیجہ یہ تھا کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں روایتیں اس قدر منقح ہو گئیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نے لوگوں کو حکم دیا کہ صرف حضرت عمرؓ کے زمانے والی حدیثیں روایت کیجائیں، کیونکہ وہ لوگوں کو مذہبی معالات میں ڈرایا کرتے تھے۔[5]

روایت حدیث کا مقصد:

ثواب آخرت کے علاوہ علم حدیث چونکہ دنیوی عزت وجاہ کا ذریعہ تھا، اس لیے اخیر زمانے میں بہت سے لوگ ایسے پیدا ہو گئے تھے، جو صرف حصول عزت کے لیے حدیثیں بناتے تھے، اوران کی روایت کرتے تھے، لیکن صحابہ کرامؓ کی روایت حدیث کا مقصد حصول ثواب اخروی کے سوا اور کچھ نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ اس امانت کو اس وقت ادا کرتے تھے جب دنیوی عزت ہر شخص کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے، اور ہر امین کو خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر اس نے امانت ادا

1۔ ابوداود کتاب الادب باب فی الاستیذان و بخاری کتاب الاستیذان
2۔ مسند ابوداؤد طیالسی ص ۱۹۴
3۔ المعتصر من المختصر من مشکل آلا ثار للطحاوی ص ۴۵۹
4۔ مسلم کتاب لزکوۃ باب النہی عن المسئلہ
5۔ تذکرۃ الحفاظ ترجمہ حضرت عمرؓ

نہیں کی تو خدا کے نزدیک ماخوذ ہوگا، چنانچہ ایک صحابی نے انتقال کے وقت ایک حدیث کی روایت کی اور کہا میں صرف حصول ثواب کے لیے اس کی روایت کرتا ہوں۔[1]

حضرت معاذ بن جبلؓ سے آپ نے فرمایا تھا کہ جو شخص توحید و رسالت کا اقرار کرے گا وہ جنتی ہوگا، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہدایت کی تھی کہ اس کا عام اعلان نہ کیا جائے، حضرت معاذ بن جبلؓ نے عمر بھر اس راز کو چھپایا، لیکن دم نزع خوف کتمان سے اس کو افشا کر دیا۔[2]

عبید اللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسارؓ کی عیادت کو آیا تو بولے، میں تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں، اگر مرض الموت میں مبتلا نہ ہوتا تو نہ بیان کرتا، آپ نے فرمایا ہے کہ جو امیر مسلمانوں کی خیر خواہی نہ کرے گا، وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا۔[3]

صحابہؓ کے پاس حدیث کا تحریری ذخیرہ کس قدر تھا

صحابہ کرامؓ اگرچہ زبانی روایتیں کرتے تھے، تاہم ان کے پاس حدیث کے بعض تحریری ذخیرے بھی موجود تھے، اخیر زمانے میں زکوٰۃ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے جو دستور العمل مرتب فرمایا تھا اس کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے محفوظ رکھا تھا، چنانچہ وہ مدتوں حضرت عمرؓ کے خاندان میں محفوظ رہا اور وہیں سے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کی نقل لی۔[4]

تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ۵۰۰ حدیثیں لکھی تھیں لیکن پھر اس مجموعہ کو جلا دیا فتح مکہ کے بعد آپ نے جو خطبہ دیا تھا، اس کے متعلق یمن کے ایک صحابی ابوشاہ نے درخواست کی کہ یارسول اللہ ﷺ یہ میرے لیے لکھوا دیا جائے، چنانچہ آپ نے اس کو لکھوا دیا۔[5]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس احکام کا ایک مجموعہ تھا جس کی نسبت وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں قرآن مجید اور اس صحیفہ کے سوا کچھ اور نہیں لکھا۔[6]

---

[1] ابوداود باب ماجاء فی الہدی فی المشی الی الصلوٰۃ

[2] مسلم کتاب الایمان باب من لقی اللہ بالایمان وھو غیر شاک فیہ دخل الجنۃ وحرم علی النار

[3] مسلم کتاب الایمان باب استحقاق الوالی الغاش لرعیۃ النار

[4] ابوداوٗد کتاب الزکوٰۃ السائمہ

[5] ابوداود کتاب المناسک باب تحریم مکہ و بخاری کتاب العلم

[6] ابوداود کتاب المناسک باب فی تحریم المدینۃ

یہ صحیفہ وہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے، چنانچہ ایک صحابی کو انہوں نے اپنی تلوار کی میان سے نکال کر اس کو دکھایا۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا معمول تھا کہ آپ سے جو کچھ سنتے تھے، لکھ لیتے تھے، قریش نے ان کو منع کیا کہ آپ مختلف حالتوں میں گفتگو کرتے ہیں، اس لیے آپ کا ہر ارشاد حدیث نہیں ہو سکتا، انہوں نے آپ کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ لکھا کرو اس زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکل سکتا۔[2]

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتے تھے، بیٹھ کر لکھتے جاتے تھے، آپ نکلے تو فرمایا کہ کتاب اللہ کے ساتھ دوسری کتاب بھی لکھی جائیگی؟ اس لیے ہم نے جو کچھ لکھا تھا اس کو جمع کر کے جلا دیا۔[3]

فرامین رسولؐ:

رسول اللہ ﷺ نے مختلف اشخاص اور مختلف قبائل کے نام جو فرامین لکھوائے تھے وہ اگرچہ زیادہ تر شخصی حیثیت رکھتے تھے، تاہم ان سے بھی شرعی مسائل مستنبط ہو سکتے تھے، اس لیے صحابہ کرامؓ نے احادیث کا جو تحریری ذخیرہ جمع کیا تھا، اسی سلسلہ میں یہ بھی داخل ہیں اس قسم کے فرمان متعدد صحابہ کے پاس محفوظ تھے، حضرت مجاعہؓ کے بھائی کو قبیلہ بنوسدوس نے قتل کر دیا تھا، وہ آپ کے پاس آئے، اور دیت طلب کی، آپ نے فرمایا کہ میں مشرک کی دیت تو نہیں دے سکتا، لیکن ایک فرمان لکھ دیا کہ مشرکین بنوذہل کے یہاں سے جو خمس آئے اس میں سے ان کو سو اونٹ دیئے جائیں چنانچہ انہوں نے ایک حصہ وصول کر لیا، جو باقی تھا اس کو وصول کرنے سے پہلے بنو ذہل نے اس کا معاوضہ دوسرے ذرائع سے پورا کر دیا۔[4]

حضرت یزید بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ کھڑے تھے کہ پراگندہ مو شخص ہاتھ میں سرخ چمڑا لیے ہوئے آیا، ہم نے اس کو لے کر دیکھا تو وہ فرمان تھا ہم نے پوچھا اس کو کس نے لکھا

1. ابوداؤد کتاب الحدود باب ایقاذ المسلم من الکافر
2. ابوداؤد کتاب العلم باب فی کتابۃ العلم
3. مسند جلد ۳ ص ۱۹۹
4. ابوداؤد کتاب الخراج ولا مارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربی

ہے بولا رسول اللہ ﷺ نے۔ [1]

جن لوگوں نے صحابہ کرامؓ سے روائتیں کیں انہوں نے احادیث کا کس قدر تحریری ذخیرہ فراہم کیا:

خود صحابہ کرامؓ سے جن لوگوں نے روایتیں کیں ان کو اگرچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔[2] لیکن بہت سے صحابہ کتابت حدیث کو جائز سمجھتے تھے، حضرت عمر بن الخطابؓ نے عام حکم دیا کہ قیدوا العلم بالکتاب، یعنی علم کو لکھ لیا کرو،

بشیر بن نہیکؒ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے جو کچھ سنتا تھا لکھ لیتا تھا، جب ان سے رخصت ہونے لگا، تو اس مجموعہ کو دکھا لیا، انہوں نے اس کی تصدیق کی،، سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ رات کو مکہ کے راستہ میں چلتا تھا، وہ حدیث بیان کرتے تھے تو میں اپنے کجاوے کی لکڑی پر لکھ لیتا تھا، پھر صبح کو صاف کر لیتا تھا، حضرت براءؓ کے تمام تلامذہ قلم سے اپنی ہتھیلیوں پر لکھتے تھے، حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی تمام حدیثیں ان کے سامنے لکھ لیا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک شخص کو خود حدیث لکھوائی اور اس نے لکھ لی۔[3]

حضرت زید بن ثابت حدیثوں کے لکھنے کے مخالف تھے، لیکن مروان بن حکم نے ان کو اپنے یہاں بلوا کر بیچ میں ایک پردہ ڈال دیا اور ایک شخص کو مقرر کر دیا کہ جو حدیثیں وہ بیان کریں ان کو چپکے سے لکھتا جائے۔[4]

غرض اس طرح صحابہ کرامؓ ہی کے زمانے میں فن حدیث مدون ہو چکا تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے انہی اجزائے پریشان کو ایک مجموعہ کی صورت میں جمع کر دیا، [5]

مدارج حدیث کی تعیین:

حدیث کے مختلف مدارج ہیں بعض روائتیں متواتر ہوتی ہیں یعنی ان کی روایت ایک جم

---

1. ابوداود کتاب الخراج والامارۃ باب ماجاء فی سہم الصفی،
2. مسند دارمی صفحہ ۶۷ باب من لم یر کتابت الحدیث
3. مسند دارمی ص ۶۸، ۶۹ باب من رخص فی کتابۃ العلم
4. مسند جلد ۲ ص ۱۹۹
5. مسند دارمی صفحہ ۶۲

غفیر کرتا ہے، بعض روائتیں مشہور ہوتی ہیں، جو اگرچہ درجہ تواتر کو نہیں پہنچتیں تاہم ہر زمانے میں بہ کثرت لوگ ان کی روایت کرتے ہیں بعض حدیثوں کی روایت کا سلسلہ چند اشخاص تک محدود رہتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات ایک ہی شخص کسی حدیث کی روایت کرتا ہے، یہی روائتیں ہیں جن کو اصطلاح میں خبر احاد کہتے ہیں، اس اختلاف مدارج کا اثر ان فقہی احکام پر پڑتا ہے جو ان حدیثوں میں مذکور ہوتے ہیں، یا ان سے مستنبط کیے جاتے ہیں، قطعیت کے لحاظ سے خبر احاد متواتر یا مشہور روایتوں کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ اس بنا پر فقہا میں اختلاف ہے کہ خبر آحاد کے ذریعہ سے قرآن مجید کے کسی حکم عام کی تخصیص بلکہ تنسیخ بھی کی جا سکتی ہے۔ اس وقت ہم اس مسئلہ پر بحث کرنا نہیں چاہتے۔ اس موقع پر صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ خود صحابہؓ نے حدیث کے مختلف مدارج قائم کر لئے تھے۔ اور اس اختلاف مدارج کا جو اثر احکام پر پڑ سکتا ہے، اس کے متعلق خود انہوں نے اپنی اجتہادی رائے قائم کر لی تھی۔

قرآن مجید میں بہ تصریح مذکور ہے کہ اگر کسی عورت کو طلاق بائن دے دی جائے تو جب تک ایام عدت گزر نہ جائیں شوہر بی بی کو گھر سے نکال نہیں سکتا۔

ولا تخرجو هن من بيو تهن

"اور ایام عدت میں ان کو گھروں سے نہ نکالو۔"

اس آیت سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ایام عدت میں عورت کو سکنی کا حق حاصل ہے، اب صرف بحث ہے کہ اس کو نان ونفقہ کا حق بھی حاصل ہے یا نہیں؟ قرآن مجید میں اگرچہ اس کے متعلق صریح حکم نہیں ہے لیکن قرآن مجید میں حاملہ عورتوں کے متعلق بہ تصریح حکم دیا گیا ہے کہ اگر حاملہ عورتوں کو طلاق دیجائے تو جب تک وضع حمل نہ ہو، شوہر کو نان ونفقہ دینا ہوگا،

ان كن اولات حمل فانفقوا عليهن حتى يضعن حملهن (قرآن)

"اگر وہ حاملہ ہوں تو زمانہ وضع حمل تک ان کے نان ونفقہ کے کفیل رہو۔"

حاملہ عورت کے وضع حمل کا زمانہ اس کی عدت کا زمانہ ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ عدت میں عورت کا نان ونفقہ کا بار شوہر پر ہے، اس کے علاوہ عورت کو جب سکنی کا حق حاصل ہے تو اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نان ونفقہ کا بار بھی شوہر ہی پر ہوگا۔

قرآن مجید کا یہ حکم قطعی ہے، اس لیے صرف قطعی دلائل ہی سے اس کی تنسیخ یا تخصیص ہوسکتی ہے حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ مسئلہ پیش آیا تو حضرت فاطمہؓ بنت قیسؓ نے شہادت دی کہ ان کے شوہر نے ان کو طلاق بائن دی تھی، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو نان نفقہ اور سکنی کے حق سے محروم کر دیا تھا، لیکن چونکہ یہ خبر احاد تھی، جس کے ذریعہ سے قرآن مجید کے احکام منصوصہ کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے صاف فرمادیا۔

ما كنا لندع كتاب ربنا وسنة نبينا ﷺ لقول امراة لا ندری احفظت ام لا

''ہم خدا کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے، خدا جانے اس نے اصل واقعہ کو یاد بھی رکھا یا نہیں''

حضرت عائشہؓ بھی حضرت عمرؓ کے ہمزبان تھیں، ان کا خیال تھا کہ آپ نے حضرت فاطمہؓ بنت قیس کو اس بنا پر گھر سے منتقل کر دیا تھا، کہ ان کا گھر سنسان اور آبادی سے دور تھا۔ یہ ایک خاص حالت تھی جس پر خاص ضرورت نے مجبور کیا تھا، کوئی حکم عام نہ تھا۔[1]

درایت

حدیثوں کے متعلق روایت کی حیثیت سے بحث صرف راوی کے عوارض وخصوصیات کی بناء پر ہوتی ہے۔ لیکن درایت کی رو سے جب کسی حدیث کی تنقید کی جاتی ہے تو راوی بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور خارجی عوارض واسباب کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، صحابہ کرامؓ کے دور میں اگرچہ درایت کے تمام اصول وقواعد مرتب نہیں ہوئے تھے، تاہم اس کی ابتداء ہو چکی تھی۔ اور انہوں نے راوی سے قطع نظر کر کے اور حیثیتوں سے بھی روایت پر نظر ڈالی تھی، ایک بار حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کی کہ جو چیز آگ سے پکا دی جائے اس کے استعمال سے وضوء واجب ہو جاتا ہے، اس پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اعتراض کیا کہ اس بناء پر تو ہم کو روغن اور گرم پانی کے استعمال سے بھی وضوء کرنا پڑیگا۔[2]

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جب کوئی

---

1. ابوداود کتاب الطلاق باب فی نفقۃ المبتوتہ
2. ترمذی کتاب الطہارۃ باب الوضوء مما غیرت النار

مسلمان اس کو حالت نماز میں پالیتا ہے تو اس وقت خدا سے جو کچھ مانگتا ہے خدا اس کو دیدیتا ہے صحابہ کرامؓ کو اس کی جستجو ہوئی، اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے اس کو معلوم کرلیا کہ وہ جمعہ کے دن کی سب سے آخری ساعت ہے،، انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے بیان کیا تو بولے کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ آپ نے تو فرمایا ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس کو حالت نماز میں پالے، حالانکہ دن کی آخری ساعت میں کوئی نماز نہیں پڑھی جاتی۔[1]

اس باب میں عائشہؓ خاص طور پر ممتاز ہیں، انہوں نے درایت کی رو سے جن احادیث پر اعتراضات کئے ہیں ان سے درایت کے بعض اصول بھی قائم ہوتے ہیں، مثلاً ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی کہ مردے پر اس کے اہل وعیال کے رونے کا عذاب ہوتا ہے تو انہوں نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ خود قرآن مجید میں ہے:

لا تزر وازرة و زر اخرٰی

''ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا''

اس سے یہ اصول قائم ہوا کہ کوئی روایت نصوص قرآنی کے مخالف نہیں قبول کی جاسکتی، چنانچہ اس اصول کی رو سے انہوں نے متعدد روایتوں پر اعتراضات کئے، مثلاً صحابہ کرامؓ کے دور میں یہ خیال پھیل گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج میں خدا کو دیکھا تھا۔ لیکن حضرت عائشہؓ کے سامنے اس کا ذکر آیا تو بولیں، جو شخص یہ روایت کرے وہ دروغ گو ہے اس کے بعد یہ آیت پڑھی:

لا تدركه الابصار و هو يدرك الا بصارو هوا للطيف الخبير

''خدا کو کوئی نگاہ نہیں پاسکتی اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے وہ لطیف اور خبیر ہے''

ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی کہ نحوست عورت، گھوڑے اور گھر میں ہے تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور یہ آیت پڑھی:

ما اصاب من مصيبة فى الارض ولا فى انفسكم الا فى كتاب من قبل ان نبراها۔[2]

''زمین میں یا تمہارے اندر تمہیں جو مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ پہلے سے لکھی ہوتی ہیں۔''

---

1. ابوداود کتاب الصلوٰۃ باب تفریع ابواب الجمعہ
2. یہ روائتیں بہ ترتیب عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشہ علی الصحابہ ص ۱۸، ۱۷، ۲۱ میں موجود ہیں اخیر روایت کے علاوہ اور روایتیں بخاری میں بھی ہیں۔

غزوہ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کے مدفن پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا

هل وجد تم ما وعد ربكم حقا

خدا نے جو تم سے وعدہ کیا تم نے اس کو پالیا؟

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ مردوں کو پکارتے ہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

ما انتم باسمع منهم ولكن لا يجيبون

تم ان سے زیادہ نہیں سنتے، لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔

حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ روایت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ آپ نے یہ نہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا تھا:

انهم ليعلمون الآن ما كنت اقول لهم حق

''وہ اس وقت یقینی طور پر جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہتا تھا وہ سچ تھا''

اس کے بعد انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔

انك لا تسمع الموتى[1] وما انت من في القبور[2]

''اے پیغمبر تو مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتا اور نہ ان کو جو قبر میں ہیں''

مطلب یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے کفار آپ کی آواز کو سن ہی نہیں سکتے تھے۔[3]

عام طور پر لوگ متعہ کی حرمت میں احادیث پیش کرتے ہیں۔ لیکن حضرت عائشہؓ سے جب ان کے ایک شاگرد نے جوازِ متعہ کی روایت کی نسبت پوچھا تو انہوں نے اس کا جواب حدیث سے نہیں دیا، بلکہ فرمایا میرے تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے پھر یہ آیت پڑھی،

والذين هم لفروجهم حفظون الا على ازواجهم اوما ملكت ايمانهم فانهم غير ملومين

''جو لوگ کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز اپنی بیوں یا لونڈیوں کے ان پر کوئی ملامت نہیں''

اس لیے ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت جائز نہیں۔[4]

1۔ سورہ النحل آیت ۸ 2۔ سورہ فاطر آیت ۲۲

3۔ بخاری غزوہ بدر 4۔ اصابہ سیوطی بحوالہ حاکم

حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ حرامی لڑکا تینوں میں (ماں باپ بچہ) بدتر ہے، حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا کہ یہ صحیح نہیں ہے،، واقعہ یہ ہے کہ ایک منافق تھا جو رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا کرتا تھا۔لوگوں نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! ﷺ اس کے علاوہ ولد الزنا بھی ہے'' آپ نے فرمایا کہ وہ تینوں میں بدتر ہے، یعنی اپنے ماں باپ سے زیادہ برا ہے، یہ ایک خاص واقعہ تھا، عام نہ تھا، خدا خود فرماتا ہے۔

ولا تزر و ازرة وزر اخری

''کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا''

یعنی قصور تو ماں کا ہے، بچے کا کیا گناہ ہے۔[1] جس کی بناء پر وہ ان سے برا قرار دیا جائے۔

احادیث میں اور بھی متعدد مثالیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جن روایات میں کسی قسم کا اشتباہ ہوسکتا تھا، صحابہ کرامؓ نے ان پر تنقید کر کے اس مقدس فن کو اغلاط واوہام سے پاک کر دیا۔

طبقات الصحابہ:

اگر چہ محدث ابو زرعہ کے قول کے مطابق صحابہؓ کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔[2]

تاہم علامہ ذہبی نے طبقات الحفاظ میں جن صحابہ کا تذکرہ کیا ہے اور جن کی نسبت لکھا ہے کہ صحاح میں ان سے حدیثیں مروی ہیں ان کی تعداد صرف ایک سو پانچ ہے، لیکن تفحص وتلاش سے اس پر اور صحابہ کے ناموں کا بھی اضافہ ہوسکتا ہے، چنانچہ مسند ابو داؤد طیالسی جو دوسری صدی کے اخیر میں تصنیف ہوئی ہے اس میں تقریباً ڈھائی سو صحابہؓ سے روایتیں ہیں۔

علامہ ذہبی کی رائے کے مطابق ان ایک سو پانچ صحابہ میں اٹھائیس صحابہ ایسے ہیں جن کے نام سے علم حدیث کے اکثر صفحات مزین ہیں، لیکن ان اٹھائیس صحابہؓ میں عام محدثین کی تصریح کے مطابق ۶ صحابہؓ سب سے زیادہ کثیر الروایات ہیں، اور علم حدیث میں نصف سے زیادہ صرف ان ہی کی روایتیں ہیں اور چونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس نے کم از کم چالیس حدیثیں

---

[1] اصابہ سیوطی بحوالہ حاکم

[2] یہ پورا ٹکڑا مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے مضمون شائع شدہ الندوہ بابت اگست ۱۹۱۹ء سے حرف بہ حرف منقول ہے۔

بھی میری امت کو پہنچا دیں اس کا حشر علماء کے ساتھ ہوگا، اس لیے محدثین نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ جن کی روایتیں چالیس سے کم ہونگی وہ قلیل الروایات شمار کئے جائیں گے، اس بنا پر قلت و کثرت روایت کی حیثیت سے محدثین نے صحابہؓ کے چار طبقے قرار دیئے ہیں،

۱۔ پہلا طبقہ — یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں
۲۔ دوسرا طبقہ — یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں پانچسو یا پانچسو سے زیادہ ہیں
۳۔ تیسرا طبقہ — یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے زیادہ ہیں
۴۔ چوتھ طبقہ — یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے کم ہیں

لیکن چونکہ پانچ سو سے چالیس تک کے رواۃ زیادہ ہیں، اس لیے ہم نے اس کے دو حصے کر دیئے ہیں، سو سے پانچ سو تک ایک طبقہ اور چالیس سے سو تک دوسرا طبقہ، اس تفصیل کی رو سے ہم نے صحابہ کے پانچ طبقے قرار دیئے ہیں:

۱۔ وہ صحابہ جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں۔
۲۔ وہ صحابہ جن کی روایتیں پانچ سو یا پانچ سو سے زیدہ ہیں مگر ہزار سے کم۔
۳۔ وہ صحابہ جن کی روایتیں سو یا سو سے زیدہ ہیں مگر پانچ سو سے کم۔
۴۔ وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے زیادہ ہیں مگر سو سے کم۔
۵۔ وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس سے کم ہیں۔

عام محدثین اگرچہ پہلے طبقے میں صرف چھ صحابہ یعنی حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت انس بن مالکؓ کو داخل کرتے ہیں لیکن شاہ ولی اللہ صاحب نے کثیر الراویہ صحابہ میں آٹھ بزرگوں کا نام لیا ہے چنانچہ ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم باعتبار کثرت وقلت روایت حدیث بر چہار طبقہ اند مکثرین کہ مرویات ایشان ہزار حدیث فصاعدا یا زیادہ، متوسطین کہ مرویات ایشان پانچ صد حدیث فصاعدا باشد بمثل ابوموسیٰ اشعری براء بن عازب وجمعیکہ مرویات ایشان چہل حدیث باشد فصاعدا تا سہ وصد را چہارصد در حدیث شریف آمدہ است من حفظ علی امتی اربعین حدیثا حشر مع العلماء او کما قال ومقلین کہ مرویات ایشان

تا چہل نمی رسد، جمہور محدثینؒ گفتہ اند کثیر الروایات کہ مکثرین از صحابہ ہشت کس اند، ابو ہریرہؓ، و عائشہؓ، و عبداللہ بن عمرؓ و عبداللہ بن عباسؓ و عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، و انسؓ و جابرؓ و ابو سعید خدریؓ (ص ۲۱۴ مقصد دوم)

لیکن شاہ صاحب کا دعویٰ محدثین کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے چنانچہ علامہ ابن صلاح لکھتے ہیں:

عن احمد بن حنبل قال ستة من اصحابه النبی ﷺ اكثروا الرواية عنه و عمروا ابوهريرة و ابن عمر و عائشه و جابر بن عبدالله و ابن عباس و انس

''امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے کہ چھ صحابہ کثیر الروایات ہیں اور انہوں نے طویل عمریں پائی ہیں، ابو ہریرہؓ، ابن عمرؓ، عائشہؓ، جابرؓ، ابن عباسؓ انسؓ''

علامہ عینی حضرت عائشہؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

وكانت واحد الستة الذين هم اكثر الصحابة رواية۔[1]

''حضرت عائشہؓ ان چھ صحابہ میں تھیں جو کثیر الروایۃ ہیں۔''

لیکن اصل یہ ہے کہ عام محدثین نے حضرت ابو سعید خدریؓ کا نام کثیر الروایت صحابہ کے ساتھ نہیں لیا، حالانکہ ان کی مرویات ایک ہزار سے زیادہ ہیں۔[2] شاہ صاحب حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو طبقہ اول میں داخل کرتے ہیں حالانکہ ان کی روایتوں کی تعداد صرف سات سو ہے۔[3] اس لیے کثیر الروایت صحابہ جن کا نام طبقہ اول میں لیا جا سکتا ہے سات ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ

شاہ صاحب نے دوسرے طبقہ میں حضرت براء بن عازبؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کا نام لیا ہے حالانکہ ان دونوں کی حدیثیں پانچ سو سے بہت کم ہیں، اس لیے یہ لوگ دوسرے طبقہ میں نہیں بلکہ تیسرے طبقہ میں داخل ہیں۔

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۱ ص ۴۵

[2] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۱۳۵

[3] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۲۰۸

مرویاتِ صحابہ کی تعداد:

بہر حال قلت وکثرتِ روایت کی بنا پر صحابہ کے پانچ طبقے ہیں جن کے نام اور تعداد اور روایات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

طبقہ اول:

یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں، اس طبقے میں سات بزرگ ہیں

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱-	حضرت ابو ہریرہؓ	۵۳۷۴
۲-	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲۶۶۰
۳-	حضرت عائشہ صدیقہؓ	۲۲۱۰
۴-	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۱۶۳۰
۵-	حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ	۱۵۴۰
۶-	حضرت انس بن مالک انصاریؓ	۱۲۸۶
۷-	حضرت ابو سعید خدریؓ	۱۱۷۰

طبقہ دوم:

یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں پانچ سو یا پانچ سو سے زائد ہیں اس طبقہ میں صرف چار صحابہ ہیں:

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱-	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	۸۴۸
۲-	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ	۷۰۰
۳-	حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ	۵۸۶
۴-	حضرت عمر بن الخطابؓ	۵۳۹

طبقہ سوم:

یعنی وہ صحابہؓ جن کی روایتیں سو یا سو سے زیادہ ہیں مگر پانچ سو سے کم ہیں اس طبقہ میں چھبیس صحابہ ہیں:

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱-	ام المومنین حضرت ام سلمہؓ	۳۷۸
۲-	حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ	۳۶۰
۳-	حضرت براء بن عازبؓ	۳۰۵
۴-	حضرت ابوذر غفاریؓ	۲۸۱
۵-	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	۲۱۵
۶-	حضرت سہل بن سعد انصاریؓ	۱۸۸
۷-	حضرت عبادہ بن صامتؓ	۱۸۱
۸-	حضرت ابوالدرداؓ	۱۷۹
۹-	حضرت ابوقتادہ انصاریؓ	۱۷۰
۱۰-	حضرت ابی بن کعبؓ	۱۶۴
۱۱-	حضرت بریدہ بن حصیب اسلمیؓ	۱۶۴
۱۲-	حضرت معاذ بن جبلؓ	۱۵۷
۱۳-	حضرت ابوایوب انصاریؓ	۱۵۰
۱۴-	حضرت عثمان بن عفانؓ	۱۴۶
۱۵-	حضرت جابر بن سمرہؓ	۱۴۶
۱۶-	حضرت ابوبکر صدیقؓ	۱۴۲
۱۷-	حضرت مغیرہ بن شعبہؓ	۱۳۶
۱۸-	حضرب ابوبکرہؓ	۱۳۰
۱۹-	حضرت عمران بن حصینؓ	۱۳۰
۲۰-	حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ	۱۳۰

۲۱-	حضرت ثوبان مولی النبیؐ	۱۲۷
۲۲-	حضرت اسامہ بن زیدؓ	۱۲۸
۲۳-	حضرت نعمان بن بشیرؓ	۱۲۴
۲۴-	حضرت سمرہ بن جندب فزاریؓ	۱۲۳
۲۵-	حضرت ابومسعود عقبہ بن عمرؓ	۱۰۲
۲۶-	حضرت جریر بن عبداللہ البجلیؓ	۱۰۰

طبقہ چہارم:

یعنی وہ صحابہ جن کی تعداد روایت چالیس سے سوتک ہے اس طبقہ میں ۳۳ صحابہ ہیں،

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱-	حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ	۹۵
۲-	حضرت زید بن ثابتؓ	۹۲
۳-	حضرت ابوطلحہؓ زید بن سہل	۹۲
۴-	حضرت زید بن ارقمؓ	۹۰
۵-	حضرت زید بن خالد الجہنیؓ	۸۱
۶-	حضرت کعب بن مالک اسلمیؓ	۸۰
۷-	حضرت رافع بن خدیجؓ	۷۸
۸-	حضرت سلمہ بن اکوعؓ	۷۷
۹-	حضرت ابورافع قبطیؓ	۶۸
۱۰-	حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ	۶۷
۱۱-	حضرت عدیؓ بن ابی حاتم الطائی	۶۶
۱۲-	حضرت عبدالرحمن بن ابی اوفیؓ	۶۵
۱۳-	ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ	۶۵
۱۴-	حضرت عمار بن یاسرؓ	۶۲
۱۵-	حضرت سلمان فارسیؓ	۶۴

۱۶-	ام المومنین حضرت حفصہؓ	۶۰
۱۷-	حضرت جبیر بن مطعم قرشیؓ	۶۰
۱۸-	حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ	۵۶
۱۹-	حضرت واثلہ بن اسقع کنانیؓ	۵۶
۲۰-	حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ	۵۵
۲۱-	حضرت فضالہ بن عبید انصاریؓ	۵۰
۲۲-	حضرت عمرو بن عتبہؓ	۴۸
۲۳-	حضرت کعب بن عجرہ انصاریؓ	۴۷
۲۴-	حضرت فضلہ بن عبید اسلمیؓ	۴۶
۲۵-	ام المومنین حضرت میمونہؓ	۴۶
۲۶-	حضرت ام ہانیؓ	۴۶
۲۷-	حضرت ابو جحیفہ بن وہب سوائیؓ	۴۵
۲۸-	حضرت بلال بن رباح تمیمیؓ	۴۴
۲۹-	حضرت عبداللہ بن مغفلؓ	۴۳
۳۰-	حضرت مقداد بن اسود کوفیؓ	۴۲
۳۱-	حضرت ام عطیہ انصاریہؓ	۴۱
۳۲-	حضرت حکیم بن خزام اسدیؓ	۴۰
۳۳-	حضرت سلمہ بن حنیف انصاریؓ	۴۰

طبقہ پنجم:

یعنی وہ صحابہؓ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے کم ہیں اس طبقہ میں پچپن صحابہ ہیں

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱-	حضرت زبیر بن عوامؓ	۳۸
۲-	حضرت فاطمہ بنت قیسؓ	۳۴
۳-	حضرت خباب بن الارتؓ	۳۲

۲۸-	حضرت سائب بن فلاحؓ	۵
۲۹-	حضرت خفاف غفاریؓ	۵
۳۰-	حضرت ذو مخبر حبشیؓ	۵
۳۱-	حضرت مالک بن ہبیر کندیؓ	۴
۳۲-	حضرت زید بن حارثہؓ	۴
۳۳-	حضرت ثابت بن ودیعہؓ	۲
۳۴-	حضرت کعب بن عیاض اشعریؓ	۲
۳۵-	حضرت کلثوم بن حصین غفاریؓ	۲
۳۶-	حضرت دحیہ کلبیؓ	۲
۳۷-	حضرت جدانہ بنت وہبؓ	۲
۳۸-	حضرت مالک بن یسارؓ	۱
۳۹-	حضرت عبداللہ بن زمعہؓ	۱
۴۰-	حضرت کلثوم بن علقمہؓ	۱

ان کے علاوہ جو صحابہؓ باقی رہ گئے ہیں چونکہ وہ صغار صحابہؓ ہیں اور ان کی روایت کتب حدیث میں اس قدر کم ہے کہ وہ شمار میں نہیں آتی، اس لیے ہم ان کا ذکر نہیں کرتے۔ مختلف طبقات میں ہم نے جن صحابہؓ کا نام لیا ہے ان کی مجموعی تعداد ایک سو پچیس ہے اور مسلمانوں کے پاس احادیث کا جو سرمایہ باقی ہے وہ انہی بزرگوں کا فیض ہے۔

علم فقہ

علم فقہ کی تدوین وترتیب میں صحابہ کرامؓ کے مساعی جمیلہ کا جو حصہ شامل ہے اس کی تاریخ حسب ذیل عنوانات میں بیان کی جاسکتی ہے،

۱- صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کیونکر علم فقہ کی تعلیم حاصل کی؟

۲- فقہائے صحابہؓ کے کس قدر طبقات قائم ہوئے؟

۳- انہوں نے تابعین کو کیونکر فقہ کی تعلیم دی؟ اور فقہ کے مسائل کیونکر مدون کئے؟

۴- انہوں نے اصول فقہ کے کس قدر مسائل ایجاد کئے،

۵- صحابہ کرامؓ کے اختلافی مسائل کا منشا کیا تھا؟

صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کیونکر فقہ کی تعلیم حاصل کی:

عہد نبوت میں علم فقہ بلکہ کوئی علم مدون و مرتبہ نہ تھا کہ صحابہ کرامؓ باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل کرتے، سوال و استفسار کے ذریعہ سے بلاشبہ رسول اللہ ﷺ سے مسائل دریافت کئے جا سکتے تھے، لیکن صحابہ کرامؓ کچھ تو فرط ادب سے، اور کچھ اس لئے کہ خود قرآن مجید نے سوالات کرنے کی ممانعت کردی تھی آپ سے بہت کم مسائل دریافت کرتے تھے۔ مسند دارمی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے صرف تیرہ مسائل دریافت کئے تھے جو کل کے کل قرآن مجید میں مذکور ہیں،[1] اس بناء پر آپ سے علم فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کا صرف یہ طریقہ تھا کہ صحابہ کرامؓ آپ کے تمام اعمال مثلاً وضو، نماز، روزہ، زکوٰۃ کا بغور مطالعہ کرتے تھے اور قرائن و امارات سے ان کے شروط، و ارکان و مباح، واجب اور منسوخ وغیرہ قرار دیتے تھے،[2]

صحابیات کو بے شبہ اس طریقہ تعلیم سے فائدہ اٹھانے کا کم موقع ملتا تھا، اس کے ساتھ

[1] مسند دارمی ص۲۹۔

[2] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ ۱۱۲

بہت سے مخصوص نسوانی مسائل عام طور پر بیان بھی نہیں کر سکتے تھے، ان کو زیادہ تر آپ سے سوال و استفسار کی ضرورت پیش آتی تھی۔ اور اس طرح فقہ کے بہت سے مسائل واضح اور منقح ہو جاتے تھے۔ انصاریہ عورتیں اس باب میں خاص طور پر ممتاز تھیں، چنانچہ خود حضرت عائشہؓ کو اعتراف ہے۔

نعم النساء نساء الانصار لم یکن یمنعهنّ الحیاء ان یتنقهن فی الدین۔[1]

انصاریہ عورتیں کس قدر اچھی ہیں کہ تفقہ فی الدین سے ان کو حیا باز نہیں رکھ سکتی تھی۔

جو صحابہؓ مدینہ سے باہر رہتے تھے، ان کو بھی ہر وقت اس کا موقع نہیں ملتا تھا، اس لیے وہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر چند روز قیام کرتے تھے، اور فقہی تعلیم حاصل کر کے واپس جاتے تھے، تو خود اپنی قوم کے معلم بن جاتے تھے. چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت انہی بزرگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے:

فلو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتنقهوا فی الدین ولینذ روا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون[2]

''تم میں ہر قوم سے ایک گروہ کیوں نہیں نکلتا جو تفقہ فی الدین حاصل کرے اور جب اپنی قوم میں واپس جائے تو ان کو ڈرائے شاید وہ لوگ ڈر جائیں''

چنانچہ حدیث کی کتابوں میں اس قسم کی متعدد سفارتوں کا ذکر ہے جو قبائل عرب سے آپ کی خدمت میں آئیں، اور مذہبی تعلیم حاصل کر کے واپس گئیں، وفد عبدالقیس نے خدمت مبارک میں آکر عرض کیا ہم ایک طویل مسافت طے کر کے آئے ہیں اور درمیان میں کفار مضر حائل ہیں اس لیے اشہر حرم کے سوا حاضر خدمت نہیں ہو سکتے، ہم کو وہ احکام سکھائے جائیں جن کی ہم اپنی قوم کو تعلیم دیں، آپ نے ایمان، نماز، زکوۃ، روزہ، اور خمس کا حکم دیا اور چند ظروف شراب کے استعمال کی ممانعت فرمائی اور کہا کہ اس کو یاد کرلو، اور پلٹ کر اپنی قوم کو بھی اس سے مستفید کرو۔[3] قبیلہ بنو سعد کی طرف سے حضرت ضمام بن ثعلبہؓ آئے اور نماز اور روزے وغیرہ کے

---

1. صحیح مسلم بخاری کتاب الطہارۃ باب استحباب استعمال المغتسلة من الحیض فرصة من مسک فی موضوع الدم
2. تفسیر ابن کثیر ص ۸۸
3. بخاری کتاب العلم باب تحریض النبی صلی اللہ ﷺ وفد عبدالقیس علی ان یحفظوا ۱۱۱ یمان والعلم

متعلق چند سوالات کر کے کہا، کہ میں اپنی قوم کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہوں۔[1]
غرض اس طرح اکثر صحابہ فقہ کے ضروری اور عملی مسائل سے واقف ہو گئے تھے،

طبقات فقہائے صحابہ:

فقہائے صحابہ کے تین طبقے ہیں۔

۱۔ مکثرین، یعنی وہ صحابہ جن سے بکثرت مسائل منقول ہیں۔

۲۔ مقلین، یعنی وہ صحابہ جن سے بہت کم مسائل مروی ہیں۔

۳۔ متوسطین، یعنی وہ صحابہ جو ان دونوں طبقوں کے بین بین ہیں۔

پہلے طبقے میں صرف سات بزرگ یعنی حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت علیؓ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ داخل ہیں، علامہ ابن حزم کا بیان ہے کہ اگر ان بزرگوں کے فتاوی جمع کئے جائیں تو ہر ایک کے فتاویٰ سے ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں، چنانچہ ابوبکرؓ محمد بن موسیٰ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فتاویٰ کو بیس جلدوں میں جمع کیا ہے۔

دوسرے طبقے میں بکثرت اصحاب داخل ہیں اور ان سے صرف دو ایک مسائل منقول ہیں، یہاں تک کہ ان سب کے مسائل کو ایک مختصر سے رسالے میں جمع کیا جا سکتا ہے۔

متوسطین میں صرف تیرہ صحابی یعنی، حضرت ابوبکرؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، اور حضرت معاذ بن جبلؓ شامل ہیں، اور ان سب کے فتاوی کو علیحدہ علیحدہ مختصر رسالوں میں جمع کیا جا سکتا ہے۔[2]

صحابہ کرامؓ نے تابعین کو کیونکر فقہ کی تعلیم دی:

موجودہ فقہ کی بنیاد صرف چار صحابہ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فتاویٰ نے ڈالی۔

---

[1] بخاری کتاب العلم باب القراءة والعرض علی المحدث

[2] اعلام الموقعین ص ۱۳ میں یہ پوری تفصیل مذکور ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ میں باقاعدہ فقہ کی تعلیم دیتے تھے، اور ان کے تلامذہ ان کے احکام وفتاوی کو لکھ لیا کرتے تھے، چنانچہ علامہ ابن قیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں۔

لم یکن احدله اصحاب معروفون حدروا افتیاه ومذاهبه فی الفقه غیر ابن مسعود۔[1]

''ابن مسعودؓ کے سوا کسی صحابی کے تلامذہ نے ان کے فتاوی اور مذاہب فقہ کو نہیں لکھا''

ان کے تلامذہ میں حضرت علقمہؒ نہایت نامور ہوئے، علقمہ کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد ابراہیم نخعی مسند نشیں ہوئے اور انہوں نے فقہ کو اس قدر ترقی دی کہ ان کے عہد میں فقہ کا ایک مختصر سا مجموعہ تیار ہو گیا، جس کے سب سے بڑے حافظ حماد تھے، امام ابوحنیفہؒ نے انہی سے تعلیم پائی ہے اس لئے فقہ حنفی کی بنیاد صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتاوی واحکام پر قائم ہوئی چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

کان ابو حنیفة رضی اللّٰه عنه الزمهم بمذهب ابراهیم و اقرانه لا یجاوزه الا ماشاء اللّٰه[2]

''امام ابوحنیفہؒ ابراہیم اور ان کے اقران کے مذہب کے سخت متبع تھے اور اس سے بہت کم ہٹتے تھے''

حضرت زید بن ثابتؓ مدینہ میں رہتے تھے اور ان کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، اور ان کے تمام تلامذہ میں حضرت سعید بن مسیب عطاء بن یسار، عروہ، اور قاسم وغیرہ نہایت ممتاز تھے، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی مدینہ ہی میں مقیم تھے اور ان کی روایتوں کے سب سے بڑے جامع حضرت نافع تھے، امام مالک نے انہی دونوں بزرگوں کے تلامذہ یعنی نافع سعید بن مسیب عروہ اور قاسم سے تعلیم حاصل کی تھی،[3]

ولذلک نری مالکا یلازم محجتهم۔[4]

''اس لیے مالک اہل مدینہ کی روش کو لازم پکڑتے ہیں''

---

[1] اعلام الموقعین ص ۳۲

[2] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر ص ۱۱۶

[3] الدیباج المذہب تذکرہ امام مالک

[4] حجۃ اللہ البالغہ صہ ۱۱۶

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تلامذہ نے مکہ کو دارالعلوم بنایا تھا، چنانچہ جب فقہ کی تدوین و ترتیب کی ابتداء ہوئی تو سب سے پہلے انہی مقامات میں کتابیں لکھی گئیں، امام مالک اور عبدالرحمٰن بن ابی ذیب نے مدینہ میں ابن جریج اور ابن عیینہ نے مکہ میں امام ثوری نے کوفہ میں اور ربیع بن صبیح نے بصرہ میں کتابیں لکھیں جن میں امام مالک کی کتابوں کو نہایت قبول عام حاصل ہوا۔[1]

تدوین مسائل:

جن مسائل کے متعلق مصرح حدیثیں موجود تھیں اور ان میں باہم کوئی تعرض نہیں تھا ان کی بناء پر فتوی دینا نہایت آسان کام تھا اور اس فرض کو بہت سے صحابہ انجام دیتے تھے، لیکن جن مسائل کے متعلق سرے سے حدیث ہی موجود نہیں تھی:

۱- ان کی تدوین کا پہلا طریقہ استنباط و اجتہاد تھا، اور اس باب میں صرف حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ خاص طور پر ممتاز تھے، چنانچہ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔[2]

> واما غير هولاء الا ربعة فكانو ايرون دلالة ولكن ما كانو ايميزون الركن والشرط من الاداب والسنن ولم يكن لهم قول عند تعارض الا خبار و تتابل الدلائيل الا قلبلا كابن عمر و عائشة و زيد بن ثابت
>
> ''ان چاروں کے سوا اور صحابہ مطلب سمجھتے تھے لیکن ارکان و شرائط یعنی آداب و سنن میں امتیاز نہیں کرتے تھے اور جن روایتوں میں تعارض ہوتا تھا یا دلائل متضاد قائم ہوتے تھے، ان میں بہت کم دخل دیتے تھے، مثلاً ابن عمرؓ، عائشہؓ اور زید بن ثابتؓ''

۲- دوسرا طریقہ یہ تھا، کہ جو مسائل پیش آتے تھے ان کے متعلق غور و فکر کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ وہ حل ہو جاتا تھا۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سامنے ایک مسئلہ پیش ہوا، جس پر وہ غور و فکر کرتے رہے، جب کتاب و سنت سے ہدایت نہیں ملی تو خود اپنی رائے قائم کی، لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ

---

[1] حجۃ البالغہ ص ۱۱۶

[2] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۶

ﷺ نے بھی یہی فیصلہ کیا تھا تو بیحد مسرور ہوئے، حضرت عمرؓ ایک ایک مسئلہ کے متعلق مختلف رائیں قائم کرتے تھے، ان کو بطور یادداشت کے لکھ لیا کرتے تھے، اور ان میں محوو اثبات کرتے رہتے تھے، چنانچہ پھوپھی کے متعلق ایک یادداشت لکھی جس کو اخیر میں مٹا دیا۔

۳۔ بہت سے مسائل تمام صحابہؓ کے مشورے سے طے کئے جاتے تھے، اور ان پر گویا تمام صحابہ کا اجماع ہو جاتا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے اس طریقہ کی ابتداء کی اور حضرت عمرؓ نے اس سے بکثرت کام لیا، شاہ صاحب لکھتے ہیں:

کان من سیرة عمرانه کان یشاور الصحابة ویناظرهم حتی تنکشف الغمة و یاتیه الثلج فصار غالب قضایاه و فتاواه متبعة فی مشارق الارض و مغاربها

''حضرت عمرؓ کا یہ طریقہ تھا کہ صحابہؓ سے مسائل فقہ کے متعلق مشورہ ومناظرہ کرتے تھے یہاں تک کہ ان کے دل میں یقین واطمینان کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا میں ان کے فتاویٰ کی پیروی کی گئی۔''

صحابہؓ نے اصول فقہ کے کس قدر مسائل ایجاد کئے:

صحابہ کرام نے اگرچہ استنباط مسائل کے لیے اصول وقواعد منضبط نہیں کئے تھے۔ تاہم ان کے فحوائے کلام سے اصول فقہ کے بہت سے قواعد معلوم ہو سکتے ہیں، مثلاً فقہا نے ایک اصول یہ قائم کیا ہے ''العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب'' یعنی احکام کے استنباط میں صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ شارع کے الفاظ عام ہیں یا خاص اس سے بحث نہیں کہ حکم عام ہے یا خاص، مثلاً قرآن مجید کی یہ آیت اذا قرئ القرآن فاستمعوا له و انصتوا آلخ اگرچہ بالتخصیص، خطبہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، لیکن الفاظ میں خطبہ کی تخصیص نہیں ہے، بلکہ عام حکم ہے کہ قرآن کو خاموشی کے ساتھ سننا چاہیے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر امام قرائت فاتحہ کرے تو مقتدی کو خاموش رہنا چاہیے، صحابہ کرام میں حضرت ابوذر غفاریؓ اسی اصول کے قائل تھے، چنانچہ قرآن کی اس آیت۔

والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم

''جولوگ چاندی سونا جمع کرتے ہیں اوراس کوخدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی بشارت دیں''

کے متعلق حضرت امیر معاویہؓ کا خیال تھا کہ یہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور سونا چاندی کے جمع کرنے پر عذاب انہی کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن حضرت ابوذر غفاری کو اصرار تھا، کہ،انها فينا و فيهم[1] (وہ ہمارے اوران کے دونوں کے بارے میں ہے)-یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک روپیہ پیسہ کا جمع کرنا ناجائز تھا،

فقہا کا ایک اصول مفہوم مخالف ہے مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ صرف نمازی لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو گو اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ بے نمازی لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے لیکن خوانخواہ اس کے مخالف جو نتیجہ نکلے گا وہ یہی ہوگا صحابہ نے بعض موقعوں پر اس اصول سے کام لیا ہے کہ ایک موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ جن لوگوں نے کسی کو خدا کا شریک بنایا وہ مرنیکے بعد دوزخ میں جائیں گے،انہوں نے روایت بیان کی تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا قول ہے میں کہتا ہوں کہ جن لوگوں نے کسی کو خدا کا شریک نہیں بنایا وہ جنت میں داخل ہوں گے،[2]

فقہا کا ایک اصول یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی اصولاً تمام چیزیں مباح ہیں البتہ جب شارع ان کو حرام کردیتا ہے تو حرام ہو جاتی ہیں،اس لیے جب تک تحریم کا کوئی سبب نہ ہو ہر چیز کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ ایک تالاب کے پاس اترے،حضرت عمرو بن العاصؓ بھی ہم سفر تھے، انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس میں درندے تو پانی نہیں پیتے؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ نہ بتانا-[3] اس سے ثابت ہوا کہ جب حرمت کی کوئی ظاہری وجہ موجود نہ ہو تو اباحت اشیاء کے لحاظ سے ہر چیز سے بے تکلف فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

فقہاء نے ایک اصول یہ قائم کیا کہ حدود شرعیہ شبہات سے زائل ہو جاتی ہے مثلاً بیٹا

[1] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ والذین یکنزون الذهب اگر وہ شانِ نزول ہی کو عام سمجھتے ہوں گے تو یہ مثال صحیح نہ ہوگی

[2] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ ومن الناس من یتخذ من دون اللہ اندادا

[3] موطائے امام مالک

اگر باپ کی کوئی چیز چرائے تو اس شبہ کی بناء پر کہ وہ باپ کے مال میں اپنا حق سمجھتا تھا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، صحابہ کرامؓ نے بعض موقعوں پر اس اصول سے کام لیا،

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں استغاثہ کیا کہ میرے غلام نے میری بیوی کا آئینہ چرایا جس کی قیمت ساٹھ درہم تھی، فرمایا، کہ تمہارا غلام تھا اور تمہاری ہی چیز چرائی اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔ [1]

اصول فقہ میں سب سے اہم چیز قیاس ہے اور درحقیقت موجودہ فقہ کی تمام تر بنیاد قیاس ہی پر قائم ہے، تاہم حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک مسائل فقہ میں صرف قرآن، حدیث، اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا، لیکن حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب تمدن کی وسعت نے گوناگوں مسائل پیدا کر دیئے اور قرآن و حدیث کی تصریحات ان جزئیات کے لیے کافی نہ ہوئیں تو قیاس کی ضرورت پیش آئی چنانچہ حضرت عمرؓ نے قضأت کے متعلق حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو جو فر... اس میں بہ تصریح قیاس سے کام لینے کی ہدایت کی۔

الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما لم يبلغلك في الكتاب والسنة و اعرف الامثال و الاشباه ثم قس الامور عندذالك

"جو مسائل تم کو قرآن و حدیث میں نہ ملیں اور ان کی نسبت تمہیں خلجان ہوتو پہلے ان پر غور کرو، پھر ان کے مشابہ واقعات کو جمع کر کے ان پر قیاس کرو"

فقہاء نے قیاس کے لیے دو شرطیں لگائی ہیں، ایک یہ کہ حکم قرآن و حدیث میں منصوص نہ ہو دوسرے یہ کہ مقیس و مقیس علیہ میں کوئی علت مشترک ہو، حضرت عمرؓ کے فرمان میں یہ دونوں شرطیں موجود ہیں پہلی شرط کے متعلق صاف تصریح ہے، (مما لم يبلغك في الكتاب و السنة) اور دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے (واعرف الامثال و الاشباه)

---

[1] موطائے امام مالک

صحابہ کرامؓ کے اختلافی مسائل کا منشا کیا تھا:

عہدِ نبوت کے بعد جب تمام صحابہؓ ممالک مفتوحہ میں پھیلے تو ان کے سامنے نہایت کثرت سے نئے نئے مسائل اور نئے نئے واقعات آئے۔اس لیے ان بزرگوں کو جو کچھ حدیثیں یاد تھیں۔یا جو کچھ قرآن وحدیث سے مستنبط ہوسکتا تھا ان کے مطابق ان کا جواب دیا۔لیکن جن مسائل کے متعلق ان کا خزانہ معلومات احادیث روایت سے خالی تھا ان کے متعلق صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف کے مختلف اسباب پیدا ہوگے۔مثلاً

ا۔ ایک صحابی نے کسی مسئلہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ سنا تھا لیکن دوسرے صحابی کو اس کے سننے کا اتفاق نہ ہوا تھا، اس لیے انہوں نے اپنے اجتہاد سے کام لیا، جس کی مختلف صورتیں پیدا ہوگئیں۔ایک یہ کہ اجتہاد بالکل حدیث کے مطابق واقع ہوا، مثلاً ایک عورت کا شوہر تعین مہر کئے بغیر مر گیا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس کے متعلق استفتا کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس کے متعلق مجھے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ معلوم نہیں ہے ان لوگوں نے بہت اصرار کیا تو اس کو مہر مثل اور میراث دلوایا اور عدت گزارنے کا حکم دیا، معقل بن یسارؓ نے اس جواب کے بعد شہادت دی کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک عورت کے متعلق اس صورت میں یہی فتوی دیا تھا، جس سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نہایت مسرور ہوئے، دوسری صورت یہ کہ دو صحابیوں میں اختلاف ہوا اس کے بعد ایک حدیث نکل آئی، جس سے ایک صحابی کو اپنے اجتہاد سے رجوع کرنا پڑا، مثلاً حضرت ابوہریرہؓ کے نزدیک جو شخص رمضان المبارک میں صبح تک حالت جنابت میں رہے اس کا روزہ صحیح نہیں ہوسکتا، لیکن بعض ازواج مطہرت کے ذریعہ سے ان کو اس کے خلاف روایت مل گئی، تو انہوں نے اس مذہب سے رجوع کیا تیسری صورت یہ کہ حدیث تو ملی لیکن انہوں نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا، بلکہ خود حدیث کو نا قابل عمل قرار دیا۔

مثلاً ایک بار حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے شہادت دی کہ ان کے شوہر نے ان کو تین طلاق دی، لیکن رسول اللہ ﷺ نے نہ اس سے ان کو نفقہ دلوایا، اور نہ اس کے مکان میں رہنے کی اجازت دی۔لیکن حضرت عمرؓ نے اس شہادت کو قبول نہیں کیا، اور فرمایا کہ ایک عورت کے کہنے سے میں کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتا، چوتھی صورت یہ کہ صحابی کو سرے سے حدیث ہی نہیں معلوم ہوئی، مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ غسل کے وقت عورتوں کو بال کھولنے کا حکم دیتے تھے، لیکن حضرت

عائشہؓ کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عمر عورتوں کو سر منڈوانے ہی کا حکم کیوں نہیں دیدیتے، میں خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہاتی تھی اور مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں کرنا پڑتا تھا کہ تین بار سر پر پانی ڈال لوں۔

۲- یا مثلاً رسول اللہ ﷺ نے کوئی کام کیا، صحابہ کرام نے اس کو دیکھا تو بعض نے اس کو عبادت پر اور بعض نے اباحت پر محمول کیا، مثلاً حج میں نزول تحصیب کے متعلق حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا خیال ہے کہ وہ سنن حج میں سے ہے، اور حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نزدیک یہ محض ایک اتفاقی واقعہ تھا۔

۳- یا مثلاً رسول اللہ ﷺ کے کسی فعل کو مختلف صحابہ نے دیکھا اور وہم وظن کی بناء پر سب نے اس کی مختلف حیثیتیں قائم کرلیں مثلاً حجۃ الوداع کے متعلق صحابہ نے مختلف رائیں قائم کی ہیں، بعض کے نزدیک آپ متمتع تھے، بعض کے نزدیک قارن تھے، اور بعض کے نزدیک مفرد تھے، چنانچہ جس طرح یہ وہم پیدا ہوا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کی تشریح کی ہے۔

۴- سہو ونسیان کی بناء پر بھی بعض اختلافات پیدا ہوئے، مثلاً حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے رجب میں عمرہ کیا تھا، لیکن حضرت عائشہؓ نے اس کو سہو ونسیان کا نتیجہ قرار دیا۔

۵- بعض اختلاف روایت کے تمام جزئیات کے محفوظ نہ رکھنے سے پیدا ہوئے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ یا خود حضرت عمرؓ نے یہ روایت کی کہ "میت پر اس کے اہل وعیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے، حضرت عائشہؓ نے اس روایت کو سنا تو فرمایا کہ انہوں نے حدیث کو صحیح طور پر یاد نہیں رکھا، واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودیہ مرگئی ہے اور اس کے اہل وعیال اس پر نوحہ کررہے تھے، رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا تو فرمایا کہ لوگ اس پر رو رہے ہیں، اور اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے، لیکن حضرت عمرؓ نے غلطی سے رونے کو عذاب کی علت قرار دیا اور اس کی بناء پر ہر میت کے لئے اس حکم کو عام کردیا، حالانکہ یہ الگ الگ واقعے تھے، اور ان میں باہم علت ومعلول کا تعلق نہ تھا۔

۶- اختلاف کا ایک سبب یہ بھی تھا، کہ صحابہ میں کسی حکم کی علت میں اختلاف پیدا ہوا، اس لیے اس کے نتائج بھی مختلف صورتوں میں ظاہر ہوئے مثلاً احادیث میں جنازے کے لیے کھڑے ہوجانے کا حکم آیا ہے، جس کے مختلف اسباب بتائے جاتے ہیں بعض صحابہ کے نزدیک اس کی

علت تعظیم ملائکہ ہے اور اس صورت میں مسلمان اور کافروں دونوں جنازوں کے لئے کھڑے ہو جانا چاہیے، کیونکہ فرشتے دونوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ بعض کے نزدیک خوف اور موت اس کا سبب ہے اور اس صورت میں بھی یہ حکم کافر اور مومن دونوں کے لیے عام ہے، لیکن ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے ایک یہودی کا جنازہ گزرا۔ آپ نے یہ پسند نہیں کیا کہ وہ آپ کے سر کے اوپر سے گزر جائے اس لئے کھڑے ہو گئے اور اس صورت میں حکم صرف کافر کے لیے مختص ہے۔

۷۔ اختلاف کا ایک سبب الجمع بین المختلفین ہے، یعنی یہ ایک چیز کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے دو متضاد حکم موجود ہیں، صحابہ کرام نے ان دونوں میں تطبیق دی تو باہم اختلاف پیدا ہو گیا، مثلاً رسول اللہ ﷺ نے پہلے غزوہ خیبر میں متعہ کی اجازت دی پھر غزوہ اوطاس میں اس کا حکم دیا، اس کے بعد اس کی ممانعت کر دی، آپ کے طرز عمل کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا خیال ہے کہ متعہ کا اصل حکم اب تک باقی ہے، اجازت اور ممانعت دونوں ضرورت کی بناء پر تھیں اور بوقت ضرورت ان دونوں پر عمل کیا جا سکتا ہے، لیکن عام صحابہ کا فتویٰ یہ ہے کہ متعہ کی اجازت محض ضرورۃً تھی، لیکن ممانعت نے اس کو ہمیشہ کے لیے منسوخ کر دیا۔[1]

---

[1] یہ پوری بحث حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۱۳ اور ۱۱۴ سے ماخوذ ہے۔

علم اسرار الدین

صحابہ کرامؓ کا زمانہ اگرچہ عقلی ترقی کا زمانہ نہ تھا، تاہم وہ اتنا جانتے تھے کہ شریعت کے احکام واوامر مصالح عقلی پر مبنی ہیں۔ اس بناء پر ان کو جب کوئی بات خلافِ عقل نظر آتی تھی تو اس کے متعلق فوراً رسول اللہ ﷺ سے استفسار کر کے اپنی تشفی کر دیتے تھے، ایک بار آپ نے ارشاد فرمایا کہ،، بی بی کے ساتھ مباشرت کرنا ثواب کا کام ہے،، اس پر صحابہ نے تعجب سے پوچھا کہ اس میں کون سی ثواب کی بات ہے؟ ارشاد ہوا کہ ''اگر کوئی شخص کسی دوسری عورت سے ملوث ہوتا تو کیا گنہگار نہ ہوتا''؟[1]

ایک بار آپ نے فرمایا کہ جب دو مسلمان باہم لڑتے ہیں تو قاتل ومقتول دونوں جہنمی ہوتے ہیں اس پر ایک صحابیؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ قاتل کا جہنمی ہونا تو ظاہر ہے لیکن مقتول کیوں جہنمی ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ وہ اپنے بھائی کے قتل کا آرزومند تھا۔[2]

قرآن مجید میں قصر نماز کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا

''اگر تم کفار کی فتنہ انگیزی کے خوف سے قصر نماز کرو تو کوئی حرج نہیں۔''

لیکن ظاہر ہے کہ یہ رخصت مشروط بہ فتنہ ہے، ہر سفر پر اس آیت کا انطباق نہیں ہوسکتا ، چنانچہ عرب میں امن وامان کے قائم ہونے پر بھی یہ حکم باقی رہا تو حضرت عمرؓ کو اس پر استعجاب ہوا اور انہوں نے آپ سے اس کی وجہ دریافت فرمائی، ارشاد ہوا کہ یہ خدا کا صدقہ ہے اور اس کے صدقے کو قبول کرو۔[3]

---

1. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ الضحیٰ
2. بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاہلیۃ
3. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ المسافر

صحابہ کرامؓ کے انہی استفسارات وسوالات نے درحقیقت علم اسرارالدین کی بنیاد ڈالی اوراخیر زمانے میں امام غزالی، خطابی، اورابن عبدالسلام وغیرہ اورسب سے اخیر میں شاہ ولی اللہؒ صاحب نے اس پرایک عظیم الشان عمارت قائم کردی، چنانچہ خود شاہ صاحب لکھتے ہیں:

بعد ما مهد النبی ﷺ اصوله و فرع فروعه واقتفى اثره فقهاء الصحابة كاميرى المومنين عمر و علی و كزيد و ابن عباس و عائشة و غيرهم بحثوا عنه و ابرز و اوجوهامنه ۔[1]

''رسول اللہ ﷺ نے اس فن کے اصول وفروع مرتب کئے اورفقہاء صحابہ مثلاً امیر المومنین عمرؓ علیؓ، زید بن ثابتؓ، ابن عباسؓ، عائشہؓ، نے اس کا اتباع کیا، اس سے بحث کی اوراس کے وجوہ بیان کئے''

شاہ صاحب نے بالتخصیص جن صحابہ کا نام لیا ہے انہوں نے احکام شرعیہ کے جو علل و اسباب بیان کیے ہیں وہ کتب احادیث میں بہ تفصیل مذکور ہیں، مثلاً آپ صلح حدیبیہ کے بعد عمرہ ادا کرنے کے لیے تشریف لائے تو صحابہ کرام کو طواف کی حالت میں دوڑ کر اوراکڑ کر چلنے کا حکم دیا، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ زمانہ تھا جب کہ مدینہ میں ایک وبائی بخار پھیلا ہوا تھا، جس میں اکثر صحابہ مبتلا تھے، طواف میں ضعف کا اثر محسوس ہوتا تھا، تو کفار شماتت کرتے تھے، کہ مدینہ کے بخار نے ان کو چور کردیا، اس بناء پر آپ نے صحابہ کو یہ حکم دیا کہ ضعف کا اثر محسوس نہ ہونے پائے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ حکم محض ایک وقتی سبب کی بناء پر دیا گیا تھا اور جب وہ زائل ہوگیا تو اس حکم کو بھی بدل جانا چاہیے چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس خیال کو یہ کہہ کر ظاہر کردیا کہ، اب اسلام کو قوت حاصل ہوگئی اور کفار فنا ہوگئے، تاہم چونکہ یہ عہد نبوت کی یادگار ہے اس لیے ہم اس کو قائم رکھتے ہیں۔[2]

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تک پھل کی حالت قابل اطمینان نہ ہوجائے اس کو فروخت نہیں کرنا چاہیے، حضرت زید بن ثابتؓ نے اس حکم کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ لوگ عہدِ رسالت میں پھلوں کو فروخت کرڈالتے تھے، لیکن جب فصل کا زمانہ آتا تھا، اور بائع قیمت کا تقاضہ

---

[1] حجۃ البالغہ مطبوعہ مصر صفحہ ۶

[2] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی الرمل

کرتا تھا تو مشتری حیلے حوالے کرتا تھا۔ کہ پھل کو فلاں فلاں روگ لگ گئے، اس طرح جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بہ کثرت مقدمات آنے لگے تو آپ نے یہ حکم دیا۔[1]

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ غسل جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ بولے نہیں، غسل جمعہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ابتداء میں تمام صحابہ نہایت مفلس تھے۔ کمبل پہنتے تھے، اور اپنی پیٹھ پر بوجھ لاد کر چلتے تھے، مسجد نہایت تنگ تھی، ایک دن تپتے ہوئے دن میں رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ کے لیے تشریف لائے لوگ پسینے میں شرابور تھے۔ اور اس کی بو سے ہر شخص کو تکلیف محسوس ہو رہی تھی، اس لیے آپ نے حکم دیا کہ جمعہ کے دن غسل کرو اور خوشبو لگا کر آؤ، لیکن اب خدا کے فضل سے یہ حالت بدل گئی ہے، اب لوگ بال کے کپڑے نہیں پہنتے، محنت مزدوری نہیں کرتے، مسجد وسیع ہو گئی ہے اور پسینہ کی بو پھیل کر لوگوں کو اذیت نہیں دیتی۔[2] اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ حکم کا وجود عدم علت کی وجود و عدم پر مبنی ہوتا ہے اور اب چونکہ غسل جمعہ کی علت موجود نہیں ہے اس لیے وہ واجب بھی نہیں۔

لیکن ان بزرگوں میں حضرت عائشہؓ [3] نے سب سے زیادہ ان اسرار کی پردہ دری کی ہے اور بکثرت مسائل کے علل و اسباب بیان کئے ہیں، مثلاً عہد نبوت میں عورتوں کی اخلاقی حالت چونکہ قابل اعتماد تھی، اس لیے ان کو حضور صلوٰۃ اور شرکت جماعت کی اجازت تھی، لیکن جب اخیر زمانے میں عورتوں کے نظام اخلاق میں انحطاط پیدا ہو گیا، تو حضرت عائشہؓ نے صاف صاف کہہ دیا،

لو ادرك رسول الله ﷺ ما احدث النساء لمنعهن المساجد منعه نساء بني اسرائيل -[4]

''عورتوں نے اپنی حالت میں جو تغیرات پیدا کر لئے ہیں اگر رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسا کہ بنو اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں تھیں۔''

---

1. بخاری کتاب البیوع باب بیع الثمار قبل ان یبداء وصلاحہا
2. ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعۃ
3. ماخوذ از سیرت عائشہؓ
4. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی خروج النساء الی مسجد

قرآن مجید کی مکی اور مدنی سورتوں میں متعدد فروق و امتیازات ہیں، مثلاً جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں ان میں زیادہ تر عقائد و وقایع اخروی کا ذکر ہے اور مدنی سورتوں میں بتدریج اوامر و نواہی کا مطالبہ کیا گیا ہے، کیونکہ اسلام ایک جاہل قوم میں آیا، اس لئے اس کو پہلے خطیبانہ اور واعظانہ طریقہ سے جنت اور دوزخ کا حال سنایا گیا، جب اس سے لوگ متاثر ہو چکے تو اسلام کے احکام قوانین اور اوامر و نواہی نازل ہوئے۔ اگر زنا و شراب خواری وغیرہ سے اجتناب کا پہلے ہی دن مطالبہ کیا جاتا۔ تو دفعتاً کون اس نامانوس آواز کو سنتا؟ اس قسم کے امتیازات و فروق کے دریافت کرنے پر یورپ کے علمائے مستشرقین کو بڑا ناز ہے۔ لیکن حضرت عائشہؓ نے پہلے ہی دن اس راز کو فاش کر دیا تھا صحیح بخاری میں ان سے مروی ہے:

انما نزل اول ما نزل منه سورة من المفصل فيها ذكر الجنة و النار حتى اذا تاب الناس الى الاسلام ثم نزل الحرام و الحلال و لونزل اول شئى لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع الخمر ابداو لو نزل لا تزنوالقا لوالا ندع الزنا ابد القد نزل بمكة و انا جارية العب بل الساعة مو عدهم و الساعة ادهىٰ و امروما نزلت سورة البقره و النساء الا وانا عنده (باب تاليف القرآن)

''قرآن کی سب سے پہلی سورت جو نازل ہوئی وہ مفصل کی سورت ہے جس میں جنت دوزخ کا ذکر ہے یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو پھر حلال و حرام اترا، اگر پہلے یہ اترتا کہ شراب مت پیو، تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز شراب نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ اترتا کہ زنا نہ کرو تو کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے، مکہ میں جب میں کھیلتی تھی تو یہ اترا کہ وعدہ کا دن قیامت ہے اور قیامت نہایت سخت اور نہایت تلخ چیز ہے، سورۃ بقرہ اور سورہ نساء جب اتری تو میں آپ کی خدمت میں تھی''

اسلام کے ظہور سے پہلے مدینہ کے قبائل باہم خانہ جنگیوں میں مصروف تھے، جن میں ان کے اکثر ارباب ادعا جو اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے ہر نئی تحریک کی کامیابی میں رکاوٹ پیدا کرتے ~~پیں~~ قتل ہو گئے۔ انصار ان لڑائیوں سے اس قدر چور ہو گئے تھے کہ اسلام آیا تو سب نے اس کو

اپنے لئے رحمت سمجھا، چونکہ اب ادعا کا طبقہ مفقود ہو چکا تھا، اس لیے ان کی راہ میں کسی نے موانع نہیں پیدا کئے اس طریقہ سے خدائے پاک نے ہجرت سے پہلے مدینہ میں اسلام کی ترقی کے راستے صاف کر دیئے تھے، یورپ کے فلسفہ تاریخ نے آج اس نکتہ چینی کو حل کیا ہے، لیکن حضرت عائشہؓ نے ان سے پہلے ہم کو بتا دیا تھا۔

كان يوم بعا ث يوما قدمه الله لرسوله ﷺ فقدم رسول الله ﷺ و قدا فترق ملوهم و قتلت رواتهم و جرحوفقدمه الله رسوله فى دخولهم الاسلام فى الجاهلية

"جنگ بعاث وہ واقعہ تھا جس کو خدا نے اپنے رسول کے لیے پہلے ہی سے پیدا کر دیا تھا، رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آئے تو انصار کی جمعیت منتشر ہو گئی تھی، اور انکے سردار مارے جا چکے تھے، اس لیے خدا نے اپنے رسول کے لیے ان کے حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے یہ واقعہ پہلے ہی سے مہیا کر دیا تھا"

جن نمازوں میں چار رکعتیں ہوتی ہیں، قصر کی حالت میں ان کی دو رکعتیں ادا کی جاتی ہیں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے دو سہولت کی خاطر ساقط کر دی گئی ہیں لیکن حضرت عائشہ ؓ نے اس کی یہ وجہ بتائی ہے۔

فرضت الصلوٰة ركعتين ثم هاجر النبى صلعم ففرضت اربعا ترکت صلوٰة السفر على الاول

(بخاری باب ہجرت)

"مکہ میں دو رکعتیں نماز فرض تھیں جب آپ نے ہجرت فرمائی تو چار فرض کی گئیں اور سفر کی نماز اپنی قدیم حالت پر چھوڑ دی گئی"

عبادت کا تو خدا نے ہر وقت حکم دیا ہے لیکن احادیث میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ نماز عصر اور نماز فجر کے بعد کوئی نماز یعنی نفل و سنت بھی جائز نہیں، اس لیے بظاہر اس کی ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، لیکن حضرت عائشہؓ اس کی یہ وجہ بیان فرماتی ہیں۔

وهم عمر انما نهى رسول الله ﷺ عن الصلوٰة ان

یتحری طلوع الشمس و غروبها (مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۴)

''عمرؓ کو وہم ہوا، آپ نے صرف اس طرح نماز سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آفتاب کے طلوع یا غروب کے وقت کو تاک کر نماز نہ پڑھے''

یعنی آفتاب پرستی کا شبہ نہ ہو، آفتاب پرستوں کے ساتھ وقت عبادت میں تشابہ نہ ہو، احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نفل پڑھتے تھے، اس بناء پر لوگ بغیر کسی عذر کے بیٹھ کر نفل پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں ، ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں؟ جواب دیا:

حین حطمه الناس (ابوداود باب صلوٰۃ القاعد)

''یہ اس وقت تھا جب لوگوں نے آپ کو توڑ دیا یعنی آپ کمزور ہو گئے۔''

ابوداؤد اور مسلم میں ان سے اس قسم کی اور روایتیں بھی مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کبرسنی اور ضعف کی وجہ سے ایسا کرتے تھے، ہجرت کے بعد جب نمازوں میں دو رکعت کے بجائے چار رکعتیں ہو گئیں تو مغرب میں یہ اضافہ کیوں نہیں کیا گیا، حضرت عائشہؓ اس کا یہ جواب دیتی ہیں۔

فانها و تر النهار (مسند ج ۶ ص ۲۴۱)

''مغرب میں اضافہ نہ ہوا کیوں کہ وہ دن کی وتر ہے۔''

یعنی جس طرح رات کی نمازوں میں تین رکعتیں وتر کی ہیں اسی طرح دن کی نمازوں میں وتر کی یہ تین رکعتیں ہیں۔

نماز فجر میں تو اطمینان زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس میں رکعتیں اور زیادہ ہونی چاہئیں، لیکن اور نمازوں سے کم ہیں حضرت عائشہؓ اس کی وجہ بیان فرماتی ہیں۔

وصلوٰة الفجر لطول قرآتهما (مسند ج ۶ ص ۲۴۱)

نماز فجر میں رکعت کا اضافہ اس لئے نہیں ہوا کہ دونوں رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھی جاتی ہیں۔

یعنی رکعتوں کی کمی کو طول قراءت نے پورا کر دیا۔

اہل جاہلیت عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ اور وہ فرضیتِ صومؔ سے پہلے اسلام میں بھی واجب رہا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس قسم کی روایت احادیث میں مذکور ہے لیکن وہ نہیں جانتے کہ جاہلیت میں اس دن روزہ کیوں رکھا جاتا تھا، لیکن حضرت عائشہؓ اس کا سبب یہ بیان فرماتی ہیں:

کانوا یصومون یوم عاشوراء قبل ان یفرض رمضان و کان یوم تسترفیه الکعبة (مسند احمد ج ۶ ص ۲۴۴)

''اہل عرب رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتے تھے، کیونکہ اس روز کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا''

باوجود یہ کہ آپ ہمیشہ تہجد پڑھتے تھے، لیکن رمضان کے پورے مہینے میں آپ نے تراویح نہیں پڑھی، حضرت عائشہؓ اس کی وجہ بیان فرماتی ہیں کہ پہلے دن آپ نے مسجد میں نماز تراویح ادا فرمائی تو کچھ لوگ بھی شریک ہو گئے، دوسرے دن اور زیادہ مجمع ہوا اور تیسرے دن بھی لوگ جمع ہوئے چوتھے دن اتنا مجمع ہوا کہ مسجد میں جگہ نہ رہی، لیکن آپ باہر تشریف نہ لائے اور لوگ مایوس ہو کر چلے گئے صبح آپ نے لوگوں سے فرمایا:

اما بعد فانه لم یخف علی شانکم اللیلة و لکنی خشیت ان تفرض علیکم صلوة اللیل فتعجزوا

''رات تمہاری حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی، لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر تراویح فرض نہ ہو جائے اور تم اس کو ادا کرنے سے قاصر رہو''

حج کے بعد ارکان مثلاً طواف کرنا، بعض مقامات میں دوڑنا کہیں کھڑا ہونا کہیں کنکری مارنا، بظاہر فعل عبث معلوم ہوتے ہیں لیکن حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں،

انما جعل الطواف بالبیت و بالصفاو المروة و رمی الجمار لا قامة ذکر الله عزوجل (مسند احمد ج ۶ ص ۶۴)

''خانہ کعبہ صفا مروہ کا طواف، کنکری پھینکنا تو صرف خدا کے یاد کرنے کے لیے ہے''

قرآن مجید کے اشارات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں بھی ایک طرز عبادت تھا، چونکہ حج یادگار ابراہیم ہے اس لیے وہی طرز عبادت قائم رکھا گیا ہے،

مکہ معظمہ کے پاس محصب نام کی ایک وادی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے ایام حج میں قیام فرمایا تھا، اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اس میں قیام فرمایا ہے، اس بناء پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس کو سنن حج میں شمار کرتے تھے، لیکن حضرت عائشہؓ اس کو سنت نہیں سمجھتیں تھیں، اور آپ کے قیام کی وجہ بیان فرماتی تھیں۔

انما نزل رسول اللّٰه ﷺ لا نه كان منزلا اسمح لخروجه

''آپ نے یہاں صرف اس لئے قیام کیا تھا کہ یہاں سے چلنے میں آسانی ہوتی تھی''

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو رافعؓ بھی اس مسئلہ میں حضرت عائشہؓ کے ہمزبان ہیں۔[1]

ایک دفعہ آپ نے حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے، بہت سے صحابہ اس حکم کو دائمی سمجھتے تھے، لیکن متعدد صحابہ کے نزدیک یہ حکم وقتی تھا حضرت عائشہؓ بھی ان ہی لوگوں میں ہیں، اور اس وقتی حکم کا سبب یہ بتاتی ہیں۔

لا ولكن لم يكن يضحى منهم الا قليل ففعل ذلك ليطعم من ضحى من لم يضح (مسند ج۶ ص۱۰۲)

''یہ نہیں ہے کہ قربانی کا گوشت تین دن بعد حرام ہو جاتا ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں کم لوگ قربانی کر سکتے تھے، اس لیے آپ نے یہ حکم دیا کہ جو لوگ قربانی کریں وہ ان لوگوں کو کھلائیں، جنہوں نے قربانی نہیں کی ہے''

حضرت عائشہؓ کی یہی حدیث امام مسلم نے ایک خبر کی صورت میں بیان کی ہے، یعنی یہ کہ ایک سال مدینہ کے آس پاس دیہاتوں میں قحط پڑا اس سال آپ نے یہ حکم دیا اور دوسرے سال جب قحط نہیں رہا تو اس کو منسوخ فرما دیا۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔[2]

کعبہ کے ایک طرف کی دیوار کے بعد کچھ جگہ چھوٹی ہے جس کو حطیم کہتے ہیں، اور طواف میں اس کو بھی اندر داخل کر لیتے ہیں، لیکن ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جو

---

[1] مسلم کتاب استحباب النزول بالمحصب و مسند ج۶ ص-۱۶۰

[2] مسلم کتاب الذبائح

حصہ کعبہ کے اندر داخل نہیں اس کو طواف میں کیوں شامل کرتے ہیں؟ حضرت عائشہؓ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ یہ دیواریں بھی خانہ کعبہ میں داخل ہیں؟ ارشاد ہوا، ہاں، عرض کی کہ پھر بناتے وقت لوگوں نے ان کو اندر کیوں نہیں کیا، فرمایا تیری قوم کے پاس مایہ نہ تھا، اس لیے اتنا کم کر دیا، پھر عرض کی کہ اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں رکھا، فرمایا، اس لیے کیا کہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں، اور جس کو چاہیں روک دیں[1]

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اگر، عائشہؓ کی یہ روایت صحیح ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسی لیے ادھر کے دونوں رکنوں کا بوسہ نہیں دیا، لیکن سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ خانہ کعبہ اپنی اصلی اساس پر قائم نہیں ہے تو شریعت ابراہیمی، کے مجدد کی حیثیت سے آپ کا فرض تھا کہ اس کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کرتے، لیکن آپ نے حضرت عائشہؓ سے خود اس کی وجہ یہ بیان فرمادی، کہ عائشہؓ تیری قوم اگر کفر کے زمانے سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا کر اساس ابراہیمی پر تعمیر کرتا۔[2]

آج کل ہجرت کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ گھر بار چھوڑ کر مدینہ میں جا کر آباد ہو جانا، خواہ وہ جہاں پہلے آباد تھے کیسے ہی امن وامان کا ملک ہو لیکن حضرت عائشہؓ نے ہجرت کی حقیقت یہ بتائی ہے،

لا ھجر ۃ الیوم کان المومنون یفر احدھم بدینہ الی اللہ و الی رسولہ مخافۃ ان یفتن علیہ فاما الیوم فقد اظھر اللہ الا سلام و الیوم یعبدربہ حیث شاء لکن جھادونیۃ (بخاری باب الہجرت)

''اب ہجرت نہیں ہے، ہجرت اس وقت تھی، جب مسلمان اپنے مذہب کو لے کر خدا اور اس کے رسول کے پاس ڈر سے دوڑا آتا تھا کہ اس کو تبدیل مذہب کی بناء پر ستایا نہ جائے، لیکن اب خدا نے اسلام کو غالب کر دیا ہے اب مسلمان جہاں چاہے اپنے خدا کو پوج سکتا ہے ہاں جہاد اور نیت کا ثواب باقی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ میں اختلاف پیدا ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا

---

[1] مسلم کتاب الذبائح

[2] مسلم باب نقض الکعبہ

جائے ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ پیغمبر جہاں مرتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں لیکن اس کا اصلی سبب حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں:

قال رسول اللّٰہ ﷺ فی مرضه الذی لم ینقم منه لعن اللّٰہ الیهود و النصاری اتخذو اقبور انبیائهم مساجدا لولا ذلک ابدزقبره غیرانه خشی ان یتخذ مسجدا، [1]

''آپ نے مرض الموت میں فرمایا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا، (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں) کہ اگر یہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھلے میدان میں ہوتی، لیکن چونکہ اس کا خوف تھا، کہ وہ بھی سجدہ گاہ نہ بن جائے اس لیے آپ حجرے ہی کے اندر مدفون ہوئے''

لیکن بااین ہمہ صحابہ کرامؓ یہ سمجھتے تھے کہ نظام شریعت میں حکم و مصالح کے ساتھ خود شارع بھی ایک موثر اعظم ہے اور جب وہ خود احکام کی علت بیان کرتا ہے تو دوسرے علل و اسباب بے کار ہو جاتے ہیں، مثلاً موزہ کا باطنی حصہ گرد و غبار سے آلودہ رهتا ہے، اس مسح کا محمل وہی ہوسکتا ہے، لیکن احادیث میں موزے کی سطح ظاہری پر مسح کرنے کا حکم آیا ہے، صحابہ کرامؓ سمجھتے تھے کہ یہ حکم بالکل الٹا ہے تاہم وہ اس کے ساتھ یہ بھی جانتے تھے کہ شریعت کا دارومدار بالکل عقلی اسباب پر نہیں ہے بلکہ اس کا سب سے بڑا عمود خود شارع کی ذات ہے، چنانچہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا قول ہے۔

لوکان الدین بالرای لکان اسفل الخف اولی بالمسح من اعلاه۔ [2]

''اگر دین کا دارومدار بالکل عقل پر ہوتا تو موزہ کا باطنی حصہ بالائی حصہ سے زیادہ مسح کا مستحق تھا۔''

لیکن خود بھی یہ علم اسرار الدین کا ایک اہم اصول ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہؒ صاحب لکھتے ہیں۔

---

1. بخاری اخر کتاب الجنائز و مسند احمد ج ۶ ص ۱۲۱
2. ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب کیف المسح

كما اوجبت السنة هذه وانعقد عليها الاجماع فقد اوجبت ايضاً ان نزول القضاء با لا يجاب و التحريم سبب عظيم في نفسه مع قطع النظر عن تلك المصالح لاثابة المطيع و عقاب العاصي -[1]

''جیسا کہ حدیث واجماع سے ثابت ہوتا ہے کہ احکام مبنی علی المصالح ہیں اسی طرح احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان مصالح سے قطع نظر کر کے خود ایجاب وتحریم کا حکم بھی اطاعت گزار کے ثواب اور نافرمان کے عذاب کا بہت بڑا سبب ہے-''

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۵

علم تصوف

صوفی اور تصوف ۔۔۔ اسلام میں تصوف ایک نوزائیدہ لفظ ہے اور صوفی کا لقب اہل بغداد کی ایجاد ہے۔قرآن مجید نے اہل صفہ کو جن کی طرف اس گروہ کا انتساب کیا جاتا ہے۔فقرائے کے لقب سے یاد کیا ہے۔

للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديار هم الخ

''ان فقرائے مہاجرین کے لیے جو اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے''

للفقراء الذين احصروا في سبيل الله الخ

''ان فقراء کے لیے جو خدا کی راہ میں روک رکھے گئے۔''

اور اہل شام بھی اس کو فقراء ہی کے نام سے پکارتے تھے۔[1] اگرچہ علامہ ابونصر عبداللہ بن علی السراج الطوسی اس لقب کو اہل بغداد کی ایجاد نہیں سمجھتے ، بلکہ ان کو اس کا پتہ نہایت قدیم زمانہ میں ملتا ہے۔چنانچہ کتاب اللمع میں لکھتے ہیں۔

''لیکن یہ کہنا کہ یہ ایک نو پیدا نام ہے جس کی ایجاد اہل بغداد نے کی ہے محال ہے کیونکہ حسن بصریؒ کے زمانے میں یہ نام مشہور تھا،اور حسن بصریؒ نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کی ایک جماعت کا زمانہ پایا تھا،وہ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ میں نے طواف میں ایک صوفی کو دیکھا اور ان کو کچھ دینا چاہا لیکن انہوں نے نہیں لیا،ایک کتاب میں جس میں اخبار مکہ جمع کئے گئے ہیں کہ محمد بن اسحاق بن یسار اور دوسرے لوگوں سے ایک روایت ہے کہ اسلام سے پہلے کسی وقت میں مکہ خالی ہو گیا تھا، یہاں تک کہ کوئی شخص خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرتا تھا،اس حالت میں کسی دور دراز ملک سے صرف ایک صوفی آتا تھا،اور طواف کر کے واپس چلا جاتا تھا،پس اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قبل از اسلام یہ نام مشہور تھا، اور اس کی طرف اہل صلاح منسوب کئے جاتے تھے۔[2]

---

[1] کتاب اللمع مطبوعہ یورپ ص ۳۶

[2] کتاب اللمع مطبوعہ یورپ ص ۲۲

لیکن جہاں تک تاریخی روایتوں سے ثابت ہے اسلام میں سب سے پہلے ابو ہاشم صوفی کو یہ خطاب ملا جنہوں نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ [1]

اوراس قدر تو اکابر صوفیہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس لقب کی ایجاد عہد صحابہ کے بعد ہوئی چنانچہ امام قشیری اپنے رسالے میں لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کے سوا اور کوئی لقب ایجاد نہیں ہوا کیونکہ شرف صحبت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہوسکتا تھا، صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا لقب پیدا ہوا، اس کے بعد بزرگان دین زاہد و عابد کے لقب سے ممتاز ہوئے زہد و عبادت کا دعویٰ ہر فرقے کو یہاں تک کہ اہل بدعت کو بھی تھا، اس لیے اہل سنت والجماعت میں سے جو لوگ زاہد اور اہل دل تھے وہ صوفی کہلائے، اور یہ لقب دوسری صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے رواج پا چکا تھا۔'' [2]

خود صاحب کتاب اللمع نے بھی اس قدر تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے۔

اگر کوئی شخص۔ [3] یہ سوال کرے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم

---

۱ کشف الظنون

۲ رسالہ قشیریہ ص ۹ ذکر مشائخ طریقت

۳ کتاب اللمع ص ۲۲ تصوف کے اشتقاق کے متعلق مختلف آرائیں ہیں بعض کا قول ہے کہ یہ اصحاب صفہ کی طرف نسبت ہے بعض کے نزدیک اس کا ماخذ صفا اور بعض کے نزدیک صف ہے لیکن قاعدہ اشتقاق کی رو سے یہ تمام اقوال غلط ہیں کتاب اللمع میں ہے کہ صوفی کا لفظ پہلے صفوی تھا پھر ثقالت کی وجہ سے صوفی کر لیا گیا، صوف سے بے شبہ یہ لفظ ماخوذ ہوسکتا ہے جس کے معنی پشمینہ کے ہیں لیکن پشمینہ پوش ہونا اس فرقہ کی کوئی خصوصیت نہیں یہ امام قشیری کی رائے ہے، لیکن علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اگرچہ پشمینہ پوش ہونا اس فرقہ کی کوئی عام خصوصیت نہیں، تاہم اکثر یہ لوگ پشمینہ پوش ہی ہوتے ہیں اس لیے یہ اشتقاق صحیح ہوسکتا ہے صاحب کتاب اللمع نے لکھا ہے کہ اہل حدیث حدیث کی طرف اور فقہا فقہ کی طرف منسوب ہیں لیکن صوفی کسی خاص وصف یا خاص علم کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ وہ تمام علوم تمام صفات حسنہ اور تمام اخلاق فاضلہ کا جامع ہوتا ہے اور اس کو کسی خاص علم، خاص وصف اور خاص مقام کے ساتھ خصوصیت حاصل نہیں ہوتی جس کی طرف اس کو منسوب کیا جا سکے، اس کے ساتھ اس کے حالات میں ہر وقت تجدد و تغیر ہوتا رہتا ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

صوفیہ کا ذکر نہیں سنتے اور ان کے بعد بھی ہم کو اس لفظ کا پتہ نہیں چلتا ہم اس زمانے میں عابد زاہد سیاح اور فقراء کے لفظ سے تو بے شبہ آشنا ہیں، لیکن کوئی صحابی صوفی کے لقب سے نہیں پکارا گیا، تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت کو وہ عظمت اور خصوصیت حاصل ہے کہ جس شخص کو یہ عزت حاصل ہوگئی اس کو کوئی دوسرا خطاب جو اس سے بھی معزز ہو نہیں دیا جا سکتا، کیا تم کو یہ نظر نہیں آتا کہ وہ زیادہ عباد متوکلین، فقراء اہل رضا، اہل صبر اور اہل تواضع واخبات کے امام ہیں یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت سے حاصل کیا ہے، تو جب ان بزرگوں کا انتساب صحبت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے جو بزرگ ترین صفت ہے یہ تو محال ہے کہ اس بزرگ ترین صفت کے علاوہ ان کو کوئی دوسری فضیلت دی جا سکے۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

اور وہ خدا سے ہمیشہ اضافہ کا خواستگار رہتا ہے، اس لیے اگر اس کو کسی خاص وصف کی طرف منسوب کیا جائے تو ہر وقت ایک نئے وصف کی طرف منسوب کرنا پڑے گا، اس دشواری کی بناء پر اس کو ایک ظاہری خصوصیت یعنی پشمینہ پوشی کی طرف منسوب کیا گیا جو کہ انبیاء اولیا، اور صلحاء کا عام شعار ہے اور اس سے اجمالی طور پر صوفیہ کے تمام علوم، تمام اعمال اور تمام اخلاق کا پتہ چل جاتا ہے، خدا نے اصحاب عیسیٰؑ کو بھی ظاہری لباس کی طرف منسوب کیا ہے اور ان کو حواری کہا ہے، یہ لوگ سفید کپڑے پہنتے ہیں اور خدا نے ان کو اسی طرح منسوب کر دیا، اعمال اور احوال کی طرف منسوب نہیں کیا، اسی طرح صوفیہ بھی ظاہری لباس کی طرف منسوب کر دیئے گئے (ص ۳۰) ماخذ اور اشتقاق سے قطع نظر کر کے اگر اس لفظ پر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالی جائے تو اصل میں یہ لفظ سین سے اور اس کا مادہ سوف تھا، جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں، دوسری صدی ہجری میں جب یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوا تو یہ لفظ عرب زبان میں آیا، اور چونکہ حضرات صوفیہ میں اشراقی حکماء کا انداز پایا جاتا تھا، اس لیے لوگوں نے ان کو صوفی یعنی حکیم کہنا شروع کیا، رفتہ رفتہ سوفی سے صوفی ہوگیا، یہ تحقیق علامہ ابوریحان بیرونی نے کتاب الہند میں کی ہے اور صاحب کشف الظنون کی عبارت سے بھی اس کا اشارہ نکلتا ہے، چنانچہ وہ تصوف کے عنوان میں لکھتے ہیں:

واعلم ان الاشراقین من الحکماء الالین کا لصوفیین فی المشرب والاصطلاح و لا بیعدان یوخذ ھذا الا صطلاح من اصطلاحھم

حکمائے اشراقیہ مشرب اور اصطلاح میں صوفیہ کے مشابہ تھے اور اگر یہ اصطلاح ان کی اصطلاح سے ماخوذ ہو تو کچھ بعید نہیں (الغزالی)

خانقاہیں:

اس لقب کی طرح تصوف کی دوسری یادگاریں بھی دور صحابہ کے بہت بعد عالم وجود میں آئیں، خود صحابہ کے زمانے میں ان کا پتہ نہیں چلتا چنانچہ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں،

''زمانہ بہت آگے بڑھ گیا اور امت میں تفریق پیدا ہوگئی اور ہر قوم نے دین کا ایک شعبہ لے لیا، جس میں خود اپنی طرف سے اضافے کر لئے، سلاطین وامراء نے قلعے بنوائے حالانکہ قلعے وغیرہ قدیم زمانہ میں صرف سرحدوں پر بنائے جاتے تھے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ دشمن اچانک حملہ نہ کردے اور ان کے پاس مدافعت کا سامان نہ ہو، اہل علم کے لیے مدارس اور اہل عبادت کے لئے خانقاہیں تعمیر کی گئیں، میرا خیال ہے کہ سلطنت سلجوقیہ میں ان چیزوں کا عام رواج ہوا اور سب سے پہلے نظام الملک کے زمانہ وزارت میں اہل علم کے لئے مدارس اور مساکین کے لئے رباطات تعمیر کی گئیں اور ان پر اوقاف کے گئے' اگر چہ اس سے پہلے بھی مدارس اور رباطات کا پتہ چلتا ہے، لیکن میرے خیال میں ان پر کوئی عام وقف نہیں کیا گیا تھا، بلکہ یہ مخصوص مقامات میں سے تھے، امام معمر بن زیاد نے اخبار الصوفیہ میں بیان کیا ہے کہ صوفیہ کے لیے پہلی خانقاہ بصرہ میں تعمیر کی گئی۔''[1]

اجزائے تصوف کی بے اعتدالی:

ان ظاہری یادگاروں کے علاوہ تصوف کے باطنی قوام میں بھی جو غیر معتدل تخلخل پیدا ہوا وہ دور صحابہ کے بعد ہوا خود صحابہ کرامؓ کی ذات اگر چہ تصوف کے تمام عناصر کا مجموعہ تھی، تاہم ان میں کسی عنصر کی خاصیت حد اعتدال سے آگے نہیں بڑھنے پائی تھی، علامہ ابن تیمیہ نے صوفیوں کی جو مخالفت کی ہے، وہ انہی عناصر کے غیر معتدل خواص و کیفیات کی بناء پر کی ہے، ورنہ ان کو تصوف کے حقیقی اجزائے سے کوئی اختلاف نہیں، چنانچہ اپنے فتاویٰ کے مختلف مقامات میں اس پر تفصیلی بحثیں کی ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں:

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کبھی کبھی جمع ہوتے تھے اور کسی سے قراءت کی فرمائش کرتے تھے۔ اور باقی لوگ سنتے تھے۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ اے ابوموسیٰ ہم کو ہمارے خدا کی

[1] فتاوےٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۴۵۹ و ۴۶۰

یاد دلاتو وہ پڑھتے تھے اور وہ لوگ سنتے تھے، بعض صحابہؓ کہتے تھے، کہ آ ؤ بیٹھ کر کچھ دیر کے لیے ایمان لائیں ، رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کے ساتھ کئی بار نفل باجماعت پڑھی، اور اہل صفہ کے پاس آئے، ان میں ایک قاری پڑھ رہا تھا آپ ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور سنتے رہے، سماع اور ذکر مشروع کے وقت دل میں جو خوف پیدا ہوتا ہے آنکھوں سے جو آنسو جاری ہو جاتے ہیں بدن کے جو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ کتاب وسنت کی تصریحات کے موافق بہترین اوصاف ہیں ، لیکن سخت بیچینی، غشی، موت اور چیخ وپکار کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی شخص مجذوب ہو تو اس کو کوئی ملامت نہیں کی جاسکتی، جیسا کہ تابعین اور ان کے بعد لوگوں میں اس کا منشا یہ تھا کہ قلب پر ایک قوت دھکا پہنچاتی تھی، اور خود ان کا دل اور ان کی طاقت اس حملے کو برداشت نہیں کرسکتی تھی، لیکن اس حالت میں تمکن وثبات جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کا حال تھا، افضل ہے، البتہ زبردستی سکون ووقار پیدا کرنا بھی برا ہے، اور اس میں کوئی بھلائی نہیں جس سماع سے دل کی اصلاح ہوسکتی ہے وہ کتاب اللہ کا سماع ہے لیکن بعض فرقوں نے اس سماع کو بھلا کر قصائد سننا شروع کیے، تالیاں بجانے لگے، اور الاپنا شروع کیا، جو کفار کی سیٹی بجانے سے مشابہ ہے جس کی خدا نے برائی بیان کی ہے۔[1]

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:

فنا کی قسمیں ہیں جن میں ایک قسم کو کامل ترین انبیاء اور اولیاء دوسری قسم کو متوسط درجے کے اولیاء اور صحابہؓ اور تیسری قسم کو منافقین، ملحدین اور مشبہین نے اختیار کیا ہے، پہلی قسم کی فنا ارداہ ماسوی اللہ میں اس طرح فنا ہو جانا ہے کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کی محبت کسی دوسرے کی عبادت، کسی دوسرے پر توکل اور کسی دوسرے کی تلاش نہ ہو شیخ ابو یزید کے اس قول کا کہ،، میں یہ چاہتا ہوں کہ بجز اس کے کہ جس کو وہ چاہتا ہے دوسری چیز کو نہ چاہوں؟ یہی مطلب ہے قرآن مجید کی اس آیت میں، الا من اتی اللہ بقلب سلیم میں سلیم سے مراد یہ ہے کہ ماسوائے اللہ، ماسوائے عبادت اللہ سے ماسوائے محبت اللہ سے محفوظ ہو، بہر حال اگر اسی کا نام فنا ہے، تو یہ اسلام کا اول بھی ہے

[1] فتاویٰ ابن تیمیہؒ ص ۱۸۵،۱۸۶

آخر بھی، دین کا باطن بھی ہے اور ظاہر بھی۔

دوسری قسم کی فنا کا منشا یہ ہے کہ ماسوا کے شہود سے فنا ہو، اور جن سالکین کا کمزور دل خدا کے ذکر، خدا کی عبادت اور خدا کی محبت کی طرف کھنچ جاتا ہے، ان کو فنا کا یہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور وہ خدا کے سوا نہ کسی دوسرے کو دیکھتے اور نہ کوئی دوسری چیز ان کے دل میں کھٹکتی، اس آیت میں واصبح فواد ام موسٰی فارغا میں ان کے نزدیک فارغ سے یہ مراد ہے کہ موسیٰ کی ماں کا دل موسیٰ کی یاد کے سوا ہر چیز سے خالی تھا، یہی وہ مقام ہے جہاں ایک قوم کے پاؤں ڈگمگا گئے، اور اس نے یہ خیال قائم کر لیا ہے کہ یہ اتحاد ہے اور عاشق معشوق کے ساتھ اس قدر متحد ہو گیا ہے کہ دونوں کے وجود میں کوئی فرق نہیں رہا، لیکن یہ غلطی ہے کیونکہ خدا کے ساتھ کوئی چیز متحد نہیں ہو سکتی بہر حال فنا کا یہ درجہ نقصان سے خالی نہیں، اور اکابر اولیاء مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور مہاجرین اولین اور انصار نے بھی اس درجہ کو اختیار نہیں کیا، یہ درجہ صحابہؓ کے بعد پیدا ہوا، اسی طرح تصوف کے وہ تمام مدارج جس میں عقل وتمیز گم ہو جائے صحابہؓ کے بعد پیدا ہوئے، کیونکہ مدارج ایمانیہ میں صحابہؓ کرام کامل ترین، قوی ترین اور راسخ ترین تھے، جنون، غشی، طاری بیخودی اور وارفتگی کا ان کے پاس گزر نہیں ہو سکتا تھا، ان چیزوں کی ابتداء بصرہ کے عبادت گزار تابعین سے ہوئی، کیونکہ انہی میں لوگ تھے جن پر قرآن کے سننے سے غشی طاری ہو جاتی تھی اور انہی میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو اس حالت میں مر جاتے تھے، مثلاً ابو جہرہ ضریز اور زرارہ بن ابی اوفی قاضی بصرہ، شیوخ صوفیہ نے اسی عالم میں بعض باتیں ایسی کہہ دی ہیں کہ اگر وہ ہوش میں ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ انہوں نے غلطی کی ہے، مثلاً ابویزید، ابوالحسن نوری، ابوبکر شبلی وغیرہ سے اس قسم کے اقوال مذکور ہیں، لیکن ابوسلیمان دارانی، معروف کرخی، فضل بن عیاض بلکہ جنید وغیرہ کے ہوش وحواس بھی ہمیشہ صحیح رہتے تھے، اور فنا کے اس گروپ میں نہیں پڑتے تھے، بلکہ یہ لوگ وسعت علم اور صحت تمیز کی بناء پر ہر چیز کو اس کی اصلی حالت میں دیکھتے تھے، اور ان کو نظر آتا تھا کہ تمام مخلوقات حکم خداوندی سے قائم ہیں اس کی مشیت کے ساتھ وابستہ ہیں، بلکہ اس کے سامنے سر نیاز خم کئے ہوئے ہیں اس لیے ان کو اس سے بصیرت حاصل ہوتی ہے، اور خلوص، توحید اور عبادت کا جو

جذبہ ان کے دل کے اندر تھا ان کو ان چیزوں ... ے اور مدد ملتی تھی، قرآن مجید نے اسی حقیقت کی دعوت دی ہے، اور کامل ت... ین مومنین اور اہل عرفان نے اس کو محفوظ رکھا ہے، ہمارے پیغمبر رسول اللہ ... ان سب کے امام اور ان سب میں کامل ترین ہیں، یہی وجہ ہے کہ شب معـ... ں میں اگر چہ آپ نے خدا کی بہت سی نشانیاں دیکھی ہیں اور خدا نے آپ ... بہت کچھ سرگوشیاں کیں، بااین ہمہ آپ کے حالات میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا، اور آپ پر اس کا کوئی اثر طاری نہیں ہوا، بخلاف اس کے حضرت موسیٰ پر ایک ... میں غشی طاری ہوگئی۔

تیسری قسم کی فنا کا منشا یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی دوسری چیز موجود نہیں، اور خالق کا وجود بعینہ مخلوق کا وجود ہے، اس بناء پر خدا اور بندے میں کوئی فرق نہیں، تو فنا کا یہ درجہ ان گمراہ لوگوں نے اختیار کیا ہے جو حلول واتحاد میں پڑ گئے ہیں۔ [1]

اصطلاحات تصوف:

تصوف کی موجودہ اصطلاحات میں بھی عہد نبوت اور عہد صحابہؓ تک کوئی اصطلاح نہیں قائم ہوئی لیکن اگر اس ظاہری لقب، اس رسمی خانقاہ اس بے اعتدالی اور ان ظاہری اصطلاحات سے قطع نظر کر لی جائے تو تصوف کے تمام حقیقی اجزاء خود بخود سامنے آ جاتے ہیں۔

سلسلہ تصوف:

عہد نبوت اور عہد صحابہؓ میں پیدا ہوئے اور تصوف کے ابتدائی سلسلہ کی ظاہری یادگاریں بھی اسی زمانہ میں قائم ہوگئیں، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں لکھتے ہیں:

> اما خرقہ پس اصلش الباس آنحضرت است ﷺ عمامہ را بہ عبدالرحمن ابن عوف در وقتیکہ امیر لشکر گردانید، اما بیعت پس وجود آن واعتبار آن از حضرت محمد ﷺ مستفیض یقینی است کمالا یخفی۔ [2]

---

[1] ملخص از فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹

[2] کتاب مذکور ص ۳

تاہم اس زمانے تک تصوف کا سلسلہ ان ظاہری آداب سے قائم نہیں ہوتا تھا بلکہ صوفیانہ حلقوں کی شیرازہ بندی صرف روحانی رشتوں سے ہوتی تھی چنانچہ شاہ صاحب اسی رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

''پس صوفیہ صافیہ ارتباط الیشان درزمن اول بصحبت وتعلیم وتادب با آداب تہذیب نفس بودہ است نہ بجز خرقہ وبیعت دورزمن سید الطائفہ جنید بغدادی رسم خرقہ ظاہر شدو بعد ازاں رسم بیعت پیدا گشت وارتباط سلسلہ بہیہ امور محقق است واختلاف صور ارتباط ضرر نمی کندوخرقہ وبیعت را اصلے ہست از سنت سنیہ'' [1]

شاہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں اس نکتہ کی اور بھی زیادہ توضیح کی ہے، چنانچہ اس کا خلاصہ یہ ہے:

اس مقام پر ایک نکتہ ہے جس کو لازمی پیش نظر رکھنا چاہیے اور وہ یہ کہ عہد صحابہؓ، عہد تابعین اور عہد تبع تابعین تک مشائخ کے ساتھ تلامذہ کا تعلق بیعت اور خرقہ پوشی کے ذریعہ سے نہ تھا، صرف صحبت کے ذریعہ تھا، اور وہ لوگ ایک شیخ، یا ایک سلسلے پر اکتفاء نہیں کرتے تھے، بلکہ ہر ایک شخص بہت سے مشائخ کی صحبت اختیار کرتا تھا اور بہت سے سلسلوں کے ساتھ تعلق پیدا کرتا تھا، اس لیے ان کا سلسلہ مخصوص طور پر کسی ایک صحابی تک نہیں پہنچایا جا سکتا، بجز اس صورت کے کہ خود ان کو اعتراف ہو کہ ان پر کسی خاص صحابی کی صحبت کا اثر زیادہ پڑا ہے۔ یا انہوں نے ان کا فیض صحبت مدتوں تک اٹھایا ہے یا وہ کسی خاص صحابی کے اصحاب مشہور ہو گئے ہیں، اور یہ ان کی ایک علامت قرار پا گیا ہے۔ [2]

باایں ہمہ صوفیانہ حلقوں اور صوفیانہ سلسلوں میں خلفائے راشدین اور خلفائے راشدین میں شیخین یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا روحانی فیض سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے، چنانچہ شاہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں۔

بعد فقہ، اعظم علوم علم احسان (تصوف) است اعنی آنچہ امروز باسم علوم سلوک مسمی شود وقوت القلوب و احیاء العلوم دران مصنف شدہ است و اعظم توسط کبرائے امت

[1] ملخص از افتاوی ابن تیمیہ ص ۲، ۳،

[2] ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۱۸۵

درمیان آنحضرت ﷺ وسائر امت او آنست کہ بزبان حال و بزبان قال ہر دو آن علوم راوآن مقامات واحوال رابمر دمان تعلیم فرمایند وتربیت کند یاران را بہر دو زبان وازدے آن علوم درآفاق شہرت گردو اقاصی وادانی ازان مستفید شوند، چنانچہ دریں کتاب بہاشی کثیر از حضرت شیخین معلوم کردہ باشی۔ [1]

ایک دوسرے موقع پر خصوصیت کے ساتھ حضرت عمرؓ کی نسبت لکھتے ہیں۔

الفصل السابع فی بقاء سلسله الصحبة الصوفية المبتداء ة من النبی ﷺ الی یومنا هذا ابواسطة امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی الله تعالی عنه و لنذکر هھنا سلسلة اهل العراق فانهم اکثر المسلمین اعتناء سلسلة الصحبته الصوفية۔[2]

ساتویں فصل صوفیہ کے اس سلسلے کے قیام و بقاء میں جو رسول اللہ ﷺ کی ذات سے شروع ہو کر آج تک بواسطہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ قائم ہے اور ہم اس موقع پر صرف اہل عراق کا سلسلہ بیان کرتے ہیں، کیونکہ وہ لوگ مسلمانوں میں سب سے زیادہ صوفیہ کے سلسلے کا لحاظ کرتے ہیں۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے حضرت عمرؓ کے سلسلہ تصوف کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے شروع کر کے حضرت جنید بغدادی تک پہنچایا ہے اور لکھا ہے:

وسلسلة اشهر من ان یحتاج الی بیان

''حضرت جنید بغدادی کا سلسلہ اس قدر مشہور ہے کہ اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔''

لیکن صوفیہ کے نزدیک تصوف کے اکثر سلسلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہیں۔ چنانچہ ہم اس موقع پر تمام مشہور سلسلوں کا ایک نقشہ درج کرتے ہیں، جس سے اس کا اندازہ ہوگا

---

[1] ازالۃ الخفاء ص ۶

[2] ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۱۸۵

نام سلسلہ	نام مستفید	نام منسوب الیہ	کیفیت
نقشبندیہ	حسن بصری	حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت ابوبکر صدیقؓ	یہ سلسلہ ہندوستان اور ماوراء النہر میں بہت مشہور ہے اور مکہ و مدینہ میں بھی اس کا رواج ہے۔
قادریہ	ایضاً	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	یہ سلسلہ عرب اور ہندوستان میں بہت مشہور ہے۔
چشتیہ	ایضاً	ایضاً	یہ سلسلہ ہندوستان میں بہت مشہور و مقبول ہے۔
کبرویہ	حسن بصری	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	یہ سلسلہ توران اور کشمیر میں مشہور ہے۔
شاذلیہ	ایضاً	ایضا	یہ سلسلہ مغرب، مصر اور سوڈان اور مدینہ میں شہرت رکھتا ہے۔
شطاریہ [1]	ایضاً	ایضا	یہ سلسلہ ہندوستان میں مشہور ہے۔

یہ تمام سلسلے رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک سے شروع ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے واسطہ سے حضرت حسن بصری تک منتہی ہوتے ہیں اور باتفاقِ اہل تصوف حسن بصریؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے استفادہ کیا ہے لیکن اہل حدیث کے نزدیک یہ استفادہ ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں لکھتے ہیں۔

والحسن البصری ینسب الی سیدنا علی رضی الله تعالی عنه عندا هل السلوك فاطعة و ان كان اهل الحديث لا يثبتون ذالک و قد انتصر الشيخ احمد القشاشي لا هل السلوك بكلام و ان شاف في الكتاب

[1] یہ نقشہ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ سے مرتب کیا گیا ہے،

العقد الفرید فی سلاسل اھل التوحید۔[1]

''اور حسن بصری تمام اہل تصوف کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہیں، لیکن اہل حدیث کے نزدیک یہ ثابت نہیں ہے، اور شیخ احمد قشاشی نے ایک تشفی بخش بحث کے ذریعہ سے اپنی کتاب العقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید میں اہل تصوف کی تائید کی ہے''

اہل تصوف نے رسم خرقہ پوش کی ابتداء بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات سے کی ہے لیکن علامہ ابن خلدون کے نزدیک تصوف پر شیعیت کا جو اثر پڑا ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف خرقہ کا انتساب بھی اسی کا نتیجہ ہے ورنہ اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے چنانچہ مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں:

حتی انھم کمااسندو االباس خرقة التصوف لیجعلوه اصلا لطریقتھم و تخلیتھم رفعوه الی علی رضی الله عنه و ھو من ھذا المعنی ایضاً والا فعلی رضی الله عنه لم یختص من بین الصحابةتخلیة ولا طریقة فی نباس و لا حال بل کان ابوبکر و عمر رضی الله عنھما از ھدالناس بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم واکثر ھم عبادة و لم یختص احد منھم فی الدین بشی یوثر عنه فی الدین بشی یوثر عنه فی الخصوص بل کان الصحابة کلھم اسوة فی الدین و الزھد و المجاھدة۔[2]

یہاں تک کہ جب ان لوگوں نے خرقہ پوشی کو اپنے لئے اصل بنانا چاہا تو اس کی سند کو حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچایا، لیکن اس کا فلسفہ بھی یہی ہے (یعنی تصوف پر شیعیت کا اثر) ورنہ صحابہؓ میں تخلیہ یا لباس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کوئی خاص طریقہ نہ تھا، بلکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سب سے زیادہ پرہیزگار اور

[1] ایضاً صفحہ ۳۱ [2] مقدمہ ابن خلدون ص ۵۱۸

سب سے زیادہ عبادت گزار تھے، لیکن دینی معاملات میں ان کا کوئی قابل روایت مخصوص شیوہ نہ تھا، بلکہ تمام صحابہؓ دین زہد اور مجاہدہ میں نمونہ تھے۔

شاہ صاحب کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ انتباہ میں لکھتے ہیں:

شیخ مجاہد الدین بغدادی در کتاب تحفۃ البررہ آوردہ است کہ نسبت خرقہا متصل است بہ پیغامبر ﷺ بہ حدیث درست متصل مستفیض وفرمودہ است کہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خرقہ پوشیدہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ وتمام این سلسلہ راذکر کردہ است والمحققون من اہل الحدیث ینکرون ہذا الاتصال من النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [1]

تصوف صحابہؓ:

اس تاریخی تمہید کے بعد اب سوال یہ ہے کہ صحابہؓ کرام کا تصوف کن اجزاء پر مشتمل تھا؟ اور اس کو متاخرین کے تصوف پر کیا امتیاز حاصل تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ تصوف عقائد واعمال کے مجموعہ کا نام ہے، لیکن صحابہؓ کرام کے زمانے تک کوئی خاص صوفیانہ عقیدہ قائم نہیں ہوا تھا، غالباً صوفیانہ عقائد کی تولید فلسفہ وحکمت کے رواج اور دوسری قوموں اور فرقوں کے اختلاط اور میل جول سے ہوئی، مثلاً اہل تصوف کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ انسان عالم اصغر ہے، لیکن یہ عقیدہ جس طرح فلسفہ کی آمیزش اور اثر سے پیدا ہوا، جس طرح اس پر تہ بہ تہ گمراہی اور ضلالت کے ردے چڑھتے گئے اور اس کا جو انجام ہوا اس کی نسبت علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

وقد اخذوا من الفلاسفة قولهم الانسان هو العالم الصغير و هذا قريب و ضموا اليه ان اللّٰه هو العالم الكبير بناء على اصلهم الكفرى فى وحدة الوجود، و ان اللّٰه عين وجوة المخلوقات فالا نسان من بين المظاهر هو الخليفة الجامع من اسماء والصّفات و يتفرع على هذا ما يصيرون اليه من دعوى الربوبية الا لوهية المخرجة لهم الى الفرعونية و القرمطية و الباطنيه ۔[2]

---

[1] انتباہ ص ۱۲۳

[2] ابن تیمیہ ج ۲ ص ۴۶۱

''صوفیہ نے فلاسفہ سے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ انسان عالم اصغر ہے اور یہ کوئی بڑی بات نہ تھی، لیکن ان لوگوں نے اس کے ساتھ اپنی کافرانہ اصل یعنی وحدت الوجود کی بناء پر اس عقیدہ کو بھی ملا دیا کہ خدا عالم اکبر اور انسان تمام مظاہر عالم میں سے خدا کے اسماء و صفات کا جامع ہے اور یہ لوگ ربوبیۃ اور الوہیت کا جوان کو فرعونیت، قرامطیت اور باطنیت تک پہنچا دیتی ہے اسی عقیدہ کی بناء پر دعوی کرتے ہیں''

لیکن صوفیہ کو عقیدہ وحدت الوجود کی تعلیم خود فرقہ باطنیہ نے دی چنانچہ علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں:

ثم ان هولاء المتاخرين من المتصوفة المتكلمين في الكشف و فيما وراء الحسن تو غلوا في ذلك فذهب الكثير معهم الى الحلول و الوحدة كما اشرنا اليه و لمئوا الصحف منه مثل الهروى في كتاب المقامات له و غيره و بتعهم ابن العربي و ابن سبعين و تلميذهما ابن العفيف و ابن الفارض و النجم الاسرائيلي في قصائد هم وكان سلفهم مخالطين للا سما عيلية المتاخرين من الرافضة الدائنين ايضاً بالحلول و الوهية الا ئمة مذهباً لم يعرف لا ولهم فاشرب كل واحد من الفريقين مذهب الا خرو اختلط كلامهم و تشابهت عقائدهم ۔[1]

[1] اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سادہ تصوف کے تمام عنوانات امام ابو القاسم قشیری نے اپنے مشہور رسالے میں قائم کر دیئے ہیں، لیکن ان عنوانات کے تحت میں آنحضرت ﷺ، صحابہ، تابعین اور مشائخ کے جو واقعات درج کئے ہیں، ان میں بعض جگہ رواۃ کے سلسلہ وسند کا ذکر کیا ہے، بعض جگہ ان کو مرسل چھوڑ دیا ہے، اور زیادہ تر وہ ان واقعات کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ کہا گیا ہے، جس واقعے کی سند بیان کرتے ہیں وہ بھی کبھی صحیح، کبھی ضعیف اور کبھی موضوع ہوتی ہے، غرض تصوف ورقاق کی کتابوں میں جو آثار منقول ہوتے ہیں ان میں صحیح ضعیف اور موضوع ہر قسم کے آثار ہوتے ہیں، (فتاوی ابن تیمیہ جلد ا ص ۱۹۸، ۱۹۹) ہم نے اس عنوان میں صحابہؓ کے متعلق اکثر واقعات کتاب اللمع سے لیے ہیں لیکن تصوف کی عام کتابوں کی طرح اسکا بھی یہی عمل ہوگا، اس لیے ہم ان تمام واقعات کی صحت کے ذمہ دار نہیں ہیں، ہم نے ان کو صرف اس لیے نقل کر دیا ہے تا کہ یہ معلوم ہو کہ صوفیہ کا صحابہ کرامؓ کے متعلق کیا خیال تھا، بہ ایں ہمہ ان میں سے متعدد واقعات احادیث میں بھی مذکور ہیں ۔

''پھران متاخرین صوفیہ نے جو کشف اور عالم تجرید کے متعلق بحث کرتے تھے اس میں غلو ومبالغہ کیا، اس لئے بہت سے لوگوں نے حلول اور وحدت الوجود کا عقیدہ قائم کرلیا، اور اپنی کتابوں کو اس سے بھر دیا، مثلاً ہروی نے کتاب المقامات وغیرہ میں ابن عربی' ابن سبعین اور ان دونوں کے تلامذہ ابن عفیف ابن عارض اور نجم اسرائیلی نے اپنے قصائد میں انہی کی تقلید کی ، ان لوگوں کے آباء و اجداد متاخرین اسماعیلیہ رافضیون سے میل جول رکھتے تھے، جنہوں نے حلول اور ائمہ کی خدائی کا عقیدہ قائم کر لیا تھا، حالانکہ ان کے اسلاف سے یہ عقیدہ منقول نہیں، اس لیے ہر دو فریق نے ایک دوسرے کا مذہب قبول کرلیا، ان کا کلام گڈمڈ ہو گیا اور ان کے عقائد ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے۔''

لیکن صحابہ کرامؓ ان گمراہ کن اثرات سے بالکل محفوظ تھے ان کے سامنے صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک تھی، جو روحانیت اور اخلاق کا سرچشمہ تھی، صحابہؓ نے اسی شمع ہدایت سے اقتباس نور کیا تھا، اس لیے ان کے اجزائے تصوف میں روحانیت، اخلاق' عمل' عبادت، زہد، توکل، صبر، اور استقامت وغیرہ کے سوا کوئی فلسفیانہ عقیدہ شامل نہیں تھا، چناچہ صوفیہ کرام نے اپنی تصنیفات میں صحابہؓ کرام کی ان روحانی اور اخلاقی خصوصیات کو نہایت اہمیت کے ساتھ نمایاں کیا ہے اور ہم ایک خاص ترتیب کے ساتھ ان کو اس موقع پر درج کرتے ہیں۔ [1]

حضرت ابو بکر صدیقؓ:

تصوف میں حضرات صوفیاء کی سب سے بڑی سند حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں۔

صاحب کشف المحجوب در مدح صدیق اکبرؓ کلمہ داروان الصفا صفتہ الصدیقؓ ان اروت صوفیا علی التحقیق از آنچہ صفاء اصلے ہست وفرعے اصلش انقطاع دل است از اغیار وفراغش خلو دل است از دنیائے غدار وایں ہر دو صفت صدیق اکبرؓ است پس امام اہل ایں طریقہ اوست انتہی کلامہ،

---

[1] مقصد دوم ص ۲۱

حضرت ابوبکرؒ واسطی کا قول ہے کہ امت محمدیہ میں سب سے پہلے تصوف کا راز حضرت ابوبکرؓ صدیق کی زبان نے اشارۃ فاش کیا، جس سے اہل فہم نے لطائف اخذ کیے اور وہ راز یہ تھا کہ جب وہ اپنی تمام مملوکات سے دست بردار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا، تو انہوں نے اپنے خدا کا نام لیا، پھر رسول کا اور حقائق تفرید میں اہل توحید کے لیے یہ ایک عظیم الشان اشارہ ہے، اس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اور بھی شرائط سے اشارات ہیں، جن سے اور دوسرے لطائف نکلتے ہیں ، جو اہل حقیقت کو معلوم ہیں چنانچہ علامہ ابونصر ابن علی السراج الطوسی کتاب اللمع میں لکھتے ہیں:

ولا بی بکر رضی اللہ عنہ معان اخرما تعلق بھا اھل الحقائق و ارباب القلوب و ان ذکرنا جمیع ذلک طال الکتاب

''حضرت ابوبکرؓ کی ذات میں اور بھی متعدد معانی جمع ہو گئے تھے، جن کے ساتھ اہل حقیقت اور ارباب قلوب نے تمسک کیا ہے، لیکن اگر ہم ان سب کو بیان کریں تو کتاب میں طوالت پیدا ہو جائیگی''

مثلاً ان کے توکل کا یہ حال تھا کہ تمام مال خدا کی راہ میں دے دیا اور فرمایا کہ اہل و عیال کے لیے میں نے صرف خدا اور اس کے رسول کو چھوڑ دیا ہے، ورع وتقویٰ کی یہ حالت تھی کہ ایک بار اپنے غلام کے ہاتھ سے دودھ پیا اور جب معلوم ہوا کہ دودھ مشتبہ تھا تو حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی، حزم و احتیاط کی یہ کیفیت تھی کہ وہ اول شب میں وتر ادا کرتے تھے کہ مبادا سو نہ جائیں، اور حضرت عمرؓ آخر شب میں رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ ابوبکرؓ نے احتیاط کو پیش نظر رکھا، اور عمرؓ نے قوت کو کف لسان کا اس قدر خیال تھا کہ ایک بار وہ اپنی زبان کو پکڑ کر کھینچ رہے تھے، حضرت عمرؓ کا گزار ہوا تو منع فرمایا، انہوں نے جواب دیا کہ اسی نے تو مجھ کو کن کن گھاٹوں میں اوتارا ہے، خاکسر اتنے بڑے تھے کہ ایک بار ایک امیر کی مشایعت کی تو انہوں نے کہا کہ یا آپ سوار ہو لیں یا میں خود سواری سے اتر آوں بولے نہ تم کو سواری سے اترنا چاہیے نہ مجھ کو سوار ہونا چاہیے، میرے یہ قدم راہ خدا میں محسوب ہوں گے زاہد اتنے بڑے تھے کہ مرض الموت میں ان کے جسم پر زعفرانی یا گیروے رنگ کا جو کرتا تھا اس کو تر والیا تھا اور کہا اس کو دھو ڈالو، حضرت

عائشہؓ نے وجہ پوچھی تو بولے کہ مردے سے زیادہ زندہ لوگوں کو نئے کپڑے کی ضرورت ہے، کبر و غرور سے اس قدر پاک تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے غرور سے زمین پر کپڑا لٹکایا خدا قیامت کے دن اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔ تو بولے کہ میرے کپڑے کا ایک جانب اگر احتیاط نہ کروں تو لٹکتا ہے، لیکن آپ نے فرمایا کہ غرور سے ایسا نہیں کرتے یہ بخاری کی روایت ہے لیکن ابوداود میں یہ الفاظ ہیں کہ خدا نے تم کو غرور سے نکال لیا ہے، استعفاف اور خودداری کا یہ حال تھا کہ اونٹنی کی مہار زمین پر گر پڑتی ہے لیکن کسی سے اٹھانے کی فرمائش نہیں کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ میرے حبیب محمد ﷺ نے حکم دیا ہے کہ میں کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کروں۔[1] لیکن ان کے تمام روحانی اخلاق میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ ان کا صبر و ثبات ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد تمام صحابہؓ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ تک اس قدر بدحواس ہو گئے کہ ان کو آپ کی وفات کا یقین ہی نہیں آتا تھا، لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ اس موقع پر نہ صرف خود ثابت قدم رہے، بلکہ تمام صحابہؓ کو ثابت قدم رکھا، چنانچہ انہوں نے آپ کے وصال کی خبر سنی تو اپنے مکان سے جو مقام سنح میں واقع تھا، گھوڑے پر سوار ہو کر چلے اور مسجد میں آئے، لیکن کسی سے بات چیت نہیں کی، اس کے بعد حضرت عائشہؓ کے پاس جا کر رسول اللہ ﷺ کی لاش مبارک کا رخ کیا، اور آپ کے چہرے مبارک سے کپڑا اٹھا کر بوسہ لیا، اور روئے اس کے بعد لوگوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا:

اما بعد من كان منكم يعبد محمد افان محمد قدمات و من كان منكم يعبد الله فان الله حي لا يموت قال الله و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل

''اما بعد تم میں جو لوگ محمد کی پرستش کرتے تھے ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ محمد ﷺ کا وصال ہو چکا ہے اور جو لوگ خدا کو پوجتے تھے، ان کا خدا زندہ ہے، مرا نہیں، خدا خود کہتا ہے، محمد صرف ایک پیغمبر ہیں اور ان سے پہلے بہت سے پیغمبر گزر چکے ہیں۔''

لوگوں پر اس خطبے کا یہ اثر پڑا کہ سب نے اس آیت کو یاد کر لیا اور کوئی شخص ایسا نہ رہا جو

---

[1] یہ تمام اقوال ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۲۱، ۲۲، ۲۳ میں بحوالہ مذکور ہیں اور اسوہ صحابہ حصہ اول میں بھی بعض واقعات گزر چکے ہیں۔

اس کی تلاوت میں مصروف نہ ہو، حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ جب میں نے ابوبکرؓ سے یہ آیت سنی تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے پاؤں میرے جسم کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے، اور میں زمین کی طرف جھکا جاتا ہوں۔

کسی نے حضرت ابوالعباس بن عطار رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کونوا ربانیین ،،الخ، کے کیا معنی ہیں، انہوں نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابوبکرؓ کی طرح ہو جاؤ کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو تمام مسلمانوں کے دل لرز گئے لیکن حضرت ابوبکرؓ کے دل کو جنبش نہیں ہوئی اور انہوں نے یہ خطبہ دیا کہ ایہا الناس مَن کان یعبد محمد الخ اور ربانی کا وصف امتیازی صرف یہ ہے کہ وہ حوادث عالم بھی جو مشرق و مغرب میں انقلاب پیدا کر سکتے ہیں، اس کے دل پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

جب غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے نہایت الحاح وزاری کے ساتھ یہ دعا فرمائی،

اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لم تعبدفی الارض

خداوندا اگر مسلمانوں کا یہ چھوٹا سا گروہ ہلاک ہو گیا تو پھر دنیا میں تیری پرستش نہ ہوگی۔

تو اس موقع پر بھی حضرت ابوبکرؓ کے صبر و شکر کی نمائش ہوئی، اور انہوں نے فرمایا کہ آپ اس طلب و سوال کو چھوڑ دیجئے، خدا نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کر دیا ہے اس موقع پر بظاہر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس حالت میں کیوں رسول اللہ ﷺ کے عزم و استقلال میں فرق آ گیا، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ ثابت قدم رہے؟ حالانکہ تمام اوصاف میں آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اکمل و افضل تھے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے زیادہ عالم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ تمام صحابہؓ سے زیادہ قوی الایمان تھے، اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ کی ثابت قدمی ان کی قوت ایمانیہ کا نتیجہ تھی، اور رسول اللہ ﷺ کا اضطراب آپ کے وفور علم کی بناء پر تھا، اسی وفور علم کا یہ نتیجہ تھا، کہ جب تیز ہوا چلتی تھی تو آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا، حالانکہ اور صحابہؓ پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا تھا، آپ نے خود فرمایا ہے۔

لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیرا،

''جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہنستے کم اور روتے بہت''

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مقامات تصوف کا امتیاز نہایت مشکل ہے، مثلاً یہی صبر و ثبات جس طرح تصدیق، ایمان و یقین کامل کا نتیجہ ہے، اسی طرح یہ وصف قساوت اور سنگدلی

سے بھی پیدا ہو سکتا ہے، چنانچہ شاہ صاحب ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں:

وگاہے صورت صبر مثلاً بانحتی دل مشتبہ گردو توکل باتہور مختلط شود وعلی ہذا القیاس محققین صوفیہ علامات وخواص برائے امتیاز یکے بعد دیگرے بیان کنند۔[1]

لیکن حضرت ابوبکرؓ کا صبر و ثبات سنگدلی کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ قوت یقین کا نتیجہ تھا، ورنہ فطرتاً نہایت رقیق القلب تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے مروی ہے:

کان ابوبکر رجلا بکاء اذا قراء القرآن لا یملک عینیه

ابوبکرؓ بڑے رونے والے آدمی تھے، جب قرآن پڑھتے تھے تو اپنی آنکھوں پر قابو نہیں پاتے تھے۔

خود رسول اللہ ﷺ کے وصال کے موقع پر اگر چہ ان کی قوت ایمانیہ کا ظہور غیر معمولی صبر و ثبات کی صورت میں ہوا تاہم ان کی اصلی فطرت نمایاں رہی، اس لیے انہوں نے پہلے آپ کے چہرہ مبارک کا بوسہ لیا، روئے، اس کے بعد صحابہؓ کی طرف خطاب کیا۔

حضرت عمر فاروق:

کتاب اللمع میں ہے:

ولاهل الحقائق اسوة و تعلق بعمر رضی اللّٰه عنه بمعانی خص بذلک عمر رضی اللّٰه عنه من اختبار ه لیس المرقعة والخشونة و ترك الشهوات وا جتناب الشبهات و اظهار الكرامات و قلة المبالاة لا ئمة الخلق عند انتصاب الحق و محق الباطل و مساواة الا قارب و الاباعد فی الحقوق و التمسک بالا شد من الطاعات واجتناب ذلک ماروی عنه وبیانه یطول

اہل حقیقت کے لیے حضرت عمرؓ کی ذات ان معانی کی بناء پر جو ان کے مخصوص ہیں ایک نمونہ ہے مثلاً پیوند لگے ہوئے موٹے کپڑے کا پہننا خواہشات نفسانی کا ترک کرنا

[1] ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۱۴۲

،شبہات سے بچنا، کرامات کا ظاہر کرنا، قیام حق کے لیے ملامت خلق کی بہت کم پروا کرنا
،حقوق میں قریب وبعید دونوں کو برابر رکھنا، سخت عبادتوں کو لازم کرنا، یہ تمام چیزیں ان
سے مروی ہیں، لیکن ان کے بیان میں طوالت ہے۔

لیکن شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں اس طوالت کو گوارا کرلیا ہے، اور تصوف فاروقی پر ایک مستقل رسالہ لکھ دیا ہے، جس کی تمہید دو مقدمات سے کی ہے اور پہلے مقدمہ میں تصوف کے تین اصول بتائے ہیں۔

۱- ایک یہ کہ تصوف کا دارو مدار تمام تر یقین پر ہے، لیکن جو یقین تقلید واستدلال سے حاصل ہوتا ہے وہ تصوف میں معتبر نہیں بلکہ وہ یقین معتبر ہے، جو اعمال خیر مثلاً روزہ، نماز اور ذکر و تلاوت سے پیدا ہوتا ہے، اگرچہ تمام مسلمان یہ اعمال ادا کرتے ہیں لیکن یہ یقین ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لیے تین شرطیں ہیں، (۱) اخلاص فی العمل (۲) کثرت مقدار عمل مثلاً تہجد، اشراق اور اذکار صبح وشام (۳) کیفیت عمل مثلاً حضور، خشوع ترک حدیث نفس وغیرہ قرآن و حدیث میں علم الاحسان یعنی علم تصوف کی تفسیر انہی اصول ثلاثہ کے موافق کی گئی ہے۔

۲- یقین پیدا ہونے کے بعد یقین طبیعت، نفس اور قلب کے درمیان سے مقامات پیدا ہوتے ہیں جن میں بہترین مقامات دس ہیں، توبہ، زہد، صبر، شکر، رجاء، خوف، توکل، رضا، فقر، اور محبت، ان کے علاوہ اور مقامات بھی ہیں، مثلاً تشدد و تواضع وغیرہ خود آنحضرت ﷺ نے متعدد صحابہؓ کو ان مقامات کی بشارت دی ہے، مثلاً صدیقیہ، محدثیہ، شہیدیہ، اور حواریت، لیکن یہ مقامات بعض اوقات مشتبہ ہو جاتے ہیں، مثلاً صبر اور سنگ دلی میں اشتباہ ہو جاتا ہے، اور توکل و تہور کی حقیقت ملتبس ہو جاتی ہے، اس لیے صوفیہ نے ان کے امتیاز کے لیے ان کے خواص و علامات بتائے ہیں۔

۳- جب یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے تو انسان جو کچھ کہتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے اسی یقین سے کرتا ہے اور یہ اس کی ایک مستمر عادت ہو جاتی ہے اور تمام لوگوں کو یہ راز علانیہ معلوم ہو جاتا ہے جس کے دو ذریعہ ہیں کرامات اور تربیت مریدین۔

حضرت فاروق اعظم نے تصوف کے یہ تمام مدارج قولاً وفعلاً نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں اور مختلف حالات میں مواعظ، پند و نصیحت اور خط و کتابت کے ذریعہ سے صحابہؓ اور

تابعین کی صوفیانہ تربیت فرمائی ہے، اس لیے شاہ صاحب کے الفاظ میں علمی حیثیت سے

او اعلم صوفیہ است بعلوم تصوف درامت مرحومہ ؎

دوسرے مقدمے میں عام مشائخ اور حضرت فاروق اعظم کی کرامات و مقامات میں جو عظیم الشان فرق ہے، اس کی تفصیل کی ہے مثلاً عام مشائخ کے مقامات صرف قرآئن و امارات سے محروم ہو سکتے ہیں، فرض کرو کہ ایک شخص پر مصیبت میں رقت طاری نہیں ہوتی، اس لیے یا تو ہم خود کہہ سکتے ہیں کہ وہ مقام صبر تک پہنچ گیا، یا وہ خود اپنے ذوق و وجدان کی بناء پر اس کی خبر دے سکتا ہے، لیکن یہ دونوں صورتیں قابل اطمینان نہیں ہیں، کیونکہ تصوف میں اکثر مقامات فاضلہ اور صفات طبیعہ میں اشتباہ ہو جاتا ہے، اور ایک وصف دوسرے وصف کی شکل میں نظر آتا ہے، اس لیے کرامات و مقامات کی شناخت ایک ظنی چیز ہے جو صرف اس شخص سے حسن حقیقت یا راویوں کے حسن ظن کی بناء پر تسلیم کی جاسکتی ہے، لیکن حضرت فاروق اعظمؓ کے مقامات تصوف خود رسول اللہ ﷺ کی نص و بشارت سے ثابت ہوئے ہیں، اور روایت متفقہ نے ان کو اس قدر یقینی کر دیا ہے کہ ان پر اجمالاً ایمان لانا فرض ہو گیا ہے، اس کے بعد شاہ صاحب نے حضرت عمر فاروقؓ کے مقامات تصوف کو ایک فلسفیانہ انداز سے بیان کئے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

”خدا نے نفس انسانی کو دو قوتیں عطا فرمائی ہیں، ایک قوت عاملہ اور دوسری قوت عاقلہ، جب قوت عاملہ کی تہذیب اپنے درجہ کمال کو پہونچ جاتی ہے تو اسی کا نام عصمت ہو جاتا ہے اور قوت عاقلہ کی تہذیب کے درجہ کمال کا نام وحی ہے، عام طور پر لوگ ان دونوں قوتوں کے درجہ کمال کو نہیں پہونچ سکتے، البتہ ان کے نمونے اور قائم مقام موجود ہیں اور جب یہ دونوں قائم مقام جمع ہو جاتے ہیں، تو ان سے مختلف نتائج کا ظہور ہوتا ہے، مثلاً ایسا شخص لوگوں کا مرشد یا کسی پیغمبر کا خلیفہ ہو جاتا ہے، اس لحاظ سے وحی کی قائم مقام محدثیت فراست اور وحی کے ساتھ موافقت رائے ہے، عصمت کا قائم مقام یہ ہے کہ شیطان ایسے کامل ترین شخص کے سائے سے بھی بھاگ جائے، اور ان دونوں قائم مقاموں کے اجتماع سے شہیدیت کا درجہ اور پیغمبر کی نیابت کا استحقاق حاصل ہوتا ہے۔“

اس تفصیل کو پیش نظر رکھ کر اگر حضرت عمرؓ کے فضائل و مناقب پر نظر ڈالی جائے تو معلوم

ہوگا کہ ان میں یہ اوصاف کس قدر پائے جاتے ہیں، حدیث شریف میں آیا ہے:

لقد کان فیما کان قبلکم من الامم محدثون فان
یکن فی امتی احد فھو عمر بن الخطاب

تم سے پہلے جو لوگ آئے ہیں ان میں محدثین تھے، اگر میری امت میں کوئی محدث
ہے تو وہ عمر بن خطاب ہیں۔

ایک اور روایت میں آیا ہے۔

لو کان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب

اگر میرے بعد کوئی پیغمبر ہوتا تو وہ عمر بن الخطاب ہوتے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ ایک بات کہتے تھے، اور اس کی تصدیق میں قرآن نازل ہو جاتا تھا۔

حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ میں جب اختلاف ہوتا تھا، تو قرآن، حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق نازل ہوتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبہ

خدا نے حق کو عمر کی زبان اور دل پر موقوف رکھ دیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔

یا عمر ما لقیک الشیطان سالکا فجا الا سلک فجا
غیر فجک،

''اے عمر جب شیطان تم سے کسی راستہ میں ملتا ہے تو اپنا راستہ بدل لیتا ہے''

حضرت عثمانؓ:

حضرت عثمانؓ کے صوفیانہ اخلاق میں تمکین و استقامت شرم وحیاء اور دخول فی السعات سب سے زیادہ نمایاں ہیں، ان کی تمکین و استقامت کا یہ حال تھا کہ جس وقت وہ شہید کئے گئے، اپنی جگہ سے مطلق جنبش نہیں کی کسی دوسرے کو مدافعت کرنے کا حکم نہیں دیا اور قرآن کو اپنے پاس سے جدا نہیں ہونے دیا، یہاں تک کہ جب شہید ہوئے تو قرآن مجید شرابور ہوگیا اور آیت فسیکفیکھم

اللہ و ہوالسمیع العلیم پر ان کے خون کے قطرے ٹپکے، شرم وحیا کا یہ حال تھا کہ گھر کا دروازہ بند ہوتا تھا لیکن کپڑا اتار کر نہیں نہاتے تھے[1] حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ صاحب نے ان کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں

انی اغسل فی البیت المظلم فانطوی حیاء من اللّٰہ تعالی

''میں تاریک گھر میں بھی نہاتا ہوں تو خدا کی شرم سے پیچ وخم کھاتا رہتا ہوں''

اور لکھا کہ

وھو غیر الحیاء الذی ھو من مقامات النفس ویتولا من رویۃ عزۃ اللّٰہ تعالی و جلالہ مع ملاحظۃ عجزہ عن القیام بحقہ و تلبسہ بالا ء دناس البشریۃ۔[2]

''اور یہ حیا اس حیا سے مختلف ہے جو مقامات نفس سے ہے، یہ حیاء خدا کی عزت اور جلال کے دیکھنے سے اور اس کے ساتھ یہ خیال کرنے سے کہ میں اس کے حق کے ادا کرنے سے قاصر ہوں، اور انسانی گندگی کے ساتھ ملوث ہونے سے پیدا ہوتی ہے''

احادیث میں بھی ان کے جو فضائل ومناقب مذکور ہیں ان میں یہ وصف نمایاں نظر آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کو صاحب الحیاء والایمان کہا جاتا ہے، دخول فی السعاۃ انبیاء اور صدیقین کا مخصوص وصف ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ انسان ایک چیز کے اندر داخل بھی ہو اور اس سے خارج بھی ہو ہر چیز کے ساتھ بھی ہو اور ہر چیز سے الگ بھی ہو یحییٰ بن معاذ سے صوفی کے اوصاف پوچھے گئے تو انہوں نے کہا کہ یہ لوگوں کے ساتھ بھی ہو اور لوگوں سے جدا بھی، حضرت ابن الجلاء سے پوچھا گیا کہ فقیر صادق کس کو کہتے ہیں؟ بولے کہ وہ جس چیز کو لے غیروں کے لیے لے، اپنے لیے نہ لے، حضرت عثمانؓ کی بھی یہی حالت تھی، چنانچہ انہوں نے ابتدائے اسلام میں جو فیاضیاں کیں، وہ اسی وصف کا نتیجہ تھیں، خود ان کا بیان ہے کہ اگر اسلام کی ضروریات کو پورا کرنے کا خیال نہ ہوتا تو میں اس مال ودولت کو ہرگز جمع نہ کرتا۔

سہل بن عبداللہ کا قول ہے کہ یہ درجہ صرف اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو خدا کے حکم کو جانتا ہے، اور جس قدر مال کے خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے وہ خرچ کرتا ہے اور اگر روک دیتا ہے تو

1. مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۷۳ مسند عثمانؓ
2. حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۷

رک جاتا ہے، وہ مال و دولت کو حقوق کے لیے محفوظ رکھتا ہے، نہ کہ حظوظ کے لیے، اس کی مثال بعینہ ایک وکیل کی ہوتی ہے جو اپنے موکل کے مال میں مالکانہ تصرف تو کرتا ہے لیکن اس کی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کرتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ:

صوفیہ کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ علم تصوف کا ماخذ ہیں انہوں نے خود ایک موقع پر اپنے قلب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ اس میں ایک علم ہے، کاش میں اس کا حامل پاتا۔ جنید بغدادی کا قول ہے کہ اگر وہ لڑائیوں میں مشغول نہ رہتے تو ہم اس علم کو (تصوف) کے بہت سے نکات بتا جاتے، کیونکہ ان کو علم لدنی حاصل تھا، بایں ہمہ انہوں نے بہت سی ایسی باتیں بتائی ہیں جن پر تصوف کی بنیاد قائم ہے، مثلاً ایک شخص نے ان سے ایمان کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایمان چار ستونوں پر قائم ہے، صبر، یقین، عدل، اور جہاد، پھر صبر کے دس مقامات کی تفصیل بیان کی، صاحب اللمع اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

فان صح ذلک عنه فهو اول من تکلم فی الا حوال و المقامات،

’’اگر ان سے یہ روایت صحیح ہے تو پہلے شخص ہیں جس نے مقامات اور احوال کی تفصیل بتائی ہے‘‘

صوفیانہ حیثیت سے ان کو تمام صحابہؓ پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ انہوں نے بہت سے صوفیانہ نکات بیان کئے ہیں، اور بیان کو معانی اور احوال پر فضیلت حاصل ہے خدا خود کہتا ہے،

هذا بیان للناس

یہ لوگوں کے لیے بیان ہے۔

علمی حیثیت کے علاوہ عملی اور اخلاقی حیثیت سے بھی وہ صوفیہ کے لئے نمونہ و مثال ہیں ،ان کے زہد کا یہ حال تھا کہ ایک بار بیت المال کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے دنیا و درہم تم میرے علاوہ کسی کو اپنا فریفتہ بناؤ، ایک بار انہوں نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے کہا کہ، اگر اپنے آقا سے ملنا چاہتے ہو تو اپنی قمیض میں پیوند لگاو، اپنا جوتہ ٹانکو اپنے رشتہ امید کو کوتاہ کرو،، اور پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاو، ایک بار انہوں نے مزدوری کر کے کچھ کھجوریں حاصل کیں، اور ان کو

رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے جن کو آپ نے وجہ معاش میں صرف کیا، جب وہ شہید ہوئے تو امام حسنؓ نے کوفہ کے منبر پر چڑھ کر کہا کہ اے کوفہ والو، امیر المومنین تمہارے سامنے شہید ہوئے لیکن خدا کی قسم انہوں نے دنیوی چیزوں میں صرف چار سو درہم چھوڑے ہیں جن کو انہوں نے ایک غلام کے خریدنے کے لیے علیحدہ کر لیا تھے۔

ان کے خوف خدا کا یہ حال تھا، کہ جب نماز کا وقت آتا تھا تو کانپ اٹھتے تھے، اور ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا، اس حالت میں لوگ ان کا حال پوچھتے تھے تو فرماتے تھے، کہ اس امانت کو ادا کرنے کا وقت آ گیا ہے، جس کو خدا نے آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا، لیکن انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا، اور ان سے ڈر گئے، مگر انسان نے اس کو اٹھالیا، اب میں نہیں جانتا کہ میں اس امانت کو اچھی طرح ادا کر سکوں گا کہ نہیں، اس قسم کے واقعات کو نقل کر کے صاحب کتاب اللمع لکھتے ہیں:

ولعلی رضی اللّٰہ عنه اشباہ ذلک اکثر من الا حوال و الا خلاق و الا فعال التی یتعلق بھا رباب القلوب و اھل الا شارات و اھل المواجید من الصوفیة

''حضرت علیؓ لکھتے ہیں اس قسم کے بہت سے احوال اخلاق اور افعال ہیں جن کے ساتھ اہل دل، اشارات اور اہل وجد صوفیانہ تمسک کرتے ہیں''

اصحاب صفہؓ:

اکثر صحابہؓ مشاغل دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی زراعت اور تجارت وغیرہ بھی کرتے تھے، لیکن ان بزرگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت ﷺ کی تربیت پذیری پر وقف کر دی تھی، ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے، اور جب شادی کر لیتے تھے، تو اس حلقے سے نکل جاتے تھے۔

یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے رات کو ایک چبوترے پر پڑ رہتے، عربی زبان میں چبوترے کو صفہ کہتے ہیں، اور اسی بناء پر ان بزرگوں کو اصحاب صفہ کہا جاتا ہے، ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہ بند دونوں چیزیں کبھی ایک ساتھ جمع نہ ہو سکیں، چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے تھے، کہ رانوں تک لٹک آتی، حضرت ابو ہریرہؓ انہی بزرگوں میں

تھے،ان کا بیان ہے کہ میں نے اہل صفہ میں ستر اشخاص کو دیکھا کہ ان کے کپڑے رانوں تک نہیں پہنچتے تھے، اس لیے جب نماز پڑھتے تھے اور رکوع میں جاتے تھے، تو اپنے ہاتھ سے کپڑوں کو سمیٹ لیتے تھے، کہ کشف عورت نہ ہو جائے ایک بار مسجد نبوی ﷺ میں ان بزرگوں کا حلقہ تلاوت قائم تھا، لیکن ان میں ہر شخص دوسرے سے مل کر بیٹھا تھا، تا کہ ایک کی دوسرے کے ذریعے سے پردہ پوشی ہو۔

معاش کا طریقہ یہ تھا کہ ان میں ایک ٹولی دن کو جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتی اور بیچ کر اپنے بھائیوں کے لیے کچھ کھانا مہیا کرتی اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور مسجد کی چھت میں لٹکا دیتے، کھجوریں جو ٹپک ٹپک کے گرتیں یہ لوگ اٹھا کر کھاتے کبھی دو دن کھانے کو نہیں ملتا تھا، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے یہ لوگ آ کر شریک نماز ہوتے لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے، باہر کے لوگ آتے اور ان کو دیکھتے، تو سمجھتے کہ دیوانے ہیں، آنحضرت ﷺ کے پاس جب کہیں سے صدقہ آتا تو مسلم ان کے پاس بھیج دیتے، اور جب دعوت کا کھانا آتا تو ان کو بلا لیتے، اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے، اکثر ایسا ہوتا کہ راتوں کو حضرت محمد ﷺ ان کو مہاجرین انصار پر تقسیم کر دیتے، یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور کھانا کھلائے۔

حضرت سعد بن عبادہ نہایت فیاض تھے اور دولت مند تھے۔ وہ کبھی کبھی اسی اسی مہمانوں کو اپنے ساتھ لے کر جاتے۔

آنحضرت ﷺ کو ان کے ساتھ نہایت انس تھا۔ ان کے ساتھ مسجد میں بیٹھتے ان کے ساتھ کھانا کھاتے۔ اور لوگوں کو ان کی تعظیم و تکریم پر آمادہ کرتے، ایک بار اہل صفہ کی ایک جماعت نے بارگاہ نبوی میں شکایت کی کہ کھجوروں نے ہمارے پیٹ کو جلا دیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کی شکایت سنی تو ان کی دل دہی کے لیے ایک تقریر کی جس میں فرمایا یہ کیا ہے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ ہمارے پیٹوں کو کھجوروں نے جلا دیا، کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ کھجور ہی اہل مدینہ کی غذا ہے یہ لوگ اسی کے ذریعہ سے ہماری مدد کرتے اور ہم بھی انہی کے ذریعہ سے تمہاری مدد کرتے ہیں، خدا کی قسم ایک یا دو مہینہ سے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں دھواں نہیں اٹھا ہے صرف پانی اور کھجور پر بسر اوقات ہے۔

آپ ان لوگوں کا اس قدر خیال رکھتے ہیں کہ جب ایک دفعہ آپ سے حضرت فاطمہ زہرا نے درخواست کی کہ ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے نیل پڑ گئے ہیں مجھ کو ایک کنیز عنایت ہوتو فرمایا کہ یہ نہیں ہوسکتا، کہ میں تم کو دوں اور اہل صفہ بھوکوں مریں، خودقرآن مجید میں خداوند تعالی نے ان کا ذکر نہایت غم خواری کے لہجے میں کیا ہے۔

للفقراء الذين احصر وافي سبيل الله (الايه)ولا تطرر الذين يدعون ربهم (الايه) واصبر نفسک مع الذين يدعون ربهم الاية

''صدقہ وزکوۃ ان فقراء کے لیے ہے جوخدا کی راہ میں روک رکھے گئے ہیں (اس لیے کسب معاش نہیں کر سکتے ان لوگوں کو نہ دھتکارو جو صبح وشام خدا کو پکارتے ہیں تم بھی ان لوگوں کے ساتھ صبر کرو جو اپنے خدا کو پکارتے رہتے ہیں''

ایک باران میں ایک بزرگ حضرت ابن مکتوم کے ساتھ ایک خاص موقع پر رسول اللہ ﷺ نے بہ مصالح بے اعتنائی فرمائی تو یہ عتاب آمیز آیت نازل ہوئی۔

عبس وتولى ان جاء الا عمى

''اس نے منہ بنالیا اور پیٹھ پھیر لی جب کے اس کے پاس ایک اندھا آیا''

اس کے بعد جب آپ ان کو دیکھتے تو محبت اور عزت کے لہجے میں فرماتے،

يا من عاتبنى فيه ربى عزو جل

''اے وہ شخص جس کے بارے میں مجھ پر میرے خدانے عتاب کیا۔''

ان بزرگوں کا مشغلہ یہ تھا کہ راتوں کو عموماً عبادت کرتے اور قرآن مجید پڑھتے رہتے ،ان کے لیے ایک معلم مقرر تھا جس کے پاس رات کو جا کر پڑھتے تھے،اسی بناء پر ان میں سے اکثر لوگ قاری کہلاتے اور اشاعت اسلام کے لیے کہیں بھیجنا ہوتا تو یہی لوگ بھیجے جاتے۔[1]

عام صحابہؓ:

خلفائے راشدین اور اہل صفہ کے بعد عام صحابہؓ کا درجہ ہے،جن کے متعلق صاحب

[1] یہ حالات سیرۃ النبی اور کتاب اللمع سے لیے گئے ہیں،سیرۃ النبی کے الفاظ میں بھی ہم نے بہت کم تغیر کیا ہے،

کتاب اللمع لکھتے ہیں۔

فما غیر اهل الصفة فقد روی عن کل واحد منهم ما انفردوابه و خصوا به من الا حوال المرضیة وا لاعمال الذکیة و مکارم الاخلاق ما تعلق بها اهل الحقائق من المتصوفة و یکثر ذکر ذالک ولکن نذکر طرقا لیستدل بذلک علی مالم تذکره۔

''اہل صفہ کے علاوہ جو صحابہؓ ہیں ان میں ہر ایک کے متعلق بہت سے پسندیدہ حالات پاک اعمال اور مکارم اخلاق مروی ہیں اور ان میں سے اہل حقیقت نے استفادہ کیا ہے ، لیکن ان کے ذکر میں طوالت ہے، اس لیے ہم صرف اس کا مختصر سا حصہ بیان کر دیتے ہیں تا کہ جو کچھ بیان نہیں کرتے ان کے ذریعہ سے ان پر استدلال کیا جائے''

چنانچہ صوفیہ نے اپنے ذوق کے مطابق ان کے جن اقوال وافعال سے استفادہ کیا ہے ، ان میں بعض مرقق باتیں حسب ذیل ہیں۔[1]

حضرت عمران بن حصینؓ عذاب الٰہی کے خوف کے مارے کہتے تھے، کہ کاش میں خاک کا ذرہ ہوتا اور ہوا مجھ کو اڑا لے جاتی، لیکن میں پیدا نہ ہوا ہوتا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی۔

وان جهنم الموعدهم اجمعین

جہنم ان سب کے اجتماع کی جگہ ہے۔

تو حضرت سلمان فارسیؓ نے اس کو سن کر ایک چیخ ماری اور سر پر ہاتھ رکھ کر بھاگے، اور متصل تین دن تک غائب رہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ کا بیان ہے کہ میں جاہلیت میں ایک تاجر تھا اس کے بعد جب اسلام لایا تو تجارت اور عبادت دونوں ساتھ ساتھ کرنا چاہا لیکن دونوں چیزیں جمع نہ ہوسکیں، اس کے بعد عبادت کو اختیار کر لیا۔

---

[1] لیکن ان کی صحت کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہے خود حضرات صوفیہ پر ہے

حضرت ام الدرداؓ سے پوچھا گیا کہ ابوالدرداؓ کی بہترین عبادت کیا تھی؟ بولیں تفکر اور اعتبار۔

حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ خدا کے تعلق نے میرا کوئی دوست باقی نہیں رکھا، قیامت کے خوف نے میرے بدن پر گوشت نہیں چھوڑا اور ثواب آخرت کے یقین نے میرے گھر میں کوئی چیز نہیں رہنے دی۔

حبیب بن مسلمہ نے ان کے پاس ایک ہزار درہم بھیجے، لیکن انہوں نے واپس کر دیئے اور کہا کہ ہمارے یہاں بکریاں ہیں جن کو ہم دوہتے ہیں، ایک سواری ہے جس پر سوار ہوتے ہیں ،اس کے علاوہ ہم کو کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

ایک شخص نے حضرت ابوعبیدہؓ سے سوال کیا، لیکن انہوں نے اس کو واپس کر دیا، پھر دوبارہ آیا اور سوال کیا تو اس کو کچھ دیا اور فرمایا کہ خدا نے ہی تجھے دیا اور خدا ہی نے تجھے واپس کیا،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ دو مکروہ چیزیں یعنی موت اور فقر کس قدر محبوب ہیں، ان میں سے جس چیز کے ساتھ ابتداء کی جائے میں اسی پر راضی ہوں۔

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حوض پر لاغر اندام لوگ وارد ہونگے کہ جب رات آتی ہے تو وہ رنج وغم کے ساتھ اس کا استقبال کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم مجروح لوگ عہد نبوت میں صرف مسجد میں سوتے تھے، ہمارے پاس کوئی مکان نہ تھا۔

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے ہیں کہ میرے لئے سب سے زیادہ خوش گوار دن وہ ہوتا ہے جب میں اہل وعیال کے پاس جاتا ہوں اور وہ اپنی تنگ دستی کا گلہ کرتے ہیں ان کا قول ہے کہ ایک گھنٹے کی خواہش نفسانی انسان کو طویل رنج وغم میں مبتلا کر دیتی ہے۔

حضرت ابوفردہؓ ایک میل چلے لیکن اس میں خدا کو یاد نہیں کیا، پھر پلٹ کر ایک میل تک خدا کو یاد کرتے ہوئے چلے اور اخیر میں پہنچ کر کہا کہ خداوندا ابوفردہ کو نہ بھولنا کیونکہ وہ تجھ کو نہیں بھولتا۔

حضرت عدی بن حاتم چیونٹیوں کو روٹی چورا کر کے کھلایا کرتے تھے، کیونکہ ان کو ان پر رحم آتا تھا۔

حضرت زرراہ ابن اوفیٰؓ نے مسجد میں امامت کی اور یہ آیت۔

فاذانقر فی الناقور فذلک یومئذیوم عسیر

''جب صور پھونکا جائے گا تو یہ نہایت سخت دن ہوگا''

پڑھی تو زمین پر گر کر جان دیدی، اس قسم کے بہت سے اقوال کتاب اللمع میں مذکور ہیں اور تصوف کی دوسری کتابوں میں بھی مل سکتے ہیں، لیکن محدثانہ حیثیت سے ان کی صحت کا دعوی نہیں کیا جاسکتا، اس لیے ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔

تصوف صحابہؓ کی حقیقت:

تصوف کی مختلف تعریفیں کی گئیں ہیں لیکن تصوف کی جو حقیقت صحابہؓ کرام کی روحانیت اور اخلاق کا معیار قرار دیجاسکتی ہے شاہ ولی اللہ صاحب کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

''شریعت نے جن چیزوں کو واجب یا حرام قرار دیا ہے انہی کا نام عمل ہے لیکن ان اعمال میں یہ حیثیت ملحوظ ہے کہ وہ ایسے روحانی اوصاف پیدا کریں جو قیامت کے دن روح کے لیے مفید یا مضر نہ ہوں وہ ان اوصاف کو بڑھائیں، اس کی وضاحت کریں اور اس کا قالب اور مجسمہ بنیں، اب ان اعمال پر دو حیثیتوں سے بحث کی جاسکتی ہے ایک تو یہ ہے کہ تمام لوگوں کے لیے لازم اور ضروری کردیئے جائیں جس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ مواقع انتخاب کئے جائیں جہاں ان اعمال سے یہ روحانی اوصاف پیدا ہوسکیں اور ایسا واضح طریقہ اختیار کیا جائے کہ لوگوں سے علی روس الاشہاد ان پر مواخذہ کیا جاسکے، کہ وہ حیلہ حوالہ نہ کرسکیں اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی بنیاد ضبط و اعتدال پر قائم کی جائے دوسری حیثیت یہ ہے کہ ان اعمال سے لوگوں کی تہذیب نفس ہو، اور ان سے جن روحانی کیفیات کا پیدا کرنا مقصود ہے وہ پیدا ہوسکیں، ان کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ روحانی اوصاف معلوم کرائے جائیں پھر یہ بتایا جائے کہ یہ اعمال ان کو کیوں کر پیدا کرسکتے ہیں، لیکن اس کی بنیاد ایک تو ذوق سلیم پر ہے اور دوسرے اس پر کہ خود صاحب شریعت پر ان کو محمول کردیا جائے، پس پہلی حیثیت سے جو علم ان اعمال سے بحث کرتا ہے وہ علم شریعت ہے اور دوسری حیثیت سے ان پر علم الاحسان (علم تصوف) میں بحث کی جاتی ہے، اس بناء پر جو لوگ

الاحسان کے مباحث پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں ان کو دو چیزوں کی ضرورت ہے، ایک تو یہ کہ خود ان اعمال پر نگاہ رکھیں، وہ اوصاف مطلوبہ تک پہنچاتے ہیں یا کہ نہیں؟ کیونکہ بسا اوقات یہ عمال ریا کاری، شہرت طلبی، اور الف و عادت کی بناء پر کیے جاتے ہیں ان میں اترانے، احسان کرنے اور اذیت دینے کے جذبات شامل ہو جاتے ہیں اور اس حالت میں ان کا مقصد حاصل نہیں ہوتا اور بسا اوقات وہ اس طرح انجام پاتے ہیں، کہ نفس کو ان سے ایسا متنبہ حاصل نہیں ہوتا جو محسنین کے شایان شان ہو اگرچہ بعض لوگ ان سے بھی متنبہ حاصل کرتے ہیں مثلاً جو شخص صرف فرض کو ادا کرتا ہے اور اس کیفیت اور مقدار میں کچھ اضافہ نہیں کرتا وہ زکی نہیں کہا جا سکتا، دوسری ضرورت یہ ہے کہ وہ خود ان روحانی اوصاف پر نگاہ رکھیں ان کو جانیں پہچانیں اور علی وجہ البصیرۃ اعمال کو بجا لائیں، تا کہ وہ اپنے نفس کے طبیب ہوں۔'' [1]

اسی فن کا نام علم الاحسان ہے:

اور اس میں جن اصولی اخلاق سے بحث کی جاتی ہے وہ چار ہیں،

۱- ایک طہارت جو انسان کو عالم ملکوت سے مشابہ کر دیتی ہے۔

۲- دوسرے عجز و نیاز جو عالم جبروت کی جھلکیاں دکھاتے ہیں۔

۳- تیسرے سماعت جس کا منشا یہ ہے کہ قوت ملکیہ، محرکات بہیمیت مثلاً حصول لذت انتقام غصہ، اور بخل اور جاہ وغیرہ کے تابع نہ ہو، سماحت ہی سے متعدد اخلاق پیدا ہوتے ہیں، یعنی اگر شکم پری اور شہوت رانی کی خواہش کے ساتھ اس کا لحاظ کیا جائے تو اس کا نام عفت ہے، اور اگر عیش طلبی کے ساتھ اس کو ملایا جائے تو اس کا نام زہد و تقشف ہے، اور اگر پریشانی اور گھبراہٹ کے ساتھ اس کو مخلوط کیا جائے تو اس کا نام عفو و درگزر ہے، مال و دولت کی حرص کے ساتھ اس کا لحاظ رکھا جائے تو اس کا نام سخاوت اور قناعت ہے، اور منہیات شریعت کے ساتھ اس سے کام لیا جائے تو تقویٰ ہے، اور صوفیہ کی اصطلاح میں اسی کا نام ہے انقطاع عن الدنیا، فناء عن الخصائص البشریہ یا حریت ہے، غرض وہ لوگ اس خصلت کو مختلف ناموں سے تعبیر کرتے ہیں۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ابواب الاحسان

۴- چوتھے عدالت اور اس کا نام ملکہ ہے۔ جس سے ایک عادلانہ نظام قائم ہوتا ہے۔ جس سے تدبیر منزل اور سیاست مدن وغیرہ کی نہایت آسانی کے ساتھ اصلاح ہوتی ہے، اس ملکہ کی مختلف حیثیتوں سے مختلف اخلاق پیدا ہوتے ہیں اگر انسان کے معمولی حالات یعنی اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے۔ میں اس کا لحاظ رکھا جائے تو اس کا نام ادب ہے۔ اگر مال و دولت کے جمع کرنے میں اس کو استعمال کریں تو اس کا نام کفایت شعاری ہے، اگر تدبیر منزل میں اس کا لحاظ رکھیں تو اس کا نام حریت ہے، اگر تدبیر ممالک میں اس کو پیش نظر رکھیں تو اس کا نام سیاست ہے، اگر بھائی بند، اور دوست واحباب کی اجتماعی زندگی میں وہ ملحوظ رہے تو اس کا نام حسن معاشرت ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ اخلاق کیونکر پیدا ہو سکتے ہیں:

''تو شریعت نے طہارت کے لیے وضو اور غسل اور عجز و نیاز کے لیے نماز، ذکر، تلاوت کو فرض کیا ہے اور جب یہ تمام چیزیں جمع ہو جاتی ہیں تو اس کو سکینہ اور وسیلہ کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت جو حضرت حذیفہ نے فرمایا ہے کہ''

انه اقربهم الى الله وسيلة

وہ تمام صحابہؓ میں از روئے وسیلہ کے خدا سے نزدیک تر ہیں۔

اس کا یہی مطلب ہے، شارع علیہ السلام نے اس کو ایمان سے بھی تعبیر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ،

الطهور شطر الايمان

پاکی نصف ایمان ہے

اور عجز و نیاز کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے

الاحسان ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك

احسان یہ ہے کہ خدا کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ سکتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

''طہارت اور عجز و نیاز کے حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سنن انبیاء کا اتباع کیا جائے ان کی روح اور ان کی روشنی کا لحاظ رکھا جائے اور ان کے اذکار اور ہیات کے تحفظ کے ساتھ ان کی کثرت کی جائے، مثلاً طہارت کی روح باطنی نور ہے، انس

ہے انشراح ہے، بیہودہ تخیلات گھبراہٹ پریشانی اور اضطراب کا دورہ ہو جاتا ہے اور نماز کی روح حضور قلب، جبروت کا نظارہ خدا کی محبت آمیز تعظیم اور اطمینان وسکون ہے، اور تلاوت کی روح یہ ہے کہ انسان خدا کی طرف شوق و تعظیم کے ساتھ متوجہ ہو اور اس کے مواعظ احکام، امثال اور قصص پر غور کرے اور دعا کی روح یہ ہے کہ تمام قوتوں کا مرجع خدا کی ذات کو سمجھے اور اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن جائے، اور مناجات کی لذت حاصل کرے۔''

''سماحت کے حاصل کرنے کا عمدہ ذریعہ یہ ہے کہ لذت انتقام اور بخل وغیرہ کے مواقع سے زیادہ تر الگ رہے، خدا کا ذکر کرے اور عالم تجرد کی طرف اپنی توجہ کو مبذول رکھے زید بن حارثہؓ کے اس قول میں''

استوی عندحجر ها و مدرها

''میرے نزدیک زمین کا کنکر پتھر سب یکساں ہے''

اسی عالم تجرد کی طرف اشارہ ہے۔

''اور عدالت، لطف وکرم، محبت ومودت اور رقیق القلبی سے حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ امور کلیہ کا لحاظ رکھا جائے اور انجام پر نظر رہے، لیکن سماحت اور عدالت میں بعض حیثیتوں سے تناقض و تضاد ہے، کیونکہ حصول سماحت کا ذریعہ یہ ہے کہ عالم تجرد کی طرف انسان کا میلان ہو اور اس کے لیے قطع تعلق اور تخلیہ کی ضرورت ہے، لیکن عدالت لطف وکرم محبت ومودت سے حاصل ہوتی ہے جس کے لیے اجتماع ومباشرت ضروری ہیں، اس لیے اکثر لوگوں کے لیے یہ دونوں چیزیں باہم متضاد ہیں بالخصوص اہل تجاذب کے لئے تو بالکل ایک دوسرے کی نقیض ہیں، یہی وجہ ہے کہ بہت سے اہل اللہ اہل وعیال کو چھوڑ کر دنیا سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور عام طور پر جب لوگ بال بچوں سے ملتے ہیں تو ان کو خدا بھول جاتا ہے۔[1] لیکن انبیاء علیہ السلام نے دونوں کا لحاظ رکھا ہے، اس لیے ان دونوں کے قواعد واصول کو نہایت احتیاط کے ساتھ منضبط کر دیا ہے، بہت سے افعال اور بہت سی کیفیات ایسی بھی ہیں جو ان اخلاق یا ان اخلاق

[1] اس موقع پر حضرت حنظلہؓ کی حدیث کو پیش نظر رکھنا چاہیے جو آگے آئے گی

کے برعکس اثر کرتی ہیں، یعنی وہ فرشتوں یا شیطانوں کا مزاج پیدا کرتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے،،تم لوگ فرشتوں کی طرح صف کیوں نہیں سیدھی کرتے؟ ان مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایسی دعائیں سکھائی ہیں جو ہمیشہ عجز و نیاز کو پیدا کرتی رہتی ہیں، صبر اور فیاضی کا حکم دیا ہے اور موت کے یاد کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور دنیا کو حقیر بتایا ہے، اور خدا کی عظمت اور قدرت کے متعلق غور وفکر کی ہدایت کی ہے، اور ان سب کا مقصد یہ ہے کہ سماحت حاصل ہو۔ عیادت صلیہ رحمی احسان، اقامت حدود امر بالمعروف نہی عن المنکر اور سلام کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے تا کہ عدالت کا ملکہ پیدا ہو۔''

مقامات واحوال:

منازل سلوک کے طے کرنے کے بعد انسان کے اندر متعدد روحانی اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں، جن کو تصوف کی اصطلاح میں مقامات اور احوال کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، اور یہی اوصاف تصوف اور فلسفہ اخلاق میں مابہ الامتیاز ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے زمانے تک اگرچہ یہ اصطلاح نہیں پیدا ہوئی تھی، تاہم جن چیزوں کو مقامات واحوال کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ سب کے سب ان کی روحانی دنیا میں موجود ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ان پر تفصیلی بحث کی ہے، اور ہر مقام پر اور حال کی مثال صحابہ کرامؓ کے اوصاف روحانی سے دی ہے، شاہ صاحب کا بیان اگرچہ اہل حدیث اور اہل تصوف دونوں کے لیے نہایت دلاویز ہے، تاہم بخوف طوالت ہم اس کا نہایت اجمالی خلاصہ درج کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں۔

''علم تصوف کے چند نتائج یعنی مقامات اور احوال اس علم کے حاصل ہونیکے بعد پیدا ہوتے ہیں اور جو حدیثیں اس بارے میں وارد ہوئی ہیں، ان کی شرح دو مقدمات پر موقوف ہے ایک عقل، قلب اور نفس کے اثبات اور ان کی حقیقت کے بیان پر کہ یہ مقامات اور احوال تینوں چیزوں سے کیوں کر پیدا ہوتے ہیں، تو تم کو جاننا چاہیے کہ انسان کے اندر تین لطائف ہیں جو عقل، قلب اور نفس کے نام سے موسوم ہیں اور وہ نقل، عقل، تجربہ اور عقلاء کے اتفاق سے ثابت ہیں، عقل کے اوصاف اور اس کے او

افعال میں یقین، شک وہم ہر نو پیدا چیز کے اسباب وعلل کی تلاش، جلب منفعت اور دفع مضرت کی تدبیر وغیرہ داخل ہیں"

"غصہ دلیری، محبت، بزدلی، رضامندی، ناراضی، وفاء، جاہ پرستی، فیاضی، بخل اور امید وبیم وغیرہ قلب کا وصف اور قلب کا کام ہے، نفس کے اوصاف واعمال میں سب سے زیادہ نمایاں چیز اطعمہ واشربہ لذیذہ کی حرص اور عورتوں کی محبت اور ان کا عشق ہے،

اب مقامات اور احوال کے پیدا ہونے کی صورت یہ ہے کہ:

جب کوئی شخص خدا کی کتاب اور پیغمبر کی ہدایات پر ایسا مکمل ایمان لاتا ہے جو اس کے تمام قوائے قلبیہ اور نفسیہ کی رگ وپے میں سرایت کر جاتا ہے پھر اس کے بعد ذکر وفکر میں مشغول رہتا ہے اور اعضا وجوارح کے ساتھ حق عبودیت ادا کرتا ہے اور مستمراً ان اعمال کو بجالاتا رہتا ہے، تو ان تینوں لطیفوں کے اندر عبودیت کی روح حلول کر جاتی ہے، گویا خشک پودے کو خوب سینچ دیا جاتا ہے اس لیے اس کی تمام شاخوں اور پتوں میں رطوبت موجزن ہو جاتی ہے، پھر اس سے پھول اور پھل نکلتے ہیں ، اسی طرح یہ تینوں لطیفے عبودیت میں شرابور ہو جاتے ہیں اور ان کے رذیل ترین طبعی اوصاف صفات ملوکیت سے بدل جاتے ہیں، اب اگر ان صفات کو ملکات راسخہ کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے، اور ان کے افعال میں مستمراً ہمواری اور یکرنگی پائی جاتی ہے، تو انہی کا نام مقامات ہے اور اگر وہ بجلی کی طرح کوند کر پھر نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں اور ان میں ثبات وقرار نہیں پیدا ہوتا (مثلاً خواب یا غیب کی آواز یا مدہوشی وغیرہ) تو ان کو احوال اور اوقات کہتے ہیں ، اور چونکہ فطرت انسانی کے غلبہ کی حالت میں عقل کا متقضیٰ یہ ہے کہ جس چیز کے مناسبات جمع ہو جائیں وہ اس کی تصدیق کرے اس لیے عقل کی تہذیب کا اقتضاء یہ ہے کہ شرعی امور پر اس طرح یقین کرے کہ گویا وہ اس کو علانیہ نظر آتے ہیں، مثلاً جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ سے دریافت کیا کہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ گویا مجھ کو عرش الٰہی علانیہ نظر آتا ہے، اب کہنے کی بات یہ ہے کہ جو مقامات اور احوال سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں اصلی چیز یقین ہے اور یقین ہی سے مختلف مقامات مثلاً توحید، اخلاق، توکل، شکر، انس، ہیبت، تفرید، صدیقیت اور

محدثیت وغیرہ پیدا ہوتے ہیں، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ یقین کامل ایمان ہے۔ بحرحال یقین کامل کے بعد بہت سی شاخیں پیدا ہو جاتی ہیں، جن میں ایک شکر ہے اور انسان جب تک اپنی گزشتہ زندگی میں قدرت کے عجائبات سے متنبہ نہ ہوتا رہے شکر کی تکمیل نہیں ہوتی، چنانچہ حضرت عمرؓ جب اپنے آخری حج سے واپس آنے لگے، تو فرمایا کہ خدا کا شکر ہے خدا کے واسطے، کوئی دوسرا خدا نہیں جس کو جو چاہتا ہے دیتا ہے میں اس وادی (ضجنان) میں خطاب کا اونٹ چرایا کرتا تھا جو نہایت سخت تھے، جب میں کام کرتا تھا تو مجھ پر بگڑتے تھے اور جب میں کام میں کوتاہی کرتا تھا تو مجھے مارتے تھے، لیکن آج یہ حالت ہے کہ خدا کے سوا مجھے کسی کا ڈر نہیں ،

یقین کی دوسری شاخ ہیبت الٰہی ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے درخت پر ایک چڑیا کو دیکھ کر کہا کہ،، تجھ کو اے چڑیا یہ حالت مبارک کاش میں تیری طرح ہوتا کہ تو درخت پر بیٹھ کر پھل کھاتی ہے، اور اڑ جاتی ہے، تجھے خدا کو اس کا کچھ حساب دینا نہیں پڑتا،

یقین کی تیسری شاخ صدیقیت اور محدثیت ہے اور دونوں میں حقیقت یہ ہے کہ امت میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو فطرۃً انبیاء سے مشابہت رکھتے ہیں اب اگر یہ مشابہت قوائے عقلیہ میں ہو تو اس شخص کو صدیق اور محدث کہتے ہیں ، اور اگر قوائے عملیہ میں ہو تو وہ شہید یا حواری کہا جاتا ہے قرآن پاک کی اس آیت میں ،والذین آمنو اباللّٰہ و رسلہ اولئک ھم الصدیقون والشھداء انہی دونوں مقامات کی طرف اشارہ ہے لیکن صدیق اور محدث میں فرق یہ ہے کہ صدیق کی روح پیغمبر کا اثر نہایت سرعت سے قبول کرتی ہے، جس طرح گندھک آگ سے بہت جلد متاثر ہوتی ہے، اس لیے جب وہ پیغمبر کی زبان سے کوئی بات سنتا ہے تو وہ اس کو روحانی شہادت سے فوراً تسلیم کر لیتا ہے، گویا اس کو علم تقلیدی نہیں ہوتا بلکہ خود اس کے اندر سے ابال کھاتا ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نسبت جو یہ مروی ہے کہ آنحضرت پر وحی نازل ہوتی ہے تو وہ حضرت جبرئیل علیہ اسلام کی آواز کی گنگناہٹ سنتے تھے، اس سے اسی امر کی طرف اشارہ ہے، صدیق کے چند اور خصائص ہیں ایک تو وہ پیغمبر کی محبت اور ہمدردی میں اپنی جان و مال تک کو قربان کر دیتا

ہے کسی بات میں اس کی مخالفت نہیں کرتا، پیغمبر کی صحبت میں اکثر رہتا ہے اور خواب کی تعبیر بہت صحیح بیان کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے خوابوں کی تعبیر پوچھا کرتے تھے، صدیق کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ سب سے پہلے ایمان لاتا ہے اور بغیر معجزہ کے لاتا ہے۔[1]

اور محدث کا خلاصہ یہ ہے کہ بہت سے واقعات میں قرآن اس کی رائے کے مطابق نازل ہوتا ہے۔[2] اور صدیق خلافت کا سب سے بڑا مستحق ہوتا ہے اور اس کے بعد محدث کو یہ استحقاق حاصل ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اتباع کرو،

عقل کے احوال میں ایک حال تجلی ہے جس کی تین قسمیں ہیں ایک تجلی ذات جس کا نام مکاشفہ ہے دوسری تجلی صفات ذات جو نور کا مقام ہے، تیسری تجلی حکم ذات اور وہ آخرت اور تمام آخروی چیزوں کا انکشاف ہے،

مکاشفہ کی حالت میں انسان پر یقین کامل کا اس قدر غلبہ ہو جاتا ہے کہ گویا وہ خدا کو دیکھتا ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز کو بھول جاتا ہے، جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ احسان یہ ہے کہ تم خدا کی عبادت اسطرح کرو گویا تم اسکو دیکھ رہے ہو تجلی صفات ذات کی دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ انسان مخلوقات میں خدا کے افعال کو پیش نظر رکھے اور اس کے اوصاف کو نگاہ میں رکھے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس پر خدا کی قدرت کا یقین غالب ہو جائے گا، اور وہ عالم اسباب سے نکل کر بےخوف ہو جائے گا، اور اسباب سے اعانت نہ حاصل کرے گا، اور اس کو یقین آ جائے گا کہ خدا اس سے واقف ہے اس لیے وہ اس کی بارگاہ میں مرعوب و مدہوش ہو جائے گا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھتا ہے، یہ درجہ نور کا مقام ہے، اس لیے ہے کہ نفس اس حالت میں مختلف انوار سے روشنی حاصل کرتا ہے، اور نور کے ایک عالم سے نکل کر نور کے دوسرے عالم میں اور ایک مراقبہ سے دوسرے

[1] یہ تمام خصائص و علائم حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ذات میں جمع تھے،

[2] یہ حضرت عمرؓ کی خصوصیت ہے

مراقبہ میں جاتا ہے، بخلاف تجلی ذات کے وہاں تعدد اور تغیر نہیں ہوتا، دوسری حیثیت یہ ہے کہ انسان کو صفت ذات یعنی خدا کے وہ افعال جو بواسطہ امر کن کے صادر ہوتے ہیں بلا توسطہ اسباب خارجیہ کے نظر آئیں، اور اس حالت میں نور کا مظہر وہ مثالی صورتیں ہیں جو عارف کو اس وقت نظر آتی ہیں جب وہ اس دنیا سے گم ہو جاتا ہے، تجلی حکم ذات یعنی تجلی آخرت کے معنی یہ ہیں کہ انسان چشم بصیرت سے عذاب آخروی کو دنیا و آخرت میں دیکھے، اور اس کو اس طرح محسوس کرے جس طرح بھوکا بھوک کی تکلیف کو محسوس کرتا ہے''

تو پہلی (تجلی ذات یعنی مکاشفہ) کی مثال یہ ہے کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ طواف کر رہے تھے اسی حالت میں کسی شخص نے ان کو سلام کیا جس کا انہوں نے جواب نہیں دیا اس نے ان کے بعض رفقاء سے اس کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ ہم اس جگہ خدا کا نظارہ کر رہے تھے''

تجلی صفات ذات کی دو حیثیتوں میں سے پہلی حیثیت کی مثال حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے اکابر صحابہؓ کا یہ قول ہے کہ مجھ کو طبیب ہی نے بیمار بنایا اور دوسرے حیثیت سے مثال یہ ہے کہ ایک انصاری نے ایک روحانی سائبان میں چراغ کے مثل روشنیاں دیکھیں اس کی ایک مثال احادیث میں یہ بھی مروی ہے کہ دو[1] صحابی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اندھیری رات میں نکلے۔ تو ان کو اپنے سامنے دو چراغ نظر آئے یہاں تک کہ جب یہ دونوں بزرگ علیحدہ ہوئے تو ان میں ایک چراغ ہر ایک کے ساتھ ہو گیا اور ایک مثال حدیث میں بھی مروی ہے کہ نجاشی کی قبر کے پاس نور نظر آتا ہے،

تجلی حکم ذات یعنی تجلی آخرت کی مثال یہ ہے کہ ایک بار حضرت ابوبکرؓ حضرت حنظلہؓ سے ملے اور پوچھا کہ حنظلہ کیسے ہو؟ انہوں نے کہا حنظلہ منافق ہو گیا بولے کہ سبحان اللہ کیا کہتے ہو، بولے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ ہم کو جنت اور دوزخ کی یاد دلاتے ہیں تو وہ ہم کو گویا آنکھوں سے نظر آجاتی ہیں، لیکن آپ سے الگ ہو کر اہل وعیال سے ملتے ہیں اور کھیتی باڑی کا کام

---

[1] یہ حدیث صحیح بخاری شریف میں ہے۔

کرتے ہیں تو اکثر ان کو بھول جاتے ہیں، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ہمارا بھی یہی حال ہوتا ہے، اس خلش کو مٹانے کے لیے دونوں بزرگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور واقعہ بیان کیا، تو آپ نے فرمایا اگر ہمیشہ تمہاری یہی حالت رہتی تو فرشتے تم سے آ کر مصافحہ کرتے، حنظلہ کبھی اس میں رہو (یعنی ذکر میں) اور کبھی اس میں (یعنی اہل و عیال میں) اس آخری قول سے گویا آپ نے اشارۃً یہ بتایا کہ احوال میں استمرار اور مداو مت نہیں پائی جاتی،

اس کی ایک مثال حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا خواب میں جنت اور دوزخ کا دیکھنا بھی ہے، احوال عقلی کی ایک شاخ فراست صادقہ ہے، حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ بعض باتیں کہتے تھے اور میں خیال کرتا تھا کہ یوں نہیں بلکہ یوں ہوگی لیکن اس کا وقوع حضرت عمرؓ کے خیال کے مطابق ہوتا تھا،

احوال عقلی میں ایک چیز محاسبہ بھی ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا،

حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا

حساب لینے سے پہلے اپنے نفس کا حساب لے لو۔

احوال عقلی میں ایک چیز حیا ہے، اور وہ اس حیا سے مختلف ہے جو مقامات نفس میں سے ہے، اور وہ صرف خدا کی عظمت و جلال اور اپنے عجز و درماندگی کے اعتراف سے پیدا ہوتی ہے، حضرت عثمانؓ نے جو یہ فرمایا ہے کہ میں اندھیری کوٹھڑی میں بھی نہاتا ہوں تو خدا کی شرم سے پیچ و تاب کھاتا ہوں اس سے یہی حیاء مراد ہے مقامات قلب میں پہلا مقام جمع ہے اور اس کو صوفیہ ارادہ سے تعبیر کرتے ہیں، اس مقام کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا اصلی مقصود آخرت ہو اور دنیا کو ایک حقیر چیز سمجھے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس شخص کا مقصد صرف آخرت ہو خدا اس کے مقصد کی حفاظت کرتا ہے،، اور جس شخص کے بہت سے مقاصد ہوں تو خدا کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ کس میدان میں مرتا ہے، جب یہ مقصد سمٹ جاتا ہے، اور انسان ظاہراً و باطناً عبودیت پر قائم رہتا ہے تو خدا اور خدا کے رسول کی محبت پیدا ہوتی ہے، اور اس محبت سے ایمان کو صرف اسی قدر ترقی نہیں ہوتی کہ خدا مالک الملک ہے اور پیغمبر سچا ہے اور خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہے، بلکہ ایک ایسی حالت پیدا ہوتی ہے، جو پیاسے کو پانی دیکھ کر ہوتی ہے،

، حدیث شریف میں آیا ہے کہ خداوندا اپنی محبت کو میرے لیے سرد پانی سے بھی زیادہ محبوب بنا، آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ جب تک میں تمہارے لیے تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب ترین نہ ہوں، تم مومن نہیں ہو سکتے، انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم آپ مجھے میری اس روح سے بھی زیادہ محبوب ہیں جو میرے پہلو کے درمیان ہے، آپ نے فرمایا کہ اب تمہارا ایمان مکمل ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول ہے کہ جس شخص نے خدا کی خالص محبت کا مزا چکھ لیا، اس کا منہ دنیا سے پھر جائے گا، اور اس کو تمام دنیا سے وحشت ہو جائیگی،

جب خدا کے ساتھ ایک مومن کی محبت اس درجہ مکمل ہو جاتی ہے تو خدا بھی اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہے، اور اس محبت کے مختلف نتائج پیدا ہوتے ہیں، جن میں ایک استجابت سوال اور استجابت دعا ہے، چنانچہ آثار صحابہؓ میں استجابت دعا کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، مثلاً جب حضرت سعدؓ نے ابو سعد کو یہ بد دعا دی کہ خداوندا اگر تیر یہ بندہ جھوٹا ہو تو اس کی عمر دراز کر (یعنی ارذل عمر تک پہنچا) اس کی احتیاج کو بڑھا اور اس کی عزت و آبرو کو خطرے میں ڈال دے تو انہوں نے جو کچھ کہا وہی ہوا، یا جب حضرت سعیدؓ نے اروی بنت اوس کو بد دعا دی کہ اگر وہ جھوٹی ہے تو خداوندا اس کو اندھا کر دے، اور اسی زمین پر (جس کا اس نے دعوی کیا ہے) اس کو مار ڈال تو ان کی یہ دعا حرف بحرف مقبول ہوئی۔

مقامات قلب میں دو مقام ایسے ہیں جو ان نفوس کے ساتھ مخصوص ہیں جن کو پیغمبروں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے، گویا یہ دونوں مقام بمنزل صدیقیت اور محدثیت کے ہیں البتہ فرق یہ ہے کہ صدیقیت اور محدثیت کا تعلق نفس کی قوت عقلیہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ قلب کی قوت عملیہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

یہ شہید اور حواری کے مقامات ہیں اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ شہید کفار پر غصہ اور سختی کرتا ہے اور مواطن ملکوت میں سے کسی موقع پر جس میں خدا سرکشوں سے انتقام لینا چاہتا ہے دین کی مدد کرتا ہے، اور حواری وہ ہے جو پیغمبر سے مخلصانہ محبت رکھتا ہے، مدتوں اس کی محبت میں رہتا ہے، اور اس کو پیغمبر سے تعلقات قرابت ہوا کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو بشارت دی ہے کہ وہ حواری

اور شہید ہیں، پھر حواری کی مختلف قسمیں ہیں، ان میں بعض کو امین اور بعض کو رفیق کہتے ہیں، اور نجباء واتقیاء بھی انہی لوگوں میں سے پیدا ہوتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فضائل صحابہؓ میں اکثر میں ان اوصاف کو نمایاں کیا ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ تمام پیغمبروں کے سات نجباء ہوتے ہیں اور میرے چودہ ہیں، لوگوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا وہ کون کون لوگ ہیں فرمایا میں میرے دونوں بیٹے، حسن وحسینؓ، جعفر، حمزہ، ابوبکر، عمرؓ مصعب بن عمیرؓ، بلالؓ، سلمانؓ، عمارؓ، عبداللہ بن مسعودؓ ابوذرؓ، مقدادؓ،

مقامات قلب میں ایک مقام شکر کا ہے، یعنی اس مقام میں نور ایمان عقل سے چھن کر دل میں آتا ہے اور انسان تمام دینوی و دنیاوی مصلحتوں کو چھوڑ کر ایسی باتوں کو چاہنے لگتا ہے، جن کو لوگ عادتاً نہیں چاہتے، کیونکہ اس کی حالت مخمور کی سی ہو جاتی ہے، جس سے عقل و عادت میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے، حضرت ابوذرؓ نے اسی مقام میں فرمایا ہے کہ خدا کے شوق میں موت سے محبت رکھتا ہوں اور مرض کو چاہتا ہوں کہ وہ میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور خدا کے سامنے خاکسار بننے کے لیے فقر کو دوست رکھتا ہوں، حضرت ابوذر غفاری مال و دولت سے جو فطری نفرت رکھتے تھے وہ اسی مقام کا نتیجہ تھی۔

احوال قلب میں ایک حال کا نام غلبہ ہے، جس کی دو قسمیں ہیں، ایک غلبہ اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب مومن کا دل نور ایمان سے اس قدر لبریز ہو جاتا ہے کہ وہ چھلک اٹھتا ہے اور قلب اس کو سنبھال نہیں سکتا تو اس حالت میں وہ بعض باتوں کے اظہار پر مجبور ہو جاتا ہے، چاہے وہ شریعت کے موافق ہوں یا نہ ہوں کیونکہ شریعت بہت سے مقاصد پر مشتمل ہوتی ہے اور اس مومن کا قلب ان مقاصد کا احاطہ نہیں کر سکتا، مثلاً کبھی وہ رحم کرنا چاہتا ہے، اور شریعت اس موقع پر رحم کی اجازت نہیں دیتی، خدا خود کہتا ہے۔

لا تا خذکم بھما رافۃ فی دین اللّٰہ

تم کو دینی معاملات میں ان دونوں پر رحم نہیں کرنا چاہیے۔

بعض اوقات اس کے دل میں بغض پیدا ہوتا ہے، اور شریعت اس موقع پر لطف و کرم چاہتی ہے، جس کی مثال اہل ذمہ ہیں، صحابہؓ کرام کے حال میں غلبہ کی اس قسم کی

متعدد مثالیں ملتی ہیں، مثلاً جب بنو قریظہ حضرت سعد بن معاذؓ کے حکم سے قلعہ سے نکلے اور انہوں نے حضرت لبابہ بن منذرؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ ذبح کے لیے جاؤ گے، پھر افشائے راز پر ان کو ندامت ہوئی اور سیدھے مسجد میں جا کر انہوں نے اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا اور کہا کہ جب تک خدا میری توبہ قبول نہ کرے گا، میں یہاں سے نہ ٹلوں گا، یا مثلاً مقام حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ نے مشرکین سے دب کر صلح کی تو حضرت عمرؓ حمیت اسلام سے از خود رفتہ ہو گئے اور نہایت تیزی سے حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ خدا کے پیغمبر نہیں ہیں، انہوں نے کہا ہیں، بولے کیا ہم مسلمان نہیں؟ انہوں نے کہا ہیں بولے کیا یہ مشرک نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا ہیں بولے تو پھر ہم کیوں مذہبی معاملات میں دب کر صلح کرتے ہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ عمرؓ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو، کیونکہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے پیغمبر ہیں، ان کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو خود رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اسی قسم کے سوالات کئے، آپ نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکرؓ نے دیا تھا، اور فرمایا کہ میں خدا کا بندہ اور رسول ہوں، اس کے حکم کی مخالفت نہیں کر سکتا، خدا مجھے ضائع نہ کرے گا، حضرت عمرؓ نے بعد کو اس صلح کے مصالح کو سمجھا تو ان کا بیان ہے کہ اس والہانہ بے ادبی کے کفارے میں میں ہمیشہ روزہ رکھتا رہا اور صدقہ دیتا رہا، غلام آزاد کرتا رہا، نماز پڑھتا رہا یا مثلاً جب ابوطیبہ جراح نے آپ کو پچھنا لگایا تو آپ کا خون پی گئے، خون حرام ہے لیکن چونکہ انہوں نے اس کو حالت غلبہ میں پیا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو معذور رکھا۔

شریعت میں غلبہ کی ایک قسم اور بھی ہے جو اس سے زیادہ مکمل ہے، یعنی جن نفوس کو پیغمبروں کے نفوس سے مشابہت ہوتی ہے، جب وہ فیضان الٰہی کے قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں، تو اگر وہ فیضان ان کی قوت عقلیہ کو پہنچتا ہے تو اس کو فراست اور الہام کہتے ہیں، اور اگر قوت عملیہ اس فیضان کو قبول کرتی ہے تو وہ عزم یا توجہ یا نفرت یا رکاوٹ کی صورت اختیار کر لیتا ہے، مثلاً جب غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ خداوندا میں تجھ سے تیرے عہد کے ایفاء کی درخواست کرتا

ہوں، خداوندا کیا تو یہ چاہتا ہے کہ تیری پرستش نہ ہو؟ تو حضرت ابوبکرؓ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ بس اب رسول اللہ ﷺ یہ آیت پڑھتے ہوئے نکلے،

لیھزم الجمع ویولون الدبر

"کفار کی جمعیت ٹوٹ جائے گی وہ پیٹھ پھیر لیں گے"

اس سے معلوم ہوا کہ فیضان الٰہی کی بناء پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قلب میں ایک میلان پیدا ہوا، جس سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس الحاح و زاری کو پسند نہیں کیا، اور آپ کو روک دیا، آپ نے اپنی فراست سے معلوم کر لیا کہ یہ ایک سچی خواہش ہے، اس لئے خدا کی مدد کا اظہار کرتے ہوئے اور اس آیت کو پڑھتے ہوئے نکلے۔

اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کا جنازہ پڑھنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے آپ کو روک دیا، لیکن آپ نے فرمایا کہ مجھے جنازہ پڑھنے کا اختیار دیا گیا اور میں نے اسے اختیار کر لیا لیکن اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

ولا تصل علی احدمنھم مات ابدا

"ان میں کبھی کسی کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو"

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو خود تعجب ہے کہ میں نے ایسی دلیری کی ،حالانکہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے زیادہ عالم تھے۔

غلبات کے اقسام میں ایک غلبہ خوف بھی ہے اس حالت میں انسان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے اور اس کا جسم کانپنے لگتا ہے، حضرت ابوبکرؓ پر یہ غلبہ اکثر طاری ہو جاتا ہے، اور اپنے آنسوؤں کو ضبط نہ کر سکتے تھے، حضرت جبیر بن مطعم کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ آیت ام خلقوا من غیر شیء ام ھم الخالقون سنی تو میرا دل اڑنے لگا۔

احوال قلب میں سے ایک حال یہ ہے کہ انسان صرف خدا کی اطاعت کو اختیار کر لیتا ہے، اور اس کو بقیہ چیزوں سے نفرت ہوتی ہے، اس لیے جو چیزیں اس اطاعت میں خلل انداز ہوتی ہیں ان کو بھی وہ الگ کر دیتا ہے، حضرت ابوطلحہؓ انصاری اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہے تھے دفعتاً ایک خوش رنگ چڑیا آ کر گنجان شاخوں

''میں الجھ گئی اور پھڑ کنے لگی، وہ اس دلچسپ منظر کے دیکھنے میں اس قدر محو ہوئے کہ ان کو یہ نہ معلوم ہوا کہ کتنی رکعتیں پڑھیں، اس لیے اس باغ کو صدقہ کر دیا۔''

اس تمام تفصیل سے یہ معلوم ہوا ہوگا کہ اگر تصوف، اخلاق، روحانیت اور مقامات اوراحوال کا نام ہے تو صحابہ کرامؓ کا دل اس کا اصلی ماخذ اس کا اصلی سرچشمہ تھا لیکن اگر صرف جبہ خرقہ، رقص وسرور، اور حال وقال اس کے اجزاء ہیں تو ہندوستان اور دوسرے ممالک اسلامیہ کی خانقاہیں اس کا بہترین مرکز ہیں، صحابہ کرامؓ کی جھونپڑیوں میں اس کا پتہ نہیں مل سکتا۔

علم الانساب

علم الانساب اس علم کا نام ہے جس کے ذریعہ سے خاندان اور قبائل کے نسبی تعلقات معلوم ہوتے ہیں۔ عہد صحابہ کے بعد جب فتوحات کی غیر معمولی وسعت نے عرب وعجم میں اختلاط پیدا کر دیا تو اس وقت اگر چہ اس فن کی اہمیت زائل ہوگئی۔ تاہم چونکہ عرب کو اپنے حسب ونسب پر ہمیشہ فخر و غرور رہا، اس لئے زمانہ جاہلیت اور زمانۂ اسلام دونوں میں یہ فن نہایت ضروری اور اہم خیال کیا جاتا تھا، خود قرآن مجید میں بھی اس فن کی اہمیت اور ضرورت کو بہ تصریح بیان کیا گیا ہے،

وجعلنا کم شعو با و قبائل لتعار فوا

ہم نے خاندان اور کنبوں میں تمہاری تقسیم اس لئے کی ہے کہ تم ایک دوسرے سے پہچانے جاؤ۔

چونکہ اشعار عرب میں مدح وذم کے موقعوں میں اکثر حسب ونسب سے تعرض کیا جاتا تھا، اس لئے حضرت عمرؓ نے حفظ اشعار کو جن اسباب کی بناء پر ضروری قرار دیا ان میں ایک یہ بھی تھا کہ ان کے ذریعہ سے لوگوں کو علم الانساب کی تعلیم ہوتی ہے، چنانچہ ایک فرمان میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا۔

مر من قبلک یتعلم الشعر فا نه یدل علی معالی الا خلاق و صواب الرائ ومعرفة الا نساب ،

''لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتیں اور صحیح رائے اور انساب کی طرف راستہ دکھاتے ہیں۔''

بہر حال جاہلیت اور اسلام دونوں میں یہ علم نہایت اہم خیال کیا جاتا تھا، اور تمام صحابہ میں حضرت ابوبکرؓ اس علم کے سب سے بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے، [1] یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابتؓ کو کفار کی ہجو کہنے کا حکم دیا، تو ان کو انساب کے متعلق حضرت ابوبکرؓ کی

[1] کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر ج اص ۱۲۳

طرف رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی اور فرمایا۔

ائت ابا بکر فانه اعلم بانساب القوم منک،

ابوبکرؓ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ انساب کے تم سے زیادہ عالم ہیں۔

چنانچہ ان کی ہدایت کے بموجب انہوں نے کفار کے حسب ونسب پر طعن وتشنیع شروع کی تو خود کفار بے اختیار بول اٹھے:

ان هذه الشعر ما غاب عنه ابن ابی قحافه[1]

ابن ابی قحافہ یعنی حضرت ابوبکرؓ ان اشعار سے بے تعلق نہیں ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کا درجہ تھا، اور اس علم کو انہوں نے اپنے باپ خطاب سے سیکھا تھا، چناچہ جاحظ نے لکھا ہے کہ جب وہ انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے،[2] حضرت عمرؓ کے بعد حضرت جبیر بن مطعمؓ اس فن کے ماہر خیال کیے جاتے تھے، اور انہوں نے اس فن کو حضرت ابوبکرؓ سے حاصل کیا تھا، حضرت سعید بن المسیبؒ نے حضرت جبیر بن مطعمؓ سے اس کی تعلیم حاصل کی اور ان سے محمد بن سعید بن المسیبؒ نے اس علم کو سیکھا،[3] اس طرح اسلام میں اس علم کا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ذات سے قائم ہوا۔

حضرت عائشہؓ بھی علم الانساب کی بہت بڑی ماہر تھیں، چنانچہ حضرت عروہؒ کا قول ہے۔

ما رایت احدامن الناس اعلم......

بحديث العرب والنسب من عائشة[4]

میں نے کسی کو ایام عرب اور علم نسب کا ماہر حضرت عائشہؓ سے زیادہ نہیں دیکھا،

لیکن یہ بھی حضرت ابوبکرؓ ہی کا فیض تربیت تھا۔

---

[1] استیعاب تذکرہ حسان بن ثابت

[2] کتاب البیان والتبیین ج ا ص ۱۱۷،

[3] کتاب البیان والتبیین ا ص ۱۱۷، ۱۲۳،

[4] تذکرۂ ذہبی ترجمہ عائشہؓ

علم تاریخ

اسلام سے پہلے اگرچہ عرب میں اور علوم وفنون موجود نہ تھے، تاہم علم الانساب، ایام العرب، اور شعروشاعری نے فن تاریخ کا کافی ذخیرہ فراہم کر دیا تھا۔ اگرچہ اب تک کسی کتاب کی صورت میں مدون نہیں ہوا تھا، تاہم عام زبانی روایتوں نے اس کے ایک ایک حرف کو محفوظ رکھا تھا، اسلام کے بعد اگرچہ صحابۂ کرام مختلف مہمات میں مشغول ہو گئے، لیکن انہوں نے عرب کے اس علمی سرمایہ کو ضائع نہیں کیا بلکہ اس کو محفوظ رکھا، چنانچہ نماز فجر کے بعد جب رسول اللہ ﷺ حسب معمول طلوع آفتاب تک مصلیٰ پر نشست فرماتے تھے، تو صحابۂ کرام اشعار پڑھتے اور زمانۂ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے اس مقدس صحبت کے علاوہ عموماً ان کی مجلسوں میں واقعات کا تذکرہ ہوتا تھا اور اشعار پڑھے جاتے تھے۔[1]

عام صحابہؓ کے علاوہ جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے، جو صحابہ خاص طور پر علم الانساب اور ایام العرب کے ماہر خیال کئے جاتے تھے، ان میں حضرت ابوبکرؓ سب سے مقدم تھے' حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کا درجہ تھا ان کے بعد حضرت جبیر بن مطعمؓ تھے جنہوں نے اس فن کو حضرت ابو بکرؓ سے سیکھا تھا، حضرت ابوبکرؓ کے فیض تربیت سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع حضرت عائشہؓ کو ملا تھا، اس لئے ان کو فنون میں بہت بڑی دستگاہ حاصل تھی، چنانچہ مسند ابن حنبل میں ہشام بن عروہ سے روایت ہے کہ:

كان عروة يقول لعائشة يا امتاه لا اعجب من فهمك اقول زوجة رسول الله ﷺ وبنت ابى بكر ولا اعجب من علمك بالشعرو ايامّ الناس اقول ابنةابى بكر و كان اعلم الناس اومن اعلم الناس ولكن اعجب من علمك بالطب كيف هو و من اين هو[2]

---

[1] الادب المفرد باب الکبر۔ [2] مسند ج ۶ ص ۱۱۷

''حضرت عروہؓ، حضرت عائشہؓ سے کہتے تھے کہ اے ماں مجھے تمہاری سمجھ پر تعجب نہیں آتا، کیونکہ آپ رسول اللہ ﷺ کی بی بی اور ابوبکرؓ کی بیٹی ہیں، اور آپ کو ایام العرب اور شاعری کا جو علم حاصل ہے مجھے اس پر بھی تعجب نہیں ہوتا کہ، آپ ابوبکرؓ کی بیٹی ہیں جو لوگوں میں بہت بڑے عالم تھے، لیکن میں آپ کے علم طب پر متعجب ہوں کہ یہ آپ کو کیونکر آیا؟ اور کہاں سے آیا؟''

خود احادیث میں انہوں نے اس کثرت سے تاریخی واقعات کی روایت کی ہے کہ اگر ان کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو حالات قبل الاسلام، اور واقعات بعد الاسلام کے متعلق ایک متوسط درجہ کا تاریخی رسالہ مرتب ہو سکتا ہے، لیکن خلفائے راشدین کے زمانے تک یہ تمام تاریخی معلومات صرف سینوں میں محفوظ تھیں، سفینوں میں نہیں آتی تھیں، لیکن حضرت امیر معاویہ کے دور حکومت میں یہ کمی بھی پوری ہوگئی، حضرت امیر معاویہؓ کو فن تاریخ سے نہایت شغف تھا، اس لئے معمولاً روزانہ رات کا تہائی حصہ تاریخی واقعات کے سننے میں بسر کرتے تھے' اس کے بعد سو جاتے تھے' پھر اٹھتے تھے تو یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہوتا تھا، چنانچہ مسعودی مروج الذہب میں لکھتا ہے،

ویسمر الی ثلث اللیل فی اخبار العرب وایا مها والعجم و ملوكها وسیا ستها لر عیتها و سائر ملوك الا مم و حر وبها ومكائدها و سیا ستها لر عیتها و غیر ذالک من اخبار الا مم السابقة ثم ید خل فینام ثلث اللیل ثم یقوم فیقعد فیحضر الدفاتر فیها سیر الملوك و اخبار هاوالحروب و المكائد فیقراء ذٰلک علیه غلمان مر تبون[1]

وہ ایامِ عرب، اخبار عرب اخبار عجم وسلاطین عجم ان کے طریقہ حکمرانی اور تمام قوموں کے بادشاہوں ان کی لڑائیوں کی داد گھات ان کے طرز جہانبانی اور دوسری گذشتہ قوموں کے حالات تہائی شب کے برابر سنتے تھے، پھر اندر جا کر تہائی شب تک سوتے

---

[1] مروج الذہب بر حاشیہ نفح الطیف ج دوم ص ۴۲۵،

تھے، پھر اٹھ کر بیٹھتے تھے تو کتابیں لائی جاتی تھیں جن میں باشاہوں کے حالات و واقعات اورلڑائیوں کے تذکرے درج ہوتے تھے اوران کے وہ لڑکے پڑھ کر سناتے تھے جواس کام پر مامور تھے۔''

اس تاریخی سلسلے میں حضرت امیر معاویہ کوقبیلہ حمیر کے حالات کی خاص طور پر جستجو و تلاش تھی، چنانچہ ان کوحضرت عمرو بن العاصؓ نے یہ مشورہ دیا کہ آپ عبید بن شریہ کو بلائیے کہ وہ حمیر کے واقعات اور حالات کا سب سے زیادہ ماہر ہے، چنانچہ انہوں نے اس کوطلب کیا تو اس نے ان معلومات کوایک کتاب کی صورت میں قلمبند کردیا،[1] اور غالباًیہ پہلی تاریخی کتاب تھی جو اسلام میں لکھی گئی، اوراس لحاظ سے اسلام میں فن تاریخ کی ابتدا صحابۂ کرام کے عہد مبارک میں ہوئی؟

1 اصابہ تذکرہ عبید بن شریہ

شعروشاعری [1]

صحابہ کرامؓ اگر چہ اکثر ملکی مہمات، مذہبی خدمات اور علمی مشاغل میں مصروف رہتے تھے۔ تاہم ان میں شعروسخن کا مذاق عام طور پر پایا جاتا تھا۔ اس لئے جب مشاغل سے فرصت ہوتی تھی، تو خود اشعار پڑھتے تھے، دوسروں سے اشعار پڑھوا کر سنتے تھے اور ان سے لطف اندوز ہوتے تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ حسب معمول بعد نماز فجر طلوع آفتاب تک مصلی پر نشست فرماتے تھے تو اس حالت میں صحابۂ کرام زمانہ جاہلیت کے واقعات کا ذکر کرتے تھے، اشعار پڑھتے تھے، ہنستے تھے، اور آپ ان تذکروں کو سن کر مسکراتے تھے، [2]

اس مقدس صحبت کے علاوہ ان کی مجالس میں عام طور پر شعروشاعری کا چرچا رہتا تھا، اور یہ ان کی زندہ دلی کی ایک بڑی علامت تھی، چنانچہ الادب المفرد میں ہے،

لم یکن اصحاب رسول اللہ ﷺ متحرقین ولا متما وقین وکانو ایتنا شدون الشعرفی مجالسهم و یذکرون امر جا هلیتهم [3]

''صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ مردہ دل اور خشک مزاج نہ تھے، وہ اپنی مجلسوں میں اشعار پڑھتے تھے، اور زمانہ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے''

خلفاء میں حضرت عمرؓ اگر چہ ہمیشہ بڑی بڑی مہمات ملکی میں مصروف رہتے تھے، تاہم جب موقع ملتا تھا تو نہایت شوق سے شعراء کے اشعار سنتے تھے اور ان سے لطف اٹھاتے تھے، ایک بار سفر حج کو

---

1. شاعری صحابہ کرامؓ کے مفاخر میں داخل نہیں ہے، اس لئے ہم نے اس عنوان کو کسی قدر اختصار کے ساتھ لکھا ہے حسن الصحابہ فی شرح اشعار الصحابہ، کے نام سے حال میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے، جن لوگوں کو صحابہ کرامؓ کے اشعار کا زیادہ شوق ہو وہ اس کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں،
2. نسائی کتاب الامامۃ باب قعود الامام فی مصلاہ بعد التسلیم،
3. الادب المفرد باب،

نکلے تو قافلہ کے ساتھ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی تھے لوگوں نے حضرت خواتؓ سے کہا کہ "ضرار بن خطاب کے اشعار سناؤ"، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "ان کو اپنے ہی اشعار سنانے دو، چنانچہ وہ صبح تک متصل اپنے اشعار پڑھتے رہے، صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا "اب بس کرو[1] ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے رات بھر اشعار پڑھوائے، جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ اب قرآن پڑھو۔

یہ ذوق صرف سنے سنائے اشعار پر موقوف نہ تھا، بلکہ ان کو بذات خود ہر قسم کے اشعار اس کثرت سے یاد تھے کہ جب کوئی واقعہ پیش آتا تو اس پر کوئی نہ کوئی شعر ضرور پڑھ دیتے تھے، [2] اس کے ساتھ بہت بڑے ناقد فن تھے اور تمام شعراء کے کلام کے متعلق اس قدر صحیح رائیں رکھتے تھے کہ تمام اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑھ کر کوئی شعر کا پرکھنے والا نہ تھا، چنانچہ علامہ ابن رشیق القیر وانی کتاب العمدہ میں لکھتے ہیں،

وکان من انقذز مانه للشعر وانقدهم فيه معرفة [3]

یعنی حضرت عمرؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے نقاد اور روشناس تھے،

جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں لکھا ہے۔

كان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر [4]

یعنی حضرت عمر بن الخطابؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے،

خود ان کے زمانے کے مشہور شعراء نے ان کی اس خصوصیت کا اعتراف کیا ہے چنانچہ انہوں نے حطیۂ کو جو مشہور ہجو گو تھا، ہجو گوئی کے جرم میں قید کر دیا تھا، لیکن جب اس کو رہا کیا تو فرمایا کہ اب ہجو مقذع نہ کہنا، اس نے کہا اے امیر المومنین ہجو مقذع کیا چیز ہے؟ بولے یہ کہ تم کسی کو کسی پر ترجیح دو، یا ایک شخص کی مدح اور اس کے مقابل میں دوسرے کی ہجو کرو اس نے یہ سن کر کہا اے امیر المومنین آپ تو مجھ سے بھی زیادہ اسالیب شعر کے ماہر ہیں، [5] حضرت عمرؓ کو اگر چہ تمام مشہور

---

[1] اصابہ تذکرہ حضرت خوات بن جبیرؓ
[2] کتاب البیان والتبین ج ا ص ۹۸،
[3] کتاب العمدہ ذکر اشعار الخلفا ج ا ص ۱۲،
[4] کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر ص ۹۷۔
[5] کتب العمدہ ج ۲ ص ۲۳۸،

شعراء کے کلام پر عبور تھا، لیکن تین شاعروں کو انہوں نے سب میں انتخاب کرلیا تھا، امراء القیس زہیر، نابغہ ان سب میں وہ زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اس کو اشعر الشعراء کہا کرتے تھے، اہل عرب اور علمائے ادب کے نزدیک اب تک یہ مسئلہ طے نہیں ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون تھا؟ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ افضیلت انہی تینوں میں محدود ہے، حضرت عمرؓ کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی، اور جریر بھی اسی کا قائل تھا۔ایک دفعہ ایک غزوہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کے ساتھ تھے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ اشعر الشعراء کے اشعار پڑھو' حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ وہ کون؟ فرمایا زہیر، انھوں نے ترجیح کی وجہ پوچھی؟ اس کے جواب میں یہ الفاظ فرمائے:

کان لا یعا ضل بین الکلام ولا یتبع حوشیه لا یمدح
الرجل الا بما فیه [1]

''وہ نا مانوس الفاظ کی تلاش میں نہیں رہتا، اس کے کلام میں پیچیدگی نہیں ہوتی۔ اور جب کسی کی مدح کرتا ہے تو انہی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی اس میں ہوتے ہیں۔''

اور ناقدینِ فن نے بھی زہیر کی جو خصوصیتیں بتائی ہیں وہ یہی ہیں،۔

زہیر کے بعد وہ نابغہ کے معترف تھے۔ اور اس کے اکثر اشعار ان کو یاد تھے۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب سے بڑا شاعر کون ہے؟ لوگوں نے کہا آپ سے زیادہ کون جانتا ہے، فرمایا شعر یہ کس کا ہے؟

اینتک عاریا خلقا یثابی
علی خوف تظن بی الظنون

لوگوں نے کہا نابغہ کا پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

خلفت فلم اترك لنفسك ريبةً
وليس ورأاللّٰه للمرء مذهب

لوگوں نے کہا نابغہ کا،، فرمایا یہ شخص اشعراء العرب ہے، [2]

---

[1] کتاب العمدہ باب المشاہیرین الشعراء ج ا ص ۲۶۲

[2] آغانی تذکرہ نابغہ ج ۹ ص ۱۵۵ جن اشعار کے متعلق حضرت عمرؓ نے سوال کیا ہے آغانی میں ان کی تعداد زیادہ ہے۔

بااین ہمہ نہ وہ امرء القیس کی اُستادی اور ایجاد مضامین کے منکر نہ تھے، ایک دفعہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے شعراء کی نسبت ان کی رائے پوچھی، تو امراء القیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے،

سابقهم خسف لهم عين الشعر فاقتفرعن معان

عور اصح بصر [1]

''وہ سب سے آگے ہے اسی نے شعر کے چشمے سے پانی نکالا اسی نے اندھے مضامین کو بینا کیا''

حضرت عمرؓ کے ذوقِ سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے تو بار بار مزے لے کر پڑھتے تھے، ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے، یہ شعر آیا۔

وان الحق مقطعه ثلاث

يمين او نفار اوجلاء

تو حسن تقسیم پر بہت محظوظ ہوئے اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا، ایک اور دفعہ عبدۃ بن الطیب کا لامیہ قصیدہ سن رہے تھے، اس شعر کو سن کر۔

والمرء ساع لامر ليس يدركه

والعيش شيخ الشفاق و تاميل

پھڑک اٹھے اور دوسرا مصرعہ بار بار پڑھتے رہے اسی طرح ابو قیس بن الاصلت کا قصیدہ سنا تو بعض اشعار کو دیر تک دہرایا۔ [2]

حضرت ابو بکر صدیقؓ اگرچہ زہد مجسم تھے، تاہم شعر و سخن کے بڑے اداشناس تھے اور خود شعر کہتے تھے، چنانچہ ایک غزوہ میں ایک مستقل قصیدہ لکھا ہے، جس کے چند شعر یہ ہیں،

امن طيف سلمى بالبطاح الدمائث

ارقت او امر فى العشيرة حادث

''تم وادی میں سلمی کے خیال سے جاگتے رہے یا کوئی واقعہ قبیلہ میں پیش آیا۔''

---

1. کتاب العمدہ ج ا ص ۵۹ باب المشاہیر من الشعراء
2. کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر ص ۹۷، ۹۸،

ترى من لوى فوقة لا تصدها
عن الكفر تذكيرو لا بعث باعث
تم قبیلہ لوی کے ایک گروہ کو دیکھتے ہو کہ اس کو کفر سے نہ واعظ و پند روک سکتی نہ نبوت بعثت

رسول اتاهم صادق فكذبوا
عليه وقالو الست فينا بماكث
ان کے پاس ایک سچا پیغمبر آیا جس کو ان لوگوں نے جھٹلایا، اور کہا کہ تم ہم میں ٹھہرنے والے نہیں ہو۔

اذاما دعونا هم الى الحق ادبروا
وهر واهرير المحجرات اللوائث
جب ہم نے ان کو دعوتِ حق دی تو ان لوگوں نے پشت پھیر لی اور کتے کی طرح بھونکنے لگے۔

حضرت عثمانؓ کے اخلاقی اشعار کا نمونہ یہ ہے:

غنى النفس يغنى النفس حتى يكفها
وان عضها حتى يضربها الفقر
نفس کی بے نیازی نفس کو بے نیاز کر دیتی ہے گو اس کو احتیاج کاٹ ہی کیوں نہ کھائے۔

وما عسرة فاصبرلما ان يقتها
بكائنة الا سيتبعها يسر
اگر تنگ دستی پر صبر کرو گے تو فراخ دستی لازمی طور پر حاصل ہوگی،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے غزوہ صفین کے متعلق نہایت پر جوش اشعار کہے ہیں ،چنانچہ اس غزوہ میں قبیلہ ہمدان کی اعانت کا ذکر ان اشعار میں کیا ہے،

ولمار ايت الخيل ترجم بالقنى
نواصيها حمر الخور دوامى
''اور جب میں نے ان گھوڑوں کو دیکھا جن کے سینے سرخ اور خون سے آلودہ تھے۔''

واعرض تفع فی السماء کانه
عجاجة دجن ملبس بقتام

"اور آسمان کی فضا، نہایت تاریک اور سیاہ گردوغبار سے بھر گئی"

ونادی ابن هند فی الکلاع وحمیر
وکندة فی لخم وحی جذام

"اور ابن ہند نے قبیلہ کلاع، حمیر کندہ، لخم اور جذام کو پکارا"

تیممت همدان الذین هم ،هم
اذاناب دهر جنتی و سهامی

"تو میں نے ہمدان کی طرف رخ کیا جو حوادثات میں میرے سپر اور میرے تیر ہیں۔"

فخاوبنی من خیل همدان عصبة
فوارس من همدان غیر لیام

"تو ہمدان کے ایک گروہ نے میری صدا پر لبیک کہا، جو نہایت شریف سوار تھے"

فخا ضوا لظاهاوا ستطار واشراه ها
فکانوا الذی ایهجا کشرب مدم

"وہ لوگ لڑائی کے شعلوں میں گھس گئے اور اسکی چنگاریوں کو بکھیر دیا اور جنگ میں شرابیوں کی طرح متوالے نظر آئے۔"

فلو کنت بوا با علی باب جنة
لقلت لهمدان ادخلو البسلام

"تو اگر میں جنت کا دربان ہوتا تو ھمدان سے کہتا کہ اطمینان کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ"

خلفاء کے علاوہ اور جتنے صحابہ تھے سب کے سب شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے، چنانچہ زمانۂ حال کے ایک مصنف نے جمہرۃ العرب کے حوالے سے لکھا ہے،

ولم یبق من الصحابة من لم یقل الشعرا ویتمثل به [1]

"کوئی صحابی ایسا نہ تھا جس نے کوئی نہ کوئی شعر نہ کہا ہو، یا نہ پڑھا ہو"

[1] جمرۃ العرب صفحہ ۱۴ بحوالہ آداب اللغۃ العربیہ مطبر جی زیدان

اور کتاب العمدہ میں خود خاندان رسالت کے متعلق تصریح کی ہے۔

ولیس من بنی عبد المطلب رجالاً ونساء من ،لم یقل الشعر حاشی النبی ﷺ[1]

بنو عبدالمطلب کے مردوں اور عورتوں میں رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی ایسا نہ تھا جس نے شعر نہ کہا ہو۔

اور اس کے بعد حضرت حمزہؓ ،حضرت عباسؓ ،حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ حضرت ابوسفیانؓ ،حضرت فاطمہؓ وغیرہ کے متعدد اشعار نقل کئے ہیں۔

لیکن تمام صحابہ میں شاعرانہ حیثیت سے چار بزرگ یعنی حضرت حسان بن ثابتؓ ،حضرت کعب بن مالکؓ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت کعب بن زہیرؓ خصوصیت کے ساتھ ممتاز ہیں ان چاروں بزرگوں میں حضرت حسانؓ بن ثابت مخضرمی[2] شاعر ہیں یعنی انہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں میں شعر کہے ہیں، اور دونوں زمانوں میں داد سخن دی ہے، زمانۂ جاہلیت میں وہ بہترین شاعر تسلیم کئے جاتے تھے، اور ملوک غسان سے جو ان کے ممدوح تھے گراں قیمت صلے پائے تھے ان سلاطین کی مدح میں انہوں نے جو قصائد لکھے ہیں، ان میں عرب کے مشہور شاعر حطیہ نے اس شعر کو بہترین مدحیہ شعر تسلیم کیا ہے:

یغشون حتی ما قمر کلا بھم
لا یسئلون عن السواد المقبل

عبدالملک ابن مروان کا قول ہے۔

ان امدح بیت قالة العرب بیت حسان ھذا

''اہل عرب نے جو بہترین مدحیہ اشعار کہے ہیں ان میں حسانؓ کا یہ شعر سب سے بہتر ہے''

ابو عبیدہؓ کا قول ہے کہ شہری باشندوں میں اہل عرب کے نزدیک سب سے بڑے شاعر یثرب کے لوگ تھے، اس کے بعد قبیلہ عبدالقیس، پھر قبیلہ ثقیف کے لوگ بڑے شاعر تھے، زمانۂ اسلام میں وہ خاص رسول اللہ ﷺ کے شاعر تھے اور یہ ان کا سب سے بڑا امتیازی وصف خیال کیا جاتا تھا۔ ابو عبیدہؓ کا قول ہے کہ حسان کو تمام شعراء پر جو ترجیح حاصل ہے اس کے تین

---

[1] کتاب مذکورہ ج ۱ ص ۱۵

[2] حضرت حسانؓ بن ثابت کے یہ حالات استیعاب و طبقات الشعر الابن قتیبہ سے ماخوذ ہیں۔

سبب ہیں، ایک یہ کہ وہ زمانہ جاہلیت میں انصار کے شاعر تھے، پھر رسول اللہ ﷺ کے شاعر ہوئے اس کے بعد زمانۂ اسلام میں تمام یمن کے شاعر تسلیم کئے گئے، لیکن ان میں ان کا اصلی شرف یہ ہے کہ ان کو خود رسول اللہ ﷺ نے اپنا شاعر منتخب فرمایا، چنانچہ مشرکین قریش میں عبداللہ ابن الزبعریؓ، ابوسفیان بن حارثؓ، عمرو بن العاصؓ، اور ضرار ابن خطابؓ نے آپ کی ہجو گوئی شروع کی تو آپ نے فرمایا،

ما بمنح القوم الذین نصر وارسول اللّٰہ ﷺ بسلا حھتم

ان ینصروہ بالسنتھم

''جس قوم نے رسول اللہ ﷺ کی مدد ہتھیار سے کی وہ اپنی زبان سے کیوں آپ کی مدد نہیں کرتی۔''

یہ سن کر حضرت حسان بن ثابتؓ نے کہا کہ اس کام کے لئے میں تیار ہوں، اس کے بعد آپ کی طرف سے کفار کی شاعرانہ مدافعت ان کا عام مشغلہ ہوگیا، اور بارگاہِ نبوی میں ان کی اس خدمت کو اس قدر حسن قبول حاصل ہوا کہ آپ نے ایک موقع پر فرمایا۔

اھجھم وروح القدس معک

''کفار کی ہجو کہو روح القدس تمہارے ساتھ ہے''

ایک بار یہ دعا دی۔

اللھم ایدہ بروح القدس

''خداوندا روح القدس کے ذریعہ سے ان کی تائید کرو''

ایک دفعہ ان کی ہجوں کی ان الفاظ میں داد دی،

ان قولہ فیھم اشد من وقع النبل

''کفار کے دلوں میں ان کے اشعار تیر سے زیادہ اثر کرتے ہیں''

آپ نے مسجد نبوی میں ان کے لئے ایک منبر بھی بنوایا تھا، جس پر بیٹھ کر وہ ان ہجو یہ اشعار کو سناتے تھے۔

حضرت کعب [1] بن مالکؓ بھی مخضرمی شاعر ہیں، یعنی وہ زمانۂ جاہلیت میں بھی

[1] استیعاب و آغانی تذکرہ حضرت کعب بن مالکؓ

مشہور شاعر تھے، اور اسلام میں بھی رسول اللہ ﷺ کے مخصوص شاعر ہونے کی حیثیت سے صاحبِ امتیاز ہوئے، چنانچہ استیعاب میں ہے۔

وانتدب لهجو المشركين ثلاثة من الانصار حسان بن ثابت وكعب بن مالك وعبد الله بن رواحه-

''مشرکین کی ہجو گوئی کی خدمت انصار کے تین شخصوں نے قبول کی، یعنی حسان بن ثابتؓ، کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ نے۔''

لیکن ان تینوں بزرگوں کی ہجو گوئی کا مختلف موضوع تھا، حضرت حسان بن ثابتؓ مشرکین کے نسب پر حملہ کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ ان پر کفر کا الزام لگاتے تھے، اور حضرت کعبؓ بن مالکؓ ان کو لڑائی کی دھمکیاں دے دے کر ڈراتے رہتے تھے، چنانچہ ایک روایت میں ہے، کہ قبیلہ دوس نے ان کے ان اشعار سے خوف زدہ ہو کر اسلام قبول کیا۔

قضينا من تهامة كل وتر

وخيبر ثم اغمدنا السيوفا

ہم نے تھامہ اور خیبر سے انتقام لے کر تلوار میان میں کرلی۔

نخبرها و نو يطقت لقالت، قواطعهن دوسا او ثقيفا

''اب ہم نے اپنی تلواروں کو قبائل کے انتخاب کا حق دے دیا ہے اگر وہ بولتیں تو دوس اور ثقیف کا نام لیتیں''

خود جناب رسول اللہ ﷺ ان کے اشعار کو نہایت شوق سے سنتے تھے اور داد دیتے تھے، ایک بار آپ ان کے مکان پر تشریف لے گئے، اور انہوں نے گھر سے نکل کر اشعار سنائے آپ نے ان کو سن کر فرمایا'' اور،، انہوں نے پھر اشعار پڑھے، آپ نے دوبارہ فرمایا'' اور،، اسی طرح ان سے تین بار فرمائش کر کے اشعار سنے، اور آخیر میں فرمایا:

لهذا اشد عليهم من وقع النبل

''کفار پر ان کی زد تیر سے زیادہ سخت ہے''

حضرت عبداللہ بن رواحہ [1] نہایت بدیہہ گو شاعر تھے، چنانچہ ایک موقع پر جناب

---

[1] استیعاب تذکرہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ تذکرہ حضرت حسان بن ثابتؓ و آغانی تذکرہ حضرت کعب بن مالکؓ،

رسول اللہ ﷺ نے مناسب حال اشعار سنانے کی فرمائش کی تو انہوں نے اسی وقت اٹھ کر برجستہ یہ اشعار سنائے۔

انی تفرست فیک الخیر اعرفه
واللّٰه یعلم ان ما خانتی البصر

میں نے آپ کی ذات میں نیکی کو دیکھا اور خدا کی قسم میری آنکھوں نے اس میں دھوکا نہیں کھایا

انت النبی ومن یحرم شفاعته
یوم الحساب لقد ازری به القدر

آپ پیغمبر ہیں اور جو شخص قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے محروم رہیگا وہ بدقسمت ہے،

بخاری میں بھی ان کے متعدد رجز اور متعدد نعتیہ اشعار موجود ہیں، لیکن ان کی شاعری کا اصلی موضوع کفار کی ہجو گوئی تھا، اور اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ غزوۂ احزاب سے واپس آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج سے کفار تم سے لڑائی نہ کریں گے، بلکہ تمہاری ہجو کہیں گے، تو مسلمانوں کی عزت کو تم میں کون محفوظ رکھے گا؟ حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ یہ سن کر اٹھے، اور فرمایا کہ ''میں،، اس کے بعد ان کا یہ مخصوص مشغلہ ہو گیا، چنانچہ وہ ہمیشہ کفار کی ہجو کہتے تھے، اور ان پر صرف کفر کا الزام لگاتے تھے، لیکن ان کے رفقاء یعنی حضرت حسان ابن ثابتؓ اور حضرت کعب ابن مالکؓ ان کے نسب پر حملہ کرتے تھے اور جنگ کی دھمکیاں دیتے تھے، جب تک کفر زمانۂ جاہلیت کے نشہ میں تھا، کفار پر انہی دونوں بزرگوں کی ہجویں اثر کرتی تھیں، لیکن جب یہ نشہ اتر گیا تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے اشعار کفار پر ان سے زیادہ اثر کرنے لگے۔

حضرت کعب ابن زہیرؓ بھی مخضرمی شاعر ہیں اور ان کا شمار عرب کے بہترین شعراء میں ہے، عرب میں اسلام کا چرچا پھیلا تو وہ اور ان کے بھائی بجیر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوئے، چنانچہ ایک مقام پر پہنچ کر حضرت کعبؓ ٹھہر گئے اور بجیرؓ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا، حضرت کعبؓ کو ان کے اسلام لانے کا حال معلوم ہوا تو یہ اشعار کہے:

الا ابلغا عنی بجیر ا رسالة

علی ای شی ریب غیرك ولكا

''میری طرف سے بجیر کو پیغام پہونچا دو کہ کس چیز کی طرف تمہاری غیر نے تمہاری رہنمائی کی۔''

علی خلق لم تلف اماولا ابا

علیه ولم تدرك علیه اخالكا

''اس خلق کی طرف جن پر نہ تمہاری ماں تھی نہ تمہارا باپ تھا اور نہ تمہارا بھائی۔''

سقاك ابو بكر بكاس رویته

فانهلك المامون منها دعلكا

''ابوبکرؓ نے تم کو چھلکتے ہوئے پیالے بار بار پلائے۔''

لیکن اس کے بعد خود مسلمان ہوگئے اور ایک قصیدہ کہہ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے اور ارد گرد صحابہ کی صفیں تھیں، حضرت کعبؓ صفوں کو چیرتے ہوئے آپ کے پاس پہنچے اور اپنا مشہور قصہ بانت سعاد پڑھنا شروع کیا، جب ان اشعار تک پہنچے۔

ان الرسول لسیف یستضاء به

مهند من سیوف الله مسلول

''رسول اللہ دست خدا کی کھینچی ہوئی ایک ہندی تلوار ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔''

فی فتیتهمن قریش قال قائلهم

ببطن مكة لما اسلموا ازولوا

قریش کے نوجوانوں میں سے ایک نے مکہ میں اسلام لانے کے بعد کہا ہجرت کر جاؤ۔

تو آپ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کعب کے ان اشعار کو سنو۔

آپ نے اس قصیدے کے صلے میں ان کو خود اپنی چادر عطا فرمائی، جس کو امیر معاویہ

نے خرید لیا اور ان کے بعد تمام خلفاء عیدین میں وہی چادر اوڑھ کر نکلتے تھے۔ [1]

لیکن اس شاعرانہ ذوق کے ساتھ صحابہ کرام نے اپنے اصلی منصب کو فراموش نہیں کیا، اس لئے ادبی حیثیت کے ساتھ زیادہ تر اخلاقی حیثیت سے اشعار عرب کی ترویج و اشاعت کی چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو یہ فرمان بھیجا۔

مرمن قبلک یتعلم الشعر فانه یدل علی معالی الا خلاق و صواب الرای و معرفة الانساب، [2]

لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو، کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتوں صحیح رائے اور انساب کی طرف راستہ دکھاتے ہیں۔

تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا اس کے الفاظ یہ تھے،

علموا اولا دکم العلوم والفرسیة رود دهم ما سار من المثل وحسن من الشعر [3]

''اپنی اولاد کو تیرنا، اور شہسواری سکھاؤ اور ضرب المثلیں اور عمدہ اشعار یاد کراؤ۔''

بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں:

رودامن الشعر اعفه

''ان سے پاکیزہ اشعار کی روایت کراؤ''

حضرت امیر معاویہؓ شعر کو ایک بہترین اخلاقی طاقت سمجھتے تھے، اور اسی بناء پر لوگوں کو اس کے یاد کرنے کی ترغیب دیتے تھے، چنانچہ ایک بار فرمایا۔

یحب علی الرجل تادیب ولده والشعر اعلی مراتب الادب

''آدمی پر اپنی اولاد کی تادیب فرض ہے، اور ادب کا بلند ترین مرتبہ شعر ہے۔''

ایک بار اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر لوگوں کو ہدیت کی۔

---

[1] آغانی واستیعاب واصابہ تذکرہ حضرت کعب ابن زہیرؓ

[2] کتاب العمدہ ج ۱ صفحہ ۱۰

[3] کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۲۱۳،

اجعلوا الشعر اکبر همکم واکثر وابکم خلقاً رایتنی لیلة الهریر بصفین وانه ارید الحرب لستعدة البلوی فما حملنی علی الا قامة الا ابیات عمرو بن الا طناب[1]

''شعر کو اپنا سب سے بڑا مطمع نظر بنالو، اور اس کے عادی ہو جاؤ، کیونکہ جنگ صفین میں لیلۃ الہریر کو میں نے بھاگنا چاہا تو مجھ کو عمرو بن الاطناب کے اشعار نے ثابت قدم رکھا''

صحابۂ کرام نے شعر و شاعری کے وہ تمام عیوب بھی مٹا دیئے جو بد اخلاقی کی طرف منجر ہوتے تھے، مثلاً صحابہ کرامؓ کے زمانہ تک تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعراء علانیہ شریف عورتوں کا نام اشعار میں لاتے تھے اور ان سے اپنا عشق جتاتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے اس طریقہ کو بالکل مٹا دیا اور اس کی سخت سزا مقرر کی، اسی طرح ہجو گوئی کو بھی ایک جرم قرار دیا اور حطیہ کو جو مشہور ہجو گو تھا، اس جرم میں قید کر دیا، لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ اہلِ ادب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ زمانۂ اسلام میں شاعری دفعتۂ اپنے اوج کمال سے گر گئی، اور صحابہ کرامؓ نے اس کو بحیثیت فن کے کسی قسم کی ترقی نہیں دی جس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا، کہ عرب میں فخر و غرور، جنگجوئی، انتقام اور عشق و ہوس وغیرہ شاعری کا اصلی عنصر تھے اور اسلام نے ان تمام اخلاقی برائیوں کو مٹا کر صحابہ کرامؓ کو خیر مجسّم بنا دیا تھا، اس لئے ان کی ذات میں خیر و شر کے یہ دونوں متضاد عناصر جمع نہ ہو سکے، چنانچہ اصمعی نے صاف صاف کہہ دیا:

الشعر نکد بابه الشر فاذا دخل فی الخیر ضعف هذا حسان بن ثابت فحل من فحول الجاهلیت فلما جاء الا سلام سقط شعره[2]

شعر کو نیکی سے کوئی تعلق نہیں، اس کا دروازہ برائی ہے، جب وہ نیکی کے دروازے میں داخل ہوتا ہے تو کمزور ہو جاتا ہے، مثلاً حسان بن ثابتؓ کا شمار جاہلیت کے اکابر شعراء میں تھا، لیکن جب اسلام آیا تو ان کے اشعار پست ہو گئے۔

---

[1] کتاب العمدہ ج ۱ ص ۱۰۔

[2] طبقات الشعراء لابن قتیبہ تذکرہ حسان بن ثابتؓ۔

خطابت اور تقریر

اہلِ عرب میں ابتداء ہی سے خطابت اور تقریر کا ملکہ موجود تھا، اور خود زمانۂ جاہلیت میں بڑے بڑے خطباء گذر چکے تھے، لیکن اس قوت سے جو کام لئے جاسکتے تھے زمانۂ جاہلیت میں ان کا دائرہ محدود تھا، اس لئے اس زمانے میں خطابت اور زورِ تقریر کو وہ اقتدار و اثر حاصل نہ ہو سکا، جو شعر و شاعری کو حاصل تھا، لیکن زمانۂ اسلام میں یہ حالت بدل گئی اور سیاست و اقعات اور غزوات و فتوحات نے عرب کی پرجوش طبیعتوں کے لئے بہت سے نئے میدان کھول دیئے، جن میں ان کو زبان آوری کے جوہر دکھانے کا موقع ملا، اس بناء پر اسلام کے بعد اگر چہ عربی شاعری میں زمانۂ جاہلیت کا زور باقی نہ رہا تاہم اس کی طاقت، خطابت اور تقریر کی طرف منتقل ہوگئی، اور صحابۂ کرام کی حقیقی زندگی کے پہلے ہی دن اس کے کامیاب نتائج ظاہر ہونے لگے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ میں جو خطرناک اضطرابی حالت پیدا ہوگئی، اس کے مٹانے کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے جو خطبہ دیا وہ صرف چند فقروں پر مشتمل تھا۔

الا من كان يعبد محمد افان محمدا ﷺ قد مات ومن كان يعبد الله فان الله حي لا يموت انک ميت وانهم ميتون وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات اوقتل انقلبتم على اعقابكم من ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا و سيجزى الله الشاكرين،

''ہاں! جولوگ پرستارانِ محمدؐ تھے، ان کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ محمدؐ وفات پا چکے، لیکن جولوگ پرستاران خدا ہیں ان کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ خدا زندہ ہے، مرا نہیں، خدا اپنے پیغمبر سے خود کہتا ہے، تو مریگا اور تمام لوگ مریں گے، محمد تو صرف ایک پیغمبر تھے، ان سے پہلے بھی اور پیغمبر گذر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مر گئے یا شہید ہو گئے تو تم لوگ پھر

رجعت قہقری کر جاؤ گے یقین کرو کہ جو لوگ مرتد ہو جائیں گے وہ خدا کو کچھ نقصان نہ پہنچائیں گے، اور خدا شکر کرنے والوں کو جلد جزائے خیر دے گا۔"

لیکن ان ہی چند فقروں کا یہ اثر ہوا کہ روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں اور لوگ نکلے تو اس آیت کو پڑھتے ہوئے نکلے، اس کے بعد جب خلافت کے لئے انصار و مہاجرین کے دو جتھے قائم ہو گئے اور انصار نے علانیہ کہا۔

منا امیر و منکم امیر

ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے

تو ان کی طرف سے حضرت سعد بن عبادہؓ نے ایک پر زور تقریر کی جس کے چند فقرے یہ ہیں۔

اما بعد فحن انصار اللّٰه وکتیبت الا سلام و انتم معاشر المہا جرین رھط وقد دفت دافة من قومکم فا نھم یر ید ون ان یختز لونا من اھلنا وان یحفو نا من الامر،

"ہم خدا کے انصار اور اسلام کی فوج ہیں اور تم گروہ مہاجرین ہمارے یہاں نیاز مندانہ آئے اور اب وہی لوگ چاہتے ہیں کہ ہماری بیخ کنی کریں اور خلافت سے ہمیں روک دیں"

حضرت عمرؓ اس موقع پر تقریر کرنے کے لئے پہلے سے تیار تھے، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے ان کو موقع نہیں دیا، اور خود تقریر کی جس کے چند فقرے یہ ہیں۔

لا ولکنا الا مراء وانتم الو زراء فانتم له اھل ولن یعرف ھٰذا الا مر الا ھٰذا الحی من القریش ھم اوسط العرب نسباً و دارا، [1]

"نہیں، لیکن ہم امراء ہیں، اور تم وزراء تم بے شبہ اس کی اہلیت رکھتے ہو، تمام عرب صرف قریش کو خلافت کا مستحق سمجھتا ہے کیونکہ وہ خاندان ونسب کے لحاظ سے افضل ترین عرب ہیں۔"

[1] بخاری کتاب المناقب باب فضل ابی بکر و کتاب المحاربین باب رجم الحبلی من الزنی اذا حصنت،

حضرت عمرؓ کو اپنی تقریر پر بڑا ناز تھا، لیکن اس تقریر کو سن کر انہوں نے اعتراف کیا،

فکان هو احلم منی وا وقرو اللّه ما ترك من کلمةاعجبتنی فی تزویری الا قال فی بد یهت مثلها او افضل منها-

''وہ تقریر کرنے میں مجھ سے زیادہ حلیم اور باوقار تھے خدا کی قسم جن فقروں پر مجھ کو ناز تھا ان میں ایک کو بھی انہوں نے نہیں چھوڑا بلکہ فی البدیہہ ویسے ہی یا ان سے بہتر فقرے کہے''

حضرت عمرؓ نے فرائض خلافت اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے سیاسی معاملات کے متعلق جو تقریریں کی ہیں، ان میں ایک طرف تو قدر جامعیت سادگی روانی اور وضاحت پائی جاتی ہے کہ ایک بچہ بھی ان کے مفہوم کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے، دوسری طرف اس قدر زور قوت اور جوش واثر پایا جاتا ہے کہ سننے والوں کے دل لرز اٹھتے ہیں۔

مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ انہوں نے جو خطبہ دیا، اس کے ابتدائی فقرے یہ تھے،

اللهم انی غلیظ فلینی اللهم انی ضعیف فقونی الا وانّ العرب جمل انف وقد اعطیت خطا مه الا وانی حامله علی الحجته.

خداوند! میں سخت ہوں مجھ کو نرم کر میں ضعیف ہوں مجھے قوی بنا، ہاں! عرب ایک سرکش اونٹ ہے جسکی مہار میرے ہاتھ میں دی گئی ہے، ہاں میں اس کو سیدھی راہ پر چلاؤں گا،

ایک بار ایک تقریر کی جس میں امراء وعمال سے ان پرزور الفاظ میں خطاب کیا،

الا وانی لم ابعثکم امراء ولا جبارین ولکن بعثتکم ائمة الهدی یهتدی بکم ولا تغلقوا الا بواب دونهم فیا کل قویهم ضعیفهم [1]

''ہاں! میں نے تم کو نہ امیر بنا کر بھیجا نہ ظالم ومستبد میں نے صرف تم کو ائمہ ہدیٰ بنا کر بھیجا تا کہ تم سے ہدیت حاصل کی جائے، رعایا پر اپنے دروازے بند نہ کرو کہ قوی ضعیف کو کھا جائے''

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۷، یہ ایک نہایت پرزور اور مطول تقریر ہے، جس میں خلیفہ نے عمال اور رعایا کے حقوق وفرائض بیان کئے ہیں،

حضرت عثمانؓ نے مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جب پہلی تقریر کرنا چاہی تو چونکہ پہلے سے تیار نہ تھے اس لئے خاموش ہو گئے، اور ان الفاظ میں معذرت کی،

انتم احوج الی الا مام العادل من الا مام القائل

''تم کو بولنے والے خلیفہ سے زیادہ انصاف کرنے والے خلیفہ کی ضرورت ہے۔''

لیکن تمام اہلِ ادب متفق اللفظ ہیں کہ اس سے زیادہ بلیغ معذرت آج تک کسی نے نہیں کی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اکثر خطبے زہد وقناعت پر دیئے ہیں، جو ادب ومحاضرات کی کتابوں میں منقول ہیں، ان خطبوں میں اگرچہ عموماً سلاست وروانی پائی جاتی ہے، لیکن زور بلاغت کا عالم وہاں نظر آتا ہے، جہاں انھوں نے پولیٹیکل تقریر کی ہے اور قوم کو جنگ پر ابھارا ہے، مثلاً

ایھا الناس المجتمعة ابدانھم المختلفةاھواء ھم
کلامکم یوھن الصم الصلاب وفعلکم یطمع فیکم
عدوکم ودرت واللّٰه ان لی بکل عشر منکم رجلا من
بنی فراس بن غنم صرف[1] الدینار بالدرھم۔

''اے وہ لوگو، جن کے جسم تو متحد ہیں لیکن مقاصد مختلف ہیں، تمہاری باتوں سے تو پتھر کی چٹانیں چور چور ہو جاتی ہیں، لیکن تمہارے افعال تمہارے دشمنوں کو تم پر چیرہ دستی، کی طمع دلاتے ہیں، خدا کی قسم اگر تمہارے دس آدمیوں کے بدلے میں مجھے بنی فراس بن غنم کا ایک آدمی بھی ملتا تو میں ایک اشرفی کو ایک درہم کے بدلے میں دے دیتا۔''

صحابۂ کرام نے اپنی اس قوت تقریر سے بڑی بڑی مذہبی خدمتیں انجام دی ہیں، حضرت ثابت ابن قیس بن شماسؓ کو رسول اللہ ﷺ نے صرف کفار کی تقریروں کے جواب دینے کے لئے مامور فرمایا تھا، اس لئے وہ خطیب رسول اللہؐ... کے لقب سے پکارے جاتے تھے مسیلمہ کذاب مدینہ میں آیا، تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور ابتدائی سوال و جواب کے بعد یہ کہہ کر چلے آئے کہ یہ ثابت بن قیس ہیں جو میری طرف سے تمہارا جواب دیں گے[2]، اقرع بن حابس وغیرہ جب اپنے خطباء وشعراء کے ساتھ آپ کی خدمت میں مناظرہ کے لئے

[1] عقد الفرید ج ۲ ص ۱۱۵،
[2] بخاری کتاب المغازی باب قصۃ الاسود العنسی

آئے تو انہوں نے ان کے خطیب کا جواب دیا، اور اقرع نے تسلیم کیا کہ وہ غالب رہے،[1] حضرت سہل بن عمرو نہایت پر جوش خطیب تھے، حالت کفر میں وہ اسلام کی مخالفت میں تقریر کیا کرتے تھے، ایک بار حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ''ان کے نیچے کے اگلے دو دانت تڑوا دیجئے کہ تقریر کرنے میں زبان نہ چلنے پائے۔ آپ نے فرمایا میں'' مثلہ کرنا نہیں چاہتا، ممکن ہے کہ ان کی تقریر سے کبھی اسلام کو فائدہ پہنچے،،[2] چنانچہ وہ اسلام لائے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب تمام عرب میں ارتداد کی ہوا چل گئی تو انہوں نے قریش کے سامنے ایک مطول تقریر کی جس کے چند فقرے یہ ہیں:

یا معشر قریش لا تکونوا اخر من اسلم واول من ارتد و اللّٰہ ان ھذا الدین لیمتدن امتدا و الشمس والقمر من طلوعھما الی غروبھما

اے گروہ قریش یہ نہ ہو کہ تم سب کے اخیر میں تو اسلام لائے اور سب سے پہلے مرتد ہو جاؤ، خدا کی قسم یہ دین وہاں پہنچ جائے گا جہاں سے چاند سورج نکلتے اور ڈوبتے ہیں۔

چنانچہ اسی تقریر کے اثر سے تمام قبیلۂ قریش اسلام پر قائم رہا،[3]

صحابۂ کرام ہجرت کر کے حبش کو گئے تو کفار نے ان کو وہاں سے واپس لانے کے لئے مخفی طور پر بہت سی تدبیریں کیں، لیکن حضرت جعفر بن ابی طالب نے نجاشی کے سامنے اسلام کی تعلیمات کو جس موثر اور واضح طریقہ سے بیان کیا، اس نے ان تمام تدبیروں کو بے اثر کر دیا، انھوں نے کہا کہ'' اے بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے، بدکاریاں کرتے تھے قطع رحم کرتے تھے، اور ہمسایوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے، ہم میں جو لوگ قوی تھے وہ ضعیف کو کھا جاتے تھے، یہ حالت تھی کہ خدا نے ہمارے پاس ایک پیغمبر بھیجا، جو ہمیں میں سے تھا، اور ہم اس کے نسب' راستبازی' امانت اور پاکبازی سے واقف تھے اس نے ہم کو خدا کی

---

1. اسد الغابہ تذکرہ اقرع ابن حابس،
2. کتاب البیان والتبیین للجاحظ، ج ۱ص ۲۲۲۔
3. اسد الغابہ تذکرہ حضرت سہل بن عمروؓ

طرف بلایا، کہ اس کو ایک سمجھیں، اس کی عبادت کریں اور ہم اور ہمارے آباواجداد جن پتھروں اور بتوں کو پوجتے تھے، ان کی پرستش چھوڑ دیں، اس نے ہم کو سچائی، امانت داری اور صلۂ رحمی کی تعلیم دی اور ہمسایوں کے ساتھ سلوک کرنے اور محرمات اور خونریزی سے بچنے کا حکم دیا، بدکاری اور دروغ بیانی سے روکا اور یتیموں کے مال کھانے اور عفیفہ عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا اور ایک خدا کی عبادت کرنے، نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور روزہ رکھنے کی ہدایت کی پس ہم نے اس کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے اور اس کا اتباع کیا، ہم نے تنہا خدا کو پوجا، اس نے جن چیزوں کو ہم پر حرام کیا، ہم نے اس کو حرام سمجھا، اور جن چیزوں کو حلال کیا ہم نے اس کو حلال قرار دیا، اس لئے ہماری قوم نے ہم پر دست تعدی دراز کیا، ہم کو اذیتیں دیں، اور ہم کو ہمارے دین سے برگشتہ کرنا چاہا تا کہ ہم کو خدا کی عبادت سے پھیر کر بتوں کی پرستش کی طرف لائیں اور جن ناپاک چیزوں کو ہم پہلے حلال سمجھتے تھے اب بھی ان کو حلال سمجھیں، تو جب انہوں نے ہم پر جبر وظلم کیا، ہم کو تکلیفیں دیں اور ہمارے مذہب میں دست اندازیاں کیں تو ہم تیرے ملک میں چلے آئے اور سب لوگوں پر تجھ کو ترجیح دی، تیری ہمسائیگی سے توقعات قائم کیں اور یہ امید باندھی کہ تیرے پاس ہم پر ظلم نہ کیا جائے گا، اے بادشاہ! نجاشی نے یہ تقریر سن کہ کہا کہ تم کو کلام الٰہی کا کوئی ٹکڑا یاد ہے، حضرت جعفرؓ نے سورۂ **کھیعص** '' کی چند ابتدائی آیتیں پڑھیں تو نجاشی پر یہ اثر پڑا کہ روتے روتے داڑھی تر ہوگئی، اور بے اختیار بول اٹھا کہ،، خدا کی قسم یہ اور وہ جو موسیٰؑ لائے ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں ، جاؤ کبھی تمہیں کفار کو واپس نہیں دے سکتا!'' [1]

---

[1] مسند ابن حنبل ج ا ص ۲۰۲۔

خاتمہ

صحابۂ کرام کا اثر

صحابۂ کرامؓ کی موثر زندگی کے تمام خال وخط تمہارے سامنے آ گئے، ان کے مذہب، اخلاق اور معاشرت کی روشن مثالیں تمہاری نگاہ سے گذر چکیں، ان کی حکومت وسیاست کے تمام کارنامے تم نے پڑھ لئے لیکن تمہارے دل نے ان کا کچھ اثر بھی قبول کیا؟ اگر ان اختر ان تابندہ کی روشنی نے تمہاری راتوں کو دن نہیں بنایا تو یہ تمہاری سیاہ بختی کی سب سے بڑی دلیل ہے لیکن ہر شخص تمہاری طرح سیہ گلیم اور سیہ بخت نہیں ہوسکتا، آج سے تیرہ سو برس پہلے صحابہ کرامؓ کے مختلف فضائل نے سیکڑوں اشخاص کو اپنا گرویدہ بنایا، اور ان کے مذہبی، اخلاقی اور علمی اثر نے دلوں کے اندر کی دنیا کو تہ و بالا کر دیا، اگر تم خود صحابۂ کرام کے مذہب، اخلاق، اور معاشرت وغیرہ کا اثر قبول نہیں کرتے تو کم از کم دوسروں کی تقلید ومثال سے تو تم کو عبرت وبصیرت حاصل کرنا چاہیے۔

صحابہ کرامؓ کا مذہبی اثر:

حضرت جندب بن کعبؓ نے ایک جادوگر کو حدیث کے بموجب قتل کر دیا اور اس جرم میں ان کو ولید بن عقبہؓ بن ابی معیط گورنر کوفہ نے سزائے قید دی لیکن جیلر ان کے صوم وصلوٰۃ کی پابندی سے اس قدر متاثر ہوا کہ خود ان کو رہا کر دیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا عامل بنا کر روانہ فرمایا، وہاں پہنچ کر انہوں نے نماز فجر میں بلند آہنگی کے ساتھ تکبیر کہی، تو حضرت عمرو بن میمونؓ الازدی پر اس کا جو اثر پڑا اس کو وہ خود بیان کرتے ہیں:

فالقيت محتبى عليه فما فارقته حتى دفنته بالشام

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت جندب بن کعبؓ۔

''میں ہمہ تن ان کا عاشق ہوگیا اور اس وقت تک ان کی صحبت سے الگ نہ ہوا، جب تک شام میں ان کو دفن نہ کرلیا۔''

ان کے بعد یہ روحانی اثر ان کو کھینچ کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس لایا، اور تادم مرگ ان کی خدمت سے الگ نہ ہوئے۔ [1]

صحابہ کرامؓ کو جو مذہبی عزت حاصل تھی اس کا یہ اثر تھا کہ لوگ ان کے پاس آ کر طالب دعا ہوتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت انس بن مالکؓ کے پاس بصرہ سے کچھ لوگ آ کر طالب دعا ہوئے اور انہوں نے دعا کی۔ [2]

حضرت عائشہؓ کی خدمت میں لوگ چھوٹے چھوٹے بچوں کو لاتے تھے اور وہ ان کے لئے دعائے برکت کرتی تھیں۔ [3]

امرائے بنوامیہ پر صحابہ کرامؓ کا یہ اثر تھا کہ یہ لوگ مذہبی معاملات میں ان کی اقتداء کو اپنا فرض سمجھتے تھے، چنانچہ ایک بار عبدالملک بن مروان نے حجاج کو لکھ بھیجا کہ مناسک حج میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مخالفت نہ کرو، اس حکم کی بناء پر حجاج خود ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ کیا ارشاد ہے؟ بولے کہ ''اب چلنا چاہیے،، اس نے کہا اس وقت ''بولے،، ''ہاں،، بولا بدن پر پانی ڈال لوں تو حاضر ہوں۔ [4]

یہ اثر نہ صرف مسلمانوں پر بلکہ کفار پر بھی پڑتا ہے، حضرت ابوبکرؓ نے اپنے صحن خانہ میں ایک مسجد بنالی تھی اور نماز ادا کرتے تھے، لیکن جب وہ نماز میں قرآن پڑھتے تھے تو کفار کے اہل وعیال ان کی رقت خیز آواز سے اس قدر متاثر ہوتے تھے کہ خود کفار کو یہ خوف پیدا ہوگیا کہ کہیں ان کے بچوں اور بیبیوں کو وہ شیدائے اسلام نہ بنالیں۔ [5]

حضرت ابوایوب انصاریؓ قسطنطنیہ میں خود رومیوں سے لڑ کر شہید ہوئے تھے تاہم ان کا یہ اثر تھا کہ جب قحط پڑتا تھا تو رومی ان کی قبر کے واسطے سے پانی برسنے کی دعا مانگتے تھے۔ [6]

---

1. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب اذا اخر الامام الصلوٰۃ عن الوقت
2. الادب المفرد
3. الادب المفرد باب الطیرۃ من الجن،
4. نسائی کتاب الحج باب الرواح یوم عرفہ
5. بخاری باب الکفالۃ باب جوار ابی بکر الصدیقؓ ۔
6. حسن المحاضرہ ج ا ص ۱۰۰،

صحابہ کرامؓ کا اخلاقی اثر:

ہر مقدمہ میں گواہ کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن صحابہ کرامؓ کو ان کی دیانت نے اس سے مستثنیٰ کر دیا تھا، حضرت سعید بن زید بن عمرؓو بن نفیل پر ایک عورت نے غصب کا دعویٰ کیا، انہوں نے کہا ''جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ جو شخص بلا استحقاق کسی کی ایک بالشت بھر زمین لے گا خدا زمین کے ساتوں طبق کو اس کے گلے کا طوق بنائے گا میں نے انکی زمین کا کوئی حصہ نہیں لیا، مروان کے یہاں مقدمہ پیش تھا، اس نے کہا اب میں آپ سے گواہ نہیں مانگتا۔[1]

امراء و سلاطین تو پھر بھی مسلمان تھے سب سے زیادہ یہ اثر کفار پر پڑتا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کفر زار مکہ کو چھوڑ کر نکلے تو راہ میں ابن الدغنہ مل گیا، جو عرب میں سید القارہ کے خطاب سے ممتاز تھا، اس نے پوچھا ''کہاں جاتے ہو؟'' بولے ''میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، اب سیاحت کر کے خدا کی عبادت کروں گا،، اس نے کہا کہ تم جیسا شخص نہ وطن سے نکل سکتا نہ نکالا جا سکتا ہے، تم غریبوں کے لئے مال پیدا کرتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، قوم کی دیت و تاوان اٹھاتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، مصائب قومی میں اعانت کرتے ہو، میں تمہارا ضامن ہوں چلو اور اپنے ملک میں خدا کی پرستش کرو،، چنانچہ وہ پلٹے اور چند شرائط کے ساتھ کفار نے ان کو عبادت گذاری کی اجازت دے دی۔[2]

حضرت نعیم بن عبداللہ النحامؓ نہایت فیاض صحابی تھے، اور قبیلہ بنو عدی کی بیواؤں اور یتیموں کی پرورش کرتے تھے، کفار پر ان کی اس نیکی کا یہ اثر تھا کہ جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تمام کفار نے روک لیا، اور کہا کہ جو مذہب چاہو اختیار کرو کوئی تم سے تعرض کرے گا تو سب سے پہلے ہماری جان تم پر قربان ہوگی۔[3]

صحابہ کرامؓ کا علمی اثر:

صحابہ کرامؓ کو علمی فیوض و برکات نے ایک چشمۂ شیریں بنا دیا تھا۔ جس کے گرد تشنگان علم کا مجمع رہتا ہے، حضرت قزعہؓ کا بیان ہے کہ ''میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی خدمت

---

[1] مسلم کتاب البیوع باب تحریم الظلم وغصب الارض

[2] بخاری باب الکفالۃ باب جوار ابی بکرؓ الصدیق فی عہد النبی وعقدہ،

[3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۳ تذکرہ حضرت نعیم بن عبداللہ النحامؓ۔

میں حاضر ہوا تو وہ فتویٰ دے رہے تھے، اور لوگ ان پر ٹوٹے پڑتے تھے، میں نے انتظار کیا، جب بھیڑ بھاڑ چھٹی تو میں نے خود اپنا سوال پیش کیا۔[1]

حضرت سبیع بن خالدؓ کا بیان ہے کہ میں کوفہ میں ایک تجارتی مقصد سے آیا، مسجد میں جا کر دیکھا کہ جوق در جوق لوگ ایک مشہور اور نمایاں شخص کے گرد بیٹھے ہوئے ہیں، میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ حجازی آدمی ہیں میں نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے مجھے آنکھیں دکھائیں اور کہا کہ ''تم ان کو نہیں جانتے؟ یہ حضرت حذیفہ بن الیمان رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے ہیں۔[2]

حضرت ابوادریس خولانی کا بیان ہے کہ میں دمشق کی مسجد میں گیا، دیکھا کہ ایک جوان جس کے دانت موتی کی طرح چمکتے ہیں لوگوں کا پیشوا ہے، لوگ اگر کسی چیز میں اختلاف کرتے ہیں تو اسی کی سند پکڑتے ہیں اور وہ جو کہہ دیتا ہے اس پر رک جاتے ہیں، میں نے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے کہا ''معاذ بن جبلؓ[3]

صحابہ کرامؓ کی علمی عزت واثر کا صرف اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر کسی کو صحابہ کرامؓ سے کچھ پوچھنا ہوتا تھا، تو دوسرے سے اعانت وسفارش کا خواستگار ہوتا تھا، ہلال غزی کو حضرت انس بن مالکؓ سے ایک حدیث دریافت کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے حضرت ثابتؓ کو شفیع بنایا،[4]

حضرت عائشہؓ بنت طلحہؓ نے حضرت عائشہؓ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی ان کا بیان ہے کہ لوگ دور دور سے ان کے پاس حاضر ہوتے تھے، اور چونکہ مجھ کو حضرت عائشہؓ سے تقرب حاصل تھا، اس لئے بوڑھے بوڑھے لوگ میرے پاس آتے تھے، جوان لوگ مجھ سے بھائی چارہ کرتے تھے، اور مجھ کو ہدیہ دیتے تھے، اور اطراف ملک سے خطوط بھیجتے تھے، جب میرے پاس کوئی خط آتا تو میں کہتی کہ ''اے خالہ یہ فلاں کا خط ہے، اور فلاں کا ہدیہ''، فرماتیں کہ ''جواب لکھ دو اور ہدیہ کا معاوضہ دے دو''۔[5]

---

[1] ابوداؤد کتاب الصیام باب الصوم فی السفر،
[2] ابوداؤد کتاب الفتن،
[3] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی المتحابین فی اللہ،
[4] مسلم کتاب الطہارۃ باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار۔
[5] الادب المفرد باب الکتابۃ الی النساء وجوابہن

عوام تو عوام امراء وسلاطین کی مغرور گردن بھی صحابہ کرام کے علمی اثر کے سامنے جھک جاتی تھی۔ ایک بار امیر مکہ نے رویت ہلال کے متعلق خطبہ دیا اور اخیر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "تم میں ایک ایسا بزرگ ہے جو خدا اور رسولؐ کے احکام کا مجھ سے زیادہ عالم ہے"۔[1]

خلفاء حضرت ایمنؓ کی فصاحت بیانی اور طلاقت لسانی کے اس قدر گرویدہ تھے کہ ان کو خلیل الخلفاء کہا جاتا تھا، باوجودیکہ ان کے جسم پر برص کے داغ تھے، تاہم عبداللہ بن مروان گورنر مصران کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتا تھا۔[2]

صحابہ کرامؓ کا عام اثر:

صحابہ کرامؓ اگرچہ دنیوی حیثیت سے ایک فقیر بے نوا تھے، لیکن عام اثر نے ان کو بادشاہ بنادیا تھا، اس لئے جہاں جاتے تھے نہایت دھوم دھام سے ان کا استقبال ہوتا تھا، حضرت انس بن مالکؓ شام کو گئے تو لوگ عین التمر تک استقبال کو آئے۔[3]

ایک شخص حج کو جارہے تھے، راہ میں حضرت ابوذرؓ مل گئے اور باہم کچھ سوال و جواب ہوا انہوں نے مکہ پہنچ کر دیکھا کہ لوگوں نے ایک شخص کو گھیر لیا ہے، بھیڑ بھاڑ کو چیرتے پھاڑتے وہاں تک پہنچے تو دیکھا کہ وہی بزرگ ہیں جو مقام ربذہ میں ملے تھے یعنی ابوذرؓ۔[4]

ایک بار حضرت ابن عمرؓ کے ہاتھ ایک شخص نے اپنا مریض اونٹ فروخت کیا، اس کا دوسرا شریک آیا تو اس نے کہا کہ "میں نے ایک بڈھے کے ہاتھ میں جو ایسا ایسا تھا اونٹ کو بیچ دیا، اس نے کہا کہ غضب کیا وہ ابن عمرؓ تھے، وہاں سے دوڑا آیا اور اونٹ کو واپس لے جانا چاہا، مگر حضرت ابن عمرؓ نے خود ہی واپس کرنا پسند نہیں کیا۔[5]

ایک بار حضرت بلالؓ کے بھائی نے ایک عرب گھرانے میں شادی کرنی چاہی، ان لوگوں نے کہا کہ اگر بلالؓ آئیں تو ہم شادی کر سکتے ہیں"، حضرت بلالؓ آئے تو کہا کہ "میں

---

1. ابوداؤد کتاب الصیام شہادت الجلیس علی رویۃ ہلال شورئ
2. حسن المحاضر للسیوطی جلد ا صفحہ ۱۷۴۔
3. مسلم کتاب الصلوٰۃ باب جواز صلوٰۃ النافلۃ علی الدابۃ فی السفر حیث توجہت،
4. موطائے امام مالک کتاب الحج باب جامع الحج
5. بخاری کتاب البیوع باب شری الابل الہیم۔

بلالؓ ابن رباح ہوں، اور یہ میرا بھائی ہے، لیکن اس کی مذہبی اور اخلاقی حالت اچھی نہیں ہے، اس لئے تمہیں نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے،، ان لوگوں نے کہا کہ تم جس کے بھائی ہو ہم کو اس کے ساتھ نکاح کرنے میں کیا عذر ہوسکتا ہے۔[1]

حضرت حارث بنؓ ہشام ایک بار جہاد کی غرض سے شام کو روانہ ہوئے، تمام مکہ میں کہرام مچ گیا، اور تمام لوگوں نے اس کی مشایت کی جب وہ مقام بطحاء میں پہنچے تو کھڑے ہو گئے، اور لوگ ان کے گرد کھڑے ہو کر رونے لگے۔[2]

حضرت امیر معاویہؓ حضرت اکدرؓ کی نہایت عزت کرتے تھے، اور چونکہ اپنی قوم پر ان کا نہایت اثر تھا، اس لئے ان کے ذریعے سے ان کی قوم کو اپنے ساتھ ملانا چاہتے تھے، جب مروان نے مصر کا محاصرہ کیا تو نہوں نے اپنی قوم کو اس کے خلاف میدان جنگ میں لا کر کھڑا کر دیا، مروان نے اہل مصر سے مصالحت کر لی، اور حضرت اکدرؓ کو ایک حیلہ سے بلا کر قتل کر دیا، جب وہ قتل ہو گئے تو تمام فوج نے شور کیا کہ ''اکدرؓ قتل ہو گئے،، اس آواز کا سننا تھا اسی ہزار آدمیوں نے.... مروان کے محل کو گھیر لیا، یہاں تک کہ مروان نے ان کے خوف سے دروازہ بند کر دیا،[3]

ایک بار حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کرنے کے لئے روانہ ہوئے تو اور لوگ بھی ان کے ساتھ ساتھ ہو گئے، انہوں نے پوچھا کہ تم لوگ کیوں آتے ہو؟ بولے صرف اس لئے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ چلیں اور آپ کو سلام کریں۔[4]

بدو نہایت وحشی، خود غرض اور بے تعلق ہوتے ہیں، لیکن وہ بھی اس شدت کے ساتھ صحابہ کرام کے گرویدہ تھے۔ کہ ایک بار حضرت براء بن عازبؓ اونٹ کی تلاش میں صحرا میں پہنچے تو بدوؤں نے گھیر لیا، اور ان کے گرد طواف کرنے لگے۔[5]

امراء وسلاطین کا گروہ سخت مغرور ہوتا ہے، لیکن صحابہ کرامؓ کے سامنے ان کا نشۂ غرور

---

1. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت بلالؓ
2. استیعاب تذکرۂ حضرت حارث بن ہشامؓ
3. حسن المحاضرہ ج ا ص ۵۷ حضرت اکدرؓ مخضرمی صحابی تھے یعنی رسول اللہ ﷺ کو حالت کفر میں دیکھا آپ کے وصال کے بعد اسلام لائے
4. مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۱۴۸ ۔
5. ابوداؤد کتاب الحدود باب فی الرجل یزنی بحریمہ

بھی بالکل اتر جاتا ہے، ایک زمانہ حج میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاؤں میں نیزے کی نوک چبھ گئی، حجاج خود عیادت کو آیا، اور کہا کہ کاش ہم کو اس شخص کا پتہ لگ جاتا، جس کے نیزے سے آپ کے پاؤں میں زخم لگا ہے" بولے،، یہ تمہارا ہی قصور ہے کہ تم نے حدود حرم میں ہتھیار لانے کی اجازت دی۔[1]

ایک بار انہوں نے عبدالملک بن مروان کو خط لکھا اور طریقہ سنت کے موافق پہلے اپنے نام سے ابتداء کی عبدالملک کے حاشیہ نشینوں نے کہا کہ" یہ بے وقوفی ہے،، عبدالملک نے کہا" ان کی ذات سے یہی غنیمت ہے۔[2]

نہ صرف صحابہ، بلکہ صحابہؓ کے ادنیٰ درجہ کے متوسلین تک بھی امراء وسلاطین کی نگاہ میں معزز ہو جاتے تھے۔

ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ شام میں لوگوں کا وظیفہ تقسیم فرما رہے تھے ایک شخص اس غرض سے حاضر ہوا اور کہا کہ" میں قریش سے ہوں،، انہوں نے کہا کہ قریش کی کس شاخ سے ہو؟ بولا بنو ہاشم سے،، فرمایا بنو ہاشم کے کس خاندان سے ہے؟ بولا میں" علی بن ابی طالب کا غلام ہوں، اس کو سینہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ میں بھی علی کا غلام ہوں،، پھر اپنے خزانچی سے کہا کہ غلاموں کو کیا وظیفہ دیا جاتا ہے؟ اس نے کہا کہ سو سے دو سو درہم تک۔ فرمایا" یہ علی کا غلام ہے اس کو ۶۰ دینار دو،، پھر کہا کہ اب اپنے ملک میں جاؤ ہر سال تم کو اس قدر رقم پہنچتی رہے گی، جتنی غلاموں کو ملتی ہے،،[3]

صحابۂ کرام کا اثر عقائد پر:

خوارج کا مذہب ہے کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کی شفاعت قبول نہ ہوگی۔ ایک بار خوارج کا ایک گروہ حج کے لئے روانہ ہوا اور مدینہ پہنچا تو دیکھا کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ حدیث کی روایت کر رہے ہیں، جہنمیوں کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا ایک قوم کو شفاعت کے ذریعہ جہنم سے نکالے گا،، یزید فقیر بھی خوارج کے گروہ میں شامل تھے، انہوں نے اعتراض کیا

---

1. بخاری کتاب العیدین باب ما یکرہ من حمل السلاح فی العید والحرم
2. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
3. اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ خدا خود کہتا ہے:

انک من تدخل النار فقد اخذیته کلما اردوا ان یخرجوا منها اعیدوا فیها،

''تو نے جس کو جہنم میں ڈال دیا پھر اس کو رسوا کر دیا، جب وہ لوگ جہنم سے نکلنے کا قصد کریں گے اس میں لوٹا دیئے جائیں گے۔''

بولے تم قرآن پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا ''ہاں،، بولے رسول اللہ ﷺ کے اس مقام کو بھی جانتے ہو؟ جہاں خدا آپ کو مبعوث کرے گا؟ کہا ''ہاں،، بولے ''یہ آپ کا وہی مقام محمود ہے جس کی برکت سے خدا جس کو چاہے، جہنم سے نکالے گا،، اس کے بعد اور وقائع قیامت کا ذکر کیا، تو لوگوں پر اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ سب نے کہا بھلا یہ بڈھا جھوٹی روایتیں بیان کر سکتا ہے، چنانچہ یہ لوگ پلٹے تو ایک آدمی کے سوا کوئی دوسرا شخص خارجی نہ رہ سکا۔[1]

صحابۂ کرام کا اثر سیاست پر:

اسلام کی تاریخ میں صحابہ کرامؓ نے اپنی آزادانہ نکتہ چینی اور عملی مخالفت سے مختلف سیاسی انقلابات پیدا کر دیئے ہیں۔

ایک بار حضرت ابومریم ازدیؓ حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں حاضر ہوئے ان کو ان کا آنا ناگوار گزرا اور بولے کہ ہم تمہارے آنے سے کچھ خوش نہیں ہوئے،، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے، میں آپ کے سامنے اس کو بیان کرتا ہوں، آپ نے فرمایا ہے خدا جس کو مسلمانوں کا والی بنا دے وہ اگر ان کی حاجتوں، ضرورتوں اور ناداریوں سے آنکھ بند کر کے پردے میں چھپ جائے تو خدا بھی قیامت کے دن اس کی حاجتوں، ضرورتوں اور ناداریوں سے آنکھ بند کر کے آڑ میں چھپ جائے گا،، حضرت امیر معاویہؓ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ رعایا کی حاجت برآری کے لئے ایک مستقل شخص کو مقرر کر دیا۔[2]

ایک غلام ایک شخص کے باغ سے کھجور کا پودا چرا لایا۔ اور اپنے آقا کے باغ میں لگا دیا مروان بن الحکم اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، صاحب باغ نے غلام پر مقدمہ دائر کیا اور مروان نے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار

[2] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فیما یلزم الامام من امر الرعیہ

غلام کو حراست میں لے لیا اور اس کا ہاتھ کاٹنا چاہا، غلام کا آقا حضرت رافع بن خدیجؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس معاملہ کے متعلق گفتگو کی، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ پھل کی چوری میں ہاتھ کاٹا نہیں جا سکتا، اس نے کہا تو مروان کو بھی اس حدیث کی خبر کر دیجیے وہ گئے اور مروان کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو اس نے غلام کو رہا کر دیا۔ [1]

بیت المال سے مسلمانوں کا جو وظیفہ مقرر تھا، اخیر زمانے میں اس کی وصولی کے لیے ایک چٹ ملتی تھی۔ جس پر لکھا ہوتا تھا فلاں شخص کو اس قدر غلہ ملنا چاہیے، چنانچہ بعض لوگ یہ کرتے تھے کہ اس چٹ ہی کو فروخت کر ڈالتے تھے، چونکہ حدیث میں ہے کہ جب تک مال پر بائع کا قبضہ نہ ہو جائے اس کی بیع جائز نہیں اس لئے حضرت ابو ہریرہؓ نے اس پر اعتراض کیا اور مروان نے حکم دیا کہ یہ طریقہ موقوف کر دیا جائے راوی کا بیان ہے کہ اس حکم کی اس سختی کے ساتھ تعمیل کی گئی کہ میں نے پولیس کو دیکھا کہ لوگوں کے ہاتھ سے ان رقعوں کو چھین رہی ہے۔ [2]

---

1. ابوداؤد کتاب الحدود باب مالا قطع فیہ
2. مسلم کتاب البیوع باب بطلان المبیع قبل القبض۔

الشیخ وحید عبد السلام بالی کی
جنات، شیاطین اور جادو کے موضوع پر لکھی مشہور زمانہ کتاب
" وقایۃ الإنسان من الجن والشیطان "
کا اردو ترجمہ

جنات اور جادو کا توڑ

(قرآن و سنت کی روشنی میں)

الشیخ وحید عبد السلام بالی

مترجم ابو حمزہ (ظفر اقبال) فاضل مدینہ یونیورسٹی

نعمانی کتبخانہ

حق سٹریٹ اردو بازار لاہور۔

Ph: 042 7321865

E MAIL nomania2000@hotmail.com

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ

بسلسله سیر الصحابہ ؓ

اُسوۂ صحابیات ؓ

تالیف

از مولانا عبد السلام ندوی

جس میں خاص طور پر عورتوں اور لڑکیوں کے درس، ہدائیت اور مطالعہ کے لئے
ازواجِ مُطہراتؓ، بناتؓ طاہرات اور اکابر صحابیاتؓ کی زندگی کے مذہبی، اخلاقی
اور علمی خدمات کی تفصیل مُستند حوالوں سے لی گئی ہے۔

ناشر

نعمانی کتب خانہ
حق سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور

اُسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم

لطافتِ طبع ، رقتِ قلب اور اثر پذیری ایک نیک سرشت انسان کا اصلی جوہر ہیں اور انہیں کے ذریعہ سے وہ ہر قسم کی پندو موعظت ، تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کو قبول کر سکتا ہے، پھولوں کی پنکھڑیاں نسیم صبح کی خاموش حرکت سے ہل جاتی ہیں، لیکن تناور درختوں کو بادصرصر کے جھونکے بھی نہیں ہلا سکتے ، شعاعِ نگاہ آئینہ کے اندر سے گزر جاتی ہے لیکن پہاڑوں میں فولادی تیر بھی نفوذ نہیں کرتے ، بعینہ یہی حال انسان کا بھی ہے، ایک لطیف الطبع رقیق القلب اور اثر پذیر آدمی ہر دعوت حق کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے، لیکن سنگدل اور غلیظ القلب لوگوں پر بڑے سے بڑے معجزے بھی اثر نہیں کرتے، اس فرق مراتب کی جزئی مثالیں ہر جگہ مل سکتی ہیں۔ لیکن اشاعت اسلام کی تاریخ تمام تر اسی قسم کی مثالوں سے لبریز ہے، کفار میں ہم کو بہت سے اشقیا کا نام معلوم ہے۔ جنہوں نے ہزاروں کوششوں کے بعد خدائے ذوالجلال کے آگے سر نہیں جھکایا۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید کی آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات، آپ کے مواعظ ونصائح ، شکل و شباہت ، دعاۃِ اسلام کی تعلیم ، ہدایت و ارشاد اور معجزات و آیات غرض ہر مؤثر چیز کے اثر کو قبول کیا اور بطوع و رضا اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے۔

دار القدس
ڈسٹری بیوٹرز اینڈ پبلشرز
اردو بازار لاہور۔ 042-37221565
0300-7452885